ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com
سالگرہ نمبر

بیاد ـــــ زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ـــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــــ قیصر آرا

نائب مدیرہ ـــــ سعیدہ نثار

مدیر معاونین ـــــ ندا رضوان / عثمان عبداللہ

مدیر خصوصی ـــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	03
شمارہ	01
نومبر	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات

0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی/ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نومبر ۲۰۱۷ء کا حجاب بطور سالگرہ نمبر حاضرِ مطالعہ ہے۔

ابتدائی دو سال کامیابی سے مکمل کرنے کے بعد حجاب اب مزید بلندیوں کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔ آپ بہنیں جس طرح ہم سے تعاون کر کے حجاب کو سجانے سنوارنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں اس پر ہم تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں۔ آپ قاری بہنوں کے ساتھ ہم اپنی مصنفین بہنوں کے بھی مشکور وممنون ہیں جو ہر خاص وعام موقع پر اپنی تحریریں ارسال کر کے حجاب کو سجانے میں ہمارے ہم قدم رہتی ہیں۔

کوشش تو یہی رہتی ہے کہ بہتر سے بہترین تحریر حجاب میں شامل کریں لیکن کچھ مصنفین اس پر راضی نہیں ان کی نظر میں آنچل کا ایک مقام ہے جبکہ آنچل کو بلندی پر لانے میں بھی آپ لکھاری بہنوں کا ہی ہاتھ ہے اب اگر حجاب کے معاملے میں بھی ساتھ دیں تو ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب بھی افق پر چمکتے ستاروں کی مانند روشن ہوگا۔ یہاں میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ بہن نگہت عبداللہ کی تحریر تاخیر سے موصول ہونے کے باعث اس بار شاملِ اشاعت ہونے سے رہ گئی ہے ان شاء اللہ اگلے ماہ آپ یہ تحریر ملاحظہ فرماسکیں گی۔ بہن نازیہ کنول نازی کا آنچل کے صفحات پر شائع ہونے والا آپ کا پسندیدہ ناول ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کا پہلا حصہ کتابی صورت میں شائع ہو کر مارکیٹ میں دستیاب ہے' ہماری جانب سے انہیں ڈھیروں مبارک باد جبکہ ہماری دوسری لکھاری ساتھی سلمیٰ فہیم گل کا ناول ''تیرے لوٹ آنے تک'' جو کہ حجاب کے صفحات پر شائع ہو چکا ہے اب وہ بھی کتابی صورت میں مارکیٹ میں دستیاب ہے ہماری جانب سے سلمیٰ فہیم گل کو مبارک باد۔ یہاں میں سوشل میڈیا کے اپنے تمام ساتھیوں کی بھی مشکور وممنون ہوں جو اپنی بے حد مصروفیت کے باوجود ہمارے آنچل، نئے افق اور حجاب کے پیج و گروپ کو سجانے سنوارنے کے لیے اپنا قیمتی وقت دیتے ہیں' امید ہے آپ سب یونہی آنچل وحجاب کو کامیابی کے زینہ چڑھانے میں ہمیشہ ہمارے معاون رہیں گے۔

آئیے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

رفاقت جاوید، یاسمین نشاط اختر، طلعت نظامی، رابعہ افتخار، نزہت جبین ضیاء، نازیہ جمال، صائمہ قریشی، ندا حسنین، سباس گل، سمیرا غزل، ثناء ناز، مادرا طلحہ، ماہم نور انصاری۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

سر جھکائے ہیں تیرے دربار میں
ہم تو خادم ہیں تیرے دربار میں

ہے تو ہی مالک تو ہی بندہ نواز
جانتا ہے تو ہمارے دل کا راز

کیا آسماں، کیا زمیں، کیا صبح و شام
ہیں سبھی تیرے اشاروں کے غلام

تو جو چاہے ذرہ بھی ہو آفتاب
جس کو چاہے اس کو دے بے حساب

جس پہ ہو تیری عنایت کی نظر
ہے فرشتوں سے بھی اعلیٰ وہ بشر

کوئی مفلس ہے کہ کوئی دولت مند ہے
ہر کوئی تیری رحمت کا ضرورت مند ہے

سر جھکائے ہیں تیرے دربار میں
ہم تو خادم ہیں تیرے دربار میں

مہوش افسر

نعت

عظیم المرتبت بعد از خدا ہے ذات پیغمبر ﷺ
خدائے دو جہاں خود پڑھ رہا ہے نعت پیغمبر ﷺ

ملا ہے جن کو اذن باریابی ان کے روضے پر
میسر کیوں نہ ہوں ان کو بھی برکات پیغمبر ﷺ

تمام اہل جہاں کی ہیں ہدایت کا وہ سر چشمہ
حدیثوں میں ہیں جو محفوظ، وہ رشحات پیغمبر ﷺ

ہے حسن خلق ان کا تا قیامت اسوۂ حسنہ
ہیں مرغوب خدائے دو جہاں عادات پیغمبر ﷺ

انہی کی ذات اقدس وجہ تخلیق دو عالم ہے
جو کھاتے پیتے ہیں ہم سب وہ ہیں صدقات پیغمبر ﷺ

کریں اظہار عشق اپنا فقط اک روز کیوں ان سے
رہے ورد زباں، ہر سانس میں صلوات پیغمبر ﷺ

وہ ہیں خیر البشر اور رحمت اللعالمین برقی
بتائے دیں کے تھے ضامن سبھی غزوات پیغمبر ﷺ

احمد علی برقی اعظمی

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

مہوش نواز

آنچل پڑھنے والے تمام ہنستے بستے چہروں کو ہمارا پیار بھرا اسلام قبول ہو، تو جناب اب ہم آپ کو اپنا تعارف کراتے ہیں تو جی ہمارا نام مہوش ہے اور ہم 14 اکتوبر 1994ء کو اس دنیا میں تشریف لائے اور اماں ابا کو خوش کردیا، میرا نِک نیم میشی ہے اور کچھ میرے دشمن مجھے میشوں کہتے ہیں میرا تعلق گوجرانوالہ کے ایک گاؤں ماڑی بھنڈراں سے ہے اور اتفاق سے ہماری کاسٹ بھی بھنڈر ہے میرے تین بھائی اور میں اکیلی بہن ہوں، میں نے بی اے کرلیا ہے اور اب ایم اے کرنا ہے بقول میرے بھائی ہوں تینوں نہیں پڑانا آگے اللہ کی مرضی، تو آجائیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو جناب سب میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی میری چیدہ چیدہ خوبیاں یہ ہیں ہر ایک پر جلد اعتبار کرلیتی ہوں دل کی بہت نرم ہوں ہر ایک کے ساتھ مخلص ہوجاتی ہوں اور خامیاں یہ ہیں غصہ بہت آتا ہے اپنے بھائیوں سے بڑا جھگڑتی ہوں اور جس دن میں نہیں جھگڑتی تو میرا چھوٹا بھائی کہتا ہے نی آپی تیری طبیعت تے ٹھیک اے سیر سپاٹے کی بڑی شوقین ہوں منافق لوگ پسند نہیں کھانے میں مجھے بریانی، کباب دیسی مرغا، دہی بھلے، مچھلی پسند ہیں جیولری جمع کرتی ہوں لیکن پہنتی نہیں لباس میں مجھے ساڑھی اور لمبی شرٹ پسند ہے پسندیدہ رائٹرز سمیرا شریف طور کی تو میں بڑی وڈی فین ہوں باقی عمیرہ احمد، نازیہ کنول نازی، ام مریم، اقرا اصغیر احمد اور نمرہ احمد فیورٹ ہیں، ناول میں مجھے دشت آرزو، پیر کامل، یہ چاہتیں یہ شدتیں جو چلے تو جاں سے گزر گئے پتھروں کی پلکوں پر اور عشق کا قاف، فیورٹ کلرز میں بے بی پنک بلیک وائٹ پسند ہیں شہروں میں مری سوات اور آزاد کشمیر پسند ہیں، میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ اللہ مجھے اپنے گھر بلائے میری فرینڈز میں عمارہ، نورین، آصفہ، مدیحہ، عطیہ، نگینہ سدرہ ہیں اب ہم آپ کی دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ آنچل وحجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔

شازیہ لطیف

ڈیرسٹ آنچل وحجاب قارئین، السلام علیکم! میرا نام شازیہ لطیف ہے ضلع ڈی جی خان کے ایک ترقی پزیر قصبے ''وہوا'' سے تعلق رکھتی ہوں، ہم پانچ بہن بھائی ہیں مابدولت کو بڑے ہونے کا شرف حاصل ہے میں اپنے ابو کی لاڈلی بیٹی ہوں، میرے ابو مجھے ''پٹھانی'' کہتے ہیں میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں، حجاب کے تمام سلسلے نہایت دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ ہر ماہ بھرپور اور دلچسپ سلسلے پڑھ کر بہت محظوظ ہوتی ہوں، حجاب کی تمام رائٹرز کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں، اقرا صغیر احمد، عشنا کوثر سردار، سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی میری موسٹ فیورٹ رائٹرز ہیں۔ ایمن ہدایت، سحرش رانی، صائمہ اور رانی گل میری بیسٹ فرینڈ ہیں ان کے علاوہ بوجہ خوش مزاجی بہت سارے لوگوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ میڈم عفیرہ سیماب، مس بشریٰ ہدایت، مس روبینہ ناز، مس سلمٰی کنول، مس نسرین بھٹی، مس آسیہ جمال، مس نورین شمع، مس کلثوم اختر، سر آفتاب، سر ارشاد، سر نعمت اللہ اور سر رب نواز میرے بہترین اساتذہ ہیں، اس وقت وہوا کے بہترین انگلش میڈیم آفاق پبلک مڈل اسکول میں معلمہ کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں میڈم گلفرین بہت اچھی ہیں وہ مجھے چھوٹی بہن کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں میری تمام کولیگز بہت نائس ہیں اور ہم اسکول میں دوستوں کی طرح رہتی ہیں میں اتنی لف مصروفیت میں بھی حجاب اور آنچل پڑھنے کے لیے ٹائم نکال ہی لیتی ہوں، نعتیں پڑھنا اور ڈائجسٹ پڑھنا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے مجھے دسمبر کی سرد طویل

راتوں میں نرم گرم بستر پر لیٹ کر حجاب پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے اور جون کی تپتی دوپہروں میں اپنے کمرے کی ٹھنڈک چھوڑ کر باہر برآمدے کی گرمی میں آنچل پڑھتے ہوئے اکثر مجھے پیشانی سے ٹپکتے پسینے کے قطروں تک کا احساس نہیں ہوتا مجھے اپنی خالہ امی یعنی خالہ بلقیس بہت اچھی لگتی ہیں۔ رشتے میں چچا اور ماموں کا رشتہ پسند ہے مجھے اپنے کزنز میں عکراش اور عزیر بہت اچھے لگتے ہیں اپنی مادری زبان میں سرائیکی سونگ بہت شوق سے سنتی ہوں کلرز تو سارے ہی پیارے ہوتے ہیں لیکن وائٹ اور پنک میرے موسٹ فیورٹ کلرز ہیں میں خاصی سادہ مزاج ہوں جیولری وغیرہ کچھ خاص پسند نہیں البتہ بریسلیٹ اور رنگز پہننا اچھا لگتا ہے کسی بھی انسان کو اللہ نے مکمل انسان نہیں بنایا ہر کسی میں خوبیاں اور خامیاں موجود ہوتی ہیں میری خوبیاں اور خامیاں تو مجھ سے وابستہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں ویسے میں بہت جذباتی، حساس دل ہوں غصہ بہت جلدی آتا ہے اور میں کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی مجھے خوشامد اور منافق لوگوں سے بہت چڑ ہوتی ہے دوستوں کے ساتھ موبائل پر چیٹنگ کرنا بہت پسند ہے شعر و شاعری سے خاص لگاؤ ہے کسی حد تک اپنے جذبات پہنچانے کے لیے شاعری سے بہتر ذریعہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

میرا پسندیدہ شعر

آج پھر یاد بہت آیا وہ
آج پھر اس کو دعا دی ہم نے
کوئی تو بات ہے اس میں فیض
ہر خوشی جس پر لٹا دی ہم نے

مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے گا آخر میں پیارے حجاب کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور نیک تمنائیں۔

راحیلہ بتول دوگل

حجاب کے پورے اسٹاف کو میری طرف سے عقیدت بھرا سلام پیش کیا جاتا ہے۔ امید کرتی ہوں کہ ایسی ہی عقیدت سے پرتپاکی سے میرا اسلام قبول کیا گیا ہے اگر ہم اپنی بات کریں تو ہمارا نام راحیلہ دوگل ہے ہم گوجرانوالہ کے احاطے میں واقع ایک گاؤں موسیٰ دوگل میں 14 اگست کو تشریف لائے اور اپنے گاؤں کی فضاؤں میں ہر سو خوشیاں بکھیر دیں اللہ کا خاص کرم ہے کہ زندگی جو گزر گئی وہ تو تجربات سے بھرپور تھی اتنی تھوڑی عمر میں ہی دنیا میں بسنے والی مخلوق کو سمجھنے کی دعوے دار ہوں میں نے خود کو ہزار ہا بار غلط رستے پر ڈالا لیکن پھر بھی خدا کی خاص رحمت تھی جو ہمیشہ کامیابیاں ہی میرا رستہ روکے میرے سامنے خاص منزل کی نشاندہی کرنے میں معاون ثابت ہوتی مجھے اکساتی کہ

منزل کی جستجو میں کیوں پھر رہا ہے راہی
اتنا عظیم ہو جا کہ منزل تجھے پکارے

بس پھر ان مخصیت کی پوجا کرنے کی بجائے ہم خیالات کی پوجا کرنے کی تگ و دو میں مصروف عمل ہو گئے ایک ہی سوال ہم کو تنگ کیے ہوئے ہے کہ میں کیا ہوں، شاید اس کا جواب کبھی نہ بن پڑے ہم سے، انگلش میں ماسٹر کیا ہے حال ہی میں اور بی ایڈ بھی مکمل کر چکی ہوں یہ نظر کرم ہے میرے مالک کی ہم نے ہر کلاس میں پوزیشنز اپنے مقدر میں لکھوائی بات کی جائے کھیل کی تو بہت سے پرائزز کو ہم نے اپنی ذات سے وابستہ کر کے عزت بخشی جناب ہم تقریر بھی کر کے کافی دفعہ میدان مار چکے ہیں کافی تعداد میں شیلڈز اور ٹرافیاں میرا کل اثاثہ ہوں اگر ایم سی کالج کی جہاں سے ہم نے گریجویٹ کیا بات نہ ہو تو میری شخصیت ادھوری لگے گی سر ذوالفقار سے مس معظمیٰ اور سر عابد تک ہر شخص نے مجھے کامیاب زندگی گزارنے کے گر سکھائے میں ان کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کروں گی جنہوں نے ہمیں ہماری ہی صلاحیتوں سے روشناس کرا کر زندگی کے مقصد کو عیاں کر دیا، ہم نے جانا کہ

زندگی قطرے کی سکھاتی ہے اسرار حیات
کبھی گوہر، کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

سحرش ریاض احمد میری زندگی کا حسین مخفی حصہ ہے جس کی حقیقت سے میں کبھی انکار نہیں کرسکتی لیکن گردش لیل ونہار نے کب کسی کو بخشا ہے پس اس نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح مجھے سمجھنے میں غلطی کی مسئلہ میرے ساتھ عجیب ہے جو سچی بات ہو وہ کہہ گزرتی ہوں نتائج کی پروا کیے بغیر سچ وہ اٹل حقیقت ہے جس کے ثمرات چاہے ظاہر نہ ہوں لیکن ملتے ضرور ہیں ہم تو کہنے سے گریز نہیں کرتے اکثر

شاید خلوص کو منزل نہ مل سکے کبھی
وابستہ ہے مفاد ہر دوستی کے ساتھ

اب آج کل لاہور شہر کی رونقوں میں اضافہ کیا ہے اور سی ایس ایس کے امتحان کو رونق بخشنے کے لیے مغز ماری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے تو جناب ہم کھانے کے بہت شوقین ہیں بحث ومباحثہ میری جان ہے قرآن کی روح یعنی ترجمہ بھی سمجھنا شروع کررکھا ہے بزدل لوگوں سے نفرت ہے جو خطرہ دیکھ کر میدان سے غائب ہونے میں کامیابی سمجھتے ہیں جو کہ صرف ان کی خوش فہمی ہے ہم ان کا خون پی کر ہی دم لیں گے ہاہاہا یارا مذاق ہے ڈرنا نہیں۔ جس چیز کو ہاتھ لگاتی ہوں سونا ہوجاتی ہے یعنی میرا تعاقب کرتا مجھے ڈھونڈ نکالتا ہے پہلے پرائیویٹ اسکول میں جاب بہت پرفیکٹ تھی اب اکتا کر صرف پڑھنا شروع کیا ہے اب آفیسر سترہویں گریڈ کی بن کر ہی دم لوں گی تو پارٹ ٹائم اسٹوڈنٹس کی لائن لگ گئی ہے میری فیملی میں ایک ڈائریکٹر ہے ایک پولیس میں باقی دو بھائی پڑھ رہے ہیں ابھی ایک مستقبل کا انجینئر اور ایک ڈاکٹر ہوگا ان شاء اللہ، عمیرہ احمد، نازی، سمیرا آپی کے ساتھ ساتھ اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی بہت ساری بکس پڑھنے کی سعادت حاصل کرچکی ہوں، اوہ میں تو شاید بھول گئی اب بہت ہوگیا شکریہ بس آخر میں پڑھنے والوں کو سلام

چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لو
بدن کی موت سے کردار مر نہیں سکتا

انیقہ بشیر

السلام علیکم! رائٹر ریڈرز اور حجاب اسٹاف ہم نے سوچا کہ خود کو متعارف کرائیں چنانچہ ہم نے بھی حجاب میں انٹری دے دی امید ہے آپ ہمیں ضرور جگہ دیں گی جی میں انیقہ بشیر اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی بھائیوں کی راج دلاری ہوں ضلع وہاڑی کے ایک چھوٹے سے شہر ٹبہ سلطان پور سے تعلق ہے 125 اکتوبر کو اس دنیا میں رونق بکھیرنے آئی (سالگرہ مبارک ہو) ہمارے گھر میں کل چھ افراد رہتے ہیں میرے والدین مڈل پاس ہیں امی جان مکمل گھریلو خاتون ہیں مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتی ہیں میرے ابو کی ٹبہ میں زبیر بشیر گارمنٹ ریڈی میڈ کی دکان ہے زبیر میرے بڑے بھائی ہیں اور حارث چھوٹے زبیر بھائی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ڈی وی ایم کررہے ہیں مجھے بڑے بھائی سے بہت زیادہ پیار ہے میری اور بھائی کی بہت بنتی ہے ہم ہر بات آپس میں شیئر کرلیتے ہیں ہم جھگڑتے بالکل نہیں (اچھے بچے جو ہیں بھئی) میری خواہش ہے کہ بھائی جلدی سے پڑھ لکھ جائیں تو انہیں اچھی جاب مل جائے میری بھائی سے بہت فرینڈشپ ہے خدا کرے یہ یونہی قائم رہے آمین، ارے ارے چھوٹو کا ذکر کردوں ورنہ رونے بیٹھ جائے گا اور بھائی سے خوب جیلس ہورہا ہے کہ میں اس کا اتنا ذکر کررہی ہوں حارث میرا چھوٹا بھائی تھری کلاس میں پڑھتا ہے گھر بھر کا لاڈلا ہے بہت شرارتی ہے لیکن روٹھ بھی جلد جاتا ہے منانا آسان ہے ایک چاکلیٹ دو اور حارث راضی کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا اور کرکٹ کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے یہ مجھے تنگ بہت کرتا ہے (اب خوش حارث) ہمارے گھر میں ایک بزرگ وادی ہیں جو ہم سب سے بہت پیار کرتی ہیں خصوصاً مجھ سے تو بہت زیادہ پیار کرتی ہیں، (حارث تم جیلس ہی ہوتے رہنا) قارئین اب آتے ہیں اپنی ذات کی طرف میں فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں گرلز ہائر سیکنڈری اسکول ٹبہ میں زیر تعلیم ہوں پنک کلر پسند ہے موسم بہار کا اچھا لگتا ہے

پھلوں میں آم پسند ہے (بھئی پھلوں کے بادشاہ کو پسند کرتی ہوں ایسے ویسوں کو نہیں ہاہاہا) میٹھے میں کسٹرڈ اور نمکین ڈش میں پلاؤ اور چکن کڑاہی پسند ہے پھولوں میں گلاب کبھی خوشی کبھی غم میری فیورٹ موی ہے کئی مرتبہ دیکھی ہے پسندیدہ رشتہ والدین کا ہے اور پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ فیورٹ کتاب قرآن پاک ہے شاعر علامہ اقبالؒ پسند ہیں میری فیورٹ ٹیچر مس نائلہ اور مس طاہرہ ہیں خدا انہیں سدا خوش رکھے آمین، میں کوکنگ اچھی کرلیتی ہوں اور سب تعریف کرتے ہیں خاص طور پر پلاؤ اور زردہ بہت اچھا پکاتی ہوں (ہائے آپ سب کے منہ میں پانی کیوں آرہا ہے میرے گھر میں آجائیں تو آپ کو بھی کھلا دوں گی اب خوش) مجھے ہلے گلے کی نسبت تنہائی پسند ہے گرمیوں میں رات کو تارے (ظاہر ہے تارے رات کو نکلتے ہیں) گننا اور چاند کو تکنا اچھا لگتا ہے شاپنگ کا کریز ہے لیکن استعمال کم اور جمع زیادہ جس پر امی کبھی ڈانٹ دیتی ہیں آئسکریم بادامی اسٹک اور پرفیوم ایکوا بلیو پسند ہے مشروب میں اورنج اور پیپسی پسند ہے چٹ پٹی چیزیں برگر، سموسے وغیرہ فیورٹ ہیں سیر سپاٹوں کا شوق ہے اور لاہور تقریباً سارا گھوم چکی ہوں مری جانے کا بہت شوق ہے اور ہر مسلمان کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کروں اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اس در پر لے جائے آمین، مجھے ملک سعودی عرب پسند ہے بارش گرمیوں کی اچھی لگتی ہے بارش بڑے بھائی اور دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے کو دل کرتا ہے بارش کے بعد ہم بہن بھائی کرکٹ کھیلتے ہیں فارغ وقت میں ٹی وی دیکھتی ہوں رسالے پڑھنا پسند ہے مجھے سارے گھر والوں سے بہت پیار ہے امی جب ڈانٹتی ہیں تو ابو منا لیتے ہیں ابو تو بالکل نہیں ڈانٹتے جب غصے میں ہوں تو چپ کرکے لیٹ جاتی ہوں ناراض ہوجاؤں تو بڑے بھائی منا لیتے ہیں غلطی میری ہو تو پھر بھی بھائی مناتے ہیں کسی کا انتظار ہو تو فون کرنا شروع کردیتی ہوں۔ لباس میں شلوار، قمیص اور بڑا سا دوپٹا اچھا لگتا ہے مستقبل میں ٹیچر بننے کا شوق ہے کاش پاکستان میں امن وامان ہو اور لوڈشیڈنگ ختم ہوجائے (اے کاش یہ کاش نہ ہوتا) میرا ایک خواب ہے لیکن ہرگز نہیں بتاؤں گی آپ دعا کریں جلد پورا ہوجائے سائنسی ایجاد میں جہاز اور کمپیوٹر پسند ہے میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب زبیر بھائی میٹرک میں فرسٹ آئے تھے اور ابو عمرہ کرکے آئے تھے کاش میری ایک بہن ہوتی (پھر کاش) مجھے جھوٹے، مکار اور حاسد لوگ بالکل اچھے نہیں لگتے میں بہت زیادہ حساس ہوں اور نرم دل کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ایک منٹ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی مجھے بہت ہی پیاری، نمکین، میٹھی نظروں سے گھور رہا ہے (ہائے اف یہ دوستیں) ان کا ذکر نہ کیا تو یہ مجھے میری بیسٹ فرینڈ شارو دل، اسماء امین، مدیحہ محبوب، علوینہ فیروز ہیں میری فرینڈز بہت اچھے اخلاق کی ہیں ہم کبھی لڑائی نہیں کرتے (آپ کی طرح تھوڑی ہیں) اسما سب سے بول لیتی ہے لیکن مدیحہ کم بولتی ہے زیادہ خاموش رہتی ہے شارو دل جب ہنستی ہے تو اچھی لگتی ہے لیکن کنجوسی کرتی ہے پریشان ہو تو پریشانی شیئر نہیں کرتی اور سب سے الگ ہوجاتی ہے پڑھائی میں بہت اچھی ہے اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے میری دعا ہے خدا اسے ہر قدم پر کامیاب کرے آمین، ہمارے گھر میں دل کبھی بھی نہیں آئی کاش کبھی تو ہمارے گھر آئے (اف پھر کاش) علوینہ کی کچھ حرکتیں بچوں جیسی ہیں خدا کرے ہم کبھی جدا نہ ہوں اور ہمیشہ ساتھ رہیں، آمین ثم آمین۔

نمی فردوس

سب سے پہلے تو میں حجاب ڈائجسٹ کی پوری ٹیم خصوصاً محترمہ سباس گل کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں

نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میرا انٹرویو حجاب کے قیمتی صفحات کی زینت بنایا جائے بہت شکریہ سباس گل اب آتے ہیں آپ کے پوچھے گئے خوب صورت سوالات کے جوابات کی طرف۔

س: کیا لکھنا آسان ہے؟

ج: میرے خیال میں لکھنا آسان ہرگز نہیں۔ ایک رائٹر خوشی اور اذیت کو اپنی روح پر جھیل کر لکھتا ہے وہ اپنے کرداروں کے ساتھ ہنستا ہے روتا ہے لکھنے کے لیے تین چیزیں بہت ضروری ہیں زرخیز دماغ، وسیع مطالعہ اور گہرا مشاہدہ ان میں سے ایک چیز بھی مس ہے تو کامیاب لکھاری نہیں بن سکیں گے۔

س: کوئی ٹاپک لکھتے وقت آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے قلم کا حق ادا کردیا؟

ج: جی ہاں، میں جو بھی لکھتی ہوں غور وخوض کرنے کے بعد ہر پہلو پر سوچ کر قلم اٹھاتی ہوں میری کوشش ہوتی ہے کہ لکھتے وقت کہانی کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے باقی پھر بھی کوئی نہ کوئی کمی یا کوتاہی نکل ہی آتی ہے (ہاہاہا)

س: زندگی سے کوئی گلہ؟

ج: ایک وقت تھا جب زندگی سے بہت گلے تھے میرا زندگی سے سب سے بڑا گلہ محبت کا نہ ملنا تھا مگر اب یہ گلہ بھی نہیں رہا اللہ نے بہت سی محبتوں سے نوازدیا اب نہیں ہے کوئی بھی گلہ اللہ کا بہت شکر ہے۔

س: آپ کی کتنی بکس مارکیٹ میں آچکی ہیں اور آپ کو اپنی کون سی تحریر زیادہ پسند ہے۔

ج: ایک لکھاری کو اپنی ہر تخلیق سے پیار ہوتا ہے اس کی بکس اسے اپنے بچوں کی طرح محسوس ہوتی ہیں اگر کوئی یہ پوچھے کہ آپ کو اپنا کون سا بچہ زیادہ پسند ہے تو ماں مشکل میں پڑ جاتی ہے ایسے ہی مجھے تو اپنی ہر کتاب اچھی لگتی ہے مگر ”کرب محبت“ سب سے زیادہ پسند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ہیروئن نورین فلک ناز کے کردار میں مجھے اپنی جھلک دکھائی دیتی ہے شاید میں نے خود کو سامنے رکھ کر ہی یہ کردار تخلیق کیا تھا میرے مارکیٹ میں چار ناول آچکے ہیں الحمدللہ۔

س: اپنی فیملی کے بارے میں بتایئے بچوں میں سے کسی کو لکھنے کا شوق ہے؟

ج: میں ایسی فیملی سے تعلق رکھتی ہوں جہاں کسی کو بھی لکھنے کا شوق نہیں۔ میرے خاوند کو تو میرا لکھنے اور پڑھنے کا شوق ایک آنکھ نہیں بھاتا اور افسوس کے ساتھ کہوں گی کہ میرے بچوں میں سے کسی کو بھی لکھنے اور پڑھنے کا شوق نہیں۔

س: ہمارے ہاں خواتین رائٹرز کو فیملی سپورٹ کم ملتی ہے خاص کر شادی کے بعد آپ کے خیال میں ان حالات میں رائٹرز کو کیا کرنا چاہیے کیا لکھنا چھوڑ دینا چاہیے؟

ج: خواتین رائٹرز کی یہ بدقسمتی ہی کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اپنی فیملی کی طرف سے خاطر خواہ سپورٹ نہیں ملتی اپنے زور

بازو اور ہمت کے بل بوتے پر بے چاری لگی رہتی ہیں شادی کے بعد یہ صورت حال ہوتی ہے کہ ایک پنجرے سے نکل کر دوسرے میں مقید ہوجاتی ہیں اب باگ ڈور مکمل طور پر شوہر صاحب کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور وہ بھی یہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس کی خدمت کرنے اور گھر سنبھالنے کے علاوہ کوئی ایسا شوق پالے جس میں اس کی اپنی ذات کی تسکین ہو چند خوش قسمت خواتین لکھاریوں کو چھوڑ کر اکثریت کے حالات ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں، میں بھی شامل ہوں۔

س: کس جگہ سیر کرنے کو دل چاہتا ہے؟

ج: سیر کرنے کے لیے بہترین جگہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات ہیں مثلاً ناران، کاغان، سوات وغیرہ اگر ملک سے باہر جانے کی بات کریں تو مجھے ترکی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

س: آج کل سب ہی ٹی وی کے لیے لکھ رہے ہیں آپ کا کوئی ناول، ہم کبھی ٹی وی ڈرامے کی شکل میں دیکھیں گے؟

ج: ان شاء اللہ بہت جلدی دیکھیں گے۔

س: کیا ادبی سفر کے علاوہ آپ کسی اور شعبے سے بھی وابستہ ہیں؟

ج: جی نہیں، گھر داری کے ساتھ ساتھ ادب کا یہ سفر جاری ہے میرے لیے یہی بہت بڑی بات ہے۔

س: آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟

ج: اچھا ادب وہ ہے جو آپ کو زندگی کا سلیقہ سکھائے زندگی گزارنے کے سب ڈھب سکھائے ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اچھے برے کی تمیز قرآن اور حدیث کے ذریعے سکھا دی ہے مگر انسان کی فطرت میں ناشکرا پن بھی بدرجہ اتم موجود ہے اسلام کی قائم کردہ حدود مشکل لگتی ہیں اگر انسان اچھا ادب پڑھے تو شاید کچھ با ادب ہو ہی جائے۔

س: آپ کی نظر میں تخلیق کسے کہتے ہیں؟

ج: میری نظر میں تخلیق اللہ کی سب سے شاندار صفت ہے جس کے ذریعے اس نے تمام کائنات کو تخلیق کیا اس کے بعد تخلیق کا عمل ایک عورت کے ذریعے رہتی دنیا تک ہوتا رہے گا اللہ پاک کا وصف ہے کہ اس نے اپنی تمام صفات کو انسانوں میں بھی تھوڑا تھوڑا تقسیم کر رکھا ہے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو انسان مکمل بے بس ہوتا ایسے ہی انسانی ذہن میں بھی اللہ نے اپنا یہ وصف رکھا ہے کہ وہ چیزوں کو تخلیق کرسکتا ہے۔

س: آج کل کے ملکی حالات پر اپنی رائے کا اظہار کیجیے؟

ج: ملکی حالات کا ذمہ دار ایک فرد کو ٹھہرانا میرے خیال میں ناانصافی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

ہماری قوم کا مسئلہ یہ ہے کہ ہر فرد ذاتی مفاد کی جنگ میں

جتا ہوا ہے ساتھ والوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے کچھ پتا نہیں بے حسی کے عالم میں ہم یہی سب بھگتیں گے جو بھگت رہے ہیں۔

س: معاشرہ کسے کہتے ہیں اور کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہمارے ملک میں اسلامی معاشرے کا نفاذ ہو؟

ج: اس سوال کا جواب کچھ اوپر والے جواب میں بھی پوشیدہ ہے معاشرہ افراد کے باہمی تعلق سے وجود میں آتا ہے مختلف قوموں اور خاندانوں کے طور طریقے معاشرے کے خدوخال کو واضح کرتے ہیں ایک خاندان معاشرے کی اکائی کہلاتا ہے اور بہت سی اکائیوں سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے یہ تو ہوئی معاشرے کی ڈیفینیشن اب سوال ہے اسلامی معاشرے کا نفاذ بطور مسلمان تو مجھے اس کے حق میں ہی بات کرنی چاہیے مگر بطور انسان اس پر عمل کرنا آج کے دور میں ممکن نہیں لگتا کیونکہ انسان ہمیشہ سے پابندیوں سے فرار کا راستہ اختیار کرتا ہے اسلام نے انسان کو آسانیوں والے دین میں داخل کیا مگر انسان کی جلد باز فطرت نے ہر آسانی کو مزید آسانی میں بدلنے کی ایسی بری خو ڈالی کہ وہ دین فطرت پر عمل کرنے سے ہی گھبرانے لگا پاکستان کو حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا مگر آج بھی یہاں سامراجی نظام رائج ہے اللہ ہم مسلمانوں پر اپنا کرم کرے کیونکہ مسلمان اپنے ساتھ خود ظلم کی حد سے گزر چکا ہے۔

س: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انقلاب اب ہماری قوم کے لیے ناگزیر ہے؟

ج: بالکل ناگزیر ہے مگر لائے گا کون وہ دور گیا، جب خالد بن ولید جیسے جری انقلاب لاتے تھے ہمارے معاشرے کا ہر فرد کرپٹ ہے مزدور سے لے کر افسر تک سب کو اپنی اپنی پڑی ہے ملک جائے بھاڑ میں ہر بندہ لوٹنے کے چکر میں ہے انقلاب کے لیے قوم کا بیدار ہونا ضروری ہوتا ہے ہم جیسی قوموں میں انقلاب لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے دعا ضرور کر سکتے ہیں کہ یہ سوئی ہوئی قوم جاگ جائے آمین۔

س: کیا آپ ملکی سیاست میں دلچسپی لیتی ہیں؟

ج: نہیں جی، مجھے سیاست سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، حالانکہ میں ایک سیاسی خاندان سے تعلق رکھتی ہوں میرے آباؤ اجداد سیاست میں بھرپور حصہ لیتے رہے ہیں۔

س: ادب کے فروغ کے حوالے سے تجاویز دیں؟

ج: ادب کا فروغ ہمارے ملک میں بہت مشکل عمل اس لیے بھی ہے کہ یہاں ادب لکھنے والا اپنی مدد آپ کے تحت کام کر رہا ہے حکومتی سطح پر کچھ نہیں کیا جاتا اور اگر کچھ ہو بھی رہا ہے تو سارے فنڈز خود کھا لی جاتے ہیں ایسے میں غریب ادیب مسودوں کے ڈھیر لیے مارے مارے پھرتے رہتے ہیں حکومت کو چاہیے کہ باقاعدہ کتابوں کی اشاعت کو سستا کیا جائے بلکہ خود بھی اس سلسلے میں ایسے اقدامات کرے جو ادب کے فروغ کے لیے کارآمد ثابت ہوں۔

س: کمپیوٹر کے آنے سے ادب پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

ج: کتاب پڑھنے کا رجحان کم ہوتا جا رہا ہے کمپیوٹر ایسی ایجاد ہے جس نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے ہر مسئلے کا حل ایک کلک پہ مل جاتا ہے ایسے میں ادب پر منفی اثرات تو پڑیں گے ہی۔

س: زوال پذیر اور ترقی یافتہ معاشرے کے ادب میں کیا فرق ہے؟

ج: جو کچھ انسان اپنے اردگرد دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے ویسا ہی ادب تخلیق کرتا ہے اب ہمارے جو مسائل ہیں ہم اور ہمارے ادیب اسی پر لکھیں گے جبکہ ترقی یافتہ ممالک کے ادیب اپنے ماحول سے چیزیں اخذ کر کے ان کے متعلق زیادہ لکھیں گے تو ادب میں فرق بھی لازمی پایا جائے گا۔

س: آپ کے پسندیدہ شاعر اور ادیب کون کون سے ہیں؟

ج: شعراء میں مرزا غالب، علامہ اقبال، احمد فراز اور ساغر صدیقی شامل ہیں ویسے تو اچھا شعر یا کلام کہیں بھی مل جائے شوق سے پڑھتی ہوں ادبا کرام میں عصمت چغتائی بشریٰ رحمان، مستنصر حسین تارڑ اور طاہر جاوید مغل شامل ہیں ویسے تو اور بھی بہت سے لکھاری ہیں جو بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔

س: بڑے لوگوں کی نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے ورثا چھوڑ جاتے ہیں آپ اپنے پیچھے کیا چھوڑیں گی؟

ج: یہ سوال تھوڑا نہیں کافی مشکل ہے اول تو میں بڑے لوگوں میں شمار ہی نہیں ہوتی بہت عام سی ایک گھریلو خاتون ہوں باقی میرے لیے میرا قیمتی ورثا میری تحریریں ہیں جن کی شاید ہی کسی کی نظر میں کوئی وقعت ہو ویسے بھی ہر انسان اپنے اعمال کی گٹھڑی سر پر لادے اگلے جہان سدھار جائے گا اچھا اخلاق اور حسن سلوک ہی پیچھے چھوڑ جائے گا۔

س: لڑکیوں کے لیے کوئی پیغام یا نصیحت یا مشورہ دینا چاہئیں گی؟

ج: لڑکیوں کو یہی مشورہ دوں گی خواب ضرور دیکھیں اور ان خوابوں کو پورا کرنے کے لیے دنیا کا مقابلہ کریں ہمت کبھی نہ ہاریں خود کو مردوں سے کمتر ہرگز نہ سمجھیں مگر اپنی نسوانیت اور وقار کو کبھی داؤ پر نہ لگائیں۔

س: اپنے آپ کو مستقبل میں کس جگہ اور کس مقام پر دیکھتی ہیں؟

ج: ان شاء اللہ ادب کی دنیا میں نام پیدا کرنے کا ارادہ ہے اسکرپٹ رائٹنگ میں نئے نئے اسلوب متعارف کراؤں گی خود کا مستقبل روشن اور تابناک دیکھتی ہوں۔

س: خود کو کس کا ہم عصر کہہ سکتی ہیں؟

ج: اس کا جواب تو مشکل ہے ہر ایک کی اپنی جگہ اور مقام ہے میں خود کو کسی کا ہم عصر دیکھنے کی بجائے اپنا الگ سے مقام بنانے کی کوشش کروں گی میری خواہش ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ فہمی فردوس کسی کی نقالی کرتی ہے یا فلاح ادیب کے طرز انداز میں لکھتی ہے میں اپنی الگ شناخت بنانے کی خواہش مند ہوں۔

س: بچپن کیسا گزرا بچپن کا کوئی ایسا واقعہ جو فیئر کے ساتھ شیئر کرنا چاہیں؟

ج: میں بچپن سے ہی بہت حساس اور کم گو تھی میری امی ذرا سخت طبیعت کی تھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا ان کی عادت تھی ایک دن امی نے کسی بات پر ڈانٹا پاس بیٹھے ابو جان نے ازراہ مذاق یہ کہہ دیا کہ کیوں میری بیٹی کو ہر وقت ڈانٹی رہتی ہو اس کی سگی ماں بنو سوتیلی نہ بنو...... یہ بات میں نے دل سے لگالی میں سچ سمجھ بیٹھی کہ واقعی میں ان کی سوتیلی بیٹی ہوں یعنی یہ میری سوتیلی ماں ہیں اسی لیے ہر وقت ڈانٹی رہتی ہیں بس پھر کیا تھا ہر وقت چوری چھپے روتی رہتی اس ماں کو یاد کر کے جو مر چکی تھیں جن کا کبھی کوئی وجود ہی نہ تھا اس غم کو سینے سے لگانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں سخت بیمار پڑ گئی بستر سے جا لگی علاج معالجوں کے لیے ڈاکٹروں سے رابطہ کیا گیا تب کسی ڈاکٹر نے ابو سے کہا کہ بچی کو کوئی پریشانی ہے جسے یہ اکیلی خود پر جھیل رہی ہے ابو نے پیار سے مجھ سے پوچھا تو میں نے روتے روتے سب بتا دیا ابو شاکڈ رہ گئے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کی مذاق میں کہی گئی بات کو میں اتنا سیریس لوں گی انہوں نے قسمیں کھا کر مجھے یقین دلایا کہ یہ تمہاری سگی ماں ہے امی نے بھی سینے سے لگا کر بہت پیار کیا تب جا کر مجھے یقین آیا اور میری طبیعت بھی سنبھلنا شروع ہوگئی۔

س: بچپن میں کیسی تھیں شرارتی نٹ کھٹ، یا بھولی بھالی سنجیدہ سی؟

ج: میں بچپن میں شرارتی اور نٹ کھٹ بالکل نہیں تھی سنجیدہ اور بردبار قسم کی بچی تھی ہر چیز کو غور سے دیکھا اور سوچا کرتی شروع سے ہی سوچنے کی بیماری ہے جو آج بھی ہم رکاب ہے۔

س: تعلیم کہاں تک حاصل کی تعلیم نے آپ کو سنوارا تو کس حد تک؟

ج: انٹر کیا تو شادی ہوگئی شادی کے بعد بی اے کیا تعلیم انسان کو سوچنے سمجھنے کا شعور دیتی ہے مجھے بھی یقیناً دیا مگر نصابی تعلیم سے زیادہ مجھے غیر نصابی کتب نے سنوارا مطالعہ نے مجھے ذہنی وسعت اور قابلیت بخشی اگر میں یہ کہوں کہ اسی عادت کی بدولت میں رائٹر بنی تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

س: لوگوں سے کس حد تک ملنا پسند ہے کیا خود کو ملنسار کہہ سکتی ہیں؟

ج: لوگوں سے ملنا اچھا لگتا ہے مگر بنیادی طور پر تنہائی پسند ہوں زیادہ دیر تک ہجوم میں رہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔

س: مہمان نواز ہیں؟
ج: جی ہاں بالکل مہمان نواز ہوں مہمان نوازی تو سنت نبوی ہے ایک مسلمان کی شان ہے۔
س: ناولز کی ہیروئنز کی طرح کبھی ڈائری لکھی؟
ج: جی نہیں باقاعدہ تو نہیں لکھی ہاں کبھی کبھار کوئی روزمرہ دلچسپ واقعہ لکھ لیتی ہوں یادداشت کے طور پر۔
س: بچپن کی کوئی ایسی شرارت جس پر بہت مار پڑی ہو؟
ج: نہیں جی، کبھی کوئی ایسی شرارت نہیں کی جس پر بہت مار پڑی ہو بلکہ کم مار والی شرارت بھی نہیں کی (ہاہاہاہا)
س: بچپن میں گڑیوں سے کھیلا؟
ج: بہت کم جس عمر میں بچیاں گڈے، گڑیوں سے کھیلتی ہیں میں اس عمر میں ابا جان کی لائبریری سے موٹی کتابیں پڑھا کرتی تھیں۔
س: پاکٹ منی کتنی ملا کرتی تھی اور آپ کیسے خرچ کیا کرتی تھیں؟
ج: ٹھیک سے تو یاد نہیں غالباً دو یا تین روپے ملا کرتے تھے اور میں ان پیسوں سے اسکول کے ساتھ بنی ہوئی اسٹیشنری کی دکان سے بچوں والے رسالے خرید لیا کرتی تھی عمروعیار اور ٹارزن والے۔
س: گول گپے، املی، چورن، گچک شوق سے کھایا کرتی تھیں؟
ج: بالکل شوق سے کھایا کرتی تھی گول گپے تو ابھی بھی شوق سے کھاتی ہوں۔
س: فیورٹ سبجیکٹ کون سا رہا آپ کا؟
ج: انگلش اور فارسی۔
س: گھر میں سب سے زیادہ کس سے اٹیچڈ ہیں؟
ج: اپنی بیٹی سے، میں سمجھتی ہوں دنیا میں سب سے پیارا اور مخلص رشتہ ماں اور بیٹی کا ہے۔
س: بچپن میں کیا سوچتی تھیں بڑی ہو کر کیا بنیں گی؟
ج: سوچنے والا کام تو میں بہت کرتی تھی (ہاہاہاہا) اس وقت یہی سوچتی تھی کہ بڑی ہو کر مصورہ بنوں گی۔ پینٹنگ کی دنیا میں نام پیدا کروں گی بچپن میں بڑے شاندار اسکیچ بنایا کرتی تھی لیڈ پنسل کے ساتھ۔
س: خواب دیکھتی ہیں کیا آپ کے خواب پورے ہوتے ہیں؟
ج: جی بالکل خواب دیکھتی ہوں اور میرے خیال میں ہر انسان کو خواب دیکھنے چاہیے کیونکہ میں سمجھتی ہوں منزل پر پہنچنے کے لیے خواب پہلی سیڑھی ہوتے ہیں میں نے جو بھی خواب دیکھے تھے ان میں سے آدھے پورے ہو چکے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ضرور پورے ہوں گے ان شاء اللہ۔
س: کون ہے جس سے دل کی ہر بات کہہ دیتی ہیں؟
ج: ایک دو دوست ہیں ایسے جن سے دل کی ہر بات شیئر کر لیتی ہوں۔
س: اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟
ج: میرے والد اور چچاؤں کا شہر کے باعزت اور بااثر افراد میں شمار ہوتا ہے سیاست میں بڑا نام ہے ان کا میرے دادا گاؤں کے نمبردار تھے یہ الگ بات ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہوش سنبھالتے ہی کتابوں سے دل لگا لیا۔
س: مزاجاً کیسی ہیں؟
ج: غصے کی تیز اور جذباتی پل میں تولہ اور پل میں ماشہ دن میں متعدد مرتبہ موڈ بدلتا ہے ویسے مجموعی طور پر خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہوں زندہ دل اور حاضر جواب لوگ پسند ہیں۔
س: کوکنگ کا شوق کس حد تک ہے؟
ج: کوکنگ کا کوئی خاص شوق نہیں بس کام چلاؤ والا پکاتی ہوں۔
س: آپ کے ہاتھ کی کون سی ڈش ہے جسے آپ کے بچے اور شوہر شوق سے کھاتے ہیں؟
ج: میرے خیال میں بریانی اچھی پکاتی ہوں۔
س: کبھی باہر کھانے کا موڈ ہو تو کیا کھانا پسند کرتی ہیں؟
ج: باہر کھانے کا موقع ملے تو فش یا پھر باربی کیو کھانا پسند کرتی ہوں۔
س: زندگی کا خوب صورت لمحہ؟

ج: بہت سے لمحات ہیں مثلاً جب پہلی بار ماں بنی تھی یا پھر جب میری پہلی تخلیق میرے ہاتھ میں آئی تھی یعنی میرا ناول اور بھی بہت سے خوب صورت اور ناقابل فراموش لمحات ہیں۔

س: زندگی کا کل اثاثہ؟

ج: نیک اور صالح اولاد۔

س: کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہو۔

ج: جھوٹ اور منافقت سے بہت چڑ ہے بلکہ نفرت ہے۔

س: فیس بک پیجز اور گروپس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

ج: کچھ گروپس ہیں ایسے جو معیاری ادب کی نمو کر رہے ہیں باقی اکثریت کھیل تماشوں میں مشغول رہتے ہیں میں ایسے گروپس کو وقت کے ضیاع کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتی۔

س: آٹوگراف بک پر کیا لکھنا پسند کرتی ہیں؟

ج: کوئی بھی...... کچھ بھی پیار بھرا چھوٹا سا جملہ ویسے میں بہت کم لوگوں کو آٹوگراف دیتی ہوں بکس گفٹ کردوں تو بغیر آٹوگراف کے کر دیتی ہوں فرینڈز بے چاری گلے شکوے کرتی رہتی ہیں کئی کئی دن تک۔

س: آپ کو شاعری کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے یا ناول لکھنے میں؟

ج: شاعری تو کبھی نہیں کی شاعری کے ساتھ لگاؤ صرف سننے یا پڑھنے کی حد تک ہے باقی مجھے ناول لکھنا زیادہ پسند ہے رائٹر کھل کر اپنی بات لکھ سکتا ہے کوئی حد بندی یا پابندی نہیں ہوتی۔

س: زندگی کو کیسا پایا؟

ج: زندگی پھولوں کی سیج نہیں، آئیڈیل زندگی گزارنے کے لیے کافی محنت اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

س: گھر سے نکلتے وقت کون سی تین چیزیں ساتھ رکھتی ہیں؟

ج: موبائل فون کے علاوہ تو کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو ہر وقت ساتھ لے جانی ضروری ہو۔

س: اگر آپ کو گہری نیند سے جگایا جائے تو کیا غصہ آتا ہے؟

ج: ہاہاہاہا یہ تو فطری سی بات ہے کسی کو بھی گہری نیند سے جگایا جائے اسے غصہ تو آئے گا ہی مجھے بھی آ جاتا ہے۔

س: رائٹرز کو ملنے والے معاوضے سے آپ مطمئن ہیں؟

ج: بالکل نہیں ہمارے ملک میں لکھنے والوں کی کوئی قدر نہیں انہیں شرمناک حد تک کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔

س: اگر آپ کو پاکستان کا وزیراعظم بنا دیا جائے تو آپ پہلا کام کیا کریں گی؟

ج: سب سے پہلے تعلیم کے شعبے میں انقلابی اقدامات اٹھاؤں گی غریب اور امیر دونوں کو یکساں نظام تعلیم مہیا کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔

س: نیچر کے علاوہ کیا متاثر کرتا ہے؟

ج: نیچر کے علاوہ خوب صورت، صاف ستھرے اور ڈیکوریٹڈ گھر اٹریکٹ کرتے ہیں۔

س: کون سی ایسی ڈش ہے جو ہر وقت کھانے کے لیے تیار رہتی ہیں؟

ج: کریلے گوشت ایسی ڈش ہے جو میں دو تین دن تک مسلسل کھا سکتی ہوں دل ہی نہیں بھرتا۔

س: کیا آپ مزاجاً بہت جذباتی ہیں یا ٹھہراؤ ہے مزاج میں۔

ج: بہت جذباتی ہوں ٹھہراؤ اور صبر کی بہت کمی ہے۔

س: کیا آپ اچھی راز داں ہیں؟

ج: ہاں بالکل...... میں بہت اچھی راز داں ہوں لوگوں کی باتوں کو امانتوں کی طرح سنبھال کر رکھتی ہوں۔

سالگرہ کا دن آیا ہے

ندا رضوان

ا:۔ "ہر بول تیرا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے۔" کے بقول حجاب کی کہانی یا نظم کا کوئی مصرعہ، کوئی اچھی بات جو آپ کے دل میں اتر گئی ہو۔

۲:۔ مستقل سلسلوں میں آپ کا پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور اگر تبدیلی چاہتی ہیں تو کیسی تبدیلی اور نیا سلسلہ کون سا ہو؟

۳:۔ اس سال حجاب کی بہترین تحریر آپ کی نظر میں کون سی رہی؟

۴:۔ شاعر و ادیب میں سے کسی کا انٹرویو جسے آپ حجاب کے صفحات پر پڑھنا چاہیں؟

۵:۔ آئندہ آنے والے ماہ و سال میں کس رائٹر کو حجاب میں پڑھنا پسند کریں گی؟

۶:۔ حجاب کی تمام مصنفین یا بالخصوص کسی ایک کے لیے آپ کا پیغام۔

❀......❀......❀

نزہت جبین ضیاء......کراچی

السلام علیکم! سب سے پہلے حجاب کے تمام ریڈرز رائٹرز اور اسٹاف کو حجاب کی دوسری سالگرہ کی دلی مبارکباد اور میرے لیے یہ اعزاز کی بات ہے کہ میں الحمدللہ حجاب کے پہلے شمارے سے حجاب کے ساتھ ہوں مطلب یہ ساتھ پالنے سے ہی قائم ہو چکا ہے اور میری زندگی میری زندگی کے آخری لمحات تک ان شاء اللہ برقرار رہے گا ویسے یہ نہ صرف میرے لیے بلکہ حجاب کے لیے بھی اعزاز ہوگا کہ میں اس کے ساتھ ہوں (ہاہاہا چاہیں تو خوش فہمی کہہ لیں مگر بات میں دم ہے) اللہ پاک حجاب کو بھی اتنی ترقی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے کہ شہرت کے آسمانوں تک جا پہنچے آمین۔

ا:۔ الحمدللہ حجاب سرتاپا ہی دل میں اترنے کے قابل ہے اس کی تحاریر اس کے سلسلے انٹرویوز اور سب ہی سلسلے اچھے ہیں۔

۲:۔ سارے سلسلے اچھے ہیں کیونکہ مجھے شاعری سے زیادہ لگاؤ ہے اس لیے عالم میں انتخاب اور جو بہنوں کے چھوٹے چھوٹے تعارف کا جو سلسلہ ہے وہ اچھا لگتا ہے تبدیلی کچھ نہ ہو لیکن ایک مودبانہ گزارش ہے اپنی بہنوں سے کہ پلیز پلیز آپ لوگ اپنی جو جو نگارشات ادارے کو بھیجتے ہیں ان کو کسی بڑے پیج پر صفائی سے اور ہر چیز کے لیئے الگ الگ صفحات استعمال کریں حالانکہ برسہا برس سے ہم ڈائجسٹ میں ادارے کی طرف سے ہر ماہ اس بات کی تاکید کا نوٹ پڑھ رہے ہیں کچھ دن پہلے تک میرے پاس ہی آپ سب کی پوئٹریز آتی تھی اور مجھے سخت ترین کوفت ہوتی تھی کاغذ کی اتنی بچت کہ خط بھی اس پرکٹی پٹی اور مختلف کلر کے پین سے لکھی شاعری بھی اس پر اور حد تو اس وقت ہو جاتی تھی جب میں نے بچوں کی اسکول کی فیس اور کمیٹیوں کا حساب اور کرانے کا سامان بھی شاعری کے پیج پر لکھا دیکھا خدارا ذرا ادارے والوں سے تعاون کیجیے پھر شکایتیں بھی ان سے ہوتی ہیں۔

۳:۔ مجھے تو اپنا مکمل ناول "محبت ہوگئی شاید" بہت اچھا لگا تھا جو دو اقساط کا تھا دسمبر ۲۰۱۶ اور جنوری ۲۰۱۷ کے حجاب میں شائع ہوا تھا۔

۴:۔ میرا دل کرتا ہے کہ حجاب سے وابستہ تمام لوگوں کے انٹرویوز پڑھوں خاص طور پر ادارے کے ارکان سب سے پہلے مشتاق انکل پھر طاہر بھائی اور اسی طرح درجہ بہ درجہ اور آخری میں مجھ ناچیز کو بھی شامل کرلیا جائے ہاہاہا۔

۵:۔ کوئی مخصوص نام نہیں ہے ہاں میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے ابھی اس نے لکھنے کے سفر کی شروعات کی ہے تو چاہونگی کہ وہ یہاں بھی اپنی اماں کا نام روشن کرے آمین آہم آہم۔

۶:۔ میں سب سے یہ گزارش کروں گی کہ خدارا اپنی تحریریں بھیج کر ہتھیلی پر سرسوں مت جمانے کی کوشش کریں ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ادارے میں تحاریر کا کتنا

انبار ہوتا ہے اس لیے سکون اور صبر سے انتظار کیا کریں اپنے دل سے منفی سوچوں کو ختم کردیں مثبت اور اچھی سوچ اپنائیں آخر میں حجاب کے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اور نیک تمنائیں اللہ پاک حجاب کو ترقی عطا فرمائے اور ہمارا ساتھ یونہی بنائے رکھے آمین ثم آمین۔

اقراء جٹ...... منچن آباد

السلام علیکم! سب سے پہلے تو تمام آنچل وحجاب اسٹاف کو میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو۔ الحمدللہ حجاب نے کامیابی کے ساتھ دو سال چٹکیوں میں مکمل کرلیے ہیں رائٹرز اور اسٹاف کے تعاون سے۔ اللہ پاک اسی طرح حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ نومبر میرا فیورٹ مہینہ ہے اسٹارٹ سے میری سالگرہ بھی نومبر میں ہے اور دوسرا علامہ اقبال کی وجہ سے اور موسٹ فیورٹ حجاب کی وجہ سے بن گیا۔

☆ کیا سوال پوچھ لیا ہے اگر لکھنے بیٹھیں تو ساری زندگی نہ لکھ پائیں ہمارے دل سے تو پورا حجاب ہی ٹکرا کر گزرتا ہے۔ پورے کا پورا حجاب ہمارے دل میں من وعن سے اتر جاتا ہے ایک ایک لفظ قابل فخر قابل تحسین ہوتا ہے۔

☆ تمام سلسلے ہی زبردست ہیں سب سے زیادہ پسند حسن خیال ہے تبدیلی (آہم) بس یہی کہ ہمیں غیر حاضر نہ کیا کریں۔ ہر دفعہ ہمیں یاد رکھا کریں اور نیا سلسلہ دوست کا پیغام یا خواب کی تعبیر ایسا سلسلہ ہونا چاہیے اینڈ...... ویسے تو کمی آل ریڈی نہیں ہے مگران میں سے ایک بھی سلسلہ نیا ایڈ کرنے سے چار چاند لگ جائیں گے حجاب کو (سچ میں بھئی)۔

☆ ایک سے بڑھ کر ایک تحریر تھی حجاب میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے مکمل ہی بہت اچھا ہے۔ ہر تحریر میں کچھ نیا سیکھنے پڑھنے کو ملا دنیاداری کو سمجھنے دین واسلام کے بارے میں جاننا پرفیکٹ حجاب نے ہماری رہنمائی کی ہے آئی لو یو حجاب۔

☆ عمیرہ احمد نمرہ احمد ہاشم ندیم نایاب جیلانی۔

☆ ہر اس رائٹر کو جو حجاب میں لکھنا پسند کرے گی عشناء کوثر سردار مائی فیورٹ رائٹر۔ وہ عشق ومحبت پر لکھتی ہیں۔ سب ہی رائٹرز بہت اعلیٰ لکھتی ہیں اس لیے تمام رائٹرز پسند ہیں۔

☆ حجاب کی تمام مصنفین کے لیے یہی پیغام ہے کہ اچھا اچھا لکھا کریں آپ لوگوں نے ہی حجاب کی زینت کو بڑھانا ہے ایک بات تمام رائٹرز اسٹوری کے ہیرو ہیروئن کو اتنا اعلیٰ وارفع مت لکھا کریں (زیادہ خوب صورت شہزادوں جیسا) کیونکہ یہ ایک کامن سی بات ہے بندہ جو پڑھتا ہے وہ دماغ میں کہیں نہ کہیں ضرور اثر کرتا ہے اور آج کل کی ینگ جنریشن کے دماغ میں ویسے آئیڈیل امیر و کبیر خوب صورت ہیرو وغیرہ وغیرہ خود ہی کری ایٹ ہوجاتے ہیں۔ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ ذہین زیادہ وہ انسان ہوتا ہے جو اپنے لفظوں کو بجائے پیچیدہ رکھنے کے آسان لفظوں میں کہے ڈیئر حجاب ہمیشہ پھولو پھلو کامیابیوں میں نہاؤ اسی کے ساتھ ہمیں دیں اجازت اللہ حافظ۔

یہ خوشی ترقی کے دن حجاب
بار بار آئیں تمہاری زندگی میں

اسپیشلی حجاب کے نام

تجھے روز یاد کرنا
تجھ سے پڑھے ہوئے سبق کو
اپنے دل کی مسند پر بٹھانا
کیا یہ کافی نہیں ہماری محبت
بتاؤ تو سہی چپ کیوں ہو؟
تیری محبت ہمارے دل کے
ہر خانے میں پنہاں ہے
میرے پیارے حجاب
تمہیں یہ قیمتی دن
تمہاری سالگرہ کا دن
بہت بہت مبارک ہو
ہماری دعا ہے کہ

ہمیشہ آگے بڑھو
یونہی کامیابیاں ملیں تمہیں
اور تم اپنا ایک الگ مقام وشناخت بناؤ
اور تمہیں سجانے والے بھی
ہمیشہ خوشیوں میں نہائیں
تمہاری سالگرہ تمہیں بہت بہت
مبارک ہو پیارے حجاب

اقرا جٹ...... مکھن آباد

سنبل فاطمہ

☆ جب سے آغوش مادر پڑھا ہے جب سے اس کے الفاظ دل سے ٹکرا کر گزرتے ہیں ماں لفظ ہی مٹھاس بھرا ہے۔ ہر تکلیف ہر درد مٹانے کا نام ماں ہے، اللہ ہم سب کی ماؤں کا سایہ ہم پر سلامت رکھے آمین۔

☆ مستقل سلسلوں میں میرا پسندیدہ ناول ”میرے خواب زندہ ہیں“ تبدیلی کوئی نہیں اور ایک اچھا سا دینی سلسلہ انبیاء کرام کے توسط سے شروع کیا جائے اس سے دین کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوگا۔

☆ سب سے زبردست تحریر ”زیاں“ سیدہ ضوباریہ کی تھی کیونکہ اس میں ایک ماں کا کردار تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ اللہ اپنے پیارے بندوں کی کس طرح مدد کرتا ہے اگر وہ بندہ برا نہیں بننا چاہتا تو اللہ رب العزت خود اس کی مدد کرتا ہے۔

☆ میرے بیسٹ شاعر وصی شاہ کا انٹرویو دیکھنا چاہتی ہوں۔

☆ میری خواہش ہے کہ آنے والے سال میں حجاب کے صفحات پر ام مریم کی تحریر پڑھوں۔

☆ حجاب کے تمام مصنفین کے لیے بس یہی کہنا ہے کہ وہ سب اسی طرح لکھتی رہیں تاکہ ہم پڑھتے رہیں اور بالخصوص نادیہ فاطمہ رضوی کے لیے کہ پلیز لالہ رخ کو حورین سے ملادیں اور ناول کو اسی طرح جاری رکھیں۔ میری نیک تمنائیں آپ سب کے ساتھ ہیں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی ان شاءاللہ اللہ حافظ۔

جینا کومل حبیب...... مغل پورہ

☆ سب سے پہلے تو حجاب کو سالگرہ مبارک ہو یہ یونہی ترقی کرتا رہے، سوال اچھے لگے تو سوچا کچھ لکھوں۔ مصرعے تو بے شمار ہے لیکن واقعی کچھ جملے ایسے ہوتے ہیں جو دل میں گھر کر جاتے ہیں جیسے ”میرے اللہ تیری محبت میں کوئی شریک نہیں کوئی جلن نہیں، کروڑوں لوگ تجھ سے محبت کرتے ہیں مگر کوئی اس محبت پر خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھتا۔ کسی کو تیری محبت کے چھن جانے یا کم ہوجانے کا خوف نہیں ہوتا ہے“ بے چینی، بے سکونی نہیں ہوتی ہے، تیری محبت میں آسودگی ہے۔ دوسروں کو تجھ سے محبت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، انسان سے محبت میں ہزار اندیشے ہیں، ناراضگی کے، خفگی کے روٹھنے منانے کی لیکن تو کبھی نہیں روٹھتا، کبھی ناراض نہیں ہوتا، بھلے میں تجھے سجدہ کروں یا نہ کروں تو غافل نہیں ہوتا۔ میرے پکارنے پر تو فوراً جواب دیتا ہے، میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے مالک (”چاند سامنے ہے عید کا“ ریحانہ آفتاب) کہانی کا یہ حصہ میں نے اپنی ڈائری میں محفوظ کیا ہوا ہے۔

☆ حجاب پرفیکٹ ہے کوئی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے، آرائش حسن میرا فیورٹ سلسلہ ہے اور میں تبدیلی چاہتی ہوں کہ اس میں لوگوں کے مسائل شامل ہوں۔ نیا سلسلہ اگر سال میں صرف دو بار ایسا ہو کہ صرف نئے لکھنے والوں کی تحریر شامل ہو پرانا کوئی بھی نہیں سلسلہ وار بھی نہیں صرف دو ماہ کے لیے کتنا مختلف لگے گا ناں (اگر برا لگا تو سوری)۔

☆ بے شمار ہیں جن میں زیادہ تر افسانے ہیں جو کہ بہت سبق آموز ہیں۔ خوب صورت، چپکا جگنو، بہار آئی، اپریل فول، کھونے سے پہلے، میں کنوں آکھاں، قلم فروخت نہیں، پیار ہوگیا ہے، چاند سامنے ہے عید کا، بکرا اسٹائل، خوب صورت عشق، محبت اہم ہے ایسا، گلاب راتوں کے خواب، میرا پاکستان، فرنٹ سیٹ، ایثار انداز تکمیل، راہ محبت، فیس بک کی کہانی“ بہت بہت شکریہ حجاب رائٹرز کا جو اس قدر اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں اور آج کل جو

سلسلہ وار جا رہا ہے وہ ہے ”شب آرزو تیری چاہ میں“۔
☆ نمرہ احمد، سمیرا حمید، نائلہ طارق، فائزہ افتخار، ثمرہ بخاری، صدف آصف، نادیہ احمد، مریم عزیز، عفت سحر، صائمہ قریشی، نازیہ کنول، سمیرا شریف طور (تصاویر کے ساتھ)۔
☆ سوال تو بہت اچھا ہے لیکن پورا کریں گی؟ مریم عزیز قسط وار، فائزہ افتخار، نبیلہ عزیز، سندس جبیں، راحت جبیں (خاص کر) اور نگہت اللہ، ماہا ملک، مدیحہ تبسم سے کچھ ضرور لکھوائیں۔
☆ ہاں ہے پیغام مصنفین کے لیے پلیز رونے دھونے والی تحریریں نہ لکھا کریں، ہر جگہ پہلے ہی پریشانی دیکھ کر پریشان ہیں۔ تحریریں فریش لکھا کریں اور میں ذرا محبت پسند ہوں، ذرا ایک آدھ ناول رومانٹک ہی لکھ ڈالیں اور ہاں ادارہ ذرا حجاب کے ٹائٹل پر دھیان دے، یہ حجاب ہے سر پر دوپٹہ ضرور دیا کریں اور ذرا فریش ٹائٹل دیں، پرانے نہیں۔ جو کئی دفعہ کے دیکھے ہوئے ہوتے ہیں، ایک بار پھر حجاب کو سالگرہ مبارک ہو اور یونہی ترقی کرتا رہے۔

سیدہ رابعہ شاہ...... گجرات

السلام علیکم! آنچل وحجاب فیملی یار اب سب کے نام لکھوں گی تو جن کے رہ گئے وہ تو مجھے مار ہی دیں گی۔ اسی لیے سب کو سلام عرض ہے چلیں اب سب کو حجاب کی سالگرہ مبارک ہو، بہت زیادہ اور میری دعاؤں کا تحفہ آپ سب کے لیے۔
☆ حجاب کو پڑھ کر صحیح معنوں میں پتا چلتا ہے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پڑھ کر جو حوصلہ ملتا ہے وہ کم ہی مجھے کہیں اور ملا ہے۔ میں ہر طرح کے ڈائجسٹ پڑھتی ہوں لیکن جو بات آنچل اور حجاب کی ہے وہ اور کسی میں نہیں اس میں کچھ تو الگ بات ہے اور وہ ہماری قیصر آراء جو ایک ماں کی طرح اپنی کسی نہ کسی ایسی چھوٹی سی بات کے ذریعے رہنمائی کردیتی ہیں انہیں خود بھی پتا نہیں چلتا قیصر آرا بڑی ماں کی ہر بات دل میں اترتی محسوس ہوتی ہے اور اگر میں باقی سب کے بارے میں نہ بولوں تو یہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی کیونکہ آنچل کی جو بھی رائٹرز رہی ہیں یا جو ابھی بھی ہیں ان سب نے ہی تو حجاب کو چار چاند لگا دیے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو حجاب ان کے بنا ادھورا ہے، شکریہ آپ سب کا حجاب کو ایسے سجانے کا۔
☆ سب کے سب سلسلے زبردست ہیں، مجھے بزم سخن، بات چیت اور انٹرویو میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ نیا یہ ہو کہ ہم بھی اپنی اپنی رائٹرز سے تھوڑی سی بات کرسکیں پلیز ہمیں بھی موقع دیں رائٹرز سے بات کرنے کا۔
☆ یار یہ بڑا مشکل سوال ہے کوئی ایک ہو تو بتاؤں ناں سب ہی اتنے زبردست ہیں کسی ایک کا نام لینا مشکل کام ہے۔
☆ حرا قریشی اور نازیہ کنول نازی اور قیصر آراء کا پلیز پلیز قیصر آراء کا انٹرویو ضرور کریں پلیز۔
☆ نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور اور عشنا کوثر سردار اور ام مریم کو۔
☆ حجاب کی رائٹرز آپ سب پلیز ایسے ہی لکھتی رہیں آپ ہمارے لیے اپنا قیمتی وقت نکالتی ہیں سب کا شکریہ، ایسے ہی آپ سب حجاب کے ساتھ رہیں۔ نازیہ آپی پلیز میں آپ سے بات کرنا چاہوں گی، آپ سب ایسے ہی لکھتی رہیں اور میری دعائیں لیتی رہیں، ہاہاہا۔ بس لکھیں ضرور آپ سب کے بنا تو مجھے کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا، اللہ حافظ۔

(جاری ہے)

ایک خواب ہوں

رفاقت جاوید

موسم بہار کے رنگ برنگے پھولوں پر منڈلاتے ہوئے بھنورے اور اٹھکیلیاں لیتی ہوئی شوخ وشنگ تتلیاں خوشگوار موسم کی پذیرائی کرتی ہوئی کس قدر بھلی لگ رہی ہیں اور میرے دل کی اجڑی ہوئی دنیا میں بہار کا ہلکا سا جھونکا بھی گزر نہیں پاتا' گلاب کے پھولوں کا میری زندگی سے رتی بھر تعلق نہیں' میرا رشتہ کانٹوں سے جڑا ہوا ہے' ہوا میں جھومتے ہوئے ڈیلیا' گیندے اور ست برگہ کے پھولوں کا مجھ سے روٹھنا مجھے پاگل کیے جا رہا ہے۔

''میری تخلیق کردہ پینٹنگز میں اداسی اور مایوسی کی جھلک نمایاں ہوتی جا رہی ہے' در و دیوار سے اپنوں کے سلوک در و یے سے خفیہ پیغامات کی وصولی کی وجہ کیا ہے' آ کاش پر ہوا کے سنگ اڑتے ہوئے پرندوں نے اپنے پروں کو ایک ہی سمت ساکت کر کے خود کو ہوا کے حوالے کر دیا تھا اور یہ چڑیوں کے گروہ کے گروہ جو سرکش ہوا میں بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو رہے' فضا میں ہلچل کے باوجود ایک سکون کی لہر دوڑ گئی ہے' آہ ایک میں ہی بن باس' ایک میں ہی اداس اور مایوس ہستی' دنیا کا نظام تو چلتا جا رہا ہے' میرے لیے نہ تو آہ و فغاں کر رہا ہے نہ ہی مجھ سے ہمدردی کا اظہار کر رہا ہے' میں کیا ہوں؟ خود کو کیا سمجھتی ہوں' میرے رب آج کی اس شام میں تو مجھے کوئی درس دیئے جا رہا ہے' تیری تخلیق میں ہر چرند پرند' چاند سورج اور ستارے بادل بجلی اور بارش' ہوا اور پانی' یہ اونچے لانبے درخت' یہ روز میری کی جھاڑیاں' رنگ برنگے پھول اور ہریالی حتیٰ کہ پہاڑ دریا' ندی نالے قدرت کے حکم کے سامنے سربسجود ہیں اور اپنے رب کی مدح سرائی میں ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرتے' واحد انسان ایسی مخلوق ہے کہ آج تک اپنے فرائض سمجھنے سے قاصر ہے' جیسے میرے والدین۔'' وہ آزردہ دل کے ساتھ برآمدے سے اٹھ کر ننگے پاؤں گھاس پر چلنے لگی لیکن سکون نہ ملا' ذہن کی الجھن نہ سلجھی۔ اس کی ممی زرینہ گلاس ونڈو سے اسے حسرت ویاس سے دیکھتی ہوئی اشک بار ہو گئی اور خود کلامی کرتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

''میرے رب اسے عقل وشعور جیسی دولت سے نواز دے۔ کہاں چلی گئی اس کی سوجھ بوجھ اف میرے اللہ کیا ضد اور ہٹ دھرمی انسان کو اس حد تک گرا سکتی ہے؟''

☆......☆......☆

بیسیوں رشتے آئے' لیکن زویا کسی رشتے کے لیے تیار نہ ہوئی آخر زرینہ کے اصرار پر اس نے انکشاف کیا کہ ہر رشتے میں کوئی نہ کوئی نقص ہے' میں خود کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرا ایسے گھرانوں میں گزارہ نہیں ہوگا۔

''میری جان میں ایک گھرانے میں بسنے کا کہہ رہی ہوں' گھرانوں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم تو اس قدر خوش قسمت لڑکی ہو کہ جو رشتہ بھی آیا پچھلے سے بڑھ کر بہترین اور قابل ستائش...... میں بالکل تمہاری سوچ سے نابلد ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو؟''

''ممی' جہاں میرا دل ٹھک گیا ناں تو آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ میں کیسا گھرانہ اور خاندان چاہتی ہوں۔''

''اسی انکار اور اعتراض میں عمر گزر جائے گی اور پھر بیٹھی رہنا اسی دہلیز پر جو تمہاری نہیں' ان بھابیوں کی ہے۔'' وہ فکرمندانہ لہجے میں بولیں۔

''میری بھی ہے ممی' آخر اس گھر میں میرا بھی تو شرعی طور پر حصہ ہے' اتنے وسیع وعریض بنگلے میں دو کمروں پر تو میرا حق ہے ہی ناں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''بات تو تم نے درست کہی لیکن ہمارے معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا' بلکہ کسی معاشرے میں بھی شرعی بٹوارے نہیں ہوتے' بے شک سب گناہ کبیرہ میں شامل رہیں۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

''میں تو شریعت کے مطابق ہی چلوں گی۔'' زویا لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے بولی۔

''زویا...... بہت اعلیٰ لطیفہ سنایا ہے تم نے' ذرا اس آئینے میں اپنی حالت ملاحظہ فرماؤ......'' زرینہ نے قہقہہ لگایا۔

''ممی میری حالت میں کوئی نقص نہیں' آج کل ایسے ہی کپڑوں کا رواج ہے' ذرا یہ تو بتائیے کہ میں آؤٹ آف ڈیٹڈ کیوں کہلاؤں؟ آپ نے اپنے زمانے میں جی بھر کر فیشن بھی کیے اور ڈرنگ پارٹیوں میں ڈیڈی کا ساتھ بھی دیا۔ کم از کم میں ایسی حرکتیں تو نہیں کررہی۔''

''زویا تمہاری زبان بہت چلنے لگی ہے۔ تمہاری سسرال ہی اسے کاٹ کر چھوٹی کرسکتا ہے۔ میری ہمت کہاں؟ تم میری بات کرتی ہو تو ذرا غور سے سننا' ہمارے وقتوں میں فیشن چاہے کیسا ہی تھا' باپردہ تھا' یہ حال نہیں تھا کہ جسم کا انگ انگ لباس سے اچھل کر باہر آنے کے لیے بے تاب ہو' لیکن میں نے اپنے خاندان کی بچیوں کو دیکھا ہے کہ وہ آج کل کے فیشن بھی حد کے اندر ہی رہ کر کرتی ہیں' دوسرا جواب بھی سنو' اگر تم نے اس سے سبق حاصل کرلیا تو بہت فائدے میں رہو گی' جب میں شادی کے بعد تمہارے ڈیڈی کے ساتھ کراچی چلی گئی تو اسی رات مجھے علم ہوگیا کہ یہ تو ڈرنک کرتے ہیں' جبکہ ان کے گھر میں ان کی اس لت کی کسی کو خبر نہ تھی' میں رات بھر کمرے میں پھیلی ہوئی سڑاند میں سو نہ سکی...... اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی' جب کراچی میں پہلی صبح ہوئی تو تمہارے ڈیڈی تیار ہوکر ناشتے کی ٹیبل پر جا بیٹھے تو مجھے وہاں نہ پاکر آوازیں دینے لگے...... آخر اٹھ کر کمرے میں آگئے' میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بالوں میں برش کرتے ہوئے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ پریشان ہوکر پوچھنے لگے کہ کیا گھر پسند نہیں آیا' ابھی ہم دو ہی تو ہیں' سوچا چھوٹا سا گھر ہمارے لیے بہتر رہے گا' ہمیں ایک دوسرے کے قریب رکھے گا' ذرا باہر کا دیکھو تو دیکھو' نیلا سمندر اور اوپر نیلا آسمان' واہ......''

''حامد ایسی بات نہیں ہے' آپ نے جو مشروب رات کو پیا ہے' ہمارے گھر میں اس کا نام لینا بھی گناہ سمجھا جاتا

ہے۔" یہ کہہ کر میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ تو وہ سختی سے بولے۔
"اس مشروب کی وجہ سے تم نے گھروں کو اجڑتے ہوئے تو دیکھا ہوگا' اگر تم بھی ایسا ہی چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں...... فیصلہ کرو' کہ کیا واپس لاہور اپنے میکے جانا چاہتی ہو یا سسرال' اتنا کہہ کر وہ ناشتہ کیے بغیر ہی باہر نکل گئے اور ان کی واپسی رات کے دو بجے ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ میں نے فوراً سبق سیکھ لیا اور منہ پر پٹی باندھ کر انہیں یہی مشروب سرد کرنے لگی اور پھر میرے صبر کے بدلے میں ایک معجزہ وارد ہوا' شادی کے پندرہ سال بعد انہوں نے اس لعنت سے نکل کر قسم اٹھالی اور مجھ سے پندرہ سالوں کی زیادتی اور زورآوری کی معافی مانگی اور میرے صبر کو ایسی داد ملی کہ یہ جو گھر دیکھ رہی ہو ناں' انہوں نے میرے نام منتقل کردیا۔ میں نے اپنی پندرہ سال کی طویل کہانی مختصر کرکے تمہیں اس لیے بتائی ہے کہ تم سبق سیکھ سکو کیونکہ تم بہت بے لحاظ اور بے مہار ہونے کے ساتھ ضدی بھی ہو۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں' اشارہ گھر اجاڑنے کی طرف ہے' بسانے کا نہیں۔"
"ممی میں اتنا لمبا صبر نہیں کرسکتی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔
"میں اپنے آپ کو مار کر گھر تحفے میں کیونکر لوں' ممی اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں سائیڈ کی پراپرٹی میں حق دار ٹھہرایا ہے اور شادی کے معاملے میں میری پسند کو مدنظر رکھ کر قانون بنایا گیا ہے کہ لڑکی سے پوچھ کر رشتہ قائم کیا جائے اور اس میں دونوں طرف کے گواہوں کی موجودگی پر زور دیا گیا ہے' میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں ممی رشتہ چاہے میری پسند کا ہی کیوں نہ ہو' آپ کی رضامندی ضروری سمجھتی ہوں۔ میرے لباس پر مت جایئے میں تو قرآن کریم کے احکامات کو عقیدت واحترام سے قبول کرتی ہوں۔ آپ کو مسئلہ کیا ہے؟"
"بیٹا ظاہر ہی باطن کی گواہی دیتا ہے' اپنا لباس درست کرکے دیکھو' تمہیں تحفظ کا احساس دنیا کے ہر خطے کی سیرو تفریح اکیلے ہی کرا سکتا ہے' میری جان ہر وقت دوسروں اور خود سے جنگ جاری رکھتی ہو' پر سکون ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بھی سر تسلیم خم کرلو' کیونکہ عورت کے لیے پردہ لازم ہے۔"
"لازم تو ہے ممی' لیکن فی الحال دل نہیں چاہ رہا اور آپ بھی تو سر پر دوپٹہ رکھے بغیر ہر طرف گھومتی پھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سوائے مارکیٹ کے آپ کی ڈبل پالیسی کیوں ہے؟"
"پگلی...... میں جوانی گزار چکی ہوں' اگر مجھے اس وقت ادراک ہوتا تو کبھی ننگے سر نہ پھرتی' نا سمجھی کی معافی ہے لیکن سب کچھ جاننے کے بعد دل کی آواز سننے پر معافی نہیں' بہت پکڑ ہے اس کی' میں نے نوٹ کیا ہے کہ ستر پوشی میں حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔"
"ممی فار گاڈ سیک' بادلوں کے اندر چھپا ہوا چاند......" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔ "ممی میں منافق نہیں ہوں' اگر میں پردہ کروں گی تو مکمل طور پر' ورنہ دکھاوے کا پردہ ہرگز نہیں' آپ کی طرح...... مجھے اپنے رب کو منہ دکھانا ہے اور اس کے برعکس آپ نے دنیا والوں کو جواب دینا ہے' موقع اور محل کے مطابق۔"
"ویسے تم ہو بہت بدتمیز......" زرینہ نے مسکرا کر اس کی کھری باتوں کو ٹال دیا...... اور پھر موضوع بدلا۔
"بیٹا میری ایک التجا سن لو' مجھے اپنی پسند بتادو یا اپنی پسند گھر لے آؤ...... ہم اعتراض نہیں کریں گے' کیا بینک میں کوئی بندہ بشر تمہاری پسند کا نہیں۔"
"ممی بینک میں تو نہیں ہے' میں اپنے کولیگز میں سے کسی کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی' سب کے سب مہذب گھرانوں میں پل کر اپنے ہی گھرانوں کی ہی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں پرلے درجے کی حقارت تھی۔
"کیسے گھرانے' میں سمجھی نہیں۔" زرینہ نے حیران کن ہوکر اس کی طرف دیکھا۔
"ممی آپ بھی بہت معصوم ہیں' ایک گھر میں دس گھرانے ایک ساتھ برداشت کریں گے تو اس کا ہر فرد ہی

نامکمل اور بالکل ادھورا ہوگا۔"

"اوکے یعنی جوائنٹ فیملی سسٹم کی بات کررہی ہو اب میں سمجھی کہ تم ہر رشتے میں گھرانوں کا تمسخر اڑاتی ہو اس کی مین وجہ یہ ہے تو پھر ایسا کرو میرے چاند کسی یتیم خانے کی طرف رخ کرو رشتے بے شمار پاؤ گی انتخاب کرنے میں مشکل نہیں ہوگی۔"

"ممی گڈ آئیڈیا۔ آج میں آپ سے دل کی بات کرتی ہوں مائنڈ نہیں کریے گا۔ ممی مجھے ساس کے رشتے سے بہت خوف آتا ہے یہ ایسی نامراد ہستی ہے کہ شوہر کو بیوی کے قریب پھٹکنے نہیں دیتی ایسی عورت کو اپنے بیٹے کی شادی نہیں کرنی چاہیے خوامخواہ لڑکی کی زندگی برباد کردیتی ہیں۔ ذرا غور کریں میرے ننھیال اور ددھیال کے ہر گھر میں ایسی مثالیں موجود ہیں اس لیے میں نے ابھی سے فیصلہ کرلیا ہے کہ ایسے خاندان میں شادی ہرگز نہیں کروں گی جس کو جنجال پورہ کہتے ہیں۔"

"بیٹا خاندان میں مل جل کر رہنے میں تو بہت مزا ہے تم کہاں کی بات کرتی ہو؟"

"ممی آپ نے اپنی زندگی ڈیڈی کے ساتھ الگ تھلگ گزاری آپ کو کیا علم کہ جوائنٹ فیملی سسٹم کے رولز کس قدر بھیانک اور ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ دور کے ڈھول سہانے۔"

"مجھے تو ہمیشہ اپنے سسرال کے ہر رشتے سے عزت ملی اور بے حد پیار بھی ملا۔ ذرا اپنا بچپن یاد کرو کہ جب ہم یہاں سے چھٹیاں گزارنے دادی ماں کے پاس جاتے تھے تو کتنا لطف اندوز ہوتے تھے کہ واپس آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔"

"ممی آپ بھی بہت بھولی ہیں کیا سال میں صرف ایک مہینہ سسرال میں گزارنے پر حالات خوشگوار نہیں ہوں گے ذرا سال کے بارہ مہینے ان میں گزارتیں تو پھر آپ کو ساس کے تیور نظر آتے...... آپ ان کے پوتوں اور پوتی کے ساتھ مہمان بن کر سسرال جایا کرتی تھیں اور ہر رات ڈنر کسی نہ کسی رشتہ دار کی طرف ہوتا تھا۔ ممی وہ سب وقتی تھا۔ مانوسیت تو محبت کی قینچی ہے ممی شکر کریں کہ آپ کو موقع ہی نہیں ملا...... اور ان رشتوں کی چاشنی کو ختم ہوتے نہیں دیکھا۔" زرینہ بیٹی کی سچی باتیں لیکن کڑوی سن کر حقیقت سے انکار نہ کرسکی گہری سوچ میں چلی گئی۔ زویا ماں کے قریب ہوکر بولی۔

"ممی آج کے بعد مجھے ایسے رشتے دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں میں آپ جیسی زندگی کی خواہاں ہوں۔"

☆......☆......☆

یہ بھی عجیب اور نرالا اتفاق تھا...... کہ زویا کے لیے جو بھی رشتہ آیا جوائنٹ فیملی سسٹم سے ہی آیا اس کے خیالات سننے کے بعد زرینہ رشتے کو گھر آنے سے قبل ہی انکار کردیتیں ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ جو دوسروں کی زبان بند کردیا کرتا تھا...... وہی ان کے ماحول اور مزاج کے مطابق بنا دیا جاتا تھا...... بہانوں کی فہرست بھی آخری حد تک پہنچ گئی لیکن زویا کی پسند کا رشتہ نہ آیا...... ان حالات میں زرینہ نے اپنی سوچ کا دھارا بدلا اور تمام توجہ دو بیٹوں کی طرف مرکوز ہوگئی جو کب سے شادی کا اظہار اشاروں کنائیوں میں کرچکے تھے۔ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے انہوں نے گھر گھر بچیاں دیکھنی شروع کردیں حیرت کی بات ماں کو جوائنٹ فیملی سسٹم سے بہو چاہیے تھی جنہیں اپنے سسرال میں گھل مل کر رہنا رشتوں کی لحاظ داری اور پاسداری کے طریقے اپنے ماحول سے سیکھنے کے مواقع ملے ہوں جبکہ ماں نے زویا کے خیالات معلوم کرنے سے پہلے خود پر کسی خاندان کی قسم کے لیبل کو چسپاں نہ کیا تھا۔ اسے با عزت گھرانے کی لڑکی چاہیے تھی جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ خوش شکل اور عقل مند بھی ہو۔ اس سے آگے اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا لیکن اب خیالات میں کسی انڈی پنڈنڈ گھرانے میں پروان چڑھنے والی لڑکی کے بھیانک اثرات بیٹی کی صورت میں کھل کر سامنے آچکے تھے۔ وہ کئی بار سوچتی کہ زمانہ کتنا بدل گیا ہے کل کی عورت اپنا گھر آباد کرنے کے ساتھ ہی اپنی تمام خواہشات لاڈلا پن اور اپنی اہمیت کو والدین کے گھر میں پیتل کے بڑے دیگچوں میں محفوظ کردیا کرتی تھی اور ہنستی مسکراتی سسرال رخصت ہوجاتی تھی اور جب وہ اپنے

میکے آتی تو ان دیگچیوں کے ڈھکنے اٹھادیتی اور سب کی آنکھ کا تارا بن جاتی' آج کی لڑکی تمام تمنائیں' والدین کی محبتیں اور چاہتوں سمیت سسرال سدھار جاتی ہے اور ولیمے کے بعد ہی وہ اسی بے جا لاڈ و پیار میں سب سے کٹ کر رہنے کی خواہش شوہر کے گوش گزار کردیتی ہے نہ اسے ساس کا ڈر نہ احترام ولحاظ روک سکتا ہے' نہ سسرال کے اعتراضات اسے گھائل کرتے ہیں' اپنی ہی دھن میں مگن وہ بے ترتیب اور بھونڈا راگ الاپتے ہوئے کبھی کامیاب تو کبھی منہ کی کھا کر بلک اٹھتی ہے اور اگلے لمحے علیحدگی کا ڈھول بجنے لگتا ہے' بات سچ تو ہے لیکن اس کا اعتراف کرنا ماں کے لیے کس قدر مشکل ہے کہ آج کی بیٹی ماں کی لگام سے آزاد ہوچکی ہے' خود غرض ایسی کہ نہ اسے شوہر کی عزت کا خیال نہ ہی والدین کے بڑھاپے پر ترس ورحم آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جوائنٹ فیملی سے ہی بہو لانے کے حق میں ہوگئیں تھیں کہ کم ازکم وہ گھروں کی عزت وناموس کا خیال رکھتے ہوئے ان کے خاندان سے نبھاہ کرنے کی تربیت سے تو مالا مال ہوگی' آخر اس نے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے ایک ہی جوائنٹ فیملی سے دو بہنوں کو پسند کرلیا تھا...... جو دیکھنے میں قابل قبول اور ماسٹرز کی ڈگری ہولڈر تھیں۔ ایک ہی بنگلے میں ابھی تک دادی' دادا سمیت چھ تایا اور چچا اپنی فیملی کے ساتھ الگ الگ کمروں میں رہائش پذیر تھے۔ اس گھر میں ڈرائنگ روم کا کونسیپٹ نہیں تھا' وہ بھی پلنگوں سے مزین تھا۔ ڈائننگ روم میں چھت سے موٹے دبیز پردے شروع ہوتے ہوئے فرش کو چھو رہے تھے' دادی نے فخر سے بتایا کہ یہ کمرہ لڑکیوں کا ہے اور اس کے پار جو کمرہ ہے وہ لڑکوں کا ہے' ایک ایک کمرہ بہو اور بیٹوں کے پاس ہے' میں نے تو اپنے بیٹوں کو پہلے دن ہی سمجھا دیا تھا کہ جب تک ہم زندہ ہیں' کوئی بیٹا الگ گھر بنانے کی کوشش نہیں کرے گا' ورنہ جائیداد سے عاق کروادوں گی...... اب تک ایک ہی کچن میں کھانا پکتا ہے اور دسترخوان پر سب مل کر مقررہ وقت پر کھانا کھاتے ہیں۔ زرینہ بیٹا مل کر رہنے میں برکت اور مل کر کھانا کھانے سے محبت اور لگاؤ بڑھتا ہے' اللہ کا شکر ہے کہ گھر میں ایسا اتفاق واتحاد ہے کہ کسی گھر میں نہیں...... اب تو نفسانفسی کا زمانہ ہے' ساتھ والے گھروں میں الو بول رہے ہیں' چار چھ بچوں کے والدین بڑھاپا تنہا گزار رہے ہیں' انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں' جب کوئی بیمار ہوجاتا ہے تو میرے بیٹے اور پوتے ہی انہیں ہسپتالوں میں لیے لیے پھرتے ہیں...... اور میری یہ شہزادیاں بہوئیں ہی ان کے لیے پرہیزی کھانا پکا کر بھیجتی ہیں۔ گھر میں دس ملازم کیوں نہ ہوں' ان کو کیا لگے ہم بوڑھے بزرگوں سے نہ ہانڈی میں نمک کم کرتے ہیں' نہ چائے میں چینی' اپنا ایک بیٹا بھی دس ملازموں پر بھاری ہوتا ہے۔'' وہ سمجھداری کی حقیقی اور سچی باتیں کررہی تھیں جو اس کے دل میں اپنا مثبت تاثر چھوڑ رہی تھیں۔

زرینہ نے بنگلے کے لاؤنج کا جائزہ لیا...... سلیقے نام کی کوئی شے نظر نہ آئی' جبکہ گھر میں ملازموں عورتوں کی چہل پہل تھی۔ بہوؤں کے شگفتہ چہروں پر طمانیت اور فرحت رقصاں دیکھ کر وہ دل سے سرگوشی کرنے لگی' کون کہتا ہے کہ مانوسیت محبتوں کو ختم کردیتی ہے' یہاں تو اس کے برعکس نظر بھی آرہا ہے اور میں محسوس بھی کررہی ہوں' کہ مانوسیت ان کی طاقت ہے۔ یہ سوچتے ہی اس نے دو بہنوں کا ہاتھ اپنے دو بیٹوں اسد اور سعد کے لیے مانگ لیا جو دبئی میں مقیم تھے۔ انہوں نے بھی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ' فٹافٹ انہی کے مٹھائی کے ڈبے سے لڈو نکالے اور اس کا منہ میٹھا کرکے دادی گویا ہوئیں۔ بچیوں کے رشتوں میں مین میخ نکالنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں' اس لیے تو ایسے گھروں کی بیٹیوں کے نصیب جل جاتے ہیں' میں نے دو پوتیوں کے رشتے اسی طریقے سے طے کیے ہیں' دونوں اپنے الگ تھلگ گھروں میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہی ہیں۔ آج کا زمانہ دوسرے رشتہ داروں کی ذمہ داریاں اٹھانے کا نہیں رہا۔'' دادی فخریہ انداز میں بولی تو لڑکیوں کی ماں نے فوراً ان کی بات اچک لی۔

''دراصل زمانہ تو بدل گیا اس۔ بے روزگاری کی وجہ سے ہر برائی کی جڑ ہے یہ بھوک' افلاس' قرضہ' لوٹ مار' خاندانوں میں بدامنی' مہنگائی کی وجہ سے کرپشن اور بیسیوں

نفسیاتی بیماریوں نے جنم لے لیا ہے' ہماری دونوں بچیاں آپ جیسے کھاتے پیتے گھرانے کی زینت بنیں اور ہم نے بھی ان کے گھروں کو جہیز سے بھر دیا ہے' کیونکہ اس یکجائی کی وجہ سے ہمارا کاروبار چائنہ تک پھیلا ہوا ہے' ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں' آج کل خاندانوں کی وہ زنجیر تو ٹوٹ گئی' جو ہمیں تحفظ بھی دیتی تھی اور دولت سے مالا مال بھی کیے رکھتی تھی' شکر ہے اس نئے دور کے برے اثرات سے ہمارا خاندان بچا ہوا ہے۔"

"آپ نے بالکل درست فرمایا' میرا اپنا میکہ اور سسرال اسی قانون اور ضابطے کے مطابق ترقی کی راہوں پر گامزن ہے' یہی وجہ ہے کہ میں نے بھی ایسے ہی خاندان سے بہوؤں کا انتخاب کیا ہے۔" وہ گومگو کی کیفیت میں بولی کہ منہ سے تمنا پھوٹی ہی تھی کہ مراد بر آئی۔ کیا ایسے بھی رشتے طے ہوتے ہیں۔

"کل ہم مردوں کو ملوا دیتے ہیں اور ساتھ ہی شادی کی تاریخ کا بھی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔" دادی نے جھریوں زدہ ہاتھوں کی انگلیوں میں ڈائمنڈ کی انگوٹھیوں سے کھیلتے ہوئے قدرے ہچکچاہٹ سے کہا تو وہ چند منٹ کے لیے خاموش ہوگئی۔

"اماں بیگم آج کل زمانہ بدل گیا ہے بے شک بیٹوں نے اپنی شادیاں میری پسند اور رضا پر چھوڑ دیں لیکن مجھے آج کے وقت کے ساتھ تو چلنا ہے ناں' بچے فیس بک پر ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیں اور بات چیت بھی کرلیں' میرا خیال ہے یہی بہتر ہے۔ اس کے بعد انگوٹھیوں کے ردوبدل کے لیے دونوں بیٹے دبئی سے آجائیں گے۔ میرا خیال ہے جلدی کے کام تو شیطان کے ہوتے ہیں۔"

"بڑی ہی زبردست بات کی ہے۔" دادی پوپلا سا منہ بنا کر بولیں۔ "ہماری طرف سے بات پکی ہی سمجھو اب دیکھتے ہیں کہ بچے کیا فیصلہ کرتے ہیں؟" یہ کہتے ہوئے اماں کی آواز میں بھی لرزش پیدا ہوئی اور رنگ بھی فق سا ہوگیا ساتھ ہی ان کے سینے میں ہلکی سی چبھن بھی اٹھی اور انہوں نے ملازمہ کو پانی لانے کا آرڈر دیا۔

"بیٹیوں کے نصیبوں کے فیصلے کرنا آسان کام نہیں۔" لڑکیوں کی ماں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ بہت گہری اور اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بیٹی کی بات کرتے ہوئے دکھ کے ساتھ شرمندگی بھی ماری جاتی ہے۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آتی کہ بات شروع کیسے ہو اور اختتام کہاں پر ہونا چاہیے۔ دراصل انسان کی گفتگو سے ہی کردار کا عکس جھلکتا ہے ناں۔ زرینہ نے ہلکا سا مسکرا کر ساس' بہو کی طرف دیکھا۔

"بہن میں خود ایک بے حد لاڈلی بیٹی کی ماں ہوں' آپ کی اس پچویشن کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔ انسان تضادات کا مجموعہ نہ ہوتا تو زندگی بہت آسان اور سادہ ہوتی' میں نے اس دو گھنٹے کی گفتگو سے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کا خاندان پوش علاقے کا رہائشی ہے' جن پر میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہوئی محسوس کی ہیں۔ مالی امارت کا منہ بولتا ثبوت اور بچیوں کے رکھ رکھاؤ کی مثال ملی ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بچوں کی زندگی کی خوشیوں کا سوال ہے' ایسا نہ ہو کہ جلد بازی میں ہم پچھتاوے کی بے آب و گیاہ وادیوں میں بھٹکتے پھریں اور ہمیں رستہ سجھائی نہ دے۔"

"آپا آپ بہت سمجھ دار خاتون ہیں آپ کا فیصلہ ہی میرا فیصلہ ہوگا۔" لڑکی کی ماں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"اماں پرانے خیالات کی مالک ہیں' عمر رسیدہ بھی ہیں۔"

"جی سمجھ گئی' اب مجھے اجازت دیجیے اور مجھے بیٹیوں کے موبائل نمبرز دے دیجیے اور اپنے موبائل میں میرے بیٹوں کے نمبر فیڈ کرلیجیے۔" زرینہ نے اماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم حتی المقدور بچوں کی ہر خواہش کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ میں خود آپ سے رابطہ کروں گی۔"

"بالکل درست' میں آپ کے فون کی منتظر رہوں گی۔" وہ اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر خود اعتمادی سے بولیں۔

"ہمیں اپنی حیثیت کا ادراک ہے' میں نے اپنوں سے دور رہ کر جو کچھ بنایا بہت محنت اور دکھ اٹھا کر بنایا' اسی صلے میں

آج ہم دونوں ابدی آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میری ایک بات پر غور وخوض ضرور کرنا' میں نے اپنی زندگی میں جہاں بھی دولت کی بہتات دیکھی وہاں اس کے پس پردہ سینکڑوں حق داروں کی حق تلفی ہوتے دیکھا ہے۔ ہمارا گھر حرام سے پاک وصاف ہے ایسا نہ ہو کہ.....''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں' ایک بار آپ اس گھر کے مردوں سے مل لیں' آپ کو حرام اور حلال کا ادراک فوراً ہوجائے گا کیونکہ یہ میری فیلڈ نہیں' میں نے اپنی فیلڈ کے بارے میں آپ کو سب کچھ بتادیا ہے۔''

☆......☆......☆

''عورتیں نئے اجنبی لوگوں کے باطن کو سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہتی ہیں' ان کے لیے ظاہر بہت اہم ہوتا ہے اور وہ اسی میں کھوئی رہتی ہیں۔ میں تمہاری اس مثبت سوچ کو سراہتا ہوں کہ بہو جوائنٹ فیملی سے ہو اور زویا کے عقل مندانہ خیالات کی قدر دانی کرتا ہوں کہ اس کا دلہا صرف والدین کے سائے میں پروان چڑھا ہو۔''

''مجھے زویا کی فکر گھن کی طرح اندر سے کھوکھلا کررہی ہے۔ دونوں بھائیوں سے بڑی ہے' ہر صورت اس کی شادی ہوجانی چاہیے' ایک تو اس بدتمیز کی باتیں ہی نرالی ہیں۔ آپ تو اس پیار اور بے جا خواہشات پوری کریں' میرے سمجھانے کے باوجود ابھی بھی آپ باز نہیں آتے۔ یہ بتائیں کہ دو سال پرانی گاڑی کو صرف اس لیے نکال دیا کہ لاڈو کو سرخ رنگ کی ہنڈا پسند آگئی ہے۔ آپ میری ایک نہیں سنتے...... یہ اس لیے تو بگڑی ہوئی ہے۔ باپ کی بگاڑی ہوئی اولاد کبھی سدھرنے میں نہیں آتی۔'' لہجے میں فکرمندی تھی۔

''یار پرایا مال ہے' آج نہیں تو کل اس نے چلے ہی جانا ہے۔ وہ اپنے باپ کے گھر میں گزرے ہوئے وقت کو کبھی فراموش نہیں کرے گی' یاد رکھو کہ وہ اسی فیلنگز کے ساتھ اپنے بچوں کی پرداخت بہت اعلیٰ اور مثبت طریقوں سے کرے گی' تم فکر مت کرو۔ میں گارنٹی دیتا ہوں' تم دیکھنا کہ زویا ماں کیسی ثابت ہوگی' تم سے بھی بہتر۔''

''لیکن بیوی...... کچھ یقین نہیں اس پر۔'' وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

''بیگم تمہاری یہ تمام پیش گوئیاں اس کی شادی سے قبل کی ہیں' ایک بار اسے اپنے گھر کی ہونے دو' پھر دیکھنا سسرال تعریفوں کے پل باندھ دے گا۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولے۔

''اللہ خیر ہی کرے' سوائے پہننے اوڑھنے کے کچھ سیکھ کر نہ دیا۔ سسرال ولیمے کے بعد ایسا پینترا بدلتا ہے کہ دلہن حیرت میں ہی ڈوبی رہتی ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''اگلے گھر میں یہ سب نہیں چلے گا۔ اسے اپنے علاوہ دوسرا نظر نہیں آتا۔ وہ بھی آپ کی بیٹی ہے ناں ضدی' کیا مجال کہ میری نصیحت کا اس پر رتی بھر اثر بھی ہو۔ الٹا مجھے نصیحتیں کرنے لگتی ہے۔''

''تم نے اسے بالکل ہی نکما کردیا۔ تعلیم اس کی دیکھو CA کرنا آسان نہیں اس کے ساتھ اس کی پینٹنگز دیکھو کہ دل خوش ہوجاتا ہے' گھرداری بھی سیکھ ہی جائے گی۔ وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے' میں تو سکھانے میں ناکام رہی۔'' لہجہ پُرسکون تھا۔ ''اسے میں نے دس بار قورمہ سکھانے کی کوشش کی ہے ہر بار امتحان میں ناکام ہوجاتی ہے۔''

''مثلاً کیا کرتی ہے بیچاری میری بچی۔''

''پہلا نقص کہ ملازم سے کہتی ہے' موٹا مصالحہ کاٹو اگر گوشت گل سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں گلے گا؟ اسے کیا چاہیے؟ فوراً شارٹ کٹ مارتا ہے اور جب قورمہ تیار ہوتا ہے تو مصالحہ الگ' بوٹیاں اور پانی الگ' قسم سے ملازم بھی کھانے سے انکار کردیتا ہے اور فرماتی ہیں ممی اس کے ساتھ ابلے ہوئے چاول بہت مزا دیں گے۔ پھوہڑ اور بدسلیقہ کہیں کی۔ سسرال اور شوہر کو کیا ملے گا اس کی ڈگریوں اور رنگوں سے۔''

''زرینہ کیوں سر کھپاتی ہو اس کے ساتھ' جب سر پر پڑے گی تو سب سیکھ جائے گی۔ کھانا پکانا کون سا مشکل کام ہے۔''

''سیکھے گی کیا خاک دوسروں کو سکھانے کھڑی

ہوجائے گی۔ بے شک زمانہ بدل گیا ہے، لیکن یہ سسرال کوئی بدل نہ سکا، شوہر بھی مزاجاً اور طبعاً ویسے کا ویسا ہی رہا، ہاں زمانے کا کمال لڑکیوں کے رویوں سے ظاہر ہورہا ہے، اس لیے حامد صاحب مجھے وہ دو بہنیں ہی قبول ہیں جن پر آج کے زمانے کا رنگ نہیں چڑھا، ہم نے اسے لندن بھیج کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارلی ہے اس گھر میں سے حصہ وہ مانگتی ہے، شادی اپنی پسند کی کرنا چاہتی ہے اور کیا فرماتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری لیے جو قانون بنائے ہیں، اس کی گہرائی میں جائیں تو بہت اعلیٰ عرفا ہیں، ہمارے حق اور فائدے میں جاتے ہیں، دوسری طرف اس کا لباس آپ کو نظر نہیں آتا، تضاد ہی تضاد۔"

"بیگم میری بیٹی کو تنگ کرنا چھوڑ دو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "فی الحال بہوؤں کا انتظام کرو، گھر میں دو بھابیوں کے ساتھ رہنا سیکھ گئی تو اس کے لیے سسرال میں بھی رہنا آسان ہوجائے گا۔"

"ویسے حامد صاحب میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا کہ اسے بھابیاں ہی کچھ رکھ رکھاؤ، لحاظ داری اور میٹھا بولنا سکھادیں گی۔ مان گئی ہوں آپ کی دوراندیشی کو، بہت دور کی سوچی ہے آپ نے۔"

"اور میں مان گیا ہوں تمہاری دانش مندی کو کہ لڑکیاں امیر کبیر خاندان اور جوائنٹ فیملی سسٹم سے ہوں، سسرال میں فوراً ایڈجسٹ ہوجاتی ہیں، مجھے معمولی سا اعتراض ان کی امارت کا ہے، پتہ چلے بیٹے دولت کی چمک میں ایسے اندھے ہوجائیں کہ ہم نظر ہی نہ آئیں۔"

"ہائیں کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، میرے بیٹے ایسے بے مروت اور نافرمان ہرگز نہیں۔ ان کی تابعداری سے اندازہ لگائیے کہ اس ماڈرن دور میں اپنی جیون ساتھی کا چناؤ ہم پر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ میرے فرشتہ خصائل بیٹوں کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے اور اس جنات کی خصلت والی بیٹی کو نیک ہدایت دے آمین۔"

☆......☆......☆

"ممی...... آپ کو شوق تھا کہ میری شادی بھائیوں کی شادی سے پہلے ہی ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے گھر بیٹھے بٹھائے آپ کی خواہش پوری کردی۔" وہ ماں کے کمبل میں گھس کر کسی معصوم بچی کی طرح چہکتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا سن رہی ہوں؟" ماں جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "کون خوش نصیب میری بیٹی کو پسند آگیا ہے، جلدی سے بتاؤ۔"

"ممی یہ ہے اس کی فوٹو اور اس کا نام اس کی پروقار شخصیت کی طرح بے حد بارعب ہے شیروان علی۔"

"کون ہے، کہاں ہے، تمہارے پاس کیسے آیا؟"

"میرے پاس فیس بک کے ذریعے پہنچا اور اگلا جواب میرے ننھیال اور ددھیال کے شہر کا رہنے والا ہے، اگلا جواب آج کل کینیڈا میں ڈاکٹری کررہا ہے، خوشی کی بات یہ کہ صرف دو بھائی ہیں، کوئی نند وند کا جھگڑا فساد نہیں۔ ہاں ساس بیگم زندہ ہیں، اپنے بڑے بیٹے کو اپنے دوپٹے کے کونے سے باندھے بیٹھی ہیں، کیا مجال کہ بہو ایک انچ بھی ادھر ادھر کھسک جائے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔ "مجھے شیروان کے دوست نے ان کے تمام حالات بتادیے ہیں، سب خوب رہے گا ساس کے بغیر۔"

"بری بات، ایسے نہیں کہتے، ساس تو گھر کی برکت ہوتی ہے اور بہو رونق...... دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔"

"ممی سب لڑکیاں میری طرح ہی سوچتی ہیں۔ وہ زمانہ گیا جسے آپ یاد کرتی ہیں، بھول جائیں کہ آپ کی بہوئیں مجھ سے مختلف ہوں گی، سب کی اپنی زندگی ہے ممی، ہم بدکاری تو نہیں کررہیں، ہمیں اپنے حقوق کی شناخت اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب سمجھ کر پڑھنے سے ہوئی، آپ کا زمانہ گیا جب صرف عربی پڑھانے پر زور دیا جاتا تھا، اگر عربی کے معنی بھی شروع سے بچوں کو سکھائے جاتے تو آپ کی جنریشن کے خیالات بھی بدل چکے ہوتے۔ میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے کلام کے ہمراہ اپنی مادری اور قومی زبان میں قرآن مجید کو سمجھنے کے قابل بنایا، تھینک یو مام۔"

☆......☆......☆

وہی ہوا کہ بھائیوں کی شادی سے پہلے ہی اس کی شادی شیروں علی سے ہوگئی اور وہ خوشی خوشی اپنے سسرال سدھار گئی' جہاں ساس کے ساتھ ایک جیٹھانی بھی مقیم تھی۔ چھوٹا سا خاندان اس کی تسلی و تشفی کے لیے خوب تھا۔ جب شیروں کینیڈا جانے کی تیاری کرنے لگا تو ساس نے زویا کے ویزہ آنے تک کا عرصہ میکے گزارنے پر پابندی عائد کردی۔ بیٹے کے اصرار پر اسے مہینے میں دو دن میکے گزارنے کی اجازت ملی تو زویا تڑپ کر رہ گئی۔ بجھے ہوئے دل اور اشک بار آنکھوں سے شیروں کو سی آف کر کے سب کے ساتھ سسرال واپس آرہی تھی کہ سسر نے اپنا حکم سنایا کہ اب سے زویا آفس نہیں جائے گی۔

''ریزائن کردو بیٹا۔''

''ہائے کیوں نہیں جاؤں گی' اتنا پڑھ لکھ کر ڈگریاں چولہے میں جھونک دوں' ایسا کرنا تو ہے ہی ناممکن۔'' وہ دل ہی دل میں کھولتی ہوئی بڑبڑائی۔

''کیونکہ بیٹا میں سمجھتا ہوں کہ عورت کی جنت اس کا گھر ہے' اسے والدین اس لیے اعلیٰ تعلیم دیتے ہیں کیونکہ اس کے مقدر کی انہیں خبر نہیں ہوتی' وہ اسے آنے والے مشکل وقت کے لیے تیار کرتے ہیں۔ عورت مجبوراً گھر سے باہر قدم نکالتی ہے۔ اپنے شوہر کا دایاں بازو بن کر اس کے شانہ بشانہ چل پڑتی ہے' ہمیں ایسی کوئی مجبوری نہیں کہ ہماری بچیاں باہر حصول رزق کے لیے ماری ماری پھیریں۔''

''لیکن پاپا میں جاب کرنا چاہتی ہوں' ایک مہینے بعد میری پرموشن ہونے والی ہے۔'' وہ منمنائی۔

''وجیہہ کی پرموشن شادی سے ایک مہینہ قبل ہی ہوگئی تھی' اس نے فوراً اس گھر کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر وہی کیا جیسا ہم نے چاہا...... اب دیکھو کہ اس گھر میں اس کا مقام بڑی بیٹی کا ہے' سسرال میں اپنی جگہ بنانے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے بیٹا۔''

''جان لے لیں' خواہشوں پر ڈاکہ تو مت ڈالیں۔''

''جی پاپا......'' وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ میں نے عقل مندی کا ثبوت دیا کہ رخصتی سے پہلے اپنے کمرے کو لاک کر کے اپنا قبضہ نہ چھوڑا' آخر اس گھر میں میرا حصہ ہے' مجھے یہاں مقام بنانے کی کوئی ضرورت نہیں' کہاں لکھا ہے قرآن مجید میں کہ بہو کو شوہر کے پاس رہنے بجائے سسرال میں نوکرانی بن کر رہنا ضروری ہے' کہاں لکھا ہے کہ ساس کی خدمت کرنا بہو کا فرض ہے' مجھے دکھائیں کہ کہاں لکھا ہے' کہ بہو کو اس کے میکے جانے پر پابندی لگادی جائے' کہاں لکھا ہے کہ وہ جاب نہ کرے' وہ انہی سوچوں کے ہمراہ جلتی ہوئی گھر پہنچ گئی۔ منہ پھلائے سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اور دروازہ لاک کر کے ممی کو فون کرنے لگی۔

''بیٹا اس میں رونے والی کوئی بات نہیں' چند مہینوں کی بات ہے' ہمیشہ کے لیے کینیڈا چلی جاؤ گی' کبھی کبھار چھٹیوں میں مہمان بن کر آؤ گی' خاطر مدارت کرا کر واپس چلی جاؤ گی۔ اس لیے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو' خبردار جو منہ ماری کی تم نے۔''

''میں نے کہہ دیا تاں کہ میں یہاں ساس' سسر اور جیٹھ کے زیر سایہ نہیں رہ سکتی' نہ ہی مجھے وجیہہ بننے کا شوق ہے۔''

''ایسی باتیں مت کرو' شیروں کو تمہارے بیہودہ خیالات کا علم ہوا تو بہت برا ہوجائے گا۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی تو ہوئے ہیں اس کی زندگی میں آئے۔''

''کیا ہوجائے گا بتایئے مجھے طلاق بھیج دے گا' تو طلاق حرام نہیں جائز ہے' جب ایک دوسرے کے ساتھ گزارہ کرنا اذیت ناک ہوجائے تو طلاق کا حکم دیا گیا ہے۔''

''بیٹا تم ابھی بہت ناسمجھ ہو' ان سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے کے واقعات و حالات کا مطالعہ کرو' جو احکامات تمہارے مزاج اور طبیعت کے مطابق ہیں صرف وہ درست ہیں' عقل کے ناخن لو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ کی اس معتبر کتاب کو قطعی طور پر سمجھ نہیں پائی' پہلے سمجھو پھر مجھے قانون بتانا۔''

''میں نوکری کیوں چھوڑوں...... اگر اس پر بھی پابندی ہوتی تو رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ سے شادی کیوں

کرتے۔ جبکہ وہ اس وقت ملک کی مشہور بزنس کرنے والی خاتون تھیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"مجھ سے سوال جواب کرنا بند کرو کیونکہ تم گہرائی میں غوطہ زن ہونا ہی نہیں چاہتیں۔" وہ بھی تیز لہجے میں بولیں اور فون بند ہوگیا۔ تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ سوچا کیا تھا' نکلا کیا؟ وہی روائتیں' وہی گھسے پٹے رواج وہی ظلم اور قید' سسرال کا بھی عجیب ہی دبدبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے میری زبان کو گدی سے نکال دیا ہے' اب میرے خیالات پر بھی یہی لوگ قابض ہونا چاہتے ہیں۔

☆......☆......☆

"آج زویا کی ساسو ماں اپنی بہو کے ہاتھ کا پکا ہوا ناشتہ کرے گیں' پراٹھا اور فرائی انڈا اور ساتھ دودھ پتی۔" ساس نے اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری یہ عادت ہمیں بہت بھلی لگی ہے کہ صبح سویرے نہا دھو کر تیار ہوجاتی ہو۔ شاباش بیٹا' لگتا ہے میرے گھر پری اتر آئی ہے یا حور۔"

نوکری کا کمال ہے بیگم...... ورنہ اس کی نوکری خطرے میں پڑ جاتی۔" سسر ظفر علی نے بھی اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"اب عیش کرو گھر کی ملکہ کا رتبہ بہت اونچا ہوتا ہے' وجیہہ سے پوچھو کہ وہ اس پرموشن پر زیادہ خوش ہے کہ جاب کی پرموشن پر خوش تھی۔"

"جی پاپا شاید آپ درست ہی فرما رہے ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔ "لیکن مجھے جاب سے عشق ہے پاپا۔"

"یہ عشق' ذوق شوق سب افسانوی حروف ہیں۔ اصل کیا ہے جو معاشرہ کہتا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر ٹال دیا۔

"بیٹا تمہارے سسر جی کو پین کیکس بہت پسند ہیں' وجیہہ سے بولو وہ سسر جی کا ناشتہ بنائے۔" ساس نے نرماہٹ ولگاوٹ سے کہا تو زویا دوپٹہ فرش پر گھسیٹتی ہوئی کچن کی طرف چل پڑی۔ "یہ دو عدد کس مرض کی دوا ہیں۔"

"بہورانی تم دوپٹے سے ہر وقت جھاڑو کا کام لیتی ہو' ادھر آؤ تمہیں دوپٹہ اوڑھنا سکھاؤں۔" ساس قہقہہ لگا کر بولی۔ "میری لاڈو اور باؤلی بہو۔" وہ الٹے قدموں واپس مڑی۔

"ماما دراصل سالہا سال ہوگئے کہ دوپٹے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ یہ عادت لندن سے پکی ہوگئی تھی۔"

"بہورانی وہ وقت اور تھا' نا بھی کالڑکیاں ہر طرح کے فیشن کرتی ہیں' ماں باپ اعتراض بھی کریں تو وہ سنتی ہی کب ہیں۔ سسرال تو ایسی بھٹی ہے جہاں سونا تپ کر کندن بن جاتا ہے' تم سونا ہو' کوئی پیتل تانبہ نہیں ہو' میرا بیٹا دوپٹے کو پھیلا کر جسم کے اردگرد لپیٹ لو' کیا مجال کہ فرش کو چھو جائے۔ ویسے بھی سہاگن کا دوپٹہ زمین کو چھونا نہیں چاہیے' بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔" زویا نے دوپٹہ کندھوں پر ڈال کر وجیہہ کی طرح اوڑھ لیا۔

"کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ وہ آنسو پیتے ہوئے کچن کی طرف چل دی' یہ تعلیم یافتہ گھرانے کا حال ہے' ساس سسر پی ایچ ڈی اور یہ فرسودہ خیالات...... ہائے میرے رب اس گھرانے میں زویا کا گزارہ کیسے ہوگا؟ دوسری طرف ممی ایک لفظ سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ڈیڈی بھی بدل گئے ہیں۔ وہ تو کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے' فوراً بول اٹھتے ہیں کہ بیٹا کوئی اچھی سی بات سناؤ۔ دوسری طرف ظلم کی انتہا ہے کہ شیروان والدین کا عاشق اس کو کیسے بتاؤں کہ یہاں میرے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں۔"

کیا میکے میں کمرے کو لاک کرنے سے میرے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں' جبکہ والدین مجھے دیکھ ہی نہیں کہتے' دو دن کے لیے جاؤں تو ان کا پہلا سوال ہوتا ہے اپنی ماما (ساس) سے اجازت لے کر آئی ہو نا' پاپا (سسر) تو خفا نہیں تھے۔ لعنت میری اس زندگی پر' قید اور وہ بھی بامشقت۔

"وہ میری ماما کیسے ہوگئی نادان لوگو وہ شیروان کی ماما ہے' اسے اپنے بیٹے سے پیار ہے میں تو اس کی پراپرٹی پر قابض ہوگئی ہوں' بھلا وہ مجھ سے پیار کیسے کرسکتی ہے؟ اور میں اسے ماں کیسے سمجھ لوں؟ میں خود کو دھوکہ نہیں دے سکتی لوگو!"

”وجیہہ بھائی مجھے پراٹھا پکانا نہیں آتا' انڈا ابال سکتی ہوں' فرائی کرنا نہیں آتا' ٹی بیگ کی چائے پکا سکتی ہوں' لیکن دودھ پتی پکانی نہیں آتی' ہائے بھابی کس مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں۔ اچھی بھلی لاڈو پیار میں خودمختار اور آزاد زندگی گزر رہی تھی۔ اپنے لیے اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود ڈالا۔ خود پر ظلم کرنے کا مزا چکھ رہی۔“

”زویا گھبرانے کی کوئی بات نہیں تم سب بہت جلد سیکھ جاؤ گی' میرا بھی ایسا ہی حال تھا۔ دو سال کے اندر میں نے ہر طرح کے کھانے اور بیکنگ سیکھ لی' تازہ پھلوں کے مشروبات' دیسی اور ولایتی سویٹ ڈشز کوئی مجھ سے سیکھے' حالانکہ اس گھر میں دو عدد کک ہیں' لیکن وہ تیسرا کک مجھے بنانے میں کامیاب نکلے' کیونکہ مجھے بہت جلد احساس ہوگیا تھا کہ مہارانی بننے کے لیے پہلے نوکرانی بننا وقت کے ساتھ پرموشن ہوتی رہے گی' آج میں کرتا دھرتا ہوں' اس گھر پر راج کرتی ہوں۔ مجھ سے ساس سسر ہر بات میں مشورہ لیتے ہیں۔ یہی عورت کی معراج ہے کہ سسرال کو جیت لے' جو لڑکی میکے کو بھول نہیں پاتی اس کا گھر آباد نہیں ہوتا' جلد یا بدیر اجڑ جاتا ہے' یہ میرا تجربہ ہے۔“

”لیکن بھابی مجھ سے یہ سب کچھ نہیں ہوگا' میں کینیڈا پہنچتے ہی جاب پکڑ لوں گی' یہاں تو میں ان کا لحاظ کر گئی ہوں' شوہر تو اپنا جیون بھر کا ساتھی ہوتا ہے ناں' بیوی کی خوشیوں کا خوب دھیان رکھتا ہے۔“ وہ امید و بیم بھرے لہجے میں بولی۔ ”اور اس کی ماں بھی لیتا ہے ناں۔ آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے۔“

”زویا تم اس کے والدین اور رشتے داروں کی عزت کرو گی' ان کی سوچ میں ڈھل جاؤ گی' ان کے پیمانے میں سما جاؤ گی تو شوہر تمہیں اہمیت دے گا' میرا تو یہی تجربہ ہے یار' آج کی لڑکیوں کا بہت بڑا مسئلہ ہے' آزادی اور خودمختاری چاہتی ہیں' اپنی زندگی کو مشکل سے مشکل ترین بنا کر خوش ہیں نہ ہی مطمئن ہیں۔ کولہو کے بیل کی طرح چوبیس گھنٹے محنت و مشقت میں جتی ہوئی ہیں' چکھ لیں مزا آزادی اور خودمختاری کا کہ زندگی میں پل بھر کا چین نہیں رہا' افراتفری کا عالم ہے۔“

”بھابی میں ایگری نہیں کرتی' یہ سب پرانی باتیں ہیں' آج کا زمانہ کچھ اور کہتا ہے' یہ میرا تجربہ ہے۔“

”زویا رانی میری بات پر ذرا غور کرنا۔ میں بھی شادی کے بعد تمہارے جیسے خیالات رکھتی تھی۔ میری شادی ٹوٹنے سے کس نے بچائی' جانتی ہو' اسی ساس نے' اس عظیم عورت نے جسے میں نفرت سے دیکھتی تھی۔ کوئی ماں اپنے بیٹے کا گھر برباد نہیں کرنا چاہتی' اس قسم کی بیہودہ قیاس آرائیاں بہو کی طرف سے اٹھتی ہیں۔ پہل وہ کرتی ہے' شوہر اور بیٹے کے معاملے میں دونوں عورتیں پوزیسیو...... ماما بہت عقل مند خاتون ہیں ابی تک مسئلہ پہنچنے سے پہلے ماما نے مجھے سرتاپا بدل دیا اور میں اس گھر کی ہو کر رہ گئی۔ میری بات یاد رکھنا' میکے میں بیٹی کی عزت اس وقت تک بحال رہتی ہے جب تک وہ اپنے سسرال کے دلوں میں بستی ہے ورنہ اس کی حیثیت چیونٹی سے کمتر ہو جاتی ہے' اس گھر میں دل لگانے کی کوشش کرو' ہمارا سسرال بہت اعلیٰ ہے زویا' چھوٹا سا' چند تو ہم افراد ہیں اس خاندان کے' مزے ہی مزے ہیں ہمارے۔“

”ناٹ ایگری۔“

”جب گھر ٹوٹنے پر آ گیا تو پھر یہی ساس تمہارا سہارا بن جائے گی' میری بات پلے باندھ لو کہ جو بھی فیصلہ کرو واپسی کا رستہ مت بھولنا' وقت بہت کچھ سکھا دیتا ہے' واپس آنا پڑے تو ندامت سے نہیں بلکہ کبر و پندار سے واپس پلٹو' چلو میں تمہیں پراٹھا بنانا سکھاؤں' میرے دیور کو پراٹھا بہت پسند ہے۔ تمہارے کینیڈا میں قدم رکھتے ہی وہ پراٹھے اور دودھ پتی کی ڈیمانڈ کرے گا' وہاں نوکر چاکر نہیں ہیں' کہ تم تمام کام ان سے نکلوا لو گی' جبکہ یہاں ملازم ہیں' میں پھر بھی اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ماما' پاپا اور شہریار کو کھلانا چاہتی ہوں تاکہ انہیں میری توجہ جیت سکے۔“

”مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔“ وہ اکڑ کر بولی۔

”فی الحال پراٹھا تو سیکھو...... شاید ذوق و شوق بڑھنے لگے۔“ وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ”یہ جو کچن ہے ناں عورت کا

آفس ہے اس وقت میں تمہاری باس ہوں میری مانو گی تو بہت فائدے میں رہو گی۔"

"چاچا تم ٹیبل لگاؤ چھوٹی بی بی پراٹھا پکائیں گی۔ میں پین کیکز مشیں پوٹیٹوز اور آملیٹ......"

"چاچا انڈا تم فرائی کر دینا......" زویا انڈا اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے بولی۔ "مجھے انڈا فرائی کرنا نہیں آتا چاچا۔"

"چھوٹی بی بی فکر کیوں کرتا ہے تمام کھانا میں تمہیں سکھاؤں گا کلب میں بیس سال یہی کام کیا ہے بڑے بڑے اناڑیوں کو بہترین کک بنایا ایک کک تمہارے سامنے بھی کھڑا ہے۔" اشارہ وجیہہ کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

شکر الحمدللہ کہ بھائیوں کی شادی کی تیاری کے لیے ماما اور پاپا سے اجازت مل گئی دو ہفتے کراچی میں آہا...... آہا......" وہ اپنے کپڑے اٹیچی میں رکھتے ہوئے خود کلامی کرنے لگی۔ "ان جلادوں سے دو ہفتے کے لیے گلو خلاصی تو ہو ہی جائے گی اگلے دو ہفتوں بعد میرا ویزہ آجائے گا اور میں گئی اور ساس بیگم منہ تکتی رہ جائیں گی۔" اسی اثنا میں ساس کمرے میں داخل ہوئیں۔

"بیٹا ایک اٹیچی بہت ہے دو ہفتوں کے لیے تم نے دو اٹیچی تیار کر لیے۔"

"جی ماما شادی کے دنوں کے علاوہ بھی تو کپڑے چاہیے دعوتیں شروع ہو جائیں گی۔"

"ارے وہاں تمہارا خاندان تو ہے نہیں تو دعوتیں کون کرے گا۔" وہ حیران کن لہجے میں بولیں۔

"دوست احباب بھائیوں کے دوست اور میری درجنوں سہیلیاں ویسے ماما کراچی کے لیے دو ہفتے بہت کم ہیں کیا ایک ہفتہ اور مل سکتا ہے۔" وہ ہچکچاہٹ سے بولی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا۔ مجھے تو ابھی سے ہول اٹھنے لگا ہے کہ گھر کی رونق آدھی ہو جائے گی۔ اب تم وہاں جا کر بیٹھ ہی نہ جانا دو ہفتوں بعد رپورٹ کرنا لازم ہے۔"

"ماما دو چار دن اوپر نیچے تو ہو ہی سکتے ہیں ناں۔" وہ منمنائی۔

"بیٹا جی نیچے ہو جائیں اوپر ایک گھنٹہ بھی نہ ہو ہم کون سا بڑے خاندان میں رہ رہے ہیں کہ تمہارے جانے کی کمی محسوس نہ ہو گی ہماری نگاہیں تو اپنی حور کو ڈھونڈتی رہیں گی۔"

"جب میں کینیڈا چلی گئی تو پھر آپ کیا کریں گی؟" وہ خوش ہونے کے بجائے چڑ گئی۔ لیکن لہجے کی شگفتگی برقرار تھی۔

"اسی لیے تو ہم نے شیرون کو واپس بلا لیا ہے تم وہاں ہی مون منانے جاؤ اور پھر دونوں یورپ کی سیر کرتے ہوئے واپس اپنے ملک اپنے شہر اپنے گھر آجانا۔"

"او مائی گاڈ مجھے اس پروگرام کا علم ہی نہیں۔" وہ تلملا کر رہ گئی۔

"بیٹا ہماری زندگی کا کیا بھروسہ؟ آخری دن اپنے بچوں کی قربت میں کٹ جائیں تو یہ ہماری خوش قسمتی ہے اور بچوں کے نصیب بھی والدین کی خدمت اور محبت کرنے سے کھلتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"ماما آپ بوڑھی کہیں سے نہیں ہیں آپ نے خود پر بڑھاپا طاری کر لیا ہے۔ سڑسٹھ سال بھی کوئی عمر ہے کیسی باتیں کرتی ہیں آپ پاپا آپ سے دس سال بڑے ہیں انہوں نے خود کو خوب ایکٹو رکھا ہوا ہے میں آپ کو ایک مشورہ دیتی ہوں......" وہ بناوٹی خوش دلی سے بولی جبکہ قلب و ذہن میں اشتعال انگیزی سما چکی تھی۔

"بولو بیٹا...... کچھ بھلا ہی بولو گی تم بچی بہت خوب ہو۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ "ماں نے کیا بھلی تربیت کی ہے کہ منہ میں زبان تک نہیں۔"

"ماما آپ شہریار بھائی اور بھابی کو بھی باہر بھیج دیں۔ یہی بہتر رہے گا شیرون کو بھی وہیں رہنے دیں۔ جب آپ دونوں اس گھر میں تنہا رہیں گے تو آپ کو اکیلے میں رہنے کا طریقہ سلیقہ آجائے گا آپ مصروف ہو جائیں گی طریقہ شاید آپ بھول چکی ہیں وہی جوانی کا طریقہ نیا ہرگز نہیں کلب جوائن کریں اپنی تمام پرانی دوستوں کو اپنے گھر جمع

کریں، کمیٹیاں ڈالیں، ڈیزائنر کپڑے بنائیں، چیرٹی کا کام کریں، دیکھیے گا دل سکون کے ہلکورے لینے لگے گا۔ آپ نے خوامخواہ اپنی زندگی کو گھر تک محدود کر رکھا ہے۔ مطالعہ کرنا درست ضرور ہے لیکن اس سے کبھی کبھار دور رہنا بھی تو ضروری ہے ناں۔"

"دراصل میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی، اس لیے تو شیروان واپس آرہا ہے، مجھے باہر کی دنیا میں قطعاً دلچسپی نہیں رہی، کتابیں، رسائل اور اخبار، تم اور روجہ ہی دل بہلانے کو کافی ہیں۔ نماز، روزہ، تلاوت تو ہے زندگی کا اہم حصہ۔"

☆......☆......☆

وہ کراچی ایئرپورٹ پر اتری تو بھائی اور والدین اسے ریسیو کرنے آئے ہوئے تھے۔ زویا سب سے گلے مل کر خوب روئی، جب ڈیڈی کے گلے لگی تو وہ دیر تک سسکیاں بھرتی رہی، بڑی مشکل سے اسد اور سعد اسے گاڑی تک لائے، گاڑی میں اس کا سامان رکھتے ہوئے ماں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری بیٹی کتنے دنوں کے لیے آئی ہے، سامان سے ایسے لگ رہا ہے جیسے اپنی شادی کے تمام کپڑے اٹھالائی ہو۔"

"میری ساس بھی ایسی ہی باتیں کررہی تھیں۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ "ان کے سامنے تو سچ بولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ آپ کو گھر چل کر بتادوں گی...... وہاں تو منافقت سے ہی کام نکلتا ہے۔ ہر بندہ ایک دوسرے کی چاپلوسی کررہا ہوتا ہے۔ ساس تو ہے ہی شاطر۔"

"بیٹا ساس کا درجہ ماں سے کم نہیں ہوتا۔ ماما کہہ کر ان سے بات کیا کرو اب میں نہیں وہ تمہاری ماں ہیں، ان کی عزت کرنا سیکھو۔ میرے ساتھ تو منہ ماری کرلیتی ہو، تمہیں معاف کردیتی ہوں، وہ ایسی ماں ہے جو معاف نہیں کریں گی، ان کا نام لینا بداخلاقی اور بدتمیزی کے زمرے میں آتا ہے میری جان۔" وہ نرماہٹ سے بولیں۔

"ان کے سامنے تو نہیں کہہ رہی، آپ کی نصیحتیں ختم نہیں ہوتیں، کراچی میں قدم رکھتے ہی شروع ہوگئیں، ڈیڈی آپ کیوں خاموش ہیں، آپ بھی نصیحتوں کے گوشوارے کھول دیں۔ ممی مجھے نصیحتیں کرنا چھوڑ دیں، میں تنگ آگئی ہوں۔ سسرال میں دو عدد خواتین اور یہاں میری اپنی ماں اور ڈیڈی کل بھابیاں بھی مجھے ہی نصیحتیں کریں گی آپ میرے ساتھ یہ ظلم مت کریں ممی۔"

"کراچی قدم رکھتے ہی ہم سے بدتمیزی اور خفگی، لگتا ہے یہاں کی ہوا میں کوئی گڑبڑ ہے۔ لاہور تمہارے سسرال سے ہمیں جو رپورٹ ملتی رہتی ہے یا تو وہ وضع داری اور لحاظ داری کی وجہ سے ہے یا سچ ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے؟ تمہاری پاپا تو تعریفیں کرتی تھکتی نہیں، ہر بار ہماری احسان مند ہوتی ہیں۔" زرینہ نے حیرت سے کہا۔ "اور تم کچھ عجیب ہی بکتی ہو۔"

"بہت منافق اور جھوٹی عورت ہے، ڈیڈی اتنے مہینے جس مشکل سے کاٹے ہیں میں نے، آپ کو اس کا اندازہ ہو تو مجھے تمغہ صبر و استقلال سونپ کر یہاں سے جانے نہ دیں۔"

"آپی...... کوئی اچھی سی پیاری سی بات کریں کہ مزا آجائے" سعد نے اسے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تو سمجھا تھا آپی کے مزاج میں ضرور فرق آگیا ہوگا۔ ہماری آپی کی سوچ خیالات بدل چکے ہوں گے لیکن یہاں تو معاملہ مزید بگڑا ہوا لگ رہا ہے، بہت دکھ ہوا یہ دیکھ کر۔" اسد نے اسے گدگدی کرتے ہوئے کہا۔

"آئی لو یو آپی، انسان وہی دلیر اور بہادر ہوتا ہے جو حالات کے مطابق مولڈ ہوجائے۔" یہ سنتے ہی اس نے فوراً اپنا موڈ درست کیا، بھیگے رخساروں سے آنسو صاف کیے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، پیاری اور اچھی باتیں کریں گے، دھینگا مشتی کریں گے، کرکٹ کھیلیں گے، رات کو جنوں اور پریوں کی کہانیاں ایک دوسرے کو سنائیں گے اور میٹھی نیند میں چلے جائیں گے۔"

"بالکل ایسے ہی ہوگا، زندگی کے تمام جھمیلوں سے نکل

کر ہم یہ دن ناقابل فراموش بنادیں گے۔" سعد نے خوشدلی سے کہا۔ "آپ دونوں کو جانے سے ایک دن پہلے میرے تمام مسائل کو سننا ہوگا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"بالکل درست ہے منظور ہے آخر ہم بہن اور بھائی ایک دوسرے کے مسائل سن کر حل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو کیا لوگ آئیں گے ہمیں مشورہ دینے۔" سعد نے پیار بھری نظروں سے زویا کو دیکھ کر کہا تو گاڑی میں سب کی ہنسی جلترنگ بکھیرنے لگی۔

☆......☆......☆

"زویا ادھر میرے پاس بیٹھو...... اور غور سے میری بات سنو۔" آج اتنے دنوں بعد گھر میں تم اور میں ہیں' دلہنیں گئیں میکا دے اور لے گئیں تیرے بھائی۔"

"ہاں ممی...... یہ دنیا اور اس کے اصول بہت نرالے ہیں' آئی ہیٹ دیم' اب آپ بھی ساس کے پوز میں آہی گئیں۔" وہ آہ بھر کر بولی۔ "سارا جھگڑا ہی ساس اور بہو کا ہے' اس جھگڑے سے بچنے کے لیے ساس کی خدمت کا کہیں بھی ذکر نہیں' بڑھاپے کے مشکل دنوں میں بیٹا اپنے والدین کی خدمت کرے اور بیٹی اپنے والدین کی' میں نے مولانا صاحب کے ساتھ یہ مسئلہ ڈسکس کیا ہے' وہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر بیوی سے زورآوری کر کے خدمت نہیں کروا سکتا' اگر بیوی اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودگی کے لیے شوہر کے والدین کی خدمت کرتی ہے تو یہ اس کا شوہر پر احسان ہے۔ لیکن یہاں آپ نے وہاں شیروان نے میرے اندر نفرت بھر دی ہے' شیروان کا جب بھی فون آتا ہے وہ ایک موضوع پر گفتگو کرتا ہے کہ میرے ماں باپ کی خدمت کر کے ان کا دل جیت لو جیسے بھابی نے انہیں اپنا بنا لیا ہے' میں یہ باتیں سن کر تنگ آگئی ہوں' کہ ہمیں جنت ان کی خدمت کرنے سے ہی ملے گی' وغیرہ وغیرہ۔"

"بیٹا' تم سب ٹھیک کہتی ہو لیکن سوچنے کا مقام ہے کہ جن کی بیٹی نہیں ہوتی' بچے اپنی نوکریوں میں مصروفیت کی وجہ سے انہیں وقت دینے سے قاصر ہیں تو ایسے میں ساس کا خیال کون رکھے گا' کیا بہو کا فرض نہیں کہ اس کی دیکھ بھال کرے اور دعا لے۔" یہ سن کر وہ خاموش ہوگئی۔

"تمہارے پاس چوائس ہے بیٹا' اگر اپنے شوہر کی محبت حاصل کرنا چاہتی ہو تو اس کے والدین کی تابعداری کرو' ان کے گھر میں نوکر چاکر ہیں' تمہیں اسے ٹو دی تک تو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں' ان کو اپنے وقت کا تحفہ دو' یہ جو بزرگ ہوتے ہیں ناں' یہ اپنی ماضی کی باتیں بار بار دہرا کر بہت خوش ہوتے ہیں' کبھی کبھار پاؤں دبا دیئے' سر میں مالش کردی' بھلے سے میڈ یہ کام کرنے کے لیے موجود ہو' دن میں ایک آدھ بار چائے پیش کردی' کبھی ان کی پسند کا کھانا پکا دیا' وہ توجہ کے بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں' بے شک تمہاری ساس نے کتابوں سے دل لگا رکھا ہے' پھر بھی تمہاری توجہ کی خواہش رکھتی ہوں گی۔" زرینہ بہت نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

"ناٹ اگین ممی کوئی اور بات کریں۔"

"تم نے ایک ہی ضد پکڑ لی ہے' چھوڑو ان باتوں کو۔ ایک چھوٹی مگر بے حد بھاری بات بتاؤں اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اپنے گھر کا ماحول خوشگوار رکھو' کیونکہ رب العزت کو میاں بیوی کے پیار و چاہت سے مل جل کر رہنا' دو قدم چلنا اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا بہت پسند ہے' اسی لیے طلاق کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے' تم قرآن کے احکامات میں یہ بھی شامل کرلو بہت خوش رہنے لگو گی۔"

"لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ حالات یوں پلٹا کھائیں گے اور شیروان ماں کے کہنے پر واپس آجائے گا اور مجھے خبر تک نہ ہوگی۔ ممی اس نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔" وہ المناک لہجے میں بولی۔

"دل بڑا کرو بیٹا' اس ماں نے اسے پیدا کیا' اپنا خون اور دودھ پلایا' اس کے حقوق مت بھولو' اگر اس نے نہیں بتایا تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی اور سنو آج کے بعد اپنی بھابیوں کے سامنے سسرال اور شوہر کی برائی مت کرنا۔ ان کے سامنے کیڑے نکالنے کا مطلب جانتی ہو تم سمجھدار ہو' سب مطلب خوب جانتی ہو۔" ماں نے مسکراہٹ سے کہا۔ تو وہ

خاموش رہی اور چہرہ نیچے کیے سوچتی رہی۔ ''چلو حفظ ماتقدم بتا ہی دیتی ہوں۔''

''تمہاری عزت تو خاک میں مل ہی جائے گی' اس کا خمیازہ ہمیں بھی بھگتنا پڑے گا' وہ بھی ہمارے بیٹوں کو لے اڑیں گی۔ ہر لڑکی کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہم دو کے درمیان کوئی اور نہ آئے' نجانے یہ بچوں کی موجودگی کیسے برداشت کرلیتی ہیں' آج کل تو یہ گھر گھر کی کہانی ہے کہ بہو ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی' جھٹ پٹ طلاق کا مطالبہ کردیتی ہیں' ہمارا وقت گھر بسانے کا تھا' آج کا دور گھر اجاڑنے کا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔ ''تمہارا واپس جانے کا پروگرام کیا ہے' اسد اور سعد کی چھٹیاں صرف دو ہفتے کی تھیں' اب تو دو چار ہی رہ گئی ہیں' وہ تو چلے جائیں گے لیکن میرے کہنے پر اپنی دلہنیں چند مہینوں کے لیے یہاں ہی چھوڑیں گے' کیونکہ یہ بہت ضروری ہوتا ہے' بہو کو سسرال کے اصول اور طریقے شروع دنوں میں ہی سکھا دیے جائیں تو بہتر رہتا ہے' ہر رشتے میں انڈراسٹینڈنگ کے لیے کچھ وقت ایک دوسرے کو دینا پڑتا ہے' شوہر کے ساتھ تو عمر گزرتی ہے ناں' اللہ خیر کرے۔''

''ناٹ ایگری...... میرا واپس جانے کا کوئی پروگرام نہیں' بہت ہوگئی ممی' میں نے شادی بے حد سوچ سمجھ کر کی تھی شیروان ہی اسٹوپڈ نکلا' کہ واپس آرہا ہے' مجھے اس نے بھنک تک نہیں پڑنے دی' یہ ہے میری حیثیت اس کی نظروں میں' یہ انکشاف تو اس بڑھیا سے بے خیالی اور بے اختیاری میں ہوگیا تھا ورنہ میں بدھو ہی بنی رہتی۔ میں دو ہفتوں کے لیے ہی آپ کے پاس آرہی تھی جب میں نے اس کھچڑی کی مہک کو محسوس کیا جو نجانے کب سے پک رہی تھی تو میں اپنا تمام اوڑھنے پہننے والا سامان اٹھا لائی ہوں' حالانکہ وہ پوچھتی رہیں کہ اتنا سامان کیوں لے کر جارہی ہو' میں نے نہ کوئی بہانہ بنایا' نہ ہی جھوٹ بولا' خاموش رہی اور عقل مندی سے تمام جیولری بھی ساس سے نکلوا کر لے آئی' وہ تو ہرگز نہ ملتی اگر یہاں شادیوں کے فنکشن نہ ہوتے' بیچاری کو مجبوراً ہی دینی پڑی۔'' وہ نفرت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا' آج ہی جانے کی تیاری پکڑو' ابھی شیروان تک تمہاری یہ حرکت نہیں پہنچی' ورنہ وہ تم سے رابطہ نہ رکھتا' پل پل کی خبر نہ لیتا' یہ مت بھولو کہ اس بیٹے نے ماں کے ساتھ اٹھائیس سال گزارے ہیں اور تمہارے ساتھ تو اس نے اٹھائیس دن بھی نہیں گزارے' تم اس کی ماں پر بھاری کیسے ہوگئیں؟'' وہ غیظ وغضب سے بولیں۔

''واہ میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی' ممی میں پڑھی لکھی لڑکی ہوں' خود کو سنبھال سکتی ہوں۔''

''فضول باتیں مت کرو' اسی وقت اپنی ماما سے اور پاپا سے بات کرو' خبردار جو بدتمیزی کی' ہنسی خوشی آئی ہو' اسی کیفیت میں واپس جاؤ' ورنہ میں اور ڈیڈی تمہیں اسی وقت وہاں چھوڑنے کی تیاری پکڑلیں گے' اپنی عزت کا ہی خیال رکھ لو۔''

''ممی میں نے کہہ دیا ناں کہ نہیں جاؤں گی' نہیں جاؤں گی' اگر شیروان ایک جاہل اور اناڑی شوہر ہے تو مجھے آزاد کردے۔''

''میں تمہارے ڈیڈی کو تمہارا خود ساختہ مسئلہ ابھی بتاتی ہوں' کل تک یہ مسئلہ حل ہوجانا چاہیے' ورنہ بہت برا ہوجائے گا' تم کس قسم کی لڑکی ہو کہ طلاق کا لفظ ایسے بے باکی سے زبان پر لاتی ہو جیسے مصری کی ڈلی ہو۔ خبردار جو بھابیوں کے سامنے ایسی بیہودہ بکواس کی۔ انہیں تمہاری صحبت سے تو بچا کر رکھنا پڑے گا' خربوزہ ذائقہ نہ بھی پکڑے' رنگ تو پکڑ ہی لیتا ہے۔''

''ممی کیوں خوف زدہ ہیں' کچھ نہیں سیکھیں گی مجھ سے۔''

''بیٹا اب یہ گھر بہوؤں سے بھر گیا ہے' میں اپنے گھر کی کہانیاں غیر خاندان کے منہ میں کیوں ڈالوں؟ پلیز ہمارے گھر کا ماحول خراب مت کرو' ہمیں چین وسکون سے جینے دو۔ فوراً اپنے گھر جانے کی تیاری پکڑو اور خبردار جو کمرہ لاک کرکے گئیں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کرنا گواری سے بولی۔

"میں تالہ بدل لوں گی، وہاں دل لگاؤ جہاں تم اپنی مرضی سے گئی ہو۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیں ممی! آپ کا پیار تو میں نے دیکھ لیا، بہوئیں کیا ملیں، اپنی اکلوتی نازو نعم میں پلی ہوئی بیٹی کو بھول گئیں، ممی مجھے سب بھول گئے، ڈیڈی اور بھائی بھی، شیرون بے وفا، خودغرض اور ممی بوائے بھی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیونکہ تم ماما کی بیٹی ہو، ہم اپنی دو بیٹیاں بیاہ کر لے آئے ہیں، اب تم جانو اور تمہارا کام جانے، اس لیے تو تمہاری پسند پر ہم نے اعتراض نہیں کیا تھا، تمہاری پسند شریعت کے مطابق اور واپس پلٹ آنے میں شریعت کہاں پر ہے؟" زرینہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"میں شریعت کے احترام میں واپس بھی آؤں گی، اگر شیرون پھر بھی نہ مانا تو طلاق کا مطالبہ کرنا میرا حق ہے، آپ کی جائیداد میں میرا حق ہے، حق مہر کی رقم پر میرا حق ہے سب کچھ وصول کرنے کی میں ہمت رکھتی ہوں، انصاف کے لیے کورٹ میں جاؤں گی۔" وہ بھی غصے سے بولی۔

"تم حق جتاتی رہو، تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی، کون دے گا تمہیں شرعی حق، جس عدالت میں جاؤ گی، ناکام ہی لوٹو گی۔ اگر ہمیں اسلامی شرعی حقوق مل سکتے تو ہم اپنی ہی بیٹی کو سر تسلیم خم کرنے کی تلقین کیوں کرتے، ناجائز کو جائز قرار کیوں دیتے، بیٹا اس معاشرے میں ہماری شنوائی نہ پہلے تھی، نہ اب ہے۔ آج کل کی لڑکی یہ کیوں نہیں سمجھتی، چار پیسے کمانے سے تحفظ نہیں ملتا، شوہر نام کا بھی لڑکی کی عزت کا پاسبان ہوتا ہے۔"

"لیکن میں سنا کر رہوں گی، دنیا بھر کو، اپنوں اور غیروں کو، شیرون اور اس کے رشتہ داروں کو کہ ہم بھی انسان ہیں، جذبات و احساسات سے بھرپور۔" زویا زور سے چیخی اور داخلی دروازے سے نکل کر برآمدے میں بیٹھ گئی۔ شام کے ہوتے ہی وہ ننگے پاؤں لان میں نکل گئی اور آہستہ آہستہ سوچ بچار کرتی ہوئی فیصلے کے آخری مرحلے تک پہنچ گئی۔

اس نے جونہی شام کی ہلکی سی تاریکی کو محسوس کیا، آسمان پر پرندوں کے غول جو قلابازیاں لگا رہے تھے، وہ اپنے آشیانوں کی جانب پرواز کر رہے تھے۔

"میرا آشیانہ کون سا ہے، میں کہاں جاؤں؟ کس جانب پرواز کر جاؤں؟ رستہ بھائی نہیں دے رہا کون سی راہ ہے میری۔" اس نے خود سے سوال کیے، چند لمحوں بعد اسے اپنے دل سے جواب مل گیا۔ وہ ننگے پاؤں گھر کے اندر آئی، بھاگتی ہوئی کمرے میں گئی اور پیکنگ کرتے ہوئے خودکلامی کرتی رہی۔

"زویا جلدی کرو...... دیر کردی تو تیرا آشیانہ تجھے قبول نہیں کرے گا۔ جب رشتوں میں خلا آجاتا ہے تو اس خلا کو کوئی نہ کوئی ذی روح پُر ضرور کردیتا ہے۔ زویا جلدی کرو اس سے پہلے کہ تمہاری جگہ کوئی اور لے لے...... میری ماما مجھے حور کہہ کر بلاتی ہیں اور امی نے ہر بیہودہ نام مجھ سے منسوب کردیا ہے۔"

میں تو جنت کی باسی!\
ایک حور ہوں......!\
یہ ہے میرا مقام\
یہ ہے میری پہچان\
اک حور ہوں!\
اس گھر میں اک مہمان\
بن بلائی وبال جان\
اس گھر کا ہوں ماہتاب\
ستارہ اور آفتاب\
اک حور ہوں......!

وہ گنگناتی ہوئی الماری خالی کر رہی تھی، زرینہ نے جھانک کر اندر دیکھا وہ خوشی اور دکھ و کرب کے آنسو اندر گراتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئیں۔

بھابی بیگم

یاسمین نشاط

مولوی صبغت اللہ نے بڑی نیک نیتی سے مدرسے کی بنیاد رکھی تھی۔ محلے کی بچیوں کو یا تو نہر پار کر کے مدرسے میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے جانا پڑتا تھا یا پھر پرانے دستور ابھی بھی قائم تھے۔ گھر کی کوئی دادی نانی یا پھر ایک قرآن پاک پڑھانے والی اماں جو چند روپوں کے عوض گھر گھر جا کر بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی تھیں' لیکن اس میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ نہ تو ان عورتوں کا تلفظ صحیح تھا اور نہ ہی وہ قرآن کو تجوید سے پڑھنے کا علم رکھتی تھیں' زیر زبر پیش کی غلطیوں کو وہ معمولی گردانتی اور کوئی غور بھی نہیں کرتا تھا' ایسے میں امام صاحب اور صبغت اللہ نے محلے کے دیگر ارکان سے مشورے کے بعد مسجد کے ساتھ ہی ایک ملحقہ گھر لے لیا اور اسے مدرسے کی شکل دے دی گئی۔ مفت تعلیم کے لیے ان کو گھر گھر جا کر لوگوں کو راضی کرنا پڑا۔ یوں ایک ماہ میں کم و بیش پندرہ بچیاں درس میں آنے لگیں۔ بچیوں کے لیے دو استانیوں کا انتظام کیا گیا تھا جو قرآن کے حرف و نجو سے پوری طرح واقف نہ سہی لیکن ان ماؤں سے بہت بہتر تھیں' چند ہی ماہ میں مدرسہ چل نکلا اور بچیوں کی تعداد بڑھ کر پچاس ہوگئی' مدرسے کے لیے مخیر حضرات بھی چندہ دینے لگے' یوں مدرسے میں ائر کولر اور پنکھوں کا انتظام بھی ہوگیا۔ رفتہ رفتہ یہاں بڑی لڑکیاں بھی آنے لگیں' جو پہلے قرآن پاک ختم تو کر چکی تھیں لیکن تجوید کے ساتھ پڑھنے کے فن سے ناآشنا تھیں' ماحول اچھا تھا اور پھر مولوی صبغت اللہ جوان ہونے کے باوجود شرافت کا پیکر تھے' ہمیشہ نظریں نیچی رکھ کر بات کرتے تھے' وہ بھی جب ضرورت ہوتی' ورنہ بلاوجہ انہوں نے کبھی پڑھائی کے اوقات میں مدرسے آنے کی کوشش نہ کی تھی' لڑکیاں انہیں بھائی جان کہہ کر بلاتی تھیں اور بشمول سب استانیاں ان کی بے حد عزت کرتی تھیں۔

صبغت اللہ تنہا تھے' ماں باپ کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا اور انہیں ان کے ایک رشتہ دار نے پالا تھا' اور وہ اسی رشتہ دار کو اپنا سب کچھ مانتے تھے۔ ان کی بیٹیوں کو وہ ہمیشہ اپنی سگی بہنیں سمجھتے تھے' چھبیس سال کے ہونے کو آئے تھے چچا امجد نے بیوی سے کہہ کر صبغت اللہ کے لیے بر ڈھونڈنے کی مہم شروع کردی تھی اور جلد ہی انہیں مطلوبہ رشتہ مل گیا تھا۔

شاہدہ پرائمری پاس تھی قرآن پاک پڑھا تھا اور گھریلو کاموں میں طاق تھی۔ چار بہنوں اور پانچ بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھی۔ شکل وصورت گوواجبی تھی (صبغت اللہ خوبرو نوجوان تھے) لیکن پہن اوڑھ کر بھلی لگتی تھی پھر عمر بھی ایسی تھی' دونوں گھرانوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' بھالا' پرکھا اور یوں رشتہ پکا ہوگیا۔ چچا امجد نے جلد ہی شادی کا ارادہ بھی ظاہر کردیا...... وہ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونا چاہتے تھے۔

انہوں نے صبغت اللہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنی رہائش کا الگ بندوبست کرلیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ صبغت اللہ کی بیوی کے گھر آجانے سے ساس بہو والا روایتی جھگڑا شروع ہوجائے۔ صبغت اللہ نے ان کی بات سمجھ لی اور جلد ہی ایک کمرہ کرائے پر حاصل کرلیا تھا۔

مدرسے میں بچیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی اور صبغت اللہ سوچ رہے تھے کہ ترجمے اور تفسیر کی کلاس بھی شروع کردی جائے' انہوں نے امام مسجد سے مشورہ کیا اور انہوں نے رضامندی دے دی تھی۔

☆......☆......☆

ٹرک سے بھرا سامان گلی میں کیا رکا کئی گھروں کے دروازے کھڑکیاں کھل گئیں۔ جو مکان کئی دنوں سے خالی تھا اور جس پر گزشتہ دنوں رنگ وروغن کرایا گیا تھا وہاں رہنے والے آ پہنچے تھے' سب سے پہلے چوہدریوں کی زبیدہ سن گن لینے پہنچی۔ ٹرک کے ساتھ ایک گاڑی بھی تھی جس میں دو لڑکیاں اور مرد اور عورت بھی تھے۔ زبیدہ نے دبنگ

انٹری دی اور ٹھنڈی بوتل اور گلاس لے کر پہنچ گئی...... سلام دعا کے بعد پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ ساری خبر لے چکی تھی آنے والے کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے گھر خریدا تھا یا کرائے پر لیا تھا' کتنے بچے' کس محکمے کی ملازمت رشتہ دار کہاں کہاں اور جب تک انہوں نے زبیدہ کی خوش اخلاقی کا معترف ہوتے ہوئے مشروب سے بھرے گلاس خالی کیے تب تک زبیدہ نے پوری طرح جانچ لیا تھا راحیلہ سے اس کی گاڑھی چھننے والی ہے۔

فواد رانا کالج میں پروفیسر تھا اور اس کی بیوی اسکول میں ٹیچر تھی۔ دونوں لڑکیاں کالج میں زیر تعلیم تھیں۔ زبیدہ نے اگلے کئی دن تک ان کے گھر آنا جانا رکھا۔ نہ صرف سامان سیٹ کرنے میں مدد کی بلکہ کھانا' چائے بھی پہنچاتی رہی...... اور یوں راحیلہ پوری طرح زبیدہ کی گرویدہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

شاہدہ دلہن بن کر صبغت اللہ کے گھر آ گئی' مدرسے کی ساری لڑکیوں نے شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا' کچھ نے تو حسب استطاعت آنے والی بھابی جان کے لیے تحائف بھی خریدے تھے۔ ہفتہ دس دن گزرے' ایک دن بھابی جان مدرسے کے معائنے کے لیے تشریف لے آئیں۔ صبغت اللہ نے انہیں اپنے مشن کے بارے میں ساری معلومات دی تھیں۔ مدرسے میں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا' ٹھنڈی بوتل اور بعد میں چائے لوازمات کے ساتھ پیش کی گئی' بھابی جان مسند پر براجمان تمام استانیوں کا جائزہ لیتی رہیں اور کھانے سے شغل کرتی رہیں' شام گئے جب وہ اٹھیں تو انہوں نے دو استانیوں کو فارغ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور خود کلاس کی اصلاح کا ارادہ کرلیا تھا۔ قاری صبغت اللہ نے جب ان کے دورے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

''کچھ خاص نہیں رہا...... بہت خامیاں ہیں مدرسے کے ماحول میں۔''

''ہیں؟'' صبغت اللہ چونکے' پچھلے پانچ سالوں میں انہوں نے ہر ممکن کوشش کر کے مدرسے کے ماحول میں بہتری لانے کی کوشش کی تھی اور بیگم صاحبہ نے بیک جنبش قلم انہیں مسترد کردیا تھا۔

''شاہدہ بیگم میں سمجھا نہیں۔'' وہ اپنا کام چھوڑ کر بیگم کے روبرو آبیٹھے۔

''میں مطمئن نہیں ہوئی قاری صاحب۔'' انہوں نے اپنے مہندی رنگے ہاتھ بڑے مدبرانہ انداز میں اٹھائے۔

''ہم ایک بہت بڑی ذمہ داری نبھا رہے ہیں' ہمیں اس میں سرخرو ہونا چاہیے تاکہ ہم نااہل اساتذہ کے ذریعے ایک نافہم پود تیار کریں۔''

''اللہ...... اللہ۔'' قاری صاحب اپنی پرائمری پاس اہلیہ کی مدبرانہ گفتگو پہ اش اش کرا ٹھے۔ شاہدہ بیگم اتنی عقل مند نکلیں گی انہیں اندازہ ہی نہ تھا۔

''میں نے کچھ ٹیچرز کو فارغ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے' اور دوسرا اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اس نیک کام میں آپ کے شانہ بشانہ چلنے کی خواہش رکھتی ہوں۔'' انہوں

نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو صبغت اللہ کھل اٹھے۔ چچا امجد نے ان کے لیے ایک صحیح لڑکی کا انتخاب کیا تھا جوان کے مشن میں ہم قدم ہونے کے لیے برضا ورغبت تیار تھی۔ انہوں نے بیگم کا خیر مقدم کیا اور انہیں مدرسہ کی گونا گوں ذمہ داریاں سونپ دیں۔ شاہدہ بیگم کا سر احساس تفاخر سے بلند ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

بہت سی باتیں پھیلیں، آوازیں اٹھیں، جب شاہدہ بیگم نے پہلے باجی رضیہ اور پھر باجی ساجدہ کو مدرسے سے فارغ کیا' یہ دونوں پرانی ٹیچرز تھیں اور اول روز سے یہاں اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں' جبکہ باجی نغمہ باجی زاہدہ اور باجی کوثر یہیں سے فارغ ہوکر یہیں پڑھانے لگی تھیں۔ (مدرسوں میں قرآن پاک پڑھانے والی ٹیچرز کو باجی کہہ کر بلایا جاتا ہے) بھابی بیگم نے پہلے دن سے ہی سخت قوانین لاگو کیے' جن میں بڑی لڑکیوں کا عبایا پہن کر آنا لازم قرار دیا اور چھوٹی بچیوں کا دوپٹے سے خود کو اچھی طرح لپیٹ کر آنا ضروری تھا۔ خود بھابی بیگم کا حلیہ یکسر بدل گیا تھا۔

سر پر اسکارف جو بوقت ضرورت حجاب کی ضرورت پوری کرتا۔ ایک کھلا چوغہ' ہاتھ میں بیگ اور کچھ کتابیں' جن میں اسلام کے متعلق کچھ مستند کچھ غیر مستند مواد موجود تھا۔ آنکھوں پر ایک بڑے سائز کے براؤن چشمے نے قبضہ جمایا' ہلکا میک اپ اور دونوں ہاتھوں پر مہندی رچی ہوئی' وہ مہندی کا رنگ کبھی پھیکا نہ پڑنے دیتیں' ہونٹوں پر دنداسے کا رنگ اور صرف ان کے حلیے میں ہی فرق نہ آیا بلکہ پورے محلہ کا ماحول رفتہ رفتہ بدلنے لگا' شاہدہ بیگم ہر گھر میں گئیں اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ میلاد کمیٹی میں حصہ ڈالیں۔ ہر مہینہ ایک کمیٹی نکالی جائے گی اور جس کی کمیٹی نکلے گی' وہ اپنے گھر میں محفل میلاد کا انتظام کیا کرے گا اور اچھا کھانا نیاز کے طور پر سب گھروں اور بالخصوص غریبوں میں بانٹے گا۔

دو سو روپے ماہوار پر کمیٹی کا اجرا کیا گیا' شاہدہ بیگم کی پہچان ایک دینی مذہبی اور سچی عاشق رسول ﷺ کی حیثیت سے ہونے لگی' دو سو روپے ماہوار میں کون کافر تھا جو محفل میلاد میں حصہ ڈالنے سے ہاتھ کھینچتا۔ چند مہینوں میں ہی بھابی بیگم کے چرچے ہونے لگے۔ نمازی' پرہیزی' متقی کون سی خوبیاں تھیں جو شاہدہ بیگم میں لوگوں کو نظر نہیں آنے لگی۔

دو چار میلاد محلے میں ہوئے لیکن شاہدہ بیگم کو اس کی نظامت اور نقابت پر شدید اعتراض ہوا اور آخر کار یہ کام بھی انہیں ہی سنبھالنا پڑا۔ مدرسے کی دو بہترین نعت خواں شاہدہ بیگم المعروف بھابی بیگم نے اپنے ساتھ ملائیں' اب کے کچھ اور تبدیلی آئی اب ان کے بیگ میں چند موٹی موٹی کتابیں سر کھسیڑے کھڑی ہوگئیں۔ بھابی بیگم نے ایسی ایسی کہانیاں یاد کرلیں جن کا مذہب سے تو کوئی تعلق تھا نہیں لیکن طرز بیاں اس قدر رقت آمیز ہوتا کہ نوٹوں کی بوچھاڑ ہونے لگتی لہجہ جتنا پرسوز ہوتا جاتا عورتیں زارو قطار روتی چلی جاتیں اتنی ہی عقیدت سے بھابی بیگم کے ہاتھوں پر بوسہ دیتیں اور سامنے دھری ٹیبل پر موجود پیالے میں حسب استطاعت روپے ڈالتی رہتیں' جیسے ہی پیالہ بھرنے لگتا' ایک اشارے پر ساتھ موجود لڑکی اسے ایک شاپر میں الٹ لیتی تھی' پیالہ پھر سے بھرنے لگتا' بھابی بیگم نے ایک عدد مائیک اور لاؤڈ اسپیکرز کا بھی انتظام کر رکھا تھا جوان کی کہیں آمد سے قبل پہنچا دیے جاتے اور یوں سارا دن محفل جاری رہتی اور جو شریک نہ ہو پاتے وہ سن کر ہی دلی طمانیت حاصل کرتے۔ بیگم راحیلہ نے پہلی بار شاہدہ بیگم پر انگلی اٹھائی تھی۔ انہوں نے ان کے مائیک پر اونچی آواز سے نعتیں پڑھنے پر اعتراض کیا تھا' بھابی نے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ برس پڑیں۔

''عورت کی آواز گھر سے نہ نکلے اس بات کا بھی پردہ ہے۔'' راحیلہ نے ابرو چڑھائے' محفل میں موجود ساری عورتوں نے راحیلہ کو اس بے ادبی پر گھورا۔ بھابی بیگم کے علم پر کھلا حملہ۔

''ہم اللہ کا کلام پڑھتے ہیں اور یہ نعتیہ اشعار ہیں' دل کی بصیرت کے لیے اور مائیک میں پڑھنے کا مقصد بھی

یہی ہے کہ جو بہنیں اس محفل میں شریک نہیں ہوسکتیں کسی وجہ سے ان کے کانوں تک بھی یہ پاک الفاظ پہنچیں۔“
بھابی بیگم کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا' کون ان پر انگلی اٹھانے کی جرأت کرے اور کرے تو کرے کیسے؟
”یہ آوازیں سڑک سے گزرنے والے اور گھروں میں بیٹھے ہوئے مردوں کے کانوں میں بھی پڑتی ہیں آپ دین کا پیغام پہنچا رہی ہیں یا لوگوں کو گمراہ کررہی ہیں؟“
راحیلہ ایم اے اسلامیات تھیں' عالمہ فاضلہ کا چار سالہ کورس بھی کررکھا تھا' ترجمہ وتفسیر پڑھی تھیں اور سامنے بیٹھی دین سے قطعی نابلد دینی مبشر بنی بیٹھی عورت تھی۔ جتنا عرصہ انہیں اس محلے میں آئے ہوئے ہوا تھا انہوں نے شاہدہ بیگم کی بس تعریف ہی سنی تھی۔ محلے کی لڑکیوں اور بچیوں کو نیک کاموں کی طرف راغب کرنا بھابی بیگم کا ہی کام تھا اور بھابی بیگم کے ذمہ ایک کام تھوڑی تھا' درس میں سبق دینا' محفل میلاد منعقد کروانا' کسی کے گھر بچے کی ولادت ہوتی' اسے گھٹی دینا' کوئی مرگیا اس کے لیے دعائے خصوصی کے لیے بھابی بیگم کا آنا لازم اور بھابی بیگم پیغام در پیغام بھجوانے کے باوجود اس وقت تشریف لاتیں جب بس جنازہ اٹھنے ہی والا ہوتا' کسی کی بسم اللہ تو کسی کی آمین' بھابی بیگم لازم وملزوم اور تو اور کوئی بیمار ہوجاتا تو دم کروانے بھی بھابی کے دوار جا پہنچتا' کسی کے اولاد نہیں بھابی تعویذ دیں گی' بندہ پوچھے جب بھابی اپنی خالی کوکھ کے لیے کچھ نہ کرسکیں تو کسی اور کے لیے کیا کریں گی؟ اور تو اور جادو ٹونے کا توڑ بھی بھابی بیگم ہی کررہی تھیں' یعنی ایک بھابی بیگم اور سارے جہاں کا غم ان کے نازک کندھوں پر زبیدہ نے ہاتھ دبا کر راحیلہ کو چپ رہنے کا مشورہ دیا لیکن وہ اسے یوں کھلم کھلا لوگوں کو گمراہ کرتے نہیں دیکھ سکتی تھیں' وہ بہت سی اصل باتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتی تھیں اور لوگوں کا حال یہ تھا کہ بنا تحقیق کے آنکھیں بند کرکے نہ صرف یقین کرتے بلکہ آمنا وصدقنا بھی کہتے اور اگر کوئی بھابی بیگم کے علم کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتا تو لوگ اسے وہابی اور جانے کیا کیا مشہور کرڈالتے اور اس کے درپردہ بھابی بیگم تھیں' لوگ ان کی عقیدت واحترام میں حد سے گزر گئے تھے اور بھابی بیگم کا غرور بھی حد سے سوا ہوتا جارہا تھا۔
رمضان شریف کی آمد آمد تھی' بھابی بیگم اپنے نئے مدرسے کو سجانے سنوارنے میں مگن تھیں' محلے کے صاحب حیثیت رانا صاحب کالونی میں شفٹ ہوئے تو اپنا پرانا مکان مدرسے کے لیے وقف کرگئے۔ بھابی بیگم نے فوراً سے پہلے اس کو گرا کر نئی تعمیر شروع کروائی' نیچے ہاسٹل نما کمرے بنوائے اور فرسٹ فلور پر لمبا ہال' جبکہ تیسری منزل انہوں نے اپنی رہائش کے لیے مختص کی۔ اس تیسری منزل پر کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مخیر حضرات نے دل کھول کر چندہ دیا اور دو مہینے میں مدرسے کی شاندار عمارت تیار تھی۔ اب یہاں دوسرے شہر کی بچیوں کو بھی داخلہ دیا گیا کہ بھابی بیگم کے چرچے دور دور تک پھیل چکے تھے۔
رمضان سے ایک دن پہلے انہوں نے سارے محلے کی عورتوں کے لیے محفل میلاد کا اہتمام کیا مقصد اس مدرسے کی جملہ خوبیوں سے آگاہ کرنا تھا اور لوگوں کو مزید چندے کے لیے اکسانا بھی۔ بیگم راحیلہ اس دن کی تکرار کے بعد وہاں آنا نہیں چاہتی تھیں لیکن زبیدہ زبردستی لے آئی۔ مدرسہ واقعی شاندار بنا تھا۔ حفظ' تجوید' ترجمہ وتفسیر کے علیحدہ علیحدہ حصے بنائے گئے تھے' اوپر بڑے ہال میں۔
عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام باہر گلی میں کیا گیا اور ٹینٹ لگائے گئے تھے۔ قرآن خوانی کے بعد نعتیں پڑھنے کا مقابلہ تھا (یہ بھی بعد میں اعلان کیا گیا) اور یہ سارا کام بھابی بیگم کی عدم موجودگی میں ہوتا رہا' بھابی بیگم کافی دیر بعد تشریف لائیں۔ حلیہ ایسا تھا کہ راحیلہ بیگم کی ہنسی نکل گئی۔ وہ اس وقت کوئی بڑے ہی معتبر قسم کے پیر صاحب کا حلیہ دھارے ہوئے تھیں' ساری عورتیں احتراماً کھڑی ہوگئیں' کوئی ان کے ہاتھ چومنے کی کوشش کررہی تھی اور جو زیادہ ہی جاہل تھیں قدم بوسی کررہی تھیں' بھابی بیگم کروفر سے چلتی آئیں اور مسند پر براجمان ہوگئیں' سب عورتیں بیٹھ گئیں' ہر کوئی کچھ نہ کچھ لایا تھا' بھابی بیگم یہ مدرسے کے لیے' زبیدہ نے ایک لفافہ بھابی بیگم کے حوالے کیا جو کہ اچھا خاصا پھولا

ہوا تھا۔
بھابی بیگم کے چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔ تگڑی رقم جو تھی۔ انہوں نے زبیدہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''اللہ کی راہ میں دیا کبھی رائیگاں نہیں جاتا' ایک کے بدلے دس گنا ملتا ہے' یہ بچیاں آپ کی بھی بچیاں ہیں اور زبیدہ آپ نے ہمیشہ خیال کیا ہے آئندہ بھی کیجیے گا۔''
زبیدہ اس قبولیت پر خوشی سے پاگل ہی ہوگئی ڈائس پر رکھے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا' دو لڑکیاں آگے بڑھیں' بھابی بیگم کی کلائیوں میں موتیے کی کلیوں کے گجرے پہنا دیے' ایک نے گلے میں سرخ گلابوں کا ہار ڈال دیا' پڑھی لکھی راحیلہ کو یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا' لیکن وہ خاموشی اختیار کیے بیٹھی رہیں۔ بھابی بیگم نے گفتگو کا آغاز کیا' ماحول میں خاموشی چھا گئی۔ وہ مدرسے کا تعارف کروا رہی تھیں' لوگوں سے امداد جاری رکھے رہنے کا مطالبہ کر رہی تھیں' لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دینی کام کرتے رہنے پر زور دے رہی تھیں۔ اخلاقیات کا درس' محبت اور اتفاق کی باتیں' خوش خلقی' نیک نیتی' دوسروں کے کام آنا' رٹی رٹائی باتیں دہرائی گئیں' پھر ایک اہم اعلان بھی کیا گیا کہ اس رمضان میں عورتوں کے لیے تراویح نماز کا اہتمام کیا گیا ہے' عورتوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مدرسے کی چھت کھلی اور وسیع تھی' وہیں پر اہتمام کیا جا رہا تھا اور جو عورتیں سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھیں ان کے لیے نچلے ہال میں انتظام کیا گیا تھا۔ محفل اختتام کو پہنچی' کھانے کے لیے سب کو اوپر بلایا گیا اور کھانا کھا کر جب وہ وہاں سے نکلی تو رات ہوچکی تھی۔ یقیناً ماریہ کے ابا آچکے ہوں گے۔ راحیلہ سوچتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔ زبیدہ اوپر ہی رک گئی تھی' جبکہ باقی عورتیں بھی ابھی وہیں براجمان تھیں' ماریہ کے ابا رات کے وقت عورتوں کا گھر سے نکلنا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ راحیلہ کے ذہن میں اس وقت شاہدہ بیگم کی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں' وہ آخری سیڑھی پر تھیں جب ایک روتی آواز پر ٹھٹک گئیں۔ انہوں نے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا' یہ لڑکیوں کا رہائشی حصہ تھا' اندر قطار میں لڑکیاں بیٹھی تھیں اور دو بڑی لڑکیاں انہیں کھانا دے رہی تھیں۔
''باجی میں سچ کہہ رہی ہوں' میں نے بوٹی نہیں چرائی۔'' ایک طرف سے آواز آئی تھی۔ راحیلہ نے سر دروازے کے اندر گھسیڑ دیا۔ گیارہ بارہ سال کی بچی تھی۔ سفید دوپٹے میں مقید پریشان چہرہ' اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔
''جھوٹ مت بول سونیا' مناہل نے خود تجھے دیکھا تو پتیلے میں سے بوٹیاں نکال کر کھا رہی تھی۔ بھابی بیگم نے سزا کے طور پر تمہیں آج رات بھوکا رکھنے کا حکم دیا ہے۔'' ایک لڑکی نے کہا۔
''نہیں باجی۔'' وہ تڑپی۔ بھوک اس کے چہرے پر کلبلائی تھی۔ راحیلہ سے رہا نہیں گیا' بول پڑیں۔
''کھانا کیوں نہیں دے رہی تم بچی کو؟'' دونوں لڑکیوں کے ساتھ باقی سب نے بھی مڑ کر دیکھا۔ لڑکیاں گھبرا گئیں۔ ایک دوسرے کو ٹہوکے دینے لگیں۔
''وہ جی......'' ایک آگے بڑھی' اور رک رک کر بتانے لگی۔
''ہمیں تو گن کر روٹیاں اور بوٹیاں دی جاتی ہیں' اس نے پہلے چوری کر کے کھالی۔ اب میں کہاں سے دوں' یہ ویسے ہی ندیدی ہے' دال سبزی کے نزدیک نہیں جاتی' جس دن گوشت پک جائے اس کی بھوک بڑھ جاتی ہے۔ دو روٹیاں دو بوٹیاں......'' یہ غالباً زبیدہ کی بیٹی تھی' جو خود بھی زیر تعلیم تھی اور چھوٹی بچیوں کو نورانی قاعدہ بھی پڑھاتی تھی۔
''لیکن بیٹا' بھوک تو بھوک ہے اس کا گنتی سے کیا تعلق؟'' راحیلہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا' کیا بھوک گنی جاسکتی ہے' ایک روٹی' ایک بوٹی۔
''بس جی یہ مدرسے کے قوانین ہیں' بھابی بیگم کہتی ہیں زیادہ کھانے سے دماغ پر چربی چڑھتی ہے' دن میں بس دو بار کھانا چاہیے۔'' وہ معلومات بہم پہنچا رہی تھی۔
''ارے تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔'' زبیدہ پیچھے آئی تھی۔
''ہاں......وہ یہ......'' اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا بتائے۔ وہ

بھی تو جانتی ہوگی اس کی بیٹی کو اتنا کچھ معلوم ہے تو گھر بھی بتایا ہوگا۔ وہ خاموشی سے زبیدہ کے ہمراہ ہوئی۔ رات بھر اس کے ذہن میں ایک روٹی اور ایک بوٹی گھومتی رہی تھی۔

رمضان کی مصروفیات الگ ہی تھیں۔ افطاری کے بعد ہی سب گھروں سے جہاں مرد تراویح کے لیے نکلتے وہیں عورتیں بھی نکل آتی تھیں۔ صاف ستھری نکھری رنگ برنگے ملبوسات ہلکا میک اپ مدرسے کی چھت پر گویا بہار ہی آجاتی تھی۔ تراویح نماز کے بعد بھابی بیگم کا وعظ بقول ان کے رب کی ساری رحمتوں کا نزول اسی محلے پر ہورہا تھا۔

زبیدہ نے راحیلہ کو بھی چلنے کے لیے کہا تھا لیکن چار دن کے بعد اس کا دل اوب سا گیا تھا۔ بناوٹ اور تصنع سے بھرپور ماحول جو دینی کم اور دنیاوی مجمع زیادہ محسوس ہوتا تھا' رنگ برنگے کپڑے جوتے ہیئر اسٹائل۔ راحیلہ کی تو عقل ہی ماؤف ہوجاتی تھی۔ اس روز زبیدہ آ گئی۔

''اتنا مزہ آتا ہے مل کر تراویح پڑھنے میں۔ بڑا ہی پُرنور ماحول ہوتا ہے اور پھر بھابی جی کی باتیں' اتنے پیار سے سمجھاتی ہیں۔ اب دیکھو کل انہوں نے کیا پتے کی بات بتائی ہم تو انجان ہی تھے۔ نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھو تو پتہ چلتا ہے' ہم تو ناقص العقل' ناقص العلم.....'' اس نے دوپٹا کانوں کے پیچھے اڑسا۔

''کیا بتادیا کچھ ہمیں بھی پتہ چلے؟'' راحیلہ نے تسبیح سائیڈ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ زبیدہ بہت بڑی عقیدت مند تھی۔ پور پور نیاز مندی میں ڈوبی ہوئی۔

''انہوں نے بتایا کہ جب تک لڑکی آنکھوں میں سرمہ اور ہاتھوں میں مہندی نہ لگائے' اس کی نماز نہیں ہوتی' جوان لڑکی کو ہر وقت سرمہ اور مہندی لگائے رکھنا چاہیے۔''

''استغفراللہ.....'' راحیلہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''کہاں' کس کتاب میں لکھا ہے یہ سب؟ لاحول ولا..... کیسی کیسی باتیں پھیلا رہی ہیں بھابی بیگم کیا لڑکیوں کا بناؤ سنگھار نمازوں کی مقبولیت کا سبب ہے' کیسی کیسی بدعتیں عام کردی ہیں اور آپ سب لوگ آنکھیں بند کرکے ان کے پیچھے چل رہی ہیں۔ اللہ رسول' قرآن ایک

طرف اور بھابی بیگم کا فرمان ایک طرف' نعوذ باللہ' کہاں چلی گئی آپ لوگوں کی عقل' کبھی آپ لوگوں نے ان کا کہا پرکھا بھی ہے؟ جو تفسیر جو واقعات وہ آپ کو سناتی ہیں اور آپ سب روتی ہیں' ان کے ہاتھ چومتی ہیں' ان کو عقیدت کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا دیتی ہیں' کبھی قرآن کھول کر دیکھا بھی ہے کہ کیا وہ سچ کہہ رہی ہیں یا بہتان باندھ رہی ہیں' ایک پانچ جماعت پڑھی عورت آپ کو دین کا علم دے رہی ہیں جس سے وہ یکسر نابلد ہے اور آپ لوگ آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چل پڑی ہیں۔ دنیا اور آخرت کیوں آگ میں جھونک رہی ہیں آپ؟'' راحیلہ بیگم کو تو غصہ ہی آ گیا ایسی بے سروپا بات سن کر زبیدہ بیگم پر راحیلہ کی تقریر کا اثر ہوا کہ نہیں البتہ سب سن کر خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

اور یہ اگلے چند دنوں میں راحیلہ بیگم کو اندازہ ہوا کہ بھابی بیگم کے ''علم'' پر تنقید کرنے کے گناہ میں سب نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ جہالت آخری حدوں تک بڑھی ہوئی تھی اور وہ چاہ کر بھی ان کو اس دلدل سے نکال نہیں پا رہی تھیں۔

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ فواد نے انہیں کچھ پیسے دیے کہ جا کر مدرسے میں دے آئے۔ اس نے جواباً بھابی بیگم کی باتیں دہرا دیں۔ فواد خود حیران پریشان رہ گیا' ایک جاہل عورت نے کس طرح سب لوگوں بالخصوص عورتوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا اور غلط باتیں پھیلا رہی تھی۔

''اور تو اور فواد' عورتیں بچوں کو دم کروانے بھی لے جاتی ہیں..... میں تو حیران ہوں لوگوں کی عقل پر؟'' راحیلہ کے ذہن سے یہ سب نکل ہی نہیں رہا تھا۔

''بس ضعیف الاعتقاد لوگوں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے اور تم نے سنا نہیں نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان' ہمارے معاشرے میں' ایسے بہت سے لوگ جنم لے چکے ہیں جو مذہب کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں جو ان کو فائدہ مند لگے وہ مذہب کے نام پر رائج اور جو ذرا تکلیف دہ لگے' وہ خارج اور شاہدہ بیگم جیسی ملانیاں' پیرنیاں تو ہر گلی محلے میں مل جائیں گی۔ شاہدہ بیگم نے ذرا اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔ وہ اس چیز کا علم لوگوں کو دے رہی ہے جس کے بارے میں خود اس کا علم صفر ہے اور یہ لوگ جن کا خود علم بس سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے' ایسی عورتوں کے پیچھے فوراً آنکھیں بند کر کے چل پڑتے ہیں۔ اب تو محفل میلاد جیسی بابرکت محفلیں بھی نمود و نمائش اور کاروبار بن گئی ہیں' وہ روح ہم لوگوں میں رہی ہی نہیں جو نبی پاک ﷺ کی محبت سے سرشار ہوتی تھی۔ میلاد کروانے والے اپنی شان و شوکت دکھاتے ہیں اور میلاد پڑھنے والے منہ مانگا معاوضہ وصول کرتے ہیں اور اوپر سے ذکر اذکار میں جوش ہی تب آتا ہے جب لوگ نوٹ نچھاور کر رہے ہوں' ہم نے اس بابرکت محفل کو بھی کیا بنا ڈالا ہے؟ بہرحال ہم کیا کہہ سکتے ہیں' تم ذرا احتراز برتو..... ایسی محفلوں میں جانے سے اور کوشش کرتی رہو لوگوں کو سمجھانے کی۔ باقی پیسے دے آنا' جو بھی ہے' بچیاں تعلیم تو حاصل کر رہی ہیں' اس میں ان بچیوں کا کیا قصور۔'' فواد نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

اگلی دوپہر کو وہ زبیدہ کے گھر پہنچی تاکہ اسے ہمراہ لے جائے اس کا موڈ آف ہی تھا پھر بھی ان کے ہمراہ ہولی۔ ظہر کے بعد بچیوں کو چھٹی دے دی جاتی تھی اور عصر کے بعد صرف حفظ کی کلاس ہوتی تھی۔ اس وقت چونکہ ظہر کا وقت تھا اس لیے سب اپنے اپنے کمروں میں دبکی تھیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئیں حتیٰ کہ ان کے رہائشی پورشن میں پہنچ گئیں' چونکہ یہ ممنوعہ علاقہ تھا اس لیے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اندر سے کیسا ہے؟ دروازہ نیم وا تھا' وہ دستک دے کر اندر داخل ہو گئیں۔ بڑا سا صحن عبور کر کے آگے برآمدہ تھا امپورٹڈ ٹائلوں سے مزین (اپنی سادگی میں رہن سہن اپناؤ) ابھی دو دن قبل وہ تلقین کرتی پائی گئی تھیں۔ برآمدے میں تین دروازے تھے زبیدہ نے آواز لگائی ''بھابی بیگم بھابی بیگم.....''

''آ جاؤ۔'' درمیان والے دروازے سے آواز سنائی دی

تھی وہ بلا جھجک اندر داخل ہوگئیں۔ دھوپ سے آنے کی وجہ سے وہ فوری طور پر اندر سے شناسا نہ ہوسکیں۔

"آپ...... آپ کیسے اندر آگئیں؟" ایک طرف سے شاہدہ بیگم کی بوکھلائی آواز آئی آنکھیں مانوس ہوچکی تھیں اور وہ دونوں اس وقت کمرے کی تزئین و آرائش دیکھنے میں مگن تھیں۔ بھابی بیگم کی بوکھلائی آواز پر انہوں نے دھیان ہی نہ دیا تھا۔ ایک کھلا کمرہ تھا جس کے فرش سے لے کر ہر دیوار پر آف وائٹ ٹائلز لگی تھیں کمرے کے عین وسط میں دھرا جہازی سائز بیڈ ڈریسنگ ٹیبل کاؤچ اور دیوار پر جگمگاتی پچاس انچ کی ایل ای ڈی۔ وہ دونوں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ جہاں وہ کھڑی تھیں اس سے ذرا فاصلے پر ایک بک شیلف میں ڈائجسٹس، فلمی رسائل میگزینز بھرے پڑے تھے۔ کمرے کی سجاوٹ حد درجہ قیمتی اشیاء سے کی گئی تھی۔ یہ سارا پیسہ کہاں سے آیا تھا' راحیلہ کو فوراً سمجھ آ گیا۔ جتنا پیسہ امداد اور چندے کی مد میں اکٹھا ہو رہا تھا وہ سب کا سب یہاں انویسٹ کیا جارہا تھا۔

سادہ زندگی کا درس دینے والی بھابی بیگم کی سادگی نے ان کی آنکھیں چکا چوند کر ڈالی تھیں۔ راحیلہ نے اپنے پرس پر گرفت مضبوط کی اور باہر نکل گئیں۔ زبیدہ آوازیں دیتی رہ گئی۔ اس قدر تضاد' بھابی بیگم کا اصل چہرہ دیکھ کر تو اس کے حواس ہی گم ہوگئے تھے۔ دوسروں کو پردے کا درس دیتی' فلموں ڈراموں کی بے حیائی پر وعظ کرتی بھابی بیگم خود ان سب خرافات کی دلدادہ تھیں' شاید آج اسی لیے کسی بھی بات میں اثر نہیں رہ گیا کہ سمجھانے والے' بتانے والے خود متضاد شخصیت کے مالک بن گئے ہیں۔ راحیلہ گھر آ گئیں' لیکن ذہن میں ابھی تک بھابی بیگم کا کمرہ گھوم رہا تھا' ہر چیز میں زیرو لیول رکھنے والی کیسے لوگوں میں "ہیرو لیول" بنی ہوئیں تھیں۔ یقیناً زبیدہ بھی ان جہان بھابی کا اصل روپ دیکھ کر ہوش میں آ گئی ہوگی اور محلے کے سب لوگوں کو ان کی اصلیت سے آگاہ بھی کر چکی ہوگی' وہ اندر ہی اندر اس طلسم کے ٹوٹ جانے کا انتظار کر رہی تھیں' محلے کے کسی فرد کے

منہ سے کچھ سننے کی منتظر تھیں لیکن ان کا انتظار انتظار ہی رہا' کوئی ہلچل نہ مچی...... اس نے فواد کے ساتھ بھی سب کچھ ڈسکس کیا۔

''یہ اس کا اپنا کردار ہے راحیلہ' میں یا تم کچھ نہیں کرسکتے۔ جو پٹی ان کم علم لوگوں کے ذہنوں اور آنکھوں پر باندھی جاچکی ہے' وہ ہم کسی طور پر نہیں ہٹا سکتے' ضعیف الاعتقاد لوگوں کا یہی مسئلہ ہے' ہم لوگوں نے قرآن وحدیث سے رہنمائی لینے کی بجائے ان لوگوں کو اپنا رہبر بنا لیا ہے جن کا علم خود صفر ہے وہ جو ہمیں اپنے الفاظ میں توڑ مروڑ کر' مسخ کرکے بتاتے ہیں ہم آنکھیں بند کرکے اس پر یقین کرتے ہیں اور ساری عمر اسی طرح گزار دیتے ہیں نعوذ باللہ...... وہ وہ چیزیں ہم نے دین میں شامل کرلی ہیں جن کا سرے سے ہمارا مذہب حکم ہی نہیں دیتا۔ ایک سادہ سے دین کو ان جیسے کم عقل وکم علم لوگوں نے الجھا کر رکھ دیا ہے اور اگر کوئی ان کو سمجھانے کی کوشش کرے تو......
وہ تم دیکھ ہی چکی ہو۔'' فواد کے طویل جواب نے راحیلہ کو مطمئن نہیں کیا تھا۔ اس کے دل میں اب بھی موہوم سی امید تھی شاید لوگوں کو عقل آجائے اور وہ بھابی بیگم کے اثر سے نکل آئیں۔ دو دن نہ وہ باہر نکلی نہ کوئی محلے سے آیا۔

زبیدہ نے بیٹی کے ہاتھ پیغام ضرور بھجوایا کہ عید کی نماز کے لیے نو بجے مدرسے پہنچ جائے۔ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا اس عورت کی معیت میں نماز پڑھنے کے لیے پھر بھی ایک موہوم سی امید لیے وہ چلی ہی آئیں۔ کھلی چھت پر انتظام تھا۔ ان کو عورت کے متعلق کئی احکامات یاد آئے اور انہوں نے ارادہ کرلیا کہ آج وہ ضرور لوگوں کو بتانے کی کوشش کریں گی۔ لڑکیاں' عورتیں' بچیاں سب رنگ برنگے لباس پہنے خوش پھر رہی تھیں' نماز کے لیے صفیں بنیں' وہ دوسری صف میں کھڑی ہوگئی' پیچھے دو عورتیں باتوں میں مشغول تھیں' انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ چپ کر گئیں۔ بھابی بیگم کی آمد ہوئی' آج تو ان کی سج دھج ہی نرالی تھی' قیمتی جوڑا' قیمتی سن گلاسز' قیمتی بیگ' کلائی میں بندھی گھڑی' کانوں کے بندے' ہاتھوں کی مہندی اور انگوٹھیوں سے مزین انگلیاں' ناخنوں پر حسب سابق نیل پالش کی بجائے مہندی کا کوٹ تھا۔ صدقے کا پیسہ جی بھر کے استعمال ہوا تھا۔ نماز ہوئی' اس کے بعد طویل دعا مانگی گئی' سب اہل محلہ کے لیے اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے جنہوں نے پورا مہینہ صدقہ وزکوٰۃ دل کھول کر پہنچایا' ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا جو صدقہ وزکوٰۃ مٹھی میں دبائے پھرتے ہیں اور ضرورت مندوں تک نہیں پہنچاتے' آخر میں بطور خاص راحیلہ کو نظروں میں رکھ کر ''اللہ جسے چاہے ذلت دے اور جسے چاہے عزت دے؟'' پر اچھا خاصا لیکچر دیا گیا۔ راحیلہ جانتی تھی کہ وہ سب باتیں بطور خاص ان کے لیے کہی جارہی تھیں۔ زبیدہ ان کے دائیں جانب اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ براجمان تھی۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی لیکن محفل کے آداب کے منافی تھا۔

''تم اپنے بیٹے کی استعمال شدہ قمیص یا بنیان بھابی بیگم کو لادو' وہ خود ہی بتادیں گی کہ کس نے عمل کروایا ہے اور یقین جانو بھابی بیگم نہ صرف توڑ کریں گی بلکہ ایسا وظیفہ پڑھیں گی کہ عمل خود بخود الٹا ہوجائے گا۔'' پیچھے سے آتی آواز پر راحیلہ نے مڑ کر دیکھا۔ ان کے دائیں طرف والی پڑوسن تھی جو کسی عورت کو بھابی بیگم کے وظیفے کی برکت بتارہی تھی۔

''قمیص میں لائی ہوں' تم ذرا بھابی بیگم سے سفارش کردو۔ نہیں تو میرا بیٹا میرے ہاتھوں سے نکل جائے گا' میری بہو نے تو نہ جانے کیا گھول کر پلادیا ہے کہ وہ تو میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ کدھر جائے ایک بے بس ماں۔'' اس نے باقاعدہ ہچکیوں پھکویں رونا شروع کردیا تھا۔ راحیلہ مڑیں وہ ان کو بتانا چاہتی تھیں کہ بھابی بیگم کے چکروں میں نہ پڑیں مگر اسی وقت زبیدہ چلی آئی اور اس عورت کو اٹھا کر ساتھ لے گئی' اب بھابی بیگم اس کی روداد سن رہی تھیں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے' قمیص کو سامنے پھیلائے۔

''پانی لاؤ' اور آدھا گلاس دودھ۔'' انہوں نے زبیدہ کی بیٹی سے کہا اس دوران وہ آنکھیں موندیں کچھ پڑھتی

رہیں۔ سب دم بخود انہیں دیکھ رہی تھیں۔ پانی اور دودھ آ گیا' بھابی بیگم نے اس عورت کا ایک ہاتھ دودھ والے گلاس پر رکھوایا' دوسرا پانی والے گلاس پر' کچھ پڑھتی رہیں۔ پھر جھٹ سے آنکھیں کھول دیں' اب ان کی پتلیاں چڑھی ہوئی تھیں اور وہ گول گول گھوم رہی تھیں' گلاس ہلنے لگے تھے' راحیلہ خود دم بخود رہ گئی تھیں۔

''تیرا بیٹا ہاتھ سے نکل جائے گا' وہ تجھے چھوڑ جائے گا' چھوڑ جائے گا۔'' ایک بھاری آواز بھابی بیگم کے منہ سے نکل رہی تھی۔

''نہیں...... نہیں' یہ ظلم نہ کریں مائی باپ' آپ اس کو روکیں' آپ کے اختیار میں سب کچھ ہے۔'' وہ عورت دونوں ہاتھ باندھے چلانے لگی۔ (استغفراللہ انتہا تھی جہالت کی)

''یہ کیا غضب کردیا۔'' وہ آنکھیں کھول کر چلائیں۔

''سارا عمل غارت کردیا...... ہاتھ کیوں اٹھائے جاہل عورت' اب اس کا تاوان بھر' نہیں تو ہماری جان کو خطرہ ہے' جلدی کر جلدی کر۔'' وہ گردن پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے گھومنے لگیں' زبیدہ نے آگے بڑھ کر اس عورت کے کان میں کھسر پھسر کی اور باقی سب عورتوں کو گھر جانے کا کہا' راحیلہ زبیدہ اور بھابی بیگم کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی' بھابی بیگم کا شعبدہ بے نقاب کیا جاسکتا تھا' وہ عورت اب دروازے کی طرف جارہی تھی' لازماً کوئی صدقہ لانے جارہی تھی۔ راحیلہ بھاگ کر اس عورت کے ہم قدم ہوئیں۔

''سنیں آپا جی......'' وہ عورت ایک نظر اس پر ڈال کر آگے بڑھی۔ جلدی میں تھی' راحیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سنیں میری بات سنیں' بھابی بیگم ہم سب کو بے وقوف بنا رہی ہیں' وہ کسی قسم کا کوئی علم نہیں جانتیں' وہ عورت فراڈ ہے' وہ تو قرآن پاک کا علم بھی نہیں جانتی' اور آپ لوگ بے وقوف......'' ایک زوردار چانٹا راحیلہ کے منہ پر پڑا تھا اور اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

''کافر...... کم عقل عورت' دو چار الفاظ پڑھ کر تو اس عظیم عورت کی توہین کر رہی ہے' جس نے ہماری نسلیں سنوار دیں' ان کو قرآن وحدیث کا علم دیا' وہ ہماری محسن ہے اور تم اس کے بارے میں کفر بک رہی ہو' کیسے کیسے کافر ہمارے محلے میں آ کر بس گئے ہیں۔ آج ہی کہتی ہوں زویا کے ابا سے ایسے لادین لوگوں کو نکلوائیں اس محلے سے' یہ تو ہمارے دین ودنیا دونوں کے لیے ہی خطرہ ہیں۔ بھابی جیسی عظیم ہستی کے بارے میں کیسے خیالات ہیں ان کے توبہ توبہ۔'' ان خاتون کی آواز اتنی بلند تھی کہ مدرسے میں موجود عورتیں باہر نکل آئی تھیں اور اب کھا جانے والی نظروں سے راحیلہ کو تک رہی تھیں' جو توہین کی مرتکب ہوئی تھی۔ راحیلہ کو منہ پر چانٹا پڑنے کا اتنا دکھ نہیں ہوا تھا جتنا پیچھے کھڑکی میں کھڑی بھابی بیگم کا فاتح چہرہ دیکھ کر ہوا تھا۔

''اور اللہ جسے چاہے عزت دے......'' بھابی بیگم نے باآواز بلند کہا اور ساری عورتیں ''بھابی بیگم'' زندہ باد کے نعرے لگانے لگی تھیں۔ راحیلہ اپنی بے بسی کو چھپاتی' آنکھوں میں آنسو بھرے آگے بڑھ گئیں' وہ واقعی میں ان ضعیف الاعتقاد اور جاہل لوگوں کے دل سے بھابی بیگم کی عظمت کا جن نہیں نکال سکتی تھیں' باہر محلے کی ساری عورتیں اکٹھی ہوگئی تھیں اور اب اونچی آواز میں نعرے بازی کررہی تھیں۔

بھابی ہماری رہبر ہیں' بھابی ہماری محسن ہیں' شاہدہ بھابی زندہ باد' بھابی بیگم زندہ باد'

راحیلہ نے داخلی دروازہ بند کرکے چٹخنی چڑھائی اور کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

قسط نمبر 24

نادیہ فاطمہ رضوی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فراز کو اپنے تمام حالات سے آگاہ کرنے کے بعد ماریہ اس سے رابطہ نہیں کر پاتی' ایسے میں جیسکا اس سے تمام باتیں جاننا چاہتی ہے کہ آگے وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ماریہ فراز کے حوالے سے اپنی تمام باتیں اس سے شیئر کرنے لگتی ہے جب ہی ابرام کی آمد پر جیسکا وہاں سے اٹھ جاتی ہے اس دوران ماریہ اس کے موبائل پر سرپال اور میک کے میسجز اور لاتعداد کالز دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔ جیسکا کی اصلیت جان کر وہ شدید کرب میں مبتلا ہوتی ہے جب ہی وہ برام کو جیسکا کے دھوکے سے آگاہ کرتی ہے ابرام اسے جیسکا سے محتاط رہنے کا مشورہ دیتا ہے اور وہ ماریہ کو اپنے اور جیسکا کے جھگڑے سے بھی آگاہ کرتا ہے یہ انکشافات ماریہ کو بوکھلا کر رکھ دیتے ہیں۔ فراز ماریہ کے اچانک غائب ہوجانے پر متفکر ہوتا ہے ایسے میں وہ لالہ رخ کو تمام بات بتا کر مشورہ کرتا ہے وہ اسے ماریہ کی مشکلات کا بتا کر کچھ وقت مزید انتظار کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ لالہ رخ بھی اس کے کہنے پر مومن جان کی سچائی گڈو مامی کو بتا دیتی ہے' زرتاشہ بھی یہ سب جان کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔ مہرینہ کی ماں کی حالت نہایت ابتر ہوتی ہے اسے یقین ہی نہیں آتا کہ مومن جان کے محبت آمیز سلوک کی اصل وجہ یہ گھناؤنا کھیل تھا جب ہی لالہ رخ انہیں خاموش رہنے کا کہتی ہے۔ مومن جان بھی پولیس کے ڈر سے فی الحال اپنے ارادے کو مؤخر کرتے روپوش ہوجاتا ہے۔ جس پر گھر والے سکون کا سانس لیتے ہیں۔ جیسکا تمام حالات سرپال اور میک کو بتاتی ہے اور یہ بھی کہتی ہے کہ ماریہ دوبارہ سے ولیم کی طرف بڑھنا چاہتی ہے اور اس مقصد کے لیے جیسکا کی خدمات بھی حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن سرپال اور میک کو یہی لگتا ہے کہ ضرور ماریہ کو جیسکا پر شک ہوگیا ہے جب ہی وہ اسے گمراہی کے راستے پر دھکیلنا چاہتی ہے لیکن جیسکا یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ سونیا اپنی زندگی کامیش کے ہمراہ از سر نو شروع کرنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کی خاطر کامیش کے آفس پہنچ کر اس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن کامیش اسے توجہ نہیں دیتا اور اس کی بات سنے بغیر آفس سے نکل جاتا ہے اپنی اس توہین پر سونیا بھڑک اٹھتی ہے۔ حورین اور خاور حیات کے تعلقات میں عجیب سرد مہری اور لاتعلقی آجاتی ہے۔ جس پر خاور حیات وجہ دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آتا' دوسری طرف حورین کا عجیب وغریب رویہ اسے الجھن میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ ماریہ انتہائی محتاط ہوکر رہتی ہے ایسے میں وہ فراز سے رابطہ بھی نہیں کر پاتی' آنے والا وقت اس کے لیے مزید مشکلات لاتا ہے ایسے میں اچانک فراز کی اپنے گھر آمد پر وہ چونک جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀......❀......❀

ماریہ کے دماغ کے کسی بھی کونے میں یہ خیال نہیں تھا کہ فراز شاہ یوں اس طرح اس کے دروازے پر آن کھڑا ہوگا وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر یک دم اسے لگا جیسے وہ فراز شاہ کا الوژن ہے مگر جب فراز کے

عقب سے ابرام کا چہرہ نمودار ہوا تو وہ اپنے دھیان سے چونکی۔
''ہنی پلیز راستہ تو چھوڑو تم تو اسٹیچو بن کر کھڑی ہوگئی ہو۔'' ابرام غالباً اپنے سیل فون پر بات کرتے ہوئے تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا جب ہی فراز شاہ یوں اچانک اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا' ماریہ کا ہڑبڑانا فطری تھا وہ بے حد جھینپ کر سائیڈ پر ہوئی تو آگے فراز اور اس کے پیچھے ابرام چلا آیا۔
''ماریہ یہ میرے فرینڈز ہیں فراز شاہ' یہ ایشین ہیں تمہیں یاد ہے ہماری ان سے ملاقات مال میں ہوئی تھی۔'' لاؤنج میں آ کر ابرام ماریہ کو فراز کا تعارف کرواتے ہوئے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کررہا تھا کہ ان کی ملاقات پہلے بھی ہوچکی ہے' بلیک جینز میں بلیک ہی ٹی شرٹ کے اوپر ڈارک کیمل رنگ کی جیکٹ پہنے وہ بڑی منفرد پرسنلٹی کا مالک لگ رہا تھا۔
''میری ان سے ملاقات بالکل اتفاقیہ طور پر ایک پارک میں ہوئی تھی' اب فراز میرے بہت اچھے فرینڈ ہیں۔'' ابرام شستہ انگریزی میں بڑی خوش دلی سے بولا جب کہ فراز شاہ نے انتہائی دلفریب سی مسکراہٹ ابرام کو دی پھر فراز اور ابرام دونوں محوِ گفتگو ہوئے تو وہ خاموشی سے ان دونوں کے درمیان سے اٹھ کر کافی لانے کچن میں آ گئی' کافی پھینٹتے ہوئے بھی اس کا سارا دھیان باہر بیٹھے فراز شاہ کی جانب تھا۔
''کہیں یہ شخص مجھ سے تو کوئی بات کرنے نہیں آیا' میں اتنے دنوں سے اس سے کوئی رابطہ بھی تو نہیں کرسکی اب میں ابرام برو کی موجودگی میں اس سے کیسے بات کروں؟'' وہ دل ہی دل میں خود سے بولی پھر کافی کے تین مگ تیار کرکے وہ باہر لاؤنج میں آ گئی اور ان دونوں کو مگ سرو کرنے کے بعد اپنا کپ لے کر خود بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گئی' تھوڑی ہی دیر میں قدرت نے انہیں خود ہی موقع فراہم کردیا' ابرام کے سیل فون پر کوئی ضروری کال آئی تھی' اسے کچھ ڈیٹیلز دینی تھیں لہٰذا وہ فراز سے ایکسکیوز کرکے اپنے روم میں چلا گیا جب ہی ابرام کے جاتے ہی ماریہ تیزی سے گویا ہوئی۔
''آئی ایم سوری مسٹر فراز...... میں چاہنے کے باوجود بھی آپ سے رابطہ نہیں کرسکی' دراصل کچھ لوگ میری جاسوسی پر مامور ہیں اور میں فی الحال اب چھوٹا سا بھی رسک افورڈ نہیں کرسکتی۔'' فراز نے نگاہ اٹھا کر سامنے بیٹھی ماریہ کو دیکھا جو آف وائٹ ٹراؤزر کے اوپر شارٹ اسٹون واش کی شرٹ میں حسب معمول بلیک اسکارف لیے کافی الجھی ہوئی سی لگی۔ فراز نے ایک گہری سانس بھری پھر سہولت سے گویا ہوا۔
''مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔'' پھر اپنی جیکٹ سے ایک بے حد اسٹائلش سا سیل فون نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔
''یہ فون آپ رکھ لیجیے' اس میں سم بھی موجود ہے اور میں نے اپنا نمبر بھی اس میں سیو کردیا ہے میں یہی دینے آیا تھا۔'' ماریہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سرعت سے اس کے ہاتھ سے موبائل فون لیتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے ابرام کے روم کے دروازے کی جانب دیکھا' صد شکر کہ وہ ابھی بھی بند تھا اس نے موبائل سیٹ صوفے کے کشن کے پیچھے چھپالیا تقریباً دو سے تین منٹ میں ابرام دوبارہ وہاں آ گیا تھا' فراز اور وہ ایک بار پھر باتوں میں مصروف ہوگئے تو وہ خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سننے لگی پھر جب ابرام فراز کو رخصت کرنے دروازے کی جانب بڑھا تو ماریہ نے سرعت سے موبائل فون کشن کے پیچھے سے نکالا اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

❀......❀......❀

سونیا اعظم خان کو کامیش شاہ کے رویے پر بے تحاشا طیش آیا تھا' وہ خاموشی سے اس کے آفس سے نکل کر رامیہ کے گھر آ گئی تھی۔ رامیہ اس کے بگڑے تیور دیکھ کر کچھ پریشان سی ہوئی پھر وجہ جان کر اس نے سونیا کے غصے کو بہت

مشکلوں سے ٹھنڈا کیا تھا۔
''ہونہہ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے اسے لگ رہا ہے جیسے میں اس کے لیے مری جارہی ہوں' مائی فٹ...... اب اتنا بھی اہم نہیں ہے وہ میرے لیے۔'' سونیا اپنی ناک چڑھا کر نخوت بھرے لہجے میں بولی' جس کے جواب میں رامیہ اسے سمجھانے والے انداز میں گویا ہوئی۔
''ایک تو تم سونیا بہت جلدی ایگریسو اور ایموشنل ہوجاتی ہو اور یہیں تم مات بھی کھا جاتی ہو۔'' رامیہ کی بات اس کے سر سے گزر گئی تھی اس نے انتہائی الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ میری جان کہ جب تم نے کامیش کے ساتھ اتنا کچھ کیا ہے تو اتنا ایٹی ٹیوڈ دکھانا تو اس کا حق بنتا ہے ناں۔'' پھر وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔
''دیکھو سونیا اپنا مقصد اور منزل حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنی عقل کا استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات پر بھی قابو رکھنا پڑتا ہے خاص طور پر اپنا غصہ اور یہی تمہارا ویک پوائنٹ ہے کہ تم بہت جلد ایگریسو ہوجاتی ہو۔'' سونیا بغور اسے دیکھتی رہی جو مزید کہہ رہی تھی۔ ''جس طرح تم نے فراز کو برباد کرنے کے لیے اپنے ایموشنز پر قابو پا کر اسے گھر والوں کی نگاہ کے سامنے گرایا تھا ناں بالکل اسی طرح تمہیں صبر و تحمل سے کام لے کر کامیش شاہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھ کر ہی اس کی جانب بڑھنا ہوگا۔'' اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے ہوئے وہ اپنی اور رامیہ کے متعلق گفتگو کی بابت سوچ رہی تھی پھر وہ یکدم کمرے کے بیچوں بیچ ٹھہری پھر با آواز بلند خود سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی۔
''میرے خیال میں رامیہ ٹھیک کہہ رہی ہے' مجھے خود کو ٹھنڈا رکھ کر ہی کامیش کی جانب بڑھنا ہوگا۔''

❁......❁......❁

ابرام بڑی عجلت میں آفس سے باہر نکلا تو بلیک اسکرٹ کے اوپر ڈارک میرون شرٹ اور میرون ہی ٹائٹس زیب تن کیے جیسکا ہونٹوں کو میرون لپ اسٹک سے رنگے اپنے شولڈر کٹ ڈارک براؤن بالوں کو ایک خاص اسٹائل دیئے اس کے راستے میں حائل ہوگئی۔ ابرام نے ایک نگاہ اسے دیکھا تو وہ کھل کر مسکرائی جواباً ابرام مسکرا بھی نہیں سکا اس پل اسے ماریہ کے جملے اپنی سماعت میں گونجتے محسوس ہوئے کہ جیسکا میک سے مل چکی ہے یک لخت ابرام کے اندر سے نفرت و اشتعال کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ اس لمحے اس کا دل شدت سے چاہا کہ وہ جیسکا پر یہ راز آشکار کردے کہ وہ اس کی اصلیت سے پوری طرح واقف ہوگیا ہے کہ وہ کتنی دھوکہ باز اور فریبی لڑکی ہے مگر وہ ایسا کر نہیں سکا۔ جیسکا ابرام سائمن کو کسی گہری سوچ میں غلطاں دیکھ کر ہولے سے کھنکاری تو ابرام بے حد چونک کر حال کی دنیا میں واپس لوٹا پھر بنا کچھ کہے اس نے استفہامیہ نظروں سے جیسکا کو دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرائی پھر بڑے دلنشیں انداز میں بولی۔
''میں تمہاری نگاہوں کا مفہوم جان گئی ہوں ابرام اِن فیکٹ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں ابرام۔'' آخری جملہ فخر سے بھرپور تھا' ابرام نے ایک نگاہ بغور اسے دیکھا پھر تلخی سے ہنس کر بولا۔
''نہیں جیسکا تم مجھے نہیں جانتیں اور نہ ہی میں تمہیں جان سکا۔'' جیسکا کچھ پل کے لیے خاموش سی ہوگئی پھر قدرے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
''میں جانتی ہوں ابرام کہ تم مجھ سے سخت ناراض ہو اور ایسا کرنے میں تم حق بجانب ہو بھی میں نے واقعی تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے' مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ابرام تم پلیز ایک بار مجھے معاف کردو۔'' سامنے کھڑی جیسکا اس لمحے

ابرام کو اپنے اعصاب کا امتحان محسوس ہوئی تھی اپنی ذاتی بات تو ایک طرف مگر جو کچھ وہ ماریہ کے ساتھ کررہی تھی وہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا اس وقت وہ بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پائے کھڑا تھا ورنہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر ڈالے۔

''ابرام...... میں...... میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں تم پلیز مجھے ایک آخری موقع دے دو۔'' وہ لجاجت بھرے لہجے میں آخری جملہ بولی تھی ابرام نے اسے چند ثانیے خاموشی سے دیکھا پھر ایک ہنکارا بھر کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

''جیسکا اب تم مجھ سے چاہتی کیا ہو؟'' ابرام کے سوال پر جیسکا کے دل میں ایک خوشی کی کرن ابھری مگر اس خوشی کو اس نے اپنے چہرے تک آنے نہیں دیا تھا وہ ہنوز لہجے میں بولی۔

''ابرام میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے دل سے معاف کردو اور پہلے کی طرح دوبارہ مجھے اپنا فرینڈ بنالو۔'' ماریہ کے ارادے جاننے اور اپنے دل کی خواہش پورا کرنے کی خاطر وہ اس پل ابرام کے سامنے ہاتھ تک جوڑنے کو آمادہ تھی ابرام نے اسے لحظہ بھر دیکھا پھر سپاٹ انداز میں بولا۔

''اب ایسا ممکن نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس کے پہلو سے نکلتا چلا گیا جبکہ جیسکا وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

❁......❁......❁
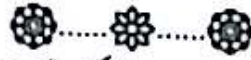
مومن جان گڈو بیگم کو کوئی ضروری کام بتا کر وہاں سے رفو چکر ہوگیا تھا وہ پولیس سے بے حد ڈرتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب اس کے دوست نے پولیس کا بتایا تو وہ بری طرح گھبرا گیا تھا جبکہ مہرو اور اماں مومن جان کے اس طرح چلے جانے پر الجھی ہوئی تھیں۔

''اماں یہ اچانک ابا کو کیا سوجھی اس طرح راتوں رات اپنا سامان باندھ کر کہاں نکل گیا۔''

''ہونہہ مجھے کیا معلوم تو جانتی نہیں ہے کیا اسے ہمیشہ سے ایسا ہی تو ہے وہ جب جہاں چاہتا ہے منہ اٹھا کر چل دیتا ہے۔'' اماں سخت نالاں اور بے زار ہوکر بولیں پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئیں۔

''چلو اچھا ہے چلا گیا میری نظروں سے دور ہوگیا ہے وہ بدبخت ورنہ اسے دیکھ دیکھ کر تو میرا خون کھولتا تھا۔'' مہرو نے دوپٹہ سر پر باندھے تخت پر لیٹی اماں کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''خطرہ وقتی طور پر تو ٹل گیا ہے مگر وہ کبھی بھی کسی عفریت کی طرح دوبارہ نازل بھی ہوسکتا ہے۔'' مہرو کی بات پر گڈو بیگم بمشکل تخت سے اٹھ کر بولیں۔

''مہرو وہ کچھ بھی سوچ لے جیسے بھی عزائم رکھے مگر جب تک میں زندہ ہوں ناں تجھے کوئی انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔'' جب سے گڈو بیگم نے لالہ رخ کی زبانی مومن جان کی حقیقت کو جانا تھا اس دن کے بعد سے وہ مہرو کو صدیوں کی بیمار لگنے لگی تھیں اس لمحے بھی ان کا چہرہ بے حد زرد اور کمزور معلوم ہورہا تھا یک دم مہرو بے تحاشا متفکر ہوگئی تھی۔

''اماں کیا بات ہے تمہارا چہرہ اتنا پیلا کیوں ہورہا ہے؟ سر میں درد زیادہ ہے تو حکیم جی کے پاس چل کر دوا لے آتے ہیں۔'' وہ ان کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی تو گڈو بیگم نے بے زاری سے سر نفی میں ہلا کر کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں تھوڑا آرام کرلوں گی تو درد آپ ہی آپ ٹھیک ہوجائے گا۔''

''اُفوہ اماں تم دوا کھانے سے اتنا گھبراتی کیوں ہو۔'' وہ قدرے چڑ کر بولی۔

''ارے معمولی سے سردرد کے لیے میں دوا کیوں کھاؤں۔''

''اچھا تم لیٹ جاؤ میں سر دبا دیتی ہوں۔'' اماں کی بات پر مہرو نے فی الحال بحث کرنے سے پرہیز کیا اور پھر

ہولے ہولے اماں کا سر دباتے ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔

❁.....❁.....❁
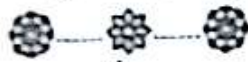
باسل احمر اور عدیل تینوں ویگو کار میں اسلام آباد سے بائی روڈ مری پہنچے تھے جہاں موسم بہت سہانا اور پُر کیف تھا' باسل اور احمر کو پہاڑی علاقے بہت پسند تھے وہ اکثر و بیشتر یہاں آتے تھے یہاں آ کر ان کے ذہنی سکون ملتا تھا شہر کی آلودہ فضا اور بے ہنگم شور سے پاک یہ جگہ فطرت کے بے حد قریب معلوم ہوتی تھی۔ باسل کا ارادہ تو ناران کاغان جانے کا تھا مگر عدیل اور احمر کے کہنے پر وہ پہلے مری ٹھہر گیا تھا۔ مری میں ان دنوں بھی اچھا خاصا رش تھا لوگ سیر و سیاحت کے لیے کافی تعداد میں اپنی فیملیز اور فرینڈز کے ساتھ یہاں براجمان تھے ہمیشہ کی طرح باسل نے آج کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بکنگ نہیں کرائی تھی کیونکہ راستے میں اسے بے حد آرٹسٹک اور منفرد سا گیسٹ ہاؤس نظر آیا تھا جس کا ویو دلفریب تھا لہٰذا تینوں دوست اس بار چینج کے طور پر یہاں آ گئے تھے۔ احمر اور عدیل بڑے سے ہال میں لگے صوفوں پر آرام سے براجمان ہو گئے تھے جب کہ باسل روم لینے کی غرض سے ریسپشن کی جانب آ گیا جہاں ایک بے حد ڈیسنٹ سی لڑکی کو دیکھ کر وہ قدرے چونکا جو کافی براؤن کاٹن کے پلین سوٹ میں لائٹ براؤن دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے بہت منفرد لگ رہی تھی' لالہ رخ نے باسل حیات کو دیکھ کر استقبالیہ مسکراہٹ پاس کی تھی جواباً وہ بھی دھیرے سے مسکرایا تھا پھر کچھ فارملیٹیز نمٹا کر وہ کمروں کی چابیاں لے کر اپنے دوستوں کی جانب آیا مگر جاتے ہوئے ایک بار پھر بڑی غیر ارادی طور پر اس نے استقبالیہ میں کھڑی لڑکی کو دیکھا جو اب کسی دوسرے کسٹمر کو اٹینڈ کر رہی تھی پھر سر جھٹک کر وہ احمر اور عدیل کے ہمراہ اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

دروازے پر مخصوص انداز سے دستک ہوئی تو ماریہ سلام پھیر کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی پھر دروازہ بڑی بے فکری سے وا کر دیا کیونکہ دستک کے انداز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ آنے والا ابرام ہے۔ ابرام کی نگاہ ماریہ پر پڑی تو وہ اسے نماز کے انداز میں دوپٹہ پوری طرح کور کیے دیکھ کر چونکا پھر حیرت سے بھرپور انداز میں بولا۔

''ماریہ تم کیا کر رہی تھیں؟'' ماریہ راستہ چھوڑ کر اندر کمرے میں آ گئی اور پھر نرمی سے بولی۔

''نماز پڑھ رہی تھی برو۔'' ماریہ کی بات پر ابرام چند ثانیے کے لیے کسی سوچ میں غلطاں رہا پھر تھوڑی دیر بعد گویا ہوا۔

''میں نے نماز کا نام تو سنا ہے کیا یہ مسلمانوں کی عبادت ہے؟'' ماریہ جواب سکون سے اپنے بستر پر بیٹھ گئی تھی بنوز لہجے میں بولی۔

''جی برو' نماز ہمارے دین اسلام کی سب سے خاص اور اہم عبادت ہے بلکہ آپ یوں سمجھ لیں کہ نماز کے بناء باقی دوسری عبادتیں نامکمل ہیں' یہ کسی بھی کنڈیشن میں معاف نہیں۔''

''اچھا اور دوسری عبادتیں کون سی ہیں؟'' ابرام کو یک دم دلچسپی ہوئی تھی جب ہی وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہوں جیسے روزہ' زکوٰۃ' حج...... '' پھر ماریہ نے تفصیلات ان تمام عبادات کے متعلق بتایا تو ابرام نے بے حد دھیانی سے سنا۔

''اسلام کسی پر زور زبردستی نہیں کرتا نہ ہی ناحق کسی پر ظلم و جبر کرتا ہے۔'' ماریہ اسے اسلام کی حقانیت سے آگاہ کر رہی تھی اس لمحے اس کے چہرے پر اتنی الوہی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں کہ ابرام بس یک ٹک اسے دیکھتا ہی رہا جو

آنکھیں بند کیے بھیگی پلکوں سمیت ہونٹوں پر پیاری سی مسکان سجائے بول رہی تھی۔
"جانے کس کی دعا اور نیکی کا یہ پھل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے راہ ہدایت بخشی اور مجھے لاعلمی کے گمبھیر سیاہ اندھیروں سے نکال کر نور کے ہالے میں لا کھڑا کیا۔" ابرام محض چپ چاپ اسے تکتا رہا۔

❁......❁......❁
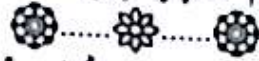
آج سنڈے ہونے کی بدولت ساحرہ نے بریک فاسٹ ٹیبل پر خصوصی اہتمام کروایا تھا کامیش گھر پر موجود تھا وگرنہ وہ اکثر اوقات اتوار کو بھی کسی ضروری کام سے نکل جاتا تھا اس وقت وہ تینوں ناشتے کے لوازمات سے انصاف کررہے تھے جب ہی انتہائی غیر متوقع طور پر وہاں سونیا چلی آئی جس نے بڑی گرم جوشی سے سمیر شاہ اور ساحرہ کو سلام کیا۔

"السلام علیکم انکل آنٹی!" وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی جب کہ اس طرح یوں اچانک سونیا کو وہاں دیکھ کر ساحرہ کا منہ مارے حیرت واستعجاب کے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا اور سمیر شاہ ان کا تو وجود ہی جیسے سن ہوگیا تھا وہ بھی بنا کچھ بولے بس سونیا اعظم خان کو دیکھتے رہے جواب بڑی بے تکلفی سے کرسی کھسکا کر وہاں براجمان ہوچکی تھی البتہ کامیش شاہ بنا کوئی تاثر دیے ہنوز ناشتے میں مصروف رہا تھا۔ ساحرہ کی حیرانی اب خوشی اور انبساط میں تبدیل ہوچکی تھی۔
"او مائی گاڈ سونیا تم یہاں واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز' آئی ایم سو ہیپی ٹو سی یو۔" ساحرہ خوشی سے بے قابو ہوکر بولی تو سونیا دلکشی سے ہنس پڑی اور گرین کنٹراسٹ کے اسٹائلش سے لان کے سوٹ میں وہ دوپٹہ سائیڈ پر ڈالے ہلکے میک اپ میں بہت فریش لگ رہی تھی جب کہ اس کے ملبوسات سے اٹھتی بے حد دلفریب لیڈیز پرفیوم کی مہک چہار سو پھیل کر بڑا خوش گوار سا تاثر دے رہی تھی۔
"بس آنٹی میں نے سوچا کہ آج سنڈے ہے آپ سب لوگ گھر پر موجود ہوں گے لہٰذا میں چلی آئی۔" وہ بڑے مزے سے بولی پھر سمیر شاہ کی جانب رخ موڑ کر ہنوز انداز میں گویا ہوئی۔
"اور انکل آپ کیسے ہیں طبیعت وغیرہ سیٹ ہے؟" سمیر شاہ نے اس پل خود کو بمشکل سنبھالا پھر پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر بولے۔
"آئی ایم فائن۔" جب ہی ساحرہ تیزی سے بولی۔
"تم نے بہت اچھا کیا سونیا جو چلی آئیں' رئیلی میں تمہیں بہت مس کررہی تھی اچھا تم ناشتا تو کرو ناں۔" ساحرہ نے دو تین ڈشز اس کی جانب بڑھائیں' سونیا نے نزاکت سے تھینکس کہا پھر کامیش کی جانب متوجہ ہوکر بولی۔
"آپ بتایئے کامیش سب کچھ کیسا چل رہا ہے؟" کامیش نے چہرہ اٹھا کر سرسری نگاہ اس پر ڈالی پھر سنجیدگی سے بولا۔
"سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔" سونیا کو کامیش کا انداز کچھ جتاتا ہوا محسوس ہوا مگر فی الفور وہ نظر انداز کرگئی پھر مسکرا کر بولی۔
"ویٹس گڈ۔" پھر وہ بھی لوازمات کی جانب متوجہ ہوگئی جب کہ کامیش کچھ دیر بعد اپنا ناشتا ختم کرکے وہاں سے اٹھ گیا۔

❁......❁......❁

سہانی شام کے اس پل فضا بے حد دلفریب تھی پرندوں کے غول درغول چہچہاتے شور مچاتے دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ احمر اور عدیل اوپر کمرے میں تھے احمر کو کچھ ٹمپریچر محسوس

ہورہا تھا لہٰذا وہ بستر میں دبکا ہوا تھا جب کہ عدیل بھی کسلمندی سے اس کے ساتھ ہی پڑا ایل سی ڈی پر کوئی مووی سے شغف کررہا تھا۔ باسل اس وقت اپنی تنہائی کو انجوائے کرتا ہوا گیسٹ ہاؤس کے باہر بنے خوب صورت سے باغیچے میں بنی لکڑی کی بینچ پر بیٹھا تھا جب ہی اس کی نگاہ بے ارادی طور پر سامنے سے دور آتی دو لڑکیوں پر پڑی جو لحہ بہ لحہ نزدیک آرہی تھیں وہ یونہی دیکھتے ہوئے ابھی اپنی نگاہ ہٹانے ہی والا تھا کہ یک دم فیروزی اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے کشمیری سوٹ میں ملبوس لڑکی کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک اٹھا۔ زرتاشہ مہرینہ کے ہمراہ آج لالہ رخ کو لینے گیسٹ ہاؤس آ پہنچی تھی، باسل حیرت زدہ سا اسے دور سے بیٹھا دیکھتا رہا۔

''زرتاشہ اور یہاں......!'' وہ زیر لب بڑبڑایا پھر معاً ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا تو اسے بخوبی یاد آ گیا کہ احمر نے اس سے ایک بار تذکرہ کیا تھا کہ زرتاشہ کا تعلق مری سے ہے اور وہ کراچی صرف پڑھائی کی غرض سے آئی ہے۔ زرتاشہ بنا اس کی جانب دیکھے باتوں میں مگن جھپاک سے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوگئی جب کہ باسل کچھ دیر عجیب سی کیفیت میں گھرا بیٹھا رہا پھر بے ساختہ مسکرا کر خود سے بولا۔

''واٹ آ کوانسیڈنس۔'' پھر غیر ارادی طور پر وہ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی زرتاشہ اسی استقبالیہ پر کھڑی لڑکی کے ہمراہ باہر کھلکھلاتی ہوئی نکلی تھی۔

''اللہ کے واسطے لالہ آج کنجوسی بالکل مت کرنا' مجھے لازمی تین سوٹ خریدنے ہیں اور دو جوڑی جوتے اور پھول بادشاہ کے ڈھابے کے نان چھولے تو لازمی کھانے ہیں۔'' زرتاشہ نے اپنی فرمائشی لسٹ جاری کردی تھی جب ہی ایک دوسری لڑکی خوش گواری سے بولی۔

''او میڈم یہ گیسٹ ہاؤس تمہاری بہن کا نہیں ہے جو تم یوں اتنی لمبی چوڑی فرمائشیں کررہی ہو۔'' باسل بڑی دلچسپی سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا جب کہ آڑ میں لگے گھنے درختوں کی وجہ سے ان تینوں میں سے کوئی بھی اس جانب متوجہ نہیں ہوا تھا۔

''مہرو یہ اپنی تاشو میری پورے مہینے کی سیلری ایک ہی دن میں اڑا دے گی۔'' لالہ رخ مصنوعی خفگی سے بولی تو

زرتاشہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھ کر کہا۔
''بڑے افسوس کی بات ہے لالہ' تم اپنی اکلوتی بہن کے لیے اتنا بھی نہیں خرچ کرسکتیں' میں نے کون سا تمہیں تاج محل خریدنے کو کہہ دیا۔''
''خیر اگر تم تاج محل خریدنے کا بھی کہتیں ناں تو اپنی لالہ پرس کندھے پر لٹکا کر خریدنے کو نکل پڑتی۔'' مہرو نے اس کا مذاق اڑایا' ابھی لالہ رخ برا مان کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سامنے سے آتے دو لڑکے ان کی راہ میں حائل ہوگئے تینوں لڑکیاں بے ساختہ ٹھہری تھیں۔
''مس میں آپ کو دو مرتبہ کمپلین کرچکا ہوں کہ ہمارے روم کا اسپلٹ ٹھیک نہیں چل رہا مگر لگتا ہے کہ آپ کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں۔'' وہ لڑکا شکل سے ہی کافی لوفر اور بدتمیز لگ رہا تھا' لالہ رخ نے بڑے تحمل سے اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔
''سر میں نے دوپہر کو آپ کے روم میں الیکٹریشن کو بھیجا تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس نے اسپلٹ ٹھیک کردیا ہے۔''
''اس کا مطلب ہے کہ میں آپ سے جھوٹ بول رہا ہوں۔'' وہ لڑکا اپنی سرخ سرخ آنکھیں نکالتے ہوئے بولا تو زرتاشہ بے اختیار لالہ رخ کی آڑ میں ہوگئی جب کہ اس طرز تخاطب نے تو گویا مہرو کے تن بدن میں آگ ہی لگادی۔
''مسٹر ایکس وائی زیڈ آپ ہوتے کون ہیں' اس طرح کے لہجے میں بات کرنے والے۔'' مہرو غصے سے بے قابو ہوکر بولی تو لالہ رخ نے پریشان ہوکر اس کے بازو کو نرمی سے پکڑا وہ جانتی تھی کہ ایک بار مہرو کو غصہ جائے تو اسے ٹھنڈا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔
''میں نے تم سے بات نہیں کی......'' وہ تڑخ کر مہرو سے بولا تو مہرو اس سے بھی زیادہ تلملا کر بولی۔
''مگر میں تم ہی سے بات کررہی ہوں' شاید کسی نے تمہیں خواتین سے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔'' مہرو باقاعدہ آستینیں چڑھا کر میدان میں کود پڑی تھی جب کہ زرتاشہ بے حد خوف زدہ ہوکر لالہ رخ سے چپک گئی تھی۔
''چھوڑ ناں جاوید ایسی لڑکیوں کے منہ کیوں لگ رہا ہے۔'' اس مخصوص کے ساتھ کھڑا لڑکا طنز سے بولا تو مہرو آپے سے باہر ہوگئی۔
''اوہیلو مسٹر ایسی ویسی لڑکیاں ہوں گی تمہارے گھر کے اندر' یہاں کی لڑکیاں باعزت اور باوقار ہیں سمجھے۔''
''مہرو تم ہٹو میں بات کرتی ہوں۔'' لالہ رخ اس بگڑتی سچوئشن کو دیکھ کر گھبرا کر بولی تو وہی لڑکا لالہ رخ کو انتہائی غلیظ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
''تم جیسی گیسٹ ہاؤس میں کام کرنے والی لڑکیوں کے کریکٹر کے بارے میں ہم بہت اچھی جانتے ہیں۔'' باسل جو بگڑتی صورت حال دیکھ کر قریب چلا آیا تھا یہ جملہ اسے نیزے کی طرح لگا تھا۔
''او جسٹ شٹ اپ یو چیپ' تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایک شریف باکردار لڑکی کے بارے میں ایسے جملے استعمال کرتے ہوئے۔'' وہ شیر کی مانند لپک کر اس کا گریبان پکڑ تا دھاڑا جب کہ تینوں لڑکیاں اچانک اس طرح اس کی آمد پر ہکا بکا سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں جب کہ زرتاشہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے پہچان گئی تھی اس سے پہلے کہ لالہ رخ اور مہرو کچھ سمجھتیں باسل حیات نے دو تین مکے اس کے چہرے پر جڑ کر اس کا منہ بگاڑ دیا تھا جب کہ گیسٹ ہاؤس کا گارڈ جو کسی کام سے اندر گیا تھا باہر آکر یہ منظر دیکھ کر تیزی سے اس جانب دوڑا آیا۔
''پلیز سر اسٹاپ اٹ۔'' لالہ رخ نے سب سے پہلے خود کو سنبھالا پھر وہ سرعت سے باسل کا ہاتھ پوری قوت سے

تھام کر بولی تو یک دم باسل نے چونک کر لالہ رخ کی جانب دیکھا جو ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی ایک جھٹکے سے اس نے اپنا ہاتھ پہلو میں گرایا' گارڈ اس دوران وہاں آ گیا تھا۔ مہرو دوڑ کر اندر سے انتظامیہ کے بندوں کو بلا لائی تھی جنہوں نے لالہ رخ' مہرو اور زرتاشہ کو فی الفور وہاں سے بھیج دیا تھا جب کہ ان دونوں لڑکوں کے ہمراہ باسل حیات کو بھی اندر طلب کر لیا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کے مالک نے سیکورٹی گارڈ کی مدد سے ان دونوں لڑکوں کو اسی وقت وہاں سے نکال باہر کیا تھا جبکہ باسل حیات کا شکریہ ادا کیا تھا۔

❁......❁......❁
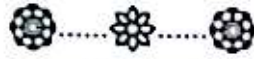
جیسکا اس کے اعصاب کا امتحان لینے ایک بار پھر اس کے سامنے آ دھمکی تھی اور اپنے مخصوص ہمدردانہ اور محبت بھرے لہجے میں اس سے لگاوٹ کا اظہار کر رہی تھی جب کہ ماریہ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں یہی سوچے جا رہی تھی کہ کوئی اس حد تک مکاری کیسے کر سکتا ہے' کتنی منافق اور خود غرض ہو گئی تھی جیسکا جو بڑے اعتماد اور بے باکی سے اسے فریب دے رہی تھی اسے بہلا پھسلا کر پہاڑ کی چوٹی کے قریب لے جا کر اسے بڑے پیار سے دھکا دینے والی تھی۔

''تمہاری فکر و پریشانی نے تو میری راتوں کی نیندیں اڑا دی ہے ماریہ' اب یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جیکولین آنٹی اتنی خاموش کیوں ہیں' کہیں اس خاموشی کے پیچھے کوئی بڑا طوفان تو چھپا ہوا نہیں؟'' وہ اپنے لب و لہجے میں خوف و خدشہ طاری کر کے بولی تھی جب ہی ماریہ اپنے دھیان سے چونکی اور پھر اپنے سر کو جھٹک کر وہ گویا ہوئی۔

''جیسکا تم نے ولیم سے بات کی؟'' جیسکا جو اپنی جون میں کچھ اور بھی بولنے جا رہی تھی' ماریہ کے جملے پر وہ یک دم ٹھٹک کر رکی پھر ناراض نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بے زاری ہو کر بولی۔

''او ماریہ...... فار گاڈ سیک' تم اب ولیم کے چیپٹر کو کلوز کر دو۔''

''تو پھر کیا میک کا چیپٹر کھول لوں؟'' وہ سرعت سے بولی تو جیسکا کہ چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا۔

''میک کا چیپٹر......؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی پھر جلدی سے خود کو سنبھال کر استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''مگر ماریہ تم اس دن کسی تیسرے راستے کا تذکرہ کر رہی تھیں' کیا ہے وہ تیسرا راستہ۔'' ماریہ نے ایک پل کے لیے اسے دیکھا پھر ایک تھکی تھکی سی سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے گویا اس کے سر پر بم بلاسٹ کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے واپس اپنے مذہب میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔''

''کیا...... یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... میرا مطلب ہے ماریہ' تم تو اس مذہب کو لے کر اتنا پوزیسو ہو رہی تھیں اور اب تم......'' وہ بے حد حیرانی سے انگریزی میں بولتی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی تو ماریہ دھیرے سے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے میرے پاس اور مجھے تم ہی بتاؤ میرے پاس پھر بچے گا کیا؟ مام مجھے زندہ درگور کر دیں گی برو بھی مجھ سے جدا ہو جائے گا اور ولیم اسے تو میں خود پہلے ہی کھو چکی ہوں۔''

''اوہ ماریہ...... تم نے تو مجھے سہی معنوں میں چکرا کر رکھ دیا ہے۔'' جیسکا سچ مچ اپنا گھومتا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی تو ماریہ کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ ابھری' وہ دل ہی دل میں بولی۔

''تم کتنی ہی شاطرانہ چالیں چل لو اپنی مکاری سے کتنا ہی فریب دینے کی کوشش کر لو مگر تمہیں کامیابی نہیں مل سکتی کیوں کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔'' جیسکا گم صم سی بیٹھی آگے کا سوچ رہی تھی ابرام اسے اپنی دسترس سے بہت دور

جاتا نظر آرہا تھا پھر ماریہ کو دیکھ کر گویا ہوئی۔

''ماریہ تم اس لمحے بہت کنفیوژ ہو ڈیئر کبھی تم ولیم کی جانب دوڑ پڑتی ہو تو کبھی تم واپس اپنے مذہب کی طرف پلٹنے کا فیصلہ کرلیتی ہو تم سکون سے سوچو کہ آخر تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' وہ ایک بار پھر اپنی کوششوں میں کمر بستہ ہوئی۔

''میں نے اس بارے میں بہت سوچ سمجھ کر یہی فیصلہ کیا ہے جیسکا کہ مجھے واپس پلٹ آنا چاہیے۔'' جیسکا اس بار کچھ نہیں بولی محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

خاور حیات آج پھر حورین کو اجنبی و سرد مہر انداز میں دیکھ رہا تھا' آج فلو کی بدولت وہ آفس نہیں گیا تھا' صبح تک تو حورین بالکل ٹھیک تھی اس نے خود خاور حیات کے ساتھ بیڈروم میں ناشتا کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا سر بھی دبایا تھا پھر میڈیسنز دے کر وہ اسے آرام کرنے کی تاکید کرکے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ سہ پہر کے وقت وہ گہری نیند لے کر اٹھا تو خود کو کافی بہتر محسوس کررہا تھا پھر فریش ہوکر حورین کی تلاش میں کمرے سے باہر نکلا تو حورین اسے مضمحل سے انداز میں سیٹنگ روم میں کاؤچ میں گری نظر آئی یک دم خاور اسے اس طرح دیکھ کر پریشان ہوگیا' وہ تیر کی تیزی سے اس کے قریب آکر بولا۔

''جان خاور کیا ہوا تم اس طرح یہاں کیوں لیٹی ہو' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' اسی دوران وہ اس کا ہاتھ تھام چکا تھا' حورین جو نیم وا آنکھیں کیے لیٹی تھی یک دم بری طرح چونک کر سیدھی ہوئی پھر انتہائی ناگواری سے خاور کے ہاتھ کو جھٹک کر بولی۔

''کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ مجھے اتنی اچھی نیند سے جگادیا۔'' اس لمحے اس کے انداز واطوار میں اتنی بےزاری و رکھائی تھی کہ اس دن کی طرح خاور اس پل بھی بھونچکا سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''اچھا بھلا میں سونے لگی تھی۔'' وہ بڑبڑائی' خاور نے اسے حیران کن نگاہوں سے دیکھا پھر کچھ سوچ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تو اس میں اتنا برا ماننے والی بات تو نہیں ہے حورین' مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہاری آنکھ لگ گئی تھی۔''

''ہونہہ آپ کو بھی کچھ معلوم بھی ہوتا ہے۔'' حورین خاصی بدتمیزی سے بولی تو حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈبکیاں لگاتے خاور کو حورین کے طرز تخاطب پر بےاختیار غصہ آگیا۔

''حورین مائنڈ یور لینگویج' یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کررہی ہو۔'' جواباً حورین نے اسے بےحد بےزاری سے دیکھا' خاور حیات کی ناگواری کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا۔

''مجھے نیند آرہی ہے' میں سونے جارہی ہوں۔'' حورین ہنوز لہجے میں بولتی تیزی سے کاؤچ سے اٹھی اور خاور حیات کو ششدر چھوڑ کر کمرے میں چلی گئی۔

❁......❁......❁

لالہ رخ دوسرے دن آفس ذرا لیٹ آئی تھی' مہرو اور لالہ رخ باسل حیات سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھیں۔

''ہائے اللہ لالہ...... وہ لڑکا کتنا اچھا تھا ناں' کس طرح اس بدتمیز جنگلی آوارہ لڑکے کا میک اپ دو سیکنڈ میں کردیا تھا۔'' واپسی میں مہرو ان لوگوں کے گھر ہی آگئی تھی جو تینوں بیٹھک میں بیٹھیں باسل پر تبصرہ کررہی تھیں البتہ تینوں نے امی سے اس واقعہ کو پوشیدہ رکھا تھا ورنہ وہ ازحد پریشان ہوجاتیں۔

''ہاں مہرو بہت کیوٹ اور ویل مینرڈ تھا وہ۔'' لالہ رخ نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا جب ہی زرتاشہ ڈرامائی انداز

میں بولی۔
''پتا ہے آپ دونوں کو وہ لڑکا کون تھا؟'' زرتاشہ نے خوامخواہ میں سسپنس پھیلایا جس پر لالہ رخ اور مہرو نے چونک کر زرتاشہ کو دیکھا جو اپنی آنکھیں پٹپٹارہی تھی۔
''کون تھا وہ لڑکا؟'' مہرو حیران کن انداز میں بولی تو وہ مزید گویا ہوئی۔
''آپ دونوں اسے اچھی طرح جانتی ہیں جس کا وہ لڑکا جان پہچان والا ہے۔'' زرتاشہ کی بات پر لالہ رخ انتہائی بےزاری سے بولی۔
''افوہ تاشو اب بور مت کرو فوراً بتاؤ کون تھا وہ لڑکا۔'' جب ہی زرتاشہ مزے سے بولی۔
''فراز بھائی کا دوست تھا وہ۔'' پھر تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ گویا ہوئی۔
''میری فرینڈ مہوش کے بھائی کا دوست ہے یہ باسل حیات۔'' جبکہ یہ بات لالہ رخ اور مہرو کے لیے ایک انکشاف ہی تو تھا کہ وہ فراز شاہ کا کزن ہے دوسرے دن جب وہ آفس پہنچی تو وہ لڑکا اپنے دوستوں کے ہمراہ چیک آؤٹ کرچکا تھا اسے افسوس ہوا۔
''اوہ میں اس سے فیس ٹو فیس تھینکس ہی کردیتی۔'' وہ خود سے بولی پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

❁......❁......❁

جیسکا کی زبانی تمام بات سن کر میک بھی تھوڑا سا پزل ہوا۔
''یہ کیسے ممکن ہے وہ اتنی آسانی سے کیسے واپس لوٹ سکتی ہے۔'' میک کے لہجے میں اس پل حیرانی کے ساتھ ساتھ غیر یقینی کے رنگ بھی جھلکے تھے جبکہ جیسکا نے ایک نگاہ دیکھ کر اسے کندھے اچکا کر کہا۔
''او کم آن میک...... اتنی آسانی سے کہاں تم لوگوں نے اس کے سارے راستے تو بند کردیئے تھے وہ ایک بند گلی میں آ کر ٹھہر گئی تھی لہٰذا اس نے الٹے قدموں واپس جانا ہی مناسب سمجھا۔'' اسی دم میک نے بے حد مشتعل ہوکر اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر اتنے زور سے مارا کہ جیسکا بے اختیار خائف نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔
''یہ ماریہ ایڈم ہر بار ہماری آنکھوں میں دھول جھونک دیتی ہے اور ہم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاتے۔'' اس پل جیسکا میک کو خاموشی سے بولتا دیکھتی رہی اس کے سامنے کچھ بھی بولنے کی جسارت نہ ہوئی۔
''بس ایک بار ثبوت میرے ہاتھ میں آ جائیں ماریہ ایڈم پھر میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' وہ دانت پر دانت جما کر بولا تو جیسکا نے اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جو اب کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا' کافی دیر کمرے میں خاموشی چھائی رہی' میک اس وقت جیسکا کے گھر کے لاؤنج میں بیٹھا تھا جب کہ اس کی ماں اس وقت جاب پر گئی ہوئی تھی۔ جیسکا خاموشی سے اٹھی اور کچن میں جا کر دو کپ کافی لے آئی' میک اس لمحے بھی اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا جیسے وہ دس منٹ پہلے چھوڑ کر گئی تھی اس نے چھوٹی سی ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی تو میک واپس حال کی دنیا میں لوٹ آیا۔
''جیسکا تم نے اس سے پوچھا تھا کہ اس کے پاس وہ پروف اب بھی ہیں یا نہیں۔'' میک کے استفسار پر وہ اندر سے بے تحاشا گھبرا گئی اس بار تو وہ اس سے پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔
''ہا...... ہاں...... ہاں میں نے پوچھا تھا تو اس نے کہا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' میک کے غصے کے خوف سے وہ بے ساختہ جھوٹ بول گئی میک نے یہ سن کر جیسکا کو بغور دیکھا تھا۔

❁......❁......❁
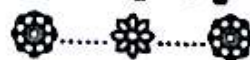
حورین اس دن بھی سارا وقت سوتی رہی‘ رات کے کھانے پر بھی نہیں اٹھی البتہ اگلے دن اٹھی تو پہلے کی طرح بالکل فریش تھی‘ خاور حیات آفس جانے کی تیاری کررہا تھا جبکہ حورین حسب معمول خاور کی تیاری میں مدد کررہی تھی پھر ناشتے کی میز پر جلدی آنے کا کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ خاور حیات جو ڈریسنگ ٹیبل کے قد آور آئینہ کے سامنے کھڑا اپنی شرٹ کے بٹن بند کررہا تھا لحظہ بھر رک کر اپنے عکس کو آئینہ میں دیکھا پھر بے حد سنجیدگی سے بولا۔

”نہیں حورین...... اس بار میں تمہارا رویہ ہرگز نظر انداز نہیں کروں گا‘ تمہیں مجھے اس بی ہیور کی وجہ بتانی ہوگی۔“

پھر وہ چند ضروری چیزیں اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا‘ حورین حسب معمول بڑے خوش گوار انداز میں ایک ایک چیز اس کے سامنے رکھ رہی تھی مگر خاور نے کسی بھی چیز کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا صرف چائے کا کپ اپنے قریب کھسکا لیا حورین نے قدرے حیرت سے دیکھا اس پل خاور حیات اسے بے حد سنجیدہ لگا یک دم اسے خاور کی گہری چپ کا بھی احساس ہوا‘ اندر کمرے میں وہ اپنی جون میں بولتی اس کے موڈ کو نوٹ نہیں کرسکی تھی مگر اب وہ کچھ پریشان سی ہوگئی تھی۔

”کیا بات ہے خاور...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ وہ انتہائی متفکرانہ انداز میں اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی اس پل خاور کا دل چاہا کہ وہ بھی کل کی طرح حورین کا ہاتھ ناگواری سے جھٹک دے جس طرح اس نے خاور کا ہاتھ جھٹکا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

”خاور پلیز بتائیے ناں کیا ہوا ہے آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں؟“ خاور کا ماتھا ٹھنڈا پا کر وہ ہنوز لہجے میں بولی تو خاور نے بے حد کٹیلی نگاہ سے اسے دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے چائے کا کپ اپنے لبوں سے لگا کر ایک گھونٹ بھر کر بڑی تلخی سے کہا۔

”تم نے انجان بننے کی اداکاری کب سے سیکھ لی......؟“ خاور کے عجیب وغریب لہجے اور بات پر حورین نے اسے انتہائی تحیر کے عالم میں دیکھا چند لمحوں کے لیے تو وہ جیسے کچھ بول ہی نہیں سکی پھر پھنسی پھنسی آواز میں گویا ہوئی۔

”مم...... میں سمجھی نہیں خاور‘ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں بھلا انجان بننے کی اداکاری کیوں کرنے لگی۔“ جواباً خاور نے بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”آ...... آپ خاور مجھ سے کس بات پر ناراض......“ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ خاور تیزی سے کرسی کھسکا کر وہاں سے نکلا تو حورین نے بھی اس کے پیچھے جانا چاہا مگر خاور حیات ہوا کے جھونکے کی مانند سرعت سے آگے بڑھ گیا تھا۔

❁......❁......❁
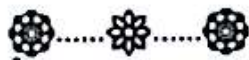
ابرام آج فراز شاہ کے آفس چلا آیا تھا فراز‘ ابرام کو اپنے آفس میں دیکھ کر حقیقی معنوں میں خوش ہوا تھا‘ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایک دوسرے سے کافی گھل مل گئے تھے۔ ابرام فطرتاً بہت نرم خو اور مخلص لڑکا تھا‘ فراز کبھی کبھی دل میں کلٹی ہوتا کہ ابرام نے اس پر اعتبار کرکے اسے دوست جیسا خوب صورت مرتبہ دیا ہے اور وہ اس کی بہن کے ساتھ کسی اور پلاننگ میں ہی مصروف ہے اس لمحے بھی وہ ابرام سے شرمندہ ہورہا تھا وہ اس لیے سائیڈ میں رکھے صوفوں کی جانب آ گیا۔

”اور سناؤ دوست...... سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے؟“ ابرام نے مسکرا کر استفسار کیا تو فراز اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خوش گواری سے بولا۔

”تھینک گاڈ سب انڈر کنٹرول ہے‘ اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے۔“ ابرام نے سہولت سے کہا اس دن ماریہ سے ملنے کے لیے فراز نے ابرام کو خود کانٹیکٹ کیا تھا اور اس کے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''اس دن تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم کافی بہت اچھی بناتے ہوتو ڈیئر میں کافی ہی پینا چاہوں گا مگر تمہارے ہاتھ کی۔''
ابرام مسکرا کر بولا۔
''میرے ہاتھ کی کافی پینے کے لیے تمہیں میرے گھر آنا پڑے گا مائی فرینڈ۔'' فراز ہنس کر بولا تو ابرام بھی ہنس دیا پھر معاً فراز کو کچھ خیال آیا تو وہ سیدھے بیٹھتے ہوئے بولا۔
''ایسا کرو تم صرف پانچ منٹ مجھے دو میں یہیں تمہیں اپنے ہاتھ کی کافی پلاتا ہوں۔''
''اٹس او کے فراز پھر کبھی سہی۔'' ابرام نے اسے روکنا چاہا مگر وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔
''بس صرف پانچ منٹ' تم بیٹھو۔'' فراز سرعت سے باہر چلا گیا تو ابرام یونہی وقت گزاری کے لیے کمرے کی ڈیکوریشن دیکھنے لگا۔ ابھی اسے گئے دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ یک دم سینٹرل ٹیبل پر رکھا فراز کا آئی فون زوروشور سے بج اٹھا' ابرام نے بے ساختہ تھوڑا اچک کر موبائل اسکرین کی جانب دیکھا تو لالہ رخ کا نام بلنک ہوتے دیکھ کر ابرام پل بھر کے لیے چونکا پھر زیرلب اس کا نام دہرایا۔ بیل ابھی بھی بج رہی تھی کچھ سوچ کر ابرام نے فراز کا آئی فون اٹھایا اور انگلی کو اسکرین پر لیس کی جانب پھیرا جونہی اس نے موبائل کان سے لگایا ایک بے حد دلکش آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
''السلام علیکم فراز! میں لالہ رخ بات کررہی ہوں۔'' ابرام خاموشی سے بیٹھا رہا جب ہی وہ دوبارہ بولی۔ ''فراز میں نے آپ کو کہیں ڈسٹرب تو نہیں کردیا' آئی ایم سوری۔'' اس لمحے اس کے لہجے میں ندامت وشرمندگی کے رنگ جھلکے تھے' بے ساختہ بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ ابرام کے لبوں کا احاطہ کرگئی تھی۔
''ناٹ آ ٹال۔'' وہ مختصراً بولا تھا جب کہ اس پل سگنلز ویک ہوجانے کی بدولت آواز واضح اس کے کانوں میں نہیں پہنچی۔
''آپ بتایئے خیریت سے ہیں یہاں بھی اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے' مہرو بھی کافی سنبھل گئی ہے۔'' اس کی بات پر جواباً خاموشی کے طویل دورانیے کو محسوس کرکے لالہ رخ پریشان سی ہوکر بول اٹھی۔
''فراز آپ ٹھیک تو ہیں اتنا چپ چپ کیوں ہیں۔'' جب ہی ابرام کو ناچار بولنا پڑا۔
''مس لالہ رخ...... فراز باہر گیا ہوا ہے میں اس کا فرینڈ بات کررہا ہوں ابرام سائمن......'' وہ شستہ انگریزی میں بولا تو لالہ رخ یک دم چپ کی چپ رہ گئی۔
''مس لالہ رخ...... آپ کا نام بہت پیارا ہے مجھے آپ کا نام بہت پسند آیا' آپ پلیز اس کا مطلب بتانا پسند کریں گی۔'' وہ ہنوز انگریزی میں بڑی خوش گواری سے بولا جب کہ دوسری جانب لالہ رخ کے وجود میں ناگواری کی لہر اٹھی تھی۔
''میں بعد میں کال کرلوں گی اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر اس نے کھٹ سے لائن ڈسکنکٹ کردی جب کہ ابرام موبائل فون کان سے ہٹا کر فون کو الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔ کچھ ہی دیر میں فراز اندر آیا تو ابرام کو اپنا سیل فون ہاتھ میں لیے اسے اسٹیچو کی حالت میں بیٹھا دیکھ کر چونک اٹھا پھر اس کے استفسار پر ابرام نے تھوڑی دیر پہلے والی تمام بات بتا ڈالی جو آخر میں ندامت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''سوری یار میں نے بنا تم سے پوچھے فون پک کرلیا مگر ریئلی مجھے یہ نام ہی اتنا اچھا لگا کہ میں بے اختیار ہوگیا۔'' فراز شاہ اسے دیکھ کر ہنس کر بولا۔
''اٹس او کے یار کوئی بڑی بات نہیں ہے ہاں البتہ ہمارے کلچر میں لڑکیوں کی اس طرح تعریف نہیں کرتے' لڑکیاں

برامان جاتی ہیں۔"

"برامان جاتی ہیں مگر میں نے تو ان کے نام کی تعریف کی تھی۔" وہ قدرے حیران ہو کر بولا تو فراز نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"مائی ڈیئر نام کی تعریف کرنا بھی تعریف ہی کہلاتا ہے۔" فراز کی بات پر ابرام بھی محظوظ ہوا پھر بڑی دلچسپی سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"کیا وہاں ہر لڑکی اپنی تعریف سن کر برامان جاتی ہے؟" جب کہ دوسرے ہی لمحے وہ کافی کا مگ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا چکا تھا جواباً فراز نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہر لڑکی تو نہیں بس خاص خاص لڑکیاں۔"

"اچھا تو کیا لالہ رخ بہت خاص ہے۔" وہ اشتیاق بھرے لہجے میں بولا تو یک دم فراز کے دھیان کے پردے پر لالہ رخ کا باوقار سراپا لہرا گیا' وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

"ہاں بہت خاص ہے۔" پھر فراز نے سرعت سے موضوع بدلا اور دونوں کسی دوسرے ٹاپک پر بات کرنے لگے۔

❀......❀......❀
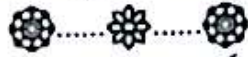
خاور حیات حورین سے سخت خفا تھا اور حورین کی تو جیسے جان سولی پر لٹک گئی تھی وہ تھی ہی انتہائی حساس دل کی مالک' اپنے ملازموں کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اسی کوشش میں لگی رہتی تھی کہ اس کی ذات سے کسی کو ذرا سا بھی کوئی دکھ تکلیف نہ پہنچے۔ خاور اس سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوتا تھا مگر اب جو ناراض ہوا تو اس کی خفگی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ آج پورا ہفتہ ہو گیا تھا' خاور نے اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی وہ جونہی آفس سے گھر آیا حورین تیزی سے اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"خاور پلیز میری بات تو سن لیجیے مجھے بتائیے تو سہی کہ مجھ سے ایسی کیا غلطی ہو گئی ہے' جس کی سزا آپ مجھے اپنی بے رخی اور بے گانگی کی صورت میں دے رہے ہیں' میرا قصور تو بتائیے خاور؟" بولتے ہوئے آخر میں حورین پھوٹ پھوٹ کر رو دی' اتنے دنوں کا ضبط اور برداشت اس پل بری طرح جواب دے گیا تھا اس لمحے اسے اپنے سینے میں عجیب سی چبھن محسوس ہوئی تھی۔ خاور حورین کو اس طرح روتا دیکھ کر تڑپ اٹھا' ساری ناراضی اور غصہ دور ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے دونوں بازوؤں کو تھاما پھر بے حد نرمی سے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے خود بھی اس کے پاس براجمان ہو کر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"جانِ خاور...... اب ایک آنسو بھی بہانے کی اجازت نہیں ہے' اوکے۔" پھر اس نے خود حورین کے گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا تو حورین نے شکوہ کناں نگاہوں سے خاور حیات کو دیکھ کر پوچھا۔

"آپ پلیز مجھے بتائیے ناں کہ اتنے دنوں سے آپ مجھ سے کس بات پر خفا تھے؟" خاور حیات نے ایک نگاہ اسے دیکھا مگر خاموش رہا جب ہی حورین اس کا کندھا ہلا کر گویا ہوئی۔

"پلیز خاور آپ کو ابھی اسی وقت بتانا ہو گا کہ آپ مجھ سے کس بات پر ناراض تھے۔" خاور نے ایک گہری سانس بھری پھر پچھلے ہفتے کا واقعہ اسے سنایا تو وہ انتہائی بھونچکا سی سن کر بولی۔

"خاور مجھے تو بالکل یاد نہیں ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے خاور پلیز میرا یقین کیجیے مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے کہ میں نے ایسا کب اور کہاں کیا تھا۔" حورین کے الفاظ خاور حیات کو بے تحاشا پریشانی اور تفکر میں مبتلا کر گئے تھے۔

❁......❁......❁

سر پال کی طلبی پر جیسکا نے من وعن ماریہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو ان کے سامنے بیان کردی تھی۔ جس پر بہت دیر غوروخوض کرنے کے بعد سر پال نے کہا تھا کہ میرے خیال میں ماریہ اب راہ راست پر آگئی ہے مگر میک نے اس بات پر بھرپور احتجاج کیا تھا وہ ابھی تک اسی بات پر ڈٹا ہوا تھا کہ ماریہ ہم سب کو دھوکہ دے رہی ہے۔ جس پر سر پال نے جیسکا کو ماریہ پر نظر رکھنے کی ہدایت کی تھی البتہ میک کو اس اسائنمنٹ سے باہر نکال دیا تھا اس کے بقول اور بھی بہت ضروری کام کرنے تھے جو میک کی توجہ طلب تھے۔ ناچارہ سر پال کے حکم پر وہ دوسرے کاموں میں لگ گیا تھا جب کہ جیکولین نے اب بھی اسے کالج جانے کی اجازت نہیں دی تھی وہ گھر میں ہنوز نظر بند تھی۔ اسی طرح چار ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا جیسکا کبھی کبھار آکر ماریہ سے کریدنے کی کوشش کرتی جب کہ ماریہ انتہائی ہوشیاری سے اسے دوسری سمت گھما دیتی۔ ماریہ فراز کے دیئے ہوئے سیل فون کی بدولت اس سے رابطے میں تھی اور دو ماہ پہلے وہ بے حد محتاط انداز میں جاکر فراز شاہ سے پیپر میرج کرآئی تھی۔ اب فراز اس کے پیپرز بنانے میں مصروف تھا جو جلد ہی بننے والے تھے البتہ وہ دل ہی دل میں ابرام سے بری طرح شرمندہ تھا جو اس عرصے میں اس کا بہت اچھا دوست بن گیا تھا جب ابرام اس کی نگاہوں کے سامنے آتا تھا وہ شرمندہ ہوجاتا تھا اس نے تو کئی بار ماریہ سے کہا ہی تھا کہ ابرام کو بھی اس راز میں شامل کرلیتے ہیں مگر ہر بار ماریہ نے آنکھوں میں نمی لیے کہا تھا کہ برو اسے خود سے جدا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے لہٰذا انہیں اس بات سے لاعلم ہی رکھا جائے۔ دوسری جانب کامیش شاہ کسی خصوصی ٹریننگ کی وجہ سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا جو تین ماہ کی تھی وہ پچھلے ماہ ہی پاکستان لوٹا تھا جبکہ سونیا بھی کینیڈا اپنی خالہ کے یہاں چلی گئی تھی اور ابھی تک وہیں تھی۔

❁......❁......❁
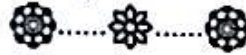
مومن جان کو جب اطلاع ملی کہ وادی کے حالات سازگار ہوچکے ہیں جن غیر قانونی سرگرمیوں کی بدولت وہاں پولیس کے سادہ لباس میں اہلکار لگار کھے تھے وہ اب ہٹا دیئے گئے ہیں تو مومن جان نے بھی اطمینان حاصل کرکے اپنے گھر کی راہ لی لیکن شومئی قسمت دو ماہ پہلے مری آتے ہوئے جس وین میں وہ سوار تھا اس کا حادثہ ہوگیا جس میں مومن جان اپنے پیر کی ہڈی اور دایاں بازو تڑوا بیٹھا تھا جب کہ سر پر بھی معمولی نوعیت کی چوٹیں آئی تھیں۔ بازو کی ہڈی تو اس کی جڑ گئی تھی اور سر کا زخم بھی مندمل ہوگیا تھا مگر پیر کی ہڈی کا آپریشن ٹھیک نہیں ہوا اس کی بدولت اس کے پیر پر ہر وقت تکلیف رہتی تھی اور اس کی چال میں بھی لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔ اس کا علاج یہیں مری کے ہسپتال میں ہوا تھا مجبوراً مہرو اور اماں ہی مومن جان کا علاج معالجہ کروارہی تھیں جب کہ لالہ رخ اور امی کو بھی طوعاً وکرہاً ماں بیٹی کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا کیوں کہ اصلیت جاننے کے بعد لالہ رخ اور اس کی امی تو مومن جان کا چہرہ تک دیکھنے کی روادار نہیں تھیں یہی کیفیت گڈو بیگم اور مہرو کی بھی تھی مگر کیا جائے اس مجبوری و بے بسی کا کہ مومن جان کو یوں سرکاری ہسپتال میں تکلیف میں بلبلاتا کراہتا چھوڑ کر چلے جانا ان ماں بیٹی کے ضمیر کو گوارا نہ ہوا مگر مومن جان تو تھا ہی ہمیشہ کا ناشکرا اور احسان فراموش بجائے ان کی قدر کرنے اور احسان ماننے کہ مزید بدمزاج اور چڑچڑا ہوگیا تھا۔

اب تو وہ زیادہ تر گھر میں پلنگ پر پڑا رہتا تھا جب کہ گڈو بیگم کی بھی صحت دن بہ دن بگڑ رہی تھی ہمہ وقت سر درد کی تکلیف اور پھر ہاضمے کی خرابی کی بدولت ان کا کھانا پینا بھی بالکل برائے نام رہ گیا تھا جس کی وجہ سے نقاہت اور کمزوری انہیں بے حد ہوگئی تھی ایک مہرو ہی تھی جو بھاگ بھاگ کر ڈاکٹر کے پاس جاتی۔ کبھی حکیم سے اماں کے لیے دوائیں لاکر انہیں زبردستی کھلاتی تھی جبکہ لالہ رخ اسے اپنے آفس سے جونہی آف ملتا تھا وہ مہرو کی مدد کو پیش پیش ہوتی تھی۔

آج وہ تینوں شام کے اس خنک ماحول میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے تھے مہرو پچھلے چند ماہ سے کافی چپ چپ اور اداس ہوگئی تھی۔ گڈو بیگم کی بیماری اور مومن جان کی ناگوار واپسی نے اس کی طبیعت پر بہت اثر ڈالا تھا' پہلے ہر وقت بلبل کی مانند چہچہانے والی مہرو کے لب اب زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے۔ اس وقت بھی مہرو لالہ رخ کے استفسار پر اماں کی کیفیت بتا کر خاموش ہوگئی تھی جب ہی لالہ رخ کچھ دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئی۔

''میرے خیال میں مہرو پھوپو کو شہر کے ہسپتال لے جانا چاہیے یہاں تم کبھی ڈاکٹر کبھی حکیم کے چکر لگا رہی ہو مگر کسی بھی دوا کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ان کی حالت تو ہنوز ویسی ہی ہے۔'' اس پل لالہ رخ کے لہجے میں تشویش کے ساتھ ساتھ تفکرات کے بھی رنگ نمایاں تھے۔

''باجی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' آپ اماں کو شہر لے جاؤ یہاں تو بس وقت ہی ضائع ہو رہا ہے۔'' بنو نے بھی لالہ رخ کی بات کی تائید کی تو مہرو نے چہرہ اٹھا کر پہلے بنو پھر لالہ رخ کو دیکھا پھر ایک مضمحل سی سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

''اماں کو کوئی جسمانی درد تکلیف نہیں ہے لالہ یہ ڈاکٹر حکیم تو انسان کے جسم پر لگے زخموں کو ٹھیک کرتے ہیں مگر جو زخم روح اور دل پر لگے ہوتے ہیں ناں ان کا علاج تو دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس نہیں' ان رستے زخموں کا اثر جب جسم ناتواں پر پڑتا ہے ناں تو پھر یہی حالت ہوجاتی ہے جو آج اماں کی ہے۔'' مہرو کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچوں جیسی چبھن محسوس کر کے لالہ رخ کا دل دکھ و تکلیف کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

مہرو کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی جھلملاتی دیکھ کر بنو کی آنکھیں بھی یک دم نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ تینوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی صرف فضا میں بھاگتے دوڑتے کسی پرندے کی آواز سماعت سے ٹکرا کر ماحول میں ارتعاش پیدا کرتی جب ہی کافی دیر بعد لالہ رخ یاسیت بھرے انداز میں بولی۔

''مومن پھوپا نے پھوپو کا بھروسہ توڑ ڈالا ہے' انہیں جیتے جی مار ڈالا ہے مہرو' کہیں ہم نے پھوپو کو حقیقت بتا کر کوئی غلطی تو نہیں کی۔'' یک لخت اس کے لہجے میں اضطراب و بے چینی کے سائے ابھرے تھے۔ جب ہی مہرو ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

''لالہ..... تم خود کو مورد الزام نہ ٹھہراؤ' اگر اماں کو تم حقیقت نہ بتاتیں تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ اماں کو پتا نہیں لگتا میرا جھنجلانا اور ابا سے دور بھاگنا' انہیں پہلے ہی مشکوک کر گیا تھا اور لالہ میں.....'' وہ بولتے بولتے چند لمحوں کے لیے ٹھہری پھر گہرے دکھ کی کیفیت میں گھر کر بولی۔

''میرے دل پہ کیا گزر رہی ہے شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں تھا میں پتھر کی نہیں بلکہ گوشت پوست سے بنی انسان ہوں اگر تم نہ بتاتیں تو میں یہ سب اماں کو بتانے والی تھی ورنہ میرا دل پھٹ جاتا لالہ' یہ جان لیوا انکشاف اماں سے چھپا کر اس کا مجازی خدا اپنی خود کی بیٹی کو کاغذ کے چند ٹکڑوں کے عوض سر بازار بیچنے چلا ہے۔'' آخر میں اس کا لہجہ رندھ گیا تھا جب کہ اس پل لالہ رخ اور بنو دونوں ایک دوسرے کو بے بس نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

اس وقت باسل حیات کو لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغ بالکل سن ہوگیا ہے جب کہ اعصاب وائلن کے تاروں کی طرح بے تحاشا کھنچ گئے ہوں' خاور حیات جب تمام کتھا سنا کر خاموش ہوا تو باسل حیات نے انتہائی بے یقین نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھا جس کے چہرے پر اس پل پریشانی اور تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا البتہ آنکھوں میں عجب سا غم و دکھ بھی ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ آج کیمپس سے آیا تو خلاف توقع ڈیڈ کو گھر میں پا کر خوشگوار حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''ارے ڈیڈ آپ اس وقت' کیا گھر لنچ کرنے آئے تھے؟'' جب کہ خاور نے باسل کے استفسار پر ہوں ہاں میں جواب دے کراسے کچھ پریشان سا کردیا تھا جب ہی وہ متفکرانہ لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہے ڈیڈ...... آپ مجھے کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں اور...... اور یہ مما نظر نہیں آرہیں' کہاں ہیں وہ؟'' آخر میں اس نے گردن گھما کر ادھر اُدھر حورین کو متلاشی نگاہوں سے دیکھا بھی جب کہ خاور حیات اب تھکے ہوئے انداز میں کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔ باسل حیات کی پریشانی دوچند ہوگئی وہ تیزی سے اس کی جانب آیا۔

''آر یو اوکے ڈیڈ...... کیا ہوا ہے؟ پلیز مجھے بتایئے میں ڈسٹرب ہورہا ہوں۔'' خاور حیات نے ایک نگاہ باسل کے متغیر چہرے کو دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تم میرے ساتھ اسٹڈی روم میں آؤ بیٹا...... تمہیں ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔'' پھر اگلے پانچ منٹ میں دونوں اسٹڈی روم میں بیٹھے تھے۔

''باسل بیٹا آپ کی مما کو ایک بیماری نے بے حد متاثر کیا ہوا ہے۔''

''کیا...... کیا مطلب ڈیڈ' مما کو کیا بیماری ہوگئی ہے؟ وہ تو بالکل فٹ فاٹ ہیں پلیز مجھے کھل کر بتایئے کیا ہوا ہے انہیں۔'' باسل حیات انتہائی متوحش ہو کر بولا اس لمحے اسے لگا جیسے یہ مختصر سا جملہ خاور حیات کے منہ سے سن کر اس کے رہے سہے تمام اوسان خطا ہوگئے ہوں' باسل کو بے تحاشا ہراساں دیکھ کر خاور حیات نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ریلیکس باسل خود کو سنبھالو' اللہ نہ کرے کہ تمہاری مام کو کوئی خطرناک بیماری ہو۔'' پھر قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''حورین دراصل میںٹلی اور سائیکالوجیکل ڈس آڈرمنٹ کا شکار ہوگئی ہے۔'' باسل نے اس لمحے استفہامیہ مگر الجھی نگاہوں سے دیکھا تو خاور حیات ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

''حورین کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ ہوگیا ہے باسل' بعض اوقات وہ بے حد عجیب وغریب رویہ روا رکھتی ہے' آئی مین اس وقت وہ جیسے یہاں ہوتے ہوئے بھی ادھر نہیں ہوتی ہے۔ وہ بہت ایگریسو اور ڈپریسڈ ہوجاتی ہے اور اس کیفیت میں کوئی بھی اس کے پاس جائے یا مخاطب کرے تو وہ اس کے ساتھ بہت مس بی ہیو کرتی ہے وہ سامنے والے کو اس پل بالکل نہیں پہچانتی بیٹا۔'' باسل حیات انتہائی تکلیف دہ انکشافات کی زد میں بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے خاور حیات کو دیکھ رہا تھا۔

''باسل بیٹا جب حورین نے تقریباً پانچ ماہ پہلے میرے ساتھ ایسے بی ہیو کیا تو میں بے حد حیران و پریشان ہوا مگر اگلے دن میں نے دیکھا تو وہ پہلے کی طرح بالکل نارمل تھی پھر جب سیکنڈ ٹائم اس نے وہی سب کچھ کیا تو میں اس پر بے تحاشا ناراض ہوا جب اس کے بے حد اصرار پر میں نے اپنی ناراضی کی وجہ بتائی تو وہ بہت حیران ہوئی اسے تو کچھ بھی یاد نہیں تھا ایسی کنڈیشن میں جا کر وہ ہر چیز فراموش کردیتی ہے باسل' پھر میں نے اگلے ہی دن شہر کے نامور نیورو سرجن ڈاکٹر فیصل علیم سے رابطہ کیا انہوں نے مختلف ٹیسٹ وغیرہ کروانے کے بعد مجھے کسی سائیکولوجسٹ سے کنسلٹ کرنے کا مشورہ دیا کیوں کہ اللہ کے کرم سے اس کے تمام ٹیسٹ نارمل تھے پھر میں نے یہاں کے مشہور سائیکولوجسٹ ڈاکٹر اقبال محبوب سے رابطہ کیا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ حورین میںٹلی ڈس آڈرمنٹ کا شکار ہوگئی ہے اور اس کیفیت میں مبتلا مریض بالکل ایسے ہی ری ایکٹ کرتا ہے جیسے اکثر اوقات حورین کرجاتی ہے اب تو گھر کے ملازمین بھی حورین کی اس بیماری کی بابت جان گئے ہیں کیوں کہ ایک دوبار انہیں بھی حورین کے اس عجیب وغریب رویے کا سامنا

کرنا پڑا ہے اس وقت بھی اسے وہی اٹیک ہوا تھا تو ملازم کے فون کرنے پر میں فوراً چلا آیا۔‘‘ خاور پوری تفصیل باسل کو بتا کر اب بالکل خاموش ہوگیا تھا‘ باسل اس پل گہرے صدمے کے زیراثر تھا بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو لہجے میں انتہائی شکوہ اور تکلیف شامل تھی۔

’’اور آپ نے مجھے کچھ بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا ناں ڈیڈ‘ گھر کے ملازموں تک کو اس بات کی خبر تھی بس ایک میں ہی لاعلم تھا۔‘‘ خاور حیات نے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’باسل آپ اپنے ڈیڈ کو غلط مت سمجھو‘ میں نے صرف آپ کی پریشانی کی بدولت آپ کو یہ سب نہیں بتایا مگر مجھے معلوم تھا کہ ایک نہ ایک دن تو آپ کو سب بتانا ہوگا آپ سے جان بوجھ کر چھپانا میرا مقصد نہیں تھا۔‘‘ اس پل باسل کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے مگر وہ اپنے دل کی خواہش کو پوری نہیں کرسکا جب ہی بے حد نم لہجے میں گویا ہوا۔

’’ڈیڈ...... مما ٹھیک تو ہوجائیں گی ناں؟‘‘ خاور حیات کو اس لمحے باسل کی اندرونی کیفیت کا بھرپور اندازہ تھا جب ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے یقین بھرے لہجے میں بولا۔

’’آف کورس مائی سن بلکہ وہ ری کور کررہی ہے‘ ڈاکٹر اقبال محبوب بہت قابل ڈاکٹر ہیں ان کے ٹریٹ منٹ سے ان شاءاللہ وہ بہت جلد مکمل صحت یاب ہوجائے گی۔‘‘ خاور کی بات پر باسل نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

’’ان شاءاللہ۔‘‘ پھر باسل خاور حیات سے مزید ڈیٹیلز پوچھنے لگا۔

❁......❁......❁
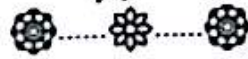
ماریہ آج کل عجیب وغریب کیفیت کا شکار تھی‘ فراز شاہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی تیاری مکمل رکھے وہ کسی بھی وقت اسے وہاں سے نکلنے کا سگنل دے سکتا ہے وہ اب زیادہ تر جیکولین کے اردگرد منڈلانے لگی تھی جیکولین اس کی ماں تھی جس نے اسے جنم دیا تھا وہ اپنی ماں سے بے حد پیار کرتی تھی مگر جیکولین نے ہی کبھی اپنے بچوں کو اپنے قریب آنے نہیں دیا تھا۔ ہمیشہ اس کا رویہ ماریہ اور ابرام کے ساتھ سخت اور کھردرا رہا تھا مگر ان سب کے باوجود وہ اپنی ماں سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی ماں بھی دیگر ماؤں کی طرح اسے پیار کرے‘ اس کا خیال رکھے مگر یہ خواہش اس کے دل میں حسرت بن کر رہ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بھائی ابرام سے اور بھی زیادہ اٹیچڈ ہوگئی تھی۔

کچھ دنوں بعد وہ اپنا ملک اپنا گھر اپنے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جارہی تھی‘ اب نجانے کب اس کی اپنی ماں سے ملاقات ہوگی‘ حقائق جاننے کے بعد جیکولین یقیناً اس کا منہ تک دیکھنے کو روادار نہیں ہوگی ماریہ اپنی ماں کا چہرہ اپنی آنکھوں میں بسانا چاہتی تھی جب ہی وہ بسا اوقات یک ٹک جیکولین کے چہرے کو دیکھے چلی جاتی تھی۔ جیکولین ماریہ کے اس عجیب وغریب ایٹی ٹیوڈ کو بخوبی نوٹ کرچکی تھی جب ہی ایک دن چڑ کر بولی۔

’’ماریہ اب یہ کون سا نیا ڈرامہ ہے۔ تم کیوں ہر وقت چمگادڑ کی طرح میرے اردگرد منڈلاتی رہتی ہو اور تو اور دیوانوں کی طرح کیوں گھورتی ہو تم۔‘‘ آج پہلی مرتبہ ماریہ کو جیکولین کی ڈانٹ پھٹکار سے خوف نہیں آیا تھا نہ ہی وہ اپنی ماں سے نالاں اور شکوہ کناں ہوئی تھی بلکہ اس پل وہ کھل کر مسکرائی تھی جب کہ جیکولین نے اسے بے حد حیران نگاہوں سے دیکھا تھا۔

’’تمہارا دماغ تو اپنی جگہ پر ہے ماریہ...... یہ کیا تم پاگلوں کی طرح مسکرا رہی ہو؟‘‘ اس کے ڈانٹنے پر ہمیشہ ماریہ کا منہ لٹک جاتا تھا مگر اس بار بجائے منہ بسورنے کے یوں مسکرانا جیکولین کو استعجاب میں مبتلا کر گیا تھا ماریہ ماں کو بے حد پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہنوز مسکرا رہی تھی جس پر جیکولین بے پناہ تپ کر بولی۔

''لگتا ہے تمہیں اب مینٹل ہاسپٹل میں داخل کروانا پڑے گا۔'' وہ جونہی وہاں سے جانے کو بڑھی ماریہ نے لپک کر جیکولین کا ہاتھ تھاما پھراس کے مقابل آ کر محبت سے چُور لہجے میں بولی۔

''مام آپ کیا یہ بات جانتی ہیں کہ ماریہ آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہے؟ یس مام میں آپ کو بہت پیار کرتی ہوں آپ اور برو میرے لیے بہت اہم ہیں مام......'' بولتے ہوئے ماریہ کی آنکھیں بے تحاشا برس پڑی تھیں۔ جیکولین گم صم سی کھڑی ماریہ کو دیکھتی رہ گئی' جواب اپنی ہتھیلیوں سے اپنے چہرے پر آئے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کررہی تھی' یک دم اس کے چہرے پر مسکراہٹ درآئی۔ اس نے ماریہ کے سر پر پیار سے چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''آئی لو یوٹو یو مائی کریزی کُلل گرل۔'' پھر اگلے ہی لمحے وہ جیکولین کے سینے سے لگ گئی' جیکولین نے بھی اس پل کوئی مزاحمت نہیں کی وہ خاموشی سے ماریہ کو اپنی بانہوں میں لیے کھڑی رہی جب کہ اس پل ماریہ نے انتہائی دقتوں سے خود کو سنبھال کر آنکھوں میں اُمڈی طغیانی پر بڑی مشکل سے بندھ باندھا تھا۔

❀......❀......❀

زرتاشہ اور زرمینہ بڑی مگن سی ہوکر کلاس سے باہر نکلی تھیں' اب دونوں کا رخ اس پل کینٹین کی جانب تھا۔

''ہائے اللہ تاشو...... سرقاص کتنا اچھا پڑھاتے ہیں ناں' مشکل سے مشکل ٹاپک با آسانی دماغ میں اتر جاتا ہے۔'' زرمینہ چلتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولی تو زرتاشہ نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''یہ بات تو ہے سرقاص بہت ڈیسنٹ اور ویل مینرڈ ہیں خصوصاً لڑکیوں سے تو وہ بہت احترام سے بات کرتے ہیں۔ ان کے پڑھانے کا انداز بھی بہت اچھا ہے۔''

''تمہاری لالہ آپی سے بات ہوئی تھی ناں تم نے بتایا نہیں کہ وہاں سب خیریت ہے؟'' اسی دوران وہ کینٹین میں اپنا آرڈر دے کر نسبتاً پُرسکون گوشے میں آ گئی تھیں' تھوڑی دیر میں ہی ویٹر چیزیں رکھ کر چلا گیا تو زرمینہ برگر کا پیس دانتوں سے کترتے ہوئے گویا ہوئی تو زرتاشہ مصروف سے انداز میں بولی۔

''اللہ کا شکر ٹھیک تو ہے مگر مہرو پھوپو کی بیماری کو لے کر بہت ڈسٹرب ہے۔ لالہ کہہ رہی تھی کہ وہ سوچ رہے ہیں کہ پھوپو کو کراچی کے کسی ہسپتال میں لا کر دکھادیں مگر پھر وہی بات جو ابا کی دفعہ میں تھی بھلا لالہ اور مہرو اکیلی بناء کسی مرد کے یہاں پھوپو کو کیسے لے کر آئیں۔'' زرتاشہ کی بات پر زرمینہ نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''یہ بات تو ٹھیک ہے تاشو اور پھر یہ شہر بھی ان لوگوں کے لیے بالکل اجنبی اور انجان ہے ہاں اگر فراز بھائی یہاں ہوتے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا' اب انہیں دیکھو وہ تو لندن جا کر وہیں کے ہوگئے ہیں ویسے کہہ تو رہے تھے کہ بہت جلد وطن واپس آنے کا ارادہ ہے۔'' فراز کے ذکر پر یک دم زرتاشہ کے ذہن میں باسل حیات کا عکس لہرا گیا پھر اس کے ساتھ ہی اسے مری والا واقعہ پوری جزئیات سمیت یاد آیا کہ کس طرح اس لڑکے کی لالہ سے بدتمیزی کرنے پر باسل نے اس کی اچھی خاصی ٹھکائی کرڈالی تھی۔

''زری تمہیں فراز بھائی کا وہ کزن یاد ہے جو مہوش کے بھائی کے ساتھ ہوتا ہے اور مری میں اُس نے اس لڑکے کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔'' زرتشہ نے مری والا واقعہ پہلے ہی زرمینہ کو سنادیا تھا لہٰذا اس پل وہ اسے یاد دلاتے ہوئے بولی تو زرمینہ کولڈ ڈرنک کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

''افوہ تاشو تم تو مجھے ایسے یاد دلا رہی ہو جیسے وہ لڑکا ہمیں بابا آدم کے زمانے میں ملا تھا' ارے بابا ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ لڑکا باسل حیات۔'' پھر معاً کچھ زرمینہ کو یاد آیا تو وہ جلدی سے بولی۔

''ارے تاشو میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی پرسوں شام کو مہوش کا فون آیا تھا اس کے پاس گڈ نیوز ہے۔'' تاشو نے مہوش کا ذکر غیر دلچسپی سے سنا تھا پھر کچھ دیر بعد بے زاری سے بولی۔

''ہوں اچھی بات ہے ویسے مہوش کی شادی کا ایک فائدہ ہوا کہ خان ٹائپ کا بھائی اب یہاں نہیں آتا ورنہ تم دونوں کے درمیان تو جنگ و جدل شروع ہو جاتی تھی۔''

''ہاں تاشو...... یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو شکر ہے اس شخص کی صورت اب نظر نہیں آتی۔'' مہوش کی شادی میں ان لوگوں کے ساتھ جو واقعہ ہوا تھا اس دن کے بعد سے زرمینہ احمر یزدانی سے اور بھی زیادہ بدگمان ہوگئی تھی پھر وہ دونوں کھانے سے فارغ ہو کر ہاسٹل کی جانب چل دیں۔

❁......❁......❁
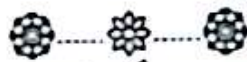
حورین شام کے اس پہر بڑے خوش گوار موڈ میں اپنے گھر کے خوب صورت اور وسیع و عریض لان میں بچھی کین کی کرسیوں میں باسل اور خاور حیات کے ہمراہ براجمان تھی جب سے باسل کو حورین کی بیماری کی بابت معلوم ہوا تھا' وہ زیادہ سے زیادہ وقت حورین کو دینے لگا تھا جب کہ خاور بھی اب آفس سے جلدی کام نمٹا کر حورین کے پاس آ جاتا تھا۔ حورین ڈارک گرین اور میرون کنٹراسٹ کے لان کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی اس لمحے اس کے چہرے اور بات چیت سے قطعی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہوگئی ہے۔ شام کی مزے دار چائے کے ساتھ وہ تینوں خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے۔ باسل اپنے کسی ٹیچر کا تذکرہ کر رہا تھا جو کافی فنی سے تھے وہ حورین کو ہنسانے کی غرض سے ان کے الٹے سیدھے واقعات سنا رہا تھا جنہیں سن کر وہ بے حد ہنس رہی تھی جب کہ حورین کو اس طرح بے فکری سے ہنستا دیکھ کر باسل اور خاور کے دل میں طمانیت و سکون کے پنچھی اتر رہے تھے۔

''او مائی گاڈ باسل...... آپ لوگ تو اپنے ٹیچر کی کلاس میں خوب قہقہے لگاتے ہوں گے پڑھائی کیا ہوتی ہوگی۔'' حورین اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے خوش گواری سے بولی تو باسل فوراً سے پیشتر بولا۔

''آف کورس مام...... پڑھائی کہاں ہوتی ہے مگر مام کوئی بھی اسٹوڈنٹ ان کی کلاس بنک نہیں کرتا' وہ تمام اسٹوڈنٹس میں ہر دل عزیز ہیں' یہی وجہ ہے کہ چیئر پرسن بھی ان پر ہلکا ہاتھ رکھتے ہیں۔'' پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حورین قدرے سنجیدگی سے باسل سے مخاطب ہوئی۔

''باسل ان شاء اللہ کچھ ہی عرصے بعد آپ تعلیم مکمل ہو جائے گی پھر آپ اپنے ڈیڈ کا بزنس ہی سنبھالیں گے ناں؟'' باسل نے بغور حورین کی بات کو سنا جب کہ خاور حیات خاموش سامع بنا بیٹھا رہا۔

''جی مما...... میرا ارادہ تو یہی ہے کہ ڈیڈ کا ہاتھ بٹاؤں اور ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی بھی جاری رکھوں۔'' باسل کو اس پل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حورین اس سے کیا کہنا چاہ رہی ہے تب ہی وہ واضح طور پر بولا۔

''مما آپ پلیز مجھ سے کھل کر بات کیجیے آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی ہیں۔'' جواباً حورین کے لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ در آئی' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا بیٹا...... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ...... میں چاہتی ہوں کہ اگر آپ کی شادی نہیں تو کم از کم منگنی تو لازمی کر دوں۔''

''اوہ مما اٹس ناٹ فیئر' آپ کو میری آزادی اچھی نہیں لگ رہی۔'' باسل مصنوعی ناراضی سے بولا تو حورین مسکرا دی پھر سہولت سے بولی۔

''آپ سے شادی کرنے کو کون کہہ رہا ہے میری جان...... ہم بس آپ کی منگنی کرنا چاہتے ہیں۔'' حورین نے خاور

حیات سے پہلے ہی اپنی خواہش کا اظہار کردیا تھا جس پر خاور نے حورین کی خوشی کی خاطر اپنی رضامندی دے دی تھی۔
''مام جب شادی کا پروگرام ہوگا تو کچھ ٹائم پہلے منگنی بھی کرلیں گے ناں۔'' باسل ٹالنے والے انداز میں بولا تو حورین تھوڑا اسید ھا ہو کر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔
''بیٹا یہ آپ کی مما کی خوشی اور خواہش ہے اگر آپ اسے پورا کردیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' باسل نے ایک نگاہ اپنی ماں کے صبیح چہرے کی جانب دیکھا پھر یک دم اثبات میں سر ہلا کر بولا۔
''آپ کی خوشی کے لیے میں سب کچھ کرسکتا ہوں مما یہ تو پھر ایک منگنی ہے۔'' باسل کی رضامندی نے حورین کو خوشی وانبساط کی کیفیت میں مبتلا کردیا۔
''رئیلی باسل......! اوہ تھینک یو سوچ' آپ نے تو میرا دل ہی جیت لیا۔'' پھر ہنوز مسرت آمیز لہجے میں استفسار کرتے ہوئے بولی۔
''اچھا اب آپ مجھے بتاؤ کہ کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں' جسے آپ اپنی لائف پارٹنر بنانا چاہتے ہیں۔'' حورین کے سوال پر باسل حیات کے دھیان کے پردے پر یک دم ایک عکس لہرا کر سرعت سے غائب ہوگیا تھا' وہ اس عکس کو پہچان نہیں سکا تھا۔
''جی بیٹا جی' آپ کو کھلی آفر دی جارہی ہے اس وقت آپ اپنی پسند بتا دیجیے۔'' خاور حیات کی شرارت سے بھرپور آواز باسل کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ یک دم اپنے دھیان سے چونکا پھر حورین اور خاور پر نگاہ ڈال کر خوش گواری سے بولا۔
''نو مام ڈیڈ' میری کوئی پسند نہیں ہے۔''
''تو اس کا مطلب ہے کہ ہم آپ کے لیے لڑکی منتخب کرسکتے ہیں؟'' حورین نے باسل سے استفسار کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
''آف کورس مام' آپ کوئی اپنی جیسی لڑکی میرے لیے بھی ڈھونڈ لیجیے۔'' جس پر حورین اور خاور دونوں بے ساختہ ہنس دیئے۔

❁......❁......❁
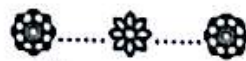
مہرو نے بمشکل اماں کو دوا دی تھی ان کے سر کے درد کا عارضہ ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اس لمحے بھی تکلیف کے اثرات ان کے چہرے پر بخوبی رقم تھے۔ مہرو بے حد ہمدردی سے اماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''اماں کیا سر میں بہت زیادہ درد ہورہا ہے؟'' گڈو بیگم نے نقاہت سے آنکھیں کھولیں پھر مہرو کے پریشان چہرے کو دیکھ کر ہولے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔
''نہیں مہرو......اتنا زیادہ بھی نہیں ہورہا۔'' مہرو کا دل اس پل دکھ سے بھر گیا وہ ان کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے یاسیت سے بولی۔
''بس اماں اب تم جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ ناں' آخر کب تک بستر پکڑے رہوگی۔'' گڈو بیگم نے مسکرا کر اپنے دل کے ٹکڑے کو دیکھا پھر ہنوز نقاہت زدہ آواز میں بولیں۔
''میں تو اٹھنے کی بہت کوشش کرتی ہوں مہرو مگر ہمت ساتھ نہیں دیتی۔'' ابھی وہ دونوں باتیں ہی کررہی تھیں کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے مہرو کو اس جانب متوجہ کیا' وہ دوپٹہ اوڑھ کر دروازہ کھولنے گئی تو سامنے ہی لالہ رخ اور ماسی کھڑے نظر آئے۔

''ارے آپ لوگ۔'' مہرو بے ساختہ خوش ہوکر بولی پھر مامی کو اماں کے پاس بیٹھا کر وہ لالہ رخ کو اپنے کمرے میں لے آئی۔

''کیا ہوا مہرو...... کچھ پریشان ہو؟'' لالہ رخ مہرو کو تھکا تھکا اداس دیکھ کر دھیرے سے بولی تو مہرو ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر تلخی سے ہنس کر گویا ہوئی۔

''کیوں لالہ...... مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیا؟'' لالہ رخ اسے دیکھ کر کچھ کہتے ہوئے رک گئی باہر چھوٹے سے صحن کے ایک جانب بچھے تخت پر لالہ رخ کی امی اپنی نند کی مزاج پرسی میں محو تھیں جب ہی وہاں مومن جان لڑکھڑاتا ہوا آیا تھا اور لالہ رخ کی والدہ کا کیا سلام قطعی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے بے حد تنک کر گڈو بیگم سے مخاطب ہوا۔

''یہ گھر ہے یا بھنڈار خانہ کھانے کا کوئی گمان ہے نہ سونے جاگنے کا کوئی وقت اور ایک تُو ہے جو بیماری کا ناٹک کرکے ہر وقت پلنگ توڑتی رہتی ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے کچھ پکا بھی ہے یا برتن یونہی خالی پڑے ہیں۔'' گڈو بیگم مومن جان کی لن ترانیوں سے خائف سی ہوکر بمشکل تخت سے اٹھیں۔ لالہ رخ کی امی نے بڑی بے بس نگاہوں سے اپنی بیمار نند کو دیکھا۔

''تم ہاتھ دھولو میں ابھی کھانا لاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر جونہی انہوں نے پاؤں زمین پر رکھا' ایک زوردار چکر آنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا' انہوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دکھتے سر کو تھاما یہ دیکھ کر مومن جان اور بھی زیادہ سلگ گیا۔

''ایک تو یہ عورت تھی ہی میری جان کا عذاب اب اس کی بیماری بھی میرے گلے پڑ گئی ہے' ہونہہ۔'' یہ سن کر امی کو بے پناہ دکھ ہوا مگر وہ مومن جان کو کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتی تھیں البتہ اس پل انہوں نے خاصی ناپسندیدہ نگاہوں سے اپنے نند کے بدمزاج شوہر کو دیکھا تھا۔

''مومن تم کیوں خوامخواہ میں شور مچا رہے ہو میں نکالتی ہوں کھانا۔'' گڈو بیگم ہنوز کمزور آواز میں بولیں تو اسی پل مہرو اور لالہ رخ وہاں آن پہنچیں' مومن جان کی اونچی آواز اندر کمرے تک بھی جا پہنچی تھی' جب ہی مہرو گھبرا کر باہر نکلی تھی۔ مہرو کو دیکھتے ہی امی نے کہا۔

''مہرو بیٹا اپنے ابا کے لیے کھانا لے آؤ۔'' مہرو نے ایک نگاہ اپنے باپ کو دیکھا پھر عجلت میں بولتی کچن کی طرف بڑھی۔

''میں ابھی کھانا تیار کرکے لاتی ہوں۔'' یہ سن کر تو مومن جان اور بھی آگ بگولہ ہوگیا' انتہائی غصیلے لہجے میں بولا۔

''لو بھئی ابھی تک مہارانی نے کھانا بھی نہیں پکایا' ہونہہ جیسی تُو خود نکمی اور ہڈ حرام ہے ویسے ہی تیری یہ اولاد ہے۔'' مومن جان کا اتنا کہنا تھا کہ گڈو بیگم کے تن بدن میں آگ لگ گئی' وہ بہت دنوں سے مومن جان کی بدسلوکی برداشت کررہی تھیں مگر اس وقت مہرو کو یہ کہنا گڈو بیگم کو جلتے تندور میں گرا گیا تھا۔

''دیکھ مومن مجھے جتنی باتیں سنانی ہیں' جتنی گالیاں دینی ہیں دے مگر میری بیٹی کے لیے ایک لفظ بھی مت بولنا ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ تُو میرا مجازی خدا ہے۔'' آخری لہجہ بے پناہ طنز و تحقیر بھرے انداز میں کہا گیا تھا' لالہ رخ اور امی نے بگڑتی صورت حال دیکھ کر ایک دوسرے کو پریشان کن نظروں سے دیکھا' امی نے ہولے سے گڈو بیگم کا بازو دبا کر انہیں ٹھنڈا ہونے کا خفیف اشارہ دیا مگر اس وقت ان کا غصہ نقطہ عروج تک جا پہنچا تھا مومن جان نے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

زرمینہ اور زرتاشہ کو کچھ ضروری چیزیں لینی تھیں لہٰذا یونیورسٹی سے فارغ ہوکر وہ دونوں مال آ گئیں کراچی آئے انہیں اچھا خاصا ٹائم ہوگیا تھا اور پھر یونیورسٹی کے ماحول میں رہ کر ان دونوں کے اندر اچھی خاصی خوداعتمادی بھی آ گئی تھی۔ مختلف نوعیت کی دکانوں پر نظریں ڈالتے ہوئے وہ کپڑوں کی ایک دکان میں داخل ہوگئیں پھر وہاں سے فارغ ہوکر دو تین ضرورت کی چیزیں اور خرید کر اب وہ بالکل فارغ تھیں۔

''یار زری...... مجھے تو بھوک لگ رہی ہے آج باز آرا نے کے چکر میں کینٹین میں بھی کچھ نہیں کھایا اور ہاسٹل کا سالن بھی مجھے بالکل پسند نہیں آیا اب پلیز مجھے کچھ کھلا دو ورنہ میں بھوک سے یہیں گر جاؤں گی۔'' زرتاشہ زرمینہ کو مخاطب کرکے بڑی بیچارگی سے بولی تو زرمینہ بھی اثبات میں سر ہلا کر گویا ہوئی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ہاسٹل کا کھانا تو کسی سزا سے کم نہیں تھا میرے پیٹ میں بھی چوہے دوڑ رہے ہیں چلو آؤ کچھ کھاتے ہیں۔'' زرمینہ آگے بڑھی تو پیچھے پیچھے زرتاشہ لپکی۔

''افوہ بس یہاں بیکری سے سینڈوچ لے لیتے ہیں۔''

''نہ بابا مجھے وہ سڑا ہوا سینڈوچ بالکل نہیں کھانا یہاں قریب میں پزا شاپ ہے ہم وہاں جاکر پزا کھائیں گے۔'' زرتاشہ زرمینہ کی بات پر گھبرا گئی۔

''نہیں زری...... ہم کسی ریسٹورنٹ میں ہرگز نہیں جا رہے بس یہاں سے کچھ خرید لو پھر ہاسٹل کے لیے رکشہ لے لو۔''

''افوہ تاشو تم اتنی بورنگ اور بدمزہ کیوں ہو...... ارے بابا ہاسٹل کون سا بھاگا جا رہا ہے چلے جائیں گے ناں پہلے پزا شاپ چلو۔'' زرمینہ نے بےزاری سے بولتے ہوئے آخر میں زرتاشہ کا ہاتھ کھینچا جو پزا شاپ کا نام سن کر وہیں چلتے چلتے رک گئی تھی۔

''مگر پزا شاپ تو یہاں سے دور ہے ہم پیدل تو نہیں جا سکتے۔'' زرتاشہ الجھے لہجے میں بولی۔

''پیدل جانے کو تم سے کون کہہ رہا ہے ہم رکشہ لیں گے۔'' پھر زرتاشہ نہ نہ کرتی رہ گئی مگر زرمینہ نے ایک نہیں سنی تھوڑی ہی دیر میں وہ پزا شاپ میں بیٹھی مینو کارڈ دیکھ رہی تھیں۔

''زری پزا پارسل کروا لیتے ہیں ناں ہاسٹل جاکر آرام سے کھائیں گے۔'' وہ اردگرد نگاہ ڈالتے ہوئے تھوڑا پزل سی ہوکر بولی مگر زرمینہ نے زرتاشہ کی بات کو سن کر بھی ان سنا کر دیا جس پر زرتاشہ اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر رہ گئی اس نے یونہی نگاہیں گھماتے ہوئے داخلی دروازے کی جانب دیکھا تو اسی پل گلاس ڈور کھول کر کوئی اندر آیا سامنے سے آتی شخصیت کو وہ ایک ہی لمحے میں پہچان گئی تھی۔ وہ باسل حیات تھا اور اس کے پیچھے آنے والا مہوش کا بھائی احمر یزدانی جسے دیکھ کر زرتاشہ پریشان ہو اٹھی تھی۔

''اوہ ناٹ اگین۔'' زرتاشہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر زرمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اس کے چہرے پر چھائی الجھن اور بےزاری کے رنگوں کو دیکھ کر اس نے متعجب ہوکر پوچھا۔

''کیا ہوا تاشو؟'' اس سے پہلے کہ زرتاشہ کوئی جواب دیتی دونوں لڑکے ان کی میز کے قریب آ چکے تھے۔ باسل جو اپنے دھیان میں آگے بڑھ رہا تھا یک دم ایک میز پر زرتاشہ کو دیکھ کر بےاختیار چونک اٹھا تھا اس نے ایک نگاہ زرتاشہ پر ڈالی مگر اپنے قدموں کو روکا نہیں وہ ہنوز آگے بڑھتا چلا گیا مگر احمر یزدانی ایک جھٹکا کھا کر وہیں ٹھہر گیا تھا۔

''ارے مس زرتاشہ آپ یہاں کیسی ہیں آپ؟'' وہ خوش گوار حیرت سے استفسار کرتے ہوئے بولا تو زرتاشہ زبردستی مسکرائی پھر دھیمی آواز میں بولی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' زرتاشہ کا جواب سن کر احمر نے گردن موڑ کر دیکھا تو سامنے ہی وہ دشمن جاں نظر آ گئی جسے وہ آج کتنے عرصے بعد دیکھ رہا تھا مگر اپنی تصور کی آنکھ سے وہ روز سینکڑوں بار دیکھا کرتا تھا۔

''او ہیلو مس زرمینہ......'' اس پل احمر یزدانی کی آنکھوں میں روشنیاں سی بھر گئی تھیں' زرمینہ نے انتہائی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

❀......❀......❀
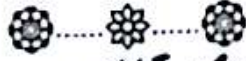
مومن جان بھی جیسے جلتا انگارہ بن گیا تھا' گڈو بیگم کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتا آگ برساتے لہجے میں بولا۔

''زیادہ میرے سامنے زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ اور اسی وقت تیری زبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔''

''تو اور کر بھی کیا سکتا ہے۔'' گڈو بیگم چلبلا کر بولیں تو امی نے بے پناہ ہراساں ہو کر سرگوشی میں کہا۔

''گڈو اللہ کے واسطے خاموش ہو جاؤ۔'' مومن جان نے ہنوز نگاہوں سے انہیں گھورا پھر بے پناہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''تو آج جو یوں چڑھ چڑھ کر اپنی اس اولاد کی حمایت میں بول رہی ہے ناں' جانتی ہے آج یہ کس کی وجہ سے اس گھر میں موجود ہے۔'' مومن جان کا اتنا کہنا تھا کہ دونوں خواتین کے چہروں کے رنگ فق ہو گئے جب کہ لالہ رخ اور مہرو نے نا سمجھنے والے انداز میں مومن جان کو دیکھا اس نے ایک کٹیلی نگاہ مہرو پر ڈالی پھر حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

''ہونہہ یہ لڑکی نجانے کس خاندان کی......''

''مومن......'' گڈو بیگم حلق کے بل دھاڑی تھیں' لالہ رخ اور مہرو بے حد خوف زدہ سی ہو گئیں۔

''اس سے آگے ایک لفظ بھی مت نکالنا ورنہ میں وہ کر بیٹھوں گی جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔'' مومن جان گڈو بیگم کے اشتعال سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا بلکہ ''ہونہہ'' کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔ مومن جان کے جاتے ہی لالہ رخ اور مہرو تیزی سے گڈو بیگم کے پاس آئیں جن کا سانس اس پل دھونکنی کی مانند چل رہا تھا جب کہ چہرہ خطرناک حد تک پیلا پڑ چکا تھا۔

''اماں......اماں کیا ہوا' تم ٹھیک ہو ناں؟'' اماں کا اکھڑتا سانس دیکھ کر مہرو کے رہے سہے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ لالہ رخ اور مہرو جلدی جلدی ان کے ہاتھ پیروں کو سہلانے لگیں مگر گڈو بیگم کی حالت تیزی سے بگڑتی چلی گئی۔

''مہرو......مہرو میری......بچی تُو صرف میری ب......بیٹی ہے۔'' انہوں نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا اور پھر ان کی گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ مہرو نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اماں کے بے جان ہوتے جسم کو دیکھا پھر دوسرے ہی پل ہذیانی انداز میں ان کا وجود جھنجھوڑتے ہوئے وہ زور سے چلائی۔

''اماں......''

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

شبنم بدن سے لوگ

طلعت نظامی

''بہت وضع دار گھرانا ہے' پوری فیملی کے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود انداز واطوار میں کوئی اوچھا پن نہیں۔ سب ہی اپنی اپنی حدوں کو نبھاتے ہوئے ترقی کی جانب گامزن ہیں۔ مرزا صاحب کے بہت پرانے جاننے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور پھر وہ ہماری بچی کو اپنی بچی کی جگہ دیتے ہیں' برا کب چاہیں گے؟'' ابو نے پوری طرح ان کی تسلی کروائی جو بیٹی کی جدائی کے خیال سے ہی ڈبڈبائی آنکھیں لیے بیٹھی تھیں۔

''ان کی نیت پر کب شبہ کیا ہے' غم تو اس بات کا ہے سائرہ اتنی دور چلی جائے گی' سسرال جانے پر بھی والدین کو دل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے' کجا اتنی دور کینیڈا۔''

''اب تم یہ روایتی جذباتی مناظر کا پیچھا چھوڑ کر سنجیدہ ہو کر بیٹی کے اچھے مستقبل کے بارے میں سوچو' ہر طرح کے پرفیکٹ رشتے کے انتظار میں ساری عمر بٹھا کر نہیں رکھ سکتے۔ بیٹی خوش رہے اور ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' ہر طرح سے مکمل رشتے کہاں اور کس کو ملتے ہیں پھر ان کا سفید پوش گھرانا' رشتے میں بہت ساری خواہشوں کی تکمیل رکھنے کا متقاضی بھی نہیں تھا' ایسے میں وسیم خان انجینئر کا رشتہ آنا' پُرتحیر ہی تھا پھر اس بات پر دل کو سنبھالا جاتا کہ جوڑے بنانے والا اللہ ہے۔

اس کی ساز باز وہی جانے' کہاں ایک عام سے رشتے کا خواہش مند گھرانا' کہاں کینیڈا پلٹ وسیم خان اپنی گاڑی' بنگلہ کا مالک۔ مرزا صاحب ابو کے پرانے اور سمجھ دار' نکتہ شناس دوستوں میں سے تھے۔ سدا ان کی خوشی میں شریک رہے اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ جانا' جب سے سائرہ کے مناسب رشتے کے سلسلے میں ابو نے بات کی تھی تو وہ ایسے سوچنے لگے جیسے اپنی بیٹی کے متعلق راتوں کی نیندیں اڑ جائیں۔ بہت تلاش بسیار کے بعد ان کے جاننے والے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں پاکستان آئے تو کچھ بہتر سمجھتے ہوئے ان کے گھر کا راستہ دکھادیا۔ حیرت تو سبھی کو تھی کہ وسیم کے گھر والے کیسے اس سادہ لوح گھرانے کا رخ کررہے ہیں؟

شام کو چھوٹی بہن امبر' عدنان امی آپس میں آنے والے رشتے اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں پروگرام بنا رہے تھے' اسے الجھن کے ساتھ ساتھ جھجک بھی محسوس ہورہی تھی۔

''ابو نے ریفریشمنٹس کے آرڈر میرے سپرد کردیئے ہیں' آپی دیکھ لینا ایسی تیاری کروں گی کہ ساری زندگی تمہارے سسرال والے اپنی پہلی آمد یاد کرتے رہیں گے۔''

''سسرال والے...... ؟ کیا بکواس ہے۔'' قبل از وقت اس فقرے سے شدید اجتناب محسوس ہوا۔

''اس وقت پھر ہمیں یاد کرنا کہ یہ بکواس حقیقت کیسے بن گئی۔''

''کوئی حد نہیں خوش فہمی کی۔''

''خوش فہمی کیوں محترمہ...... کیا کمی ہے آپ میں پھر بقول ابو وہ مکمل مشرقی لڑکی کی تلاش میں یہاں آرہے ہیں تو آپ جیسی مشرقی لڑکی انہیں کہاں ملے گی۔ خوب صورت' پڑھی لکھی' سلیقہ مند اور چاہیے کیا انہیں۔'' عدنان اس وقت کچھ زیادہ ہی چلبلاہٹ کا شکار ہورہا تھا' آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی' گھر میں غیر معمولی ہلچل دیکھ کرامی کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

''آپی...... آپ وہ رائل بلیو سوٹ پہنیے گا جس پر سفید لیس کا کام ہے اور وائٹ نیٹ کا دوپٹہ۔'' امبر نے مشورہ دیا تو وہ سر جھکا گئی۔

''نہیں آپی...... چنری کا سوٹ جو آپ نے عید پر بنوایا تھا بہت اچھی لگتی ہیں اس میں۔'' عدنان نے کب کسی سے پیچھے رہنا تھا۔

''آپی بلیک اور موو کلر والا سوٹ بھی کسی سے کم تو نہیں۔''

''اوہو، کوئی سوٹ بھی سائرہ پہن لے گی، کسی میں کم تو نہیں لگتی میری بچی۔'' ان کا جھگڑا امی نے ختم کروایا۔

''چلو فیصلہ آپی پر چھوڑ دیتے ہیں..... آپی لیمن یوریا والا سوٹ کتنا اچھا ہے ناں جو خالہ نے بھیجا تھا۔'' امبر نے صلح جوئی میں بھی مشورہ دینا ضروری سمجھا۔

''آنے دو بھئی پھر فیصلہ بھی ہوجائے گا۔''

''امی میں ذرا اپنے کمرے میں جارہی ہوں، کل میرا ٹیسٹ ہے۔'' ادھر سے بہانہ بنا کر اٹھنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ ان دونوں کے چپ ہونے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے تھے سو خود ہی اٹھ آئی۔

اس نے سدا اللہ سے یہی دعا مانگی تھی کہ یا اللہ اس کے حق میں بہتر ہو کہ وہ بے نیاز نوازنے والا ہے۔

جمعہ کو ان لوگوں کو ابو نے بلالیا تھا، رات کو ہی امبر نے رائل بلیو سوٹ پریس کر کے رکھ دیا تھا۔ ساتھ ہدایت بھی جاری کی کہ کالج نہیں جانا آج ورنہ تھکن کے برے اثرات چہرے پر حاوی ہوجائیں گے؟ سو وہ کالج نہ گئی، مہمانوں کے آنے سے پہلے باتھ بھی لیا، شیمپو کی مہک بالوں سے چہار سو بکھر رہی تھی، ابھی چٹیا بنا رہی تھی کہ امی اندر آگئیں۔

''کپڑے بدل لیے سائرہ بیٹی۔'' انہوں نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا، وہ سادہ سے نقوش میں سج سنور کر بہت ہی پُرکشش لگی، اس وقت بھی معصومیت و نزاکت کے زیور سے وہ آراستہ نظر آرہی تھی۔ وہ کہتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

''سائرہ وہ..... تمہارے ابو کہہ رہے ہیں کہ تقریب والے کپڑے نہیں پہننا، کہیں لڑکے والوں پر برا اثر نہیں پڑے، اتنا اچھا رشتہ وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے ہیں۔ اس ذرا سی اونچ نیچ پر کہیں وہ لوگ بدک نہ جائیں۔''

''تقریب والے کپڑے..... لیکن امی یہ تو عام سا کاٹن کا سوٹ ہے، گھریلو کپڑوں میں کوئی اس قابل نہیں کہ میں مہمانوں کے سامنے پہن سکوں۔''

''نہیں اس نازک موقع پر کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہیں موڈ ہی نہ خراب کر بیٹھیں بیٹا..... وہ کہہ رہے ہیں وہ سرمئی سوٹ پہن لو جو تم نے پرسوں پہنا تھا۔''

''چار سالہ پرانا سوٹ جس کے رنگ بھی اب فیڈ ہورہے ہیں؟'' وہ تو حیران ہی رہ گئی۔

''امی کیسا لگے گا مہمانوں کے سامنے۔'' وہ روہانسی ہوئی، رشتہ داری دوسری بات ہے اس کی اپنی شخصیت کا بھی کچھ وقار تھا جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی۔

''وہ کہہ رہے ہیں شریف فیملی ہے پتا نہیں کہیں برا نہ محسوس کرلیں کہ لڑکی فیشن پرست ہے۔'' وہ بحث میں پڑنے والی لڑکی نہیں تھی لیکن یہ سوٹ اتارنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، سائرہ اور عدنان بھی اپنی اپنی جگہ ابو کے حکم کے آگے لب خاموش کی تفسیر بن بیٹھے تھے بس دل ہی دل میں احتجاج بپا تھا۔

''چلو یہی پہن لو ورنہ ان کا موڈ تباہ ہوجائے گا، مہمانوں کو بھی صحیح طرح اٹینڈ نہیں کرپائیں گے؟ آخر

چادر میں سب کچھ چھپ ہی جاتا تھا۔''
''چادر......'' وہ تو صرف چونکی تھی' امبر اور عدنان باقاعدہ چیخے تھے امی اپنی جگہ مجرم بن گئیں۔
''ہاں یہ بھی تمہارے ابو کا کہنا ہے کہ بالکل شریفانہ روپ میں آنا ہے' اچھے طریقے سے اوڑھ کر۔''
''اوڑھ تو میں دوپٹے کو بھی سکتی ہوں مگر گھر میں چادر کون اوڑھتا ہے؟ امی اگر ہم اس گیٹ اپ میں نہیں آئیں گے تو کیا ہمارے انداز واطوار شریفانہ نہیں نظر آئیں گے' اچھی بھلی لڑکی کی مت ماردیں گے۔'' وہ ان کی دلیلوں کے آگے کچھ نہیں بول سکتی تھیں' جوان بچے تھے ناجائز بولتے تو بات کچھ اور تھی؟ اور عمر بھر کے ساتھی کی بات بھی ٹالی نہ جاسکتی تھی اور بچوں کا کہنا بھی بجا تھا ابو کے تمام احکامات سنا کر باہر نکل آئیں۔
مہمان آئے' وضع داری و بردباری بے شک جھلک رہی تھی' ان کے رکھاؤ میں بھی عامیانہ پن نہ تھا لیکن حد سے بڑھی قدامت پسندی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ وسیم صاحب ساتھ ہی آئے تھے شاید یہ ان کے گھرانے کا دستور بھی تھا' بات چیت میں بھی شرافت کے ساتھ جدت پسندی۔ سائرہ اور عدنان دونوں ان کے پاس بیٹھے تھے' وسیم کو دیکھ کر امی کو کچھ تسلی ہوئی تھی کہ خوش مزاج' خوش شکل' ڈیسنٹ سا لڑکا انہیں پسند آیا تھا۔ اتنی بڑی دولت وآسائش کے مالکوں کو غرور چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔
''بھئی بلالیجیے بٹی کو' ہم بے چین ہیں اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لیے۔'' سفید چکن کی چادر میں پیشانی تک لپٹی سائرہ ان کے درمیان آن بیٹھی' ابو سر جھکائے عاجز و خاکسار کے روپ میں شرافت کو مات دیئے بیٹھے تھے۔
اس کا دل تو پہلے ہی کھٹا ہو چکا تھا' ابو ہر تقریب خواہ وہ سالگرہ کا فنکشن ہو یا مہندی' شادی کا' اسی حلیے میں بیٹیوں کو جانے پر مجبور کرتے کہ زیادہ نمایاں نہ ہوں اور نہ لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع مل سکے۔ عورتوں کے درمیان بھی وہ بیٹھی ہوتیں تو دوپٹے میں لپٹی بیٹھی ہوتیں۔
دل الگ حسرت کدہ بن رہا تھا اپنی پسند کے کپڑے جیولری پہننے کو' میک اپ کے نام پر کاجل' سرمہ کے علاوہ کچھ لگانے کی اجازت نہیں تھی' پر وہ شک نہیں کرتے کہ دونوں پر اعتماد تھا۔ آج تک کوئی غلط نظر اٹھا نہ پایا تھا لیکن اکیسویں صدی میں اتنی سادگی کسے پسند تھی۔
وسیم کی بڑی بہن بھی اس سے باتیں کرتی رہی' تھوڑی دیر بعد وہ لوگ رخصت ہوئے۔ ابو بہت مطمئن تھے ان لوگوں کے انکار تک' اس کی عزت نفس کو جو دھچکا پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا۔ یہ جان کر دل کو تسلی دی کہ ہر لڑکی کے ساتھ کبھی نہ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ ابو بیڈ پر بیٹھے سوچتے رہتے امی کی سرد سانس گھر کی فضا میں گونجتی رہتی۔
''ہمارے گھر دولت کی ریل پیل نظر نہیں آئی ہوگی سو اپنی راہ چل دیئے۔ محض شرافت آج کل چاہیے بھی تو نہیں۔'' ابو نے کہا تو امی نے اثبات میں سر ہلایا۔
زندگی روٹین پر چل پڑی وہ ایم اے ایجوکیشن کی طالبہ تھی' پڑھنے لکھنے کے دوران بھی کبھی خیال آتا تو سر جھٹک دیتی۔ زندگی میں جو لکھا ہے وہ کسی نہ کسی صورت بھگتنا ہوتا ہے۔ اس طرح کے کئی رشتے آئے اور گئے' امی ہمیشہ ہی حیران رہتیں متوسط گھرانے میں سادہ نقوش والی لڑکی کے لیے رشتہ بھی کم اسٹینڈرڈ کا نہیں آتا۔ کوئی ڈاکٹر' کوئی منیجر' اعلیٰ عہدوں پر فائز رشتے اس گھر کا رخ نہیں کرتے لیکن یہ کیسا نصیب تھا بیٹی کا کوئی ایک بار آتا تو دوبارہ رخ نہ کرتا۔ قسمت کی اس دورخی پر پریشان بھی بہت تھیں۔
ہمیشہ ابو کی ہدایت کے مطابق مہمانوں کے سامنے کانوں کے بندے تک اتاردیتی۔ جب لڑکے والوں کی طرف سے انکار ہوجاتا ابو متحیر رہ جاتے۔ پتا بھی انہیں ہوتا ہے کہ ہم سفید پوش لوگ ہیں' انکار کرنے سے پہلے قدم نہ بڑھائیں تو کیا بگڑ جائے۔ لوازمات کی چیزوں پر خرچہ الگ اٹھ رہا تھا جسے وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے تیار کرتیں اور ابو فخر کے سارے رنگ سمیٹ کر نگاہوں میں

داد پیش کر رہے ہوتے۔

"ہماری دونوں بیٹیاں ماشاء اللہ بہت سگھڑ ہیں۔"

"ماشاء اللہ...... رشتے والیاں بھی مسکرا کر تحسین پیش کرتیں لیکن اس داد و تحسین کے آگے کچھ تکمیل نہ پاتا۔ اس کا ایم اے مکمل ہوگیا' ڈگری سینے سے لگائے وہ بیٹھی تھی' سمجھ نہیں آتا اب کیا کرے۔ جاب کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابو سخت خلاف تھے وہ خود بھی گھر سے نکلنے پر کچھ مائل نہ تھی اب تو ابو امی کی ساری پریشانیاں اور اپنے اوپر اٹھنے والی یاسیت بھری آنکھوں کے رنج اپنے اندر محسوس کرنے لگی تھی۔ اس عرصے میں کئی لوگ اس کے لیے آئے اور گئے اور جو اچھے رشتے سمجھتے ان لوگوں کی طرف سے انکار ہو جاتا۔

امی کے وظیفے بڑھتے گئے' سجدے لمبے ہوگئے۔ ابو کی پیشانی پر فکروں کی لکیروں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسی اثناء میں امبر نے گریجویشن مکمل کرلیا تو اس کے لیے رشتے آنے لگے۔ کچھ عجیب ہی ٹوٹ پھوٹ اس کے اندر جاری تھی یہ نہیں کہ اسے جیلسی محسوس ہوتی بس کچھ کم مائیگی کا احساس سا ہو جاتا لیکن اس ادھیڑ پن میں نہ امبر کا کچھ بن پایا نہ ہی اس کا۔

"لگتا ہے کسی نے سفلی علم کرایا ہوا ہے بچیوں کے رشتے پر۔" محلے والیاں توجیہہ پیش کرتیں۔

"نہیں آپا ہماری کسی سے کیا دشمنی ہے جو لوگ سفلی علم کرائیں گے بس نصیب میں ہی کچھ ایسا لکھا ہے تو انسان کیا کریں گے۔"

دو سال اور خاموشی سے گزر گئے' عدنان اب بی ایس سی کا اسٹوڈنٹ تھا اب خالہ کی بیٹی کی شادی تھی تو انہوں نے بطور خاص بچیوں کو اس تقریب میں آنے کو لکھا کہ ان کی سسرال میں سے کئی لوگ آ رہے تھے جنہیں اپنے بیٹوں کے لیے رشتوں کی تلاش تھی کیونکہ آج کل رشتے ایسے ہی پسند کرلیے جاتے ہیں۔ پر ان لوگوں کو امی نے خبر ہی نہ ہونے دی کہ کہیں ٹینشن میں نہ مبتلا ہو جائیں اور شادی کی تقریب انجوائے نہ کرسکیں جسے پسند کرنا ہوگا

ایسے ہی کرلے گا آخر اور لڑکیوں کو بھی تو پسند کیا جاتا ہے ایسے ہی ہنستے کھیلتے اور انہیں تو جانے کب سے انتظار تھا غزل کی شادی کا۔ انہوں نے دو دو سوٹ اچھے سلوا لیے' امبر نے لہنگا بنوایا اور اس کے لیے چوڑی دار پاجامے کے ساتھ آرکی پٹی لگا کرتا بنوایا تھا ساتھ ساڑھے تین گز کا دوپٹہ۔ پر عین موقع پر ابو کو بھنک مل گئی کہ کچھ خاص لوگ بھی آئیں گے' سارے سلے ہوئے نئے جوڑے رکھوا دیئے اور سیدھے سادے سوٹ نکلوا کر پکڑا دیئے۔

''کوئی یہ چمک دمک والے کپڑے نہیں پہنے گا' آج نہ کل پہننے بھی ہیں تم لوگوں کو پھر پہن لینا' ابھی بہت سے مواقع آنے ہیں اور لیپا پوتی فضول قسم کی ہوئی تو بہت برا ہوگا۔'' اپنے احکامات صادر کرکے نکل گئے اور ان کا دل تو ایسا خراب ہوا کہ جانے کو دل نہیں چاہا' دونوں نے انکار کردیا۔

''ہم نہیں جائیں گے آپ اور ابو چلے جائیں۔'' ویسے بھی امبر کے ایگزامز کی تیاری کا بہانہ بن گیا۔ سائرہ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا وہ کہیں گے پہلے خبر نہیں ہوئی تھی اور اب تو کسی صورت نہیں مانیں گے۔

''امی ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو کچل کر وہ کتنے نفلوں کا ثواب کمارہے ہیں' مجھے اس بات کی خبر نہیں ہوتی۔'' خود اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''اس طرح نہیں کہتے وہ جو کچھ کرتے ہیں تم لوگوں کی بھلائی کو ملحوظ خاطر رکھ کر کہتے ہیں۔''

''امی انتہا ہوگئی ہے ان کے اس قسم کے خیالات نے ہمیں دیا کیا ہے؟'' بار بار اپنا رد کیا جانا کب پسند آیا تھا۔ اس کی اب دلی تمنا تھی کہ اس قفس سے نکل کر اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو تکمیل کا جامہ پہنائے جائز تمناؤں پر بھی پہرے بٹھانے والا کوئی نہ ہو۔

''امی کمرے سے نکل گئی تھیں' وہ تکیے میں منہ دے کر ایسا روئی کہ ساری تقریب میں بخار رہا' ابو کے کہنے کے مطابق سادہ سوٹ میں دوپٹہ لپیٹے بیٹھی رہی۔ لڑکیوں کے جگمگاتے کپڑے دمکتے چہرے اس کے اندر آگ بھرگئی۔

شادی کا سلسلہ ختم ہوا' زندگی روٹین پر آگئی' تین چار مہینے گزر گئے کوئی پوچھنے بھی نہ آیا۔ خالہ یہی کہتیں کہ میں کیا کرسکتی ہوں خود اپنے منہ سے لڑکے کی ماؤں کو اپنی بیٹیوں کے متعلق کہتا کون اچھا لگتا ہے۔ امی دکھے دل سمیت اٹھ گئیں۔

ایک روز پھر وہی سلسلہ ابھرا اب کے عدنان کے دوست کی ماں اپنے بڑے بیٹے کے سلسلے میں آرہی تھیں جو کہ امریکہ سے ایف آر سی ایس کرکے لوٹے تھے۔ امی نے حسب معمول ان لوگوں کو خوش کرنے کی مقدور بھر کوشش کرڈالی' دو دن کے بعد ہی انہوں نے آجانا تھا وہ آنکھوں میں سناٹے لیے سب تیاریاں دیکھتی رہیں۔ کئی بار ایسے ہنگامے جاگے اور سرد پڑگئے' کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ جانے تقدیر کیا امتحان لینا چاہ رہی تھی' ہر بار ماڈل کی طرح پیش ہوجانا اور عزت نفس کا خون کرنا کس درجہ دل کو تکلیف پہنچاتا کسی کو خبر نہ تھی۔

وہ دن بھی آگیا جب اسے پھر پیش ہونا تھا' امبر نے ریفرشمنٹس کی تیار کرلی تھی' ساتھ ساتھ باتیں جاری تھیں۔

''آج ابو نے کون کون سی ہدایات جاری کی ہیں آپ کے لیے' ہزار طریقے سے پہننے اوڑھنے کا مسئلہ لے کر دل جلائیں گے اور ہوگا کچھ بھی نہیں۔'' وہ مایوسیوں کی اسیر ہوچکی تھی۔

سی گرین اور بلیو کامبینیشن کا جارجٹ کا سوٹ نکالا' استری کرکے پہن لیا۔ لمبے لمبے بالوں کو اوپر کلپ لگا کر کھلا چھوڑ دیا' ہلکے پھلکے میک اپ میں دمک اٹھی۔ آئی لائنر سے آنکھیں سج گئی تھیں' امبر اور امی اندر آگئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں امی نے دل تھام لیا۔

''سائرہ مہمان آنے والے ہیں۔'' اپنے تئیں انہوں نے احساس دلانا چاہا۔

''مجھے پتا ہے امی' انہی کے لیے تیار ہوئی ہوں۔'' کانوں میں سفید نگوں والے چھوٹے چھوٹے بندے

پہنے دوپٹہ دونوں اطراف سے کاندھوں پر ڈالا۔

''سائرہ...... تمہارے ابو......'' وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

''بس امی......'' تنبیہی نگاہوں سے انکار کیا' بہت چوٹ کھا چکی تھی وہ۔''امی اپنی ذات کی نیلامی بہت ہوچکی اگر ٹھکانے لگانے کے متعلق سوچ لیا ہے تو ٹھکانے لگنے بھی دیں۔''

لہجے کی تختی' جملے کے عزم نے انہیں اپنی جگہ ٹھٹکنے پر مجبور کردیا تھا' اس کی آنکھوں میں چٹانوں جیسی مضبوطی دیکھ کر مزید کچھ بولنے سے وہ باز رہیں۔ جس پتھر پر جتنی رفتار سے دھار گرتی رہے اتنی تیزی سے اس میں سوراخ ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے اندر اہانت کی دھار لیے کئی سوراخ کرواچکی تھی۔ ایک ایم اے پاس اچھے نین نقش والی لڑکی کے ساتھ توہین آمیز سلوک کی انتہا ہوچکی تھی۔

اپنے اندر کی تختی برداشت کرکے وہ پھٹ چکی تھی' دل کو سنبھالے مہمانوں کی طرف بڑھ گئی' ابو مہمانوں کو ہاتھ ہاتھ لے رہے تھے بیٹیوں کی بڑائیاں بہت حد تک جاری تھیں۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد انہوں نے سائرہ کو بھی اندر آنے کا اشارہ دیا اور جب وہ آئی تو ابو کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا' تمام لوازمات سے کسی حد تک آراستہ' خوب صورت سی مسکراہٹ سجائے انہیں سائرہ نہیں ملی وہ بہت کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔ وہ بڑے سے موٹے دوپٹے میں لپٹی نظریں اوپر نہ اٹھاتی اور شرافت کی پیکر کو تلاش کررہے تھے۔ بہت مجبوری تھی مہمانوں کے سامنے تلخ بات بھی نہیں کہہ سکتے تھے' وہ چائے سرور کررہی تھی' کاشف صاحب ساتھ ہی آئے تھے۔ لمبے لمبے بال گھٹنوں کو چھورہے تھے' ابو نے دوبارہ طائرانہ نظر ڈالی اور وہ کمرے سے نکل گئے۔ امی کو اشارے سے بلایا اسے خبر تھی وہاں کیا کچھ ہورہا ہوگا۔ سدا کی چپ چاپ ماں اور امبر کے ساتھ' آخر میں آ گئیں کاشف کی بھابی اور امی اس سے باتیں کررہی تھیں' ایک آدھ بار کاشف کی پُرشوق نگاہوں کا سامنا بھی

تیرے چھوڑ جانے کے بعد
مجھے عشق تھا پھولوں سے
مہکتی کلیوں سے
بہاروں سے بارش سے پھولوں سے
تیرے چھوڑ جانے کے بعد
دل کے تمام موسم
بہار خزاں بارش پھول
کسی سے دل میں ہلچل نہیں ہوتی
دل میں صرف اک موسم ٹھہرا ہے
اداسی کا موسم
بے مائیگی کا موسم
تنہائی کا موسم
تیرے چھوڑ جانے کے بعد
تیرے چھوڑ جانے کے بعد

سعدیہ رمضان سعدی...... صادق آباد

ہوا' وہ نظریں جھکا گئی۔

آخر میں حق میزبانی ادا کرنے کے لیے ابو کو آنا ہی پڑا' اپنے طور انہیں خوش دلی کے ساتھ الوداع کہا۔ ان کے دل میں کتنے طوفان امڈ رہے ہوں گے یہ وہ بخوبی جانتی تھی۔ کاشف کی امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ گاڑی کے روانہ ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔ ابو کے تیز تیز بولنے کی آوازیں در و دیوار کو ہلا رہی تھیں' خبر تھی امی دیک کران کے نایاب جملے برداشت کررہی ہوں گی۔

''بے غیرت و بے حیا'' تک کے الفاظ اس نے اپنے لیے سن لیے تھے۔ کتنی بار دل میں بپھرتے طوفان کو نہ سنبھالتے ہوئے وہ اس کے کمرے تک بھی آئے لیکن دروازہ بند دیکھ کر واپس چلے گئے۔ لبوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر اس نے زخمی کرلیا تھا۔

''اب یہاں جتنے بھی رشتے آئیں گے میں باہر نکل جاؤں گا' تم لوگ جتنی مرضی ہومن مانیاں کرتے رہنا نہ

میری ہاں سے تم لوگوں کو غرض ہوگی نہ میری نا سے۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ شریف لوگ کہ متوسط گھرانے کی بیٹیاں اس قدر بے باک ہیں۔ تم لوگوں کو کوئی پوچھنے نہیں آئے گا یہی چھن رہے ہو....'' زہر میں بجھے جملے سماعت میں پیوست ہورہے تھے' اس نے جلتی آنکھوں کو بھینچ لیا۔

پورے پندرہ دن انہوں نے کسی سے بات نہ کی' کسی کو اپنی ضروریات کے لیے نہ پکارا۔ زبردستی کرنے کی کوشش ان لوگوں نے کی تو دل کے زخم ہی ہرے ہوئے۔

''تم لوگ مرچکے ہو میرے لیے۔''

یہی عالم رہتا خاموشی کا اور ان کے تڑپتے رہنے کا' جب ایک صبح فون کی بیل ارتعاش نہ بپا کرتی۔ فون ابو ہی اٹینڈ کیا کرتے' جانے کیا فون پر باتیں ہوتی رہیں۔ کس کا فون تھا وہ اپنے اپنے کام میں مصروف رہے تھے' کچن میں وہ صبح کے برتن دھورہی تھی۔ امبر جلدی جلدی کالج جانے کے لیے چائے انڈیل رہی تھی' عدنان بھی جاگرز پہن رہا تھا۔

''تمہاری امی کہاں ہیں؟'' ابو نے کچن میں آ کر پوچھا تو وہ رخ موڑ گئی' اس دن کے بعد سے وہ خود زیادہ کسی سے بات چیت نہیں کیا کرتی تھی۔

''ابھی کمرے میں گئی ہیں....'' امبر کہہ ہی رہی تھی کہ امی آ گئیں۔

''وہ.... کاشف کی امی کا فون تھا۔'' اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ ''وہ لوگ اس جمعہ کو نکاح کے لیے عندیہ چاہ رہے ہیں کیونکہ کاشف کو واپس امریکہ جانا ہے۔ تم لوگ سوچ سمجھ لو پھر میں ہاں کردوں گا۔'' اندھیرے میں روشنی کا پھول پھوٹا تھا' سب شادیٔ مرگ کی سی کیفیت تھی۔ کسی کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا' وہ کہہ کر چلے گئے تھے' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرگئی تھیں امبر نے اسے گلے سے لگایا۔

''ارے آپی.... اتنے آنسو انہیں میں جدائی کے آنسو سمجھوں یا خوشی کے۔'' امبر کے ہر سو شوخی ناچ رہی تھی لیکن وہ اتنا روئی جیسے آج کے لیے وقف کردیئے تھے سارے آنسو۔

''آپی پلیز سنبھالو خود کو' کیا ہوا ہے؟''

''سائرہ.... کیا ہوا میری بچی؟'' لیکن وہ چپ نہ ہوئی' امبر نے اسٹول پر بٹھا کر پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔

''چپ ہو جا بیٹی.... ہمیں تو خوشیوں کے لیے برسوں کھدائی کرنی پڑتی ہیں جب ہاتھ میں کہیں سونا لگتا ہے۔ آج تو ہنس لے۔''

''امی.... میں یہ سوچ رہی ہوں اگر آج ادھر سے بھی انکار ہوجاتا تو ابو کی نظر میں میری کیا قدر بچتی۔ ہزار ہا نظروں کے سامنے پیش ہوتے ہوئے تو میں عزت نفس گنوا ہی چکی تھی' اگر اقرار نہ ہوتا تو میں تو رسوا ہوچکی تھی' کیا عزت بچتی۔'' وہ اندر سے بے حد ٹوٹ چکی تھی۔

یہ شکست و ریخت کا عمل اس وقت سے شروع ہوچکا تھا جب پہلے رشتے سے انکار ہوا تھا اور کیوں انکار ہوا تھا؟

گھر میں شادیانے بج رہے تھے' نکاح کے ایک مہینے بعد ہی رخصتی کی ڈیٹ رکھ دی گئی تھی۔ وہ مایوں بیٹھ چکی تھی' باہر ڈھولکی کی تھاپ پر لڑکیاں گلے پھاڑ رہی تھیں' اسے بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تھی۔ کچھ قرض واجب الادا تھے جو بہت دنوں سے چکانے کے بارے میں سوچ رہی تھی' سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے' وہ آہستگی سے اٹھی باہر صحن میں چراغاں ہورہا تھا' رات کی رانی کچھ زیادہ ہی مہک رہی تھی۔ آئینہ میں خود کو دیکھا' اسی دن کے لیے کتنی قیامتیں دل پر سہہ گئی تھی وہ۔ ابو کے کمرے کا لاک گھمایا' وہ بھی جاگ رہے تھے جانے کیا تلاش کررہے تھے الماری میں کھٹکے پر مڑے' وہ پیلے سوٹ میں چہرے پر معصومیت' ندامت' حجاب کے سب رنگ سمیٹے کھڑی تھی۔

''ارے سائرہ تم...... کوئی کام تھا بیٹے......'' وہ قریب آگئے۔

''ابو...... آپ مجھ سے ناراض ہیں ناں؟'' آنکھوں میں سیلاب اُمڈ پڑا تھا۔ انہوں نے جو کچھ چاہا تھا اس کی بھلائی کے لیے چاہا تھا پھر پتا نہیں کیوں وہ نہیں ہوا جو انہوں نے خواہش کی تھی۔

''مجھے معاف کردیجیے ابو...... میں نے آپ کی حکم عدولی کی۔ جان بوجھ کر نہیں کی' اس دنیا کے تقاضے سمجھ کر کی ابو ورنہ آج بھی یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ آپ کی پریشانیوں' امی کے تفکرات کا موجب سمجھ کر خود کو میں مجرم گردانتی رہتی۔ اگر آج مجھے اس دنیا کی سمجھ نہ آتی جو سیرت کے بجائے صورت پر یقین رکھنے لگی ہے' لڑکی کی تعلیم' کردار کو اثاثہ نہ سمجھتے ہوئے اس کے انداز و شکل کو سب کچھ سمجھنے لگی ہے۔ آپ اپنے تئیں مجھے شرافت کا علمبردار بنا کر پیش کرتے رہے اور لوگ مجھ میں نئی صدی کی پُراعتماد لڑکی تلاش کرتے رہے۔ دونوں میں سے کون درست تھا مجھے سمجھ نہ آیا ابو' جب کاشف کے گھر والے آنے والے تھے تو بار بار کا ٹھکرایا جانا مجھے صرف یہی سمجھا سکا کہ جب جانا مجھے دنیا کی بھیڑ میں ہے تو کیوں نہ مکس اپ ہوکر شامل ہو جاؤں اس لیے آپ کا دل توڑا لیکن خوش میں بھی نہیں رہی آپ کا دل دکھا کر۔ آپ جب تک مجھے معاف نہیں کریں گے یہ خوشیاں مجھے جرم ہی لگیں گی؟'' زانوں پر سر رکھ کر آنسو ابل پڑے' ان کا ہاتھ سر پر آن پڑا۔

''اللہ نہ کرے' اللہ کی دی ہوئی عنایتوں کو میں برا کیوں سمجھوں گا؟ اس کی تو رحمت اتری ہے اس گھر پر' بیٹے ہمیں جھولی بھر کر سمیٹ لینا چاہیے اور یہ رحمت اتری ہے تمہاری سمجھ داری کے سبب......'' برسوں کا غبار چھٹ گیا' کالے کالے بادلوں کی اوٹ سے سورج نے ضوفشانیاں بکھیری تھیں' دل پر پڑا احساس ندامت کا بوجھ یک دم سرک گیا تھا۔

''دعا کریں ابو پھر سے وہ وقت آجائے جب لڑکی لڑکے کی سیرت و کردار کی ضمانت پر رشتے طے کیے جاتے تھے اس کے بال' آنکھیں' رنگ دیکھ کر نہیں۔''

''میں ہی غلطی پر تھا بیٹے کہ ہر شے میں توازن نہ رکھ سکا' کسی بھی شے کی زیادتی بری ہوتی ہے یہ نہ سمجھ سکا۔ اب تم ساری خلش کو یہاں ہی چھوڑ کر نئی زندگی میں قدم رکھو ورنہ زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔ کاشف بہت اچھا لڑکا ہے اس کے گھر والے بھی تمہارے لیے ان شاء اللہ اچھے ثابت ہوں گے۔''

''شکریہ ابو......'' وہ دھیرے سے اٹھ کر نکل گئی' وہ یہی سوچتے رہ گئے کہ کیا واقعی نئی صدی میں شعور کی گود میں آنکھ کھولنے والے بچے زیادہ سمجھ دار ہوگئے ہیں۔

''تم جاؤ خوشیاں سمیٹو بیٹا...... میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

غزل

چلو کہیں بسیرا کریں ویرانوں میں
اب شہر میں گھٹتا دم ہے
دوران گفتگو جب تیرا حوالہ آئے
سانسوں کا مچلتا زیر و بم ہے
ہر آنکھ کہیں نہ کہیں سدا
آنسوؤں سے پُرنم ہے
جب کسی کا چہرہ پڑھے انفر
لکھی وہاں اک تحریر غم ہے

نعیم انفر ہاشمی...... جھنگ صدر

کوئی اپنا ہو

رابعہ افتخار

پانی کا پائپ لگا کر سیڑھیاں دھوتی شفق کا گہرا نیلا ٹراوزر پاؤں سے ذرا اوپر تک گیلا ہو چکا تھا سفید اور نیلی لمبی قمیص کا دامن بھی پانی کی پھوار سے بھیگ رہا تھا اور وہ بچوں کی طرح خوش ہوتی مزید جوش سے سیڑھیاں دھونے لگی۔ وقفے وقفے سے پانی کے پائپ سے منہ پر بھی پانی ڈال لیتی۔ نیچے کے باورچی خانے سے پریشر ککر کی سیٹی کی آواز آرہی تھی صاف ستھرے صحن میں ترتیب سے رکھے گملوں میں گلاب اور موتیا کے پھول تازہ تازہ دیئے گئے پانی سے دھل دھلا کر اور بھی نکھر گئے تھے۔ وہ سیڑھیاں دھو کر پائپ سمیٹ کر وائپر سے فرش خشک کر رہی تھی جب عدیل گھر کے اندر داخل ہوا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ تم سیڑھیاں دھو رہی تھی یا خود کو..... ایسے قطرے ٹپک رہے ہیں جیسے ڈبکی لگا کر نکلی ہو۔" وہ اس پر جملہ اچھالتا کچن کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں موجود شاپر دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ کوئی آنے والا ہے اس نے وائپر اپنی جگہ پر رکھا اور امی کو بتا کر نیچے آ گئی۔

"کوئی آرہا ہے کیا؟" اس نے تائی امی کے آگے سے ہرا دھنیا اٹھایا اور خود کاٹنے لگی۔ انہوں نے تشکر بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھا اور خود کبابوں کا مصالحہ تیار کرنے لگیں۔

"ہاں عدیل کے ماموں ممانی آرہے ہیں کراچی سے اس مرتبہ تو پورے پانچ سال بعد آرہے ہیں۔" تائی امی کے لہجے میں اپنے میکے والوں کے لیے بہت پیار تھا۔

"اچھا پھر تو بہت خوشی کی بات ہے یقیناً اب صباحت کی منگنی یا نکاح بھی کردیں گی آپ۔" اس نے ہرا دھنیا کاٹ کر ڈبے میں بند کیا اور فریج میں رکھ کر تائی امی کے ساتھ کھڑی ہو کر ہنڈیا بھوننے لگی۔

"ہوں..... اب وہ لوگ آئیں گے تو ہی فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے..... ویسے میں نے سوچا ہے کہ نکاح ہی کردوں گی اور اگلے سال صباحت کے ماسٹرز کے امتحان کے بعد رخصتی۔" تائی امی کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ وہ بھی گھر میں شادی کا سوچ کر خوش ہوگئی۔

"ہائے تائی امی میں تو امی کو کہہ دوں گی اچھے اچھے سوٹ سلوا کردیں۔" اس کے اس جملے پر عدیل نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا وہی بچوں والی خوشی اور وہ کتنے خلوص کے ساتھ آنے والے مہمانوں کے لیے امی کی مدد کر رہی تھی۔ کچن کے کام سے فارغ ہو کر وہ اوپر جانے لگی تو عدیل صباحت کو کالج سے لے آیا اس نے صباحت کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" اور اس کے یوں کہنے پر وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"امی میں آپا کو لے آؤں ان کی کال آئی تھی۔ ماموں ممانی کا سنا تو کہنے لگیں کہ مجھے اور خالہ کو لے جاؤ میں پہلے آپا کو لے آؤں پھر خالہ کو بھی لے آؤں گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں میں تو پہلے ہی سوچ رہی تھی کہ تمہاری خالہ کو بھی بلا لوں۔" انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی عدیل اور صباحت کی بڑی بہن یعنی راحت آپا اپنی سگی خالہ کی بہو تھیں اور دو بہت ہی پیارے بچوں کی ماں تھی۔

"آپا آئیں تو ذکی اور مانو کو اوپر بھیج دینا۔" وہ جاتے جاتے بولی۔ عدیل نے لحظہ بھر کو امی کی سمت دیکھا۔ شاید امی انہیں بھی نیچے آ کر کھانے کا کہہ دیں مگر انہوں نے ایسا کچھ بھی نہ کہا۔

"ہاں ہاں بھیج دیں گے اوپر کارٹون لگا دینا دونوں کو ویسے بھی نیچے ماں کو تنگ کریں گے اتنے عرصے بعد سب اپنے مل کر بیٹھیں گے بچے کہاں سکون سے بیٹھنے دیتے ہیں۔" ان کے جملے نے عدیل کو ایک بار پھر شفق کی طرف دیکھنے پر مجبور کردیا یا تو وہ سمجھی نہیں تھی یا پھر منفی سوچنا اس کی عادت ہی نہیں تھی۔ اسی لیے مسکراتے ہوئے اوپر چلی گئی۔

دن کے کھانے میں امی نے ماش کی دال اور شامی کباب پکائے تھے۔ وہ اوپر آئی تو امی قرآن شریف کی

تلاوت میں مصروف تھیں۔ صاف ستھرا سادہ سا گھر دونوں ماں بیٹی کے سلیقے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی نہا دھو کر صاف ستھرے استری شدہ کپڑے پہنے اور کچن میں جا کر سلاد اور رائتہ بنانے لگی۔ اس کے ذہن میں ابھی بھی صباحت کے نکاح میں پہننے والے سوٹ کا خیال تھا۔ ابھی وہ سلاد اور رائتہ بنا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ نیچے سے مہمانوں کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔ وہ باہر کی طرف لپکی جب امی نے قرآن شریف بند کر کے اسے ٹوکا۔

"بری بات شفق، تائی امی کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے مگر بغیر بلائے کھانے کے وقت جانا بہت بری بات ہے۔ وہ سب اتنے عرصے بعد اکٹھے ہوئے ہیں آپس کی سو باتیں ہوتی ہیں تم جاؤ گی تو بھابی سمجھیں گی کہ شاید میں نے تمہیں جاسوسی کے لیے بھیجا ہے۔" امی کی بات میں وزن تھا وہ سمجھ گئی اور وہیں امی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپس کی بات تو بہت خوشی کی ہے ان لوگوں کی؟ امی تائی امی بتا رہی تھیں کہ اس مرتبہ وہ صباحت کا نکاح کردیں گی اور اگلے سال رخصتی...... امی آپ مجھے صباحت کے نکاح کی رسم کے لیے اچھا سا سوٹ لے کر دیں گی ناں؟" وہ ان سے چپک گئی۔

"ہاں لے دوں گی، چلو اب کھانا لگاؤ۔ کھانا کھالیں دونوں، تمہارے ابو تو صبح کہہ گئے تھے کہ آج دوپہر کو نہیں آئیں گے۔" امی نے اسے چمکارتے ہوئے خود سے الگ کیا۔ ابھی وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئی تھی کہ صباحت دونوں بچوں کو سنبھالے اوپر آ گئی۔

"شفق انہیں سنبھالو پلیز، نیچے تو آپا کو اتنا تنگ کر رہے ہیں۔" وہ دونوں کو اس کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

"آؤ صبا بیٹے کھانا کھالو۔" امی نے اسے دستر خوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کھانے کی دعوت دی۔

"نہیں چچی، کھانا تو کھالیا ان دونوں کو کھانا کھلا کر لائی ہوں اور شفق ذرا شام تک قابو میں رکھنا دونوں کو۔" وہ تاکید کرتی چلی گئی۔

"ماشاءاللہ کتنے پیارے بچے ہیں راحت کے، شفق بیٹا بچوں کو کارٹون لگا دو اور کیبنٹ سے بسکٹ بھی نکال دو۔" عذرا (شفق کی امی) نے شفق کو بچوں کے ساتھ خوش ہوتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے تاکید کی۔ وہ بیٹی کی سادگی، معصومیت اور مثبت سوچ پر فدا ہوگئیں۔

"اللہ تمہارے مقدر میں کوئی بہت قدر دان شخص رکھے آمین۔" وہ دل ہی دل میں اسے دعا دیتیں دستر خوان سمیٹنے لگیں۔

❀ ...... ☆ ...... ❀
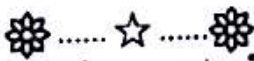
سیف علی اور دانش علی دونوں بھائی ایک ہی گھر میں اوپر نیچے رہائش پذیر تھے۔ سیف علی کی تین اولادیں تھیں راحت، عدیل اور صباحت جبکہ دانش علی کی صرف ایک ہی اولاد تھی شفق، شفق سے پہلے دو بیٹے ہوئے مگر دونوں ہی پیدائش کے کچھ دیر بعد وفات پاگئے ایسے میں شفق ہی ان کی اور عذرا بیگم کی کل کائنات تھی۔ عذرا بیگم کے میکے میں بھی صرف

ایک بھائی بھابی تھے وہ بہت کم میکے جایا کرتی تھیں جبکہ سیف علی کے سسرال میں بہت لوگ تھے ان کی بیگم فریدہ نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی اپنی بہن کے بیٹے سے کردی راحت کی شادی کے بعد سیف علی کا انتقال ہوگیا اس دکھ کی گھڑی میں دانش علی اور عذرا نے بھابی اور بچوں کا بہت ساتھ دیا۔ سیف علی کے انتقال کے بعد عدیل ایک دم سے ذمہ دار ہوگیا ان دنوں میں شفق نے تائی اور صباحت کا خوب ہاتھ بٹایا اور دن رات ان کی دلجوئی کی...... اس کے بعد فریدہ بیگم اکثر ہی کام میں مدد کے لیے شفق کو نیچے بلالیا کرتیں...... صباحت نے کالج میں داخلہ لیا اور شفق نے بھی آگے پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تب عذرا بیگم نے تنہائی کی وجہ سے اور گھر کے کاموں میں مدد کی وجہ سے شفق کو پرائیویٹ امتحان دینے کی تلقین کی جو اس نے بلاچوں چراں مان لی۔ شفق مجموعی طور پر ایک خوش اخلاق اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔

❁......☆......❁
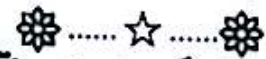
کچن سے بہت اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد اوپر کی منزل پر آیا تھا۔ چچی جان گھر پر نہیں تھیں اس نے باآواز بلند سلام کیا تو وہ ہاتھ میں کفگیر تھامے کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"کیا پک رہا ہے بھئی؟ سنا ہے آج راحت آپا کی دعوت ہے۔"

"صرف راحت آپا کی نہیں بلکہ آپ سب کی امی کہہ رہی تھیں کہ آپا بہت عرصے بعد آئی ہیں تو ان کی دعوت کرنی چاہیے ابھی امی راحت آپا کے اور ان کے بچوں کے کپڑے لینے بازار گئی ہیں۔" وہ بات کرتے ہوئے دوبارہ کچن میں جا گھسی۔

"کیا پک رہا ہے؟" وہ کچن میں چلا آیا۔ شفق نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بریانی دم پر رکھی ہے قورمہ کباب اور بادام والے کوفتے ہیں۔ میٹھے میں ابو آئس کریم لے آئیں گے۔ میں تو بس سلاد بنانے لگی ہوں زیادہ کام تو امی کر کے گئی ہیں۔" وہ ایک پلیٹ میں کھیرے کے قتلے کاٹنے لگی۔

"کتنا عجیب سا لگ رہا ہے ناں اس روز جب ماموں ممانی آئے راحت آپا آئیں تو ہم لوگوں نے تم لوگوں کو کھانے پر پوچھا بھی نہیں بلکہ آپا کے بچے سنبھالنے کے لیے اوپر بھیج دیئے اور تم لوگ اتنا کچھ کررہے ہو......" وہ فریج کھول کر جائزہ لینے لگا پھر ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں تو آیا ہی چچی جان سے معافی مانگنے تھا امی کو تو احساس نہیں ہوا مگر......" وہ خاموش ہوگیا اور اندر داخل ہوتی عذرا نے عدیل کے الفاظ سن لیے۔

"ارے شرمندہ کیوں کررہے ہو بیٹا معافی کس بات کی؟ ہوسکتا ہے اس دن بھابی نے اپنے بھائی بھابی سے کوئی ذاتی بات کرنی ہو اسی لیے ہمیں دعوت نہ دی ہو ویسے بھی ہم تو ایک ہی گھر کے افراد ہیں اور رہی بات ہماری تو بیٹا راحت ہماری بھی تو بیٹی ہے اور بیٹیاں جب میکے آتی ہیں تو بڑے مان کے ساتھ آتی ہیں میں نے سوچا اس مرتبہ ذرا اچھا سا اہتمام کرلوں...... خیر تم بھی جاؤ اور فریش ہوکر آجاؤ کھانا تیار ہے بس تمہارے چچا جان روٹی لے کر آتے ہی ہوں گے میں اوپر آتے ہوئے بھابی کو بھی کہہ آئی ہوں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے نیچے جانے کا اشارہ کیا۔

"آپ بہت اچھی ہیں چچی جان۔" وہ جاتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لگا کر بولا تو انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا اس لمحے دل سے عدیل کو اپنا بیٹا بنانے کی دعا نکلی اور وہ دل ہی دل میں آمین کہہ کر کھانے کی تیاری کرنے لگیں۔

سب لوگوں نے اچھے اور خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا۔ عذرا نے راحت اور اس کے بچوں کو کپڑے بھی دیئے۔ تائی انکار کرتی رہیں مگر صباحت نے یاد دلایا کہ چاچو چاچی تو ہر سال دونوں بہنوں کو کپڑے لے کر دیتے ہیں عدیل کی نظریں شفق پر جا ٹھہریں امی نے بھی اسے کچھ نہیں دیا تھا مگر شاید وہ منفی سوچتی ہی نہیں تھی۔

"بھئی کھانا بہت مزے کا تھا بہت شکریہ...... ویسے بھی رات کو راحت واپس جارہی ہے پھر اگلے مہینے ہی آنا ہوگا اس کا خیر سے صباحت کا نکاح کررہے ہیں اگلے مہینے۔"

تائی نے خوش خبری سنائی تو مبارک کا شور اٹھ گیا۔
"بس عذرا دعا کرو میرے عدیل کے لیے بھی کہیں اپنوں میں ہی بات بن جائے۔" تائی کی بات پر شفق اور عدیل کی نظریں ملی تھیں اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے وہ ان کی بات کا کچھ اور ہی مطلب سمجھی تھی، عدیل کو اس کی خوش فہمی پر ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی ہوا کیونکہ امی کے نزدیک اپنوں سے مراد صرف ان کے میکے والے تھے۔
"ضرور آپ بھی میری شفق کے لیے دعا کیجیے گا بھابی! میرے اپنوں میں تو ایک بھائی بھابی ہیں مگر بھابی اپنے بیٹے کا رشتہ اپنی بہن کے ہاں کرنا چاہتی ہیں انہیں اس غریب نند کا خیال نہیں آیا ایسے میں شفق کا رشتہ غیروں میں تلاش کرنا ہے ہمیں۔ بس آپ دعا کیجیے گا۔" عذرا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ کہا جو وہ کہنا چاہتی تھیں مگر وہاں شاید وہ سمجھ نہ سکیں۔
"ہاں ہاں یہ ذرا صبا اور عدیل کے کام سے فارغ ہوجائیں تو دونوں مل کر تلاش کریں گے لڑکا، ہماری شفق میں کوئی کمی تھوڑی ہے۔" وہ لاڈ سے بولیں اور عدیل ماں کی ناسمجھی پر کڑھ کر رہ گیا۔

❀ ...... ☆ ...... ❀

شام ڈھل رہی تھی، آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے گھرے ہورہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا چھا گئی تھی۔ مغرب سے ذرا پہلے ہی رات کا سا سماں ہوگیا وہ جلدی جلدی تائی کے دھلے کپڑے چھت سے اتار کر نیچے اتر رہی تھی جب عدیل سے ٹکرا گئی اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو کو محسوس کرکے دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ اس نے گھبرا کر نظریں جھکالیں، عدیل نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کرلیا تھا، وہ کپڑے اٹھانے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ بجلی بڑے زور سے چمکی تھی، اس نے خوفزدہ ہوکر آنکھیں میچ لیں تھی۔
"یہ ماں باپ اتنے ظالم کیوں ہوتے ہیں، اپنی نازک معصوم اور چڑیا جیسے دل والی بیٹیوں کو غیروں کے حوالے کیوں کردیتے ہیں۔" اس لمحے اس کے خوف زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے عدیل کے دل میں عجیب سا خیال ابھرا۔
"تمہیں ابھی بھی بادلوں کی گرج سے ڈر لگتا ہے شفق؟" وہ جانتا تھا وہ بچپن سے ڈرتی تھی۔
"ہوں...... بہت...... امی کہتی ہیں بہادر بنو اگلے گھر میں سب مذاق اڑائیں گے، میں کیا کروں مجھے تو آسمانی بجلی سے اتنا خوف آتا ہے۔" اس نے آسمان کی طرف ڈرتے ہوئے دیکھا چھما چھم بارش شروع ہوگئی۔ عدیل کپڑے اٹھا کر نیچے آگیا۔ برآمدے میں کپڑے رکھ کر وہ وہیں صحن میں آ کھڑا ہوا۔ وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔
"کتنا ہی اچھا ہوتا ناں کہ شادی کے بعد لڑکا اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر آجایا کرتا۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولی۔
"کیوں؟" اس نے مڑ کر دیکھا، ایک عجیب سا خوف اس کے چہرے پر دکھائی دیا۔
"لڑکے بہادر ہوتے ہیں ناں، مضبوط اور بلند حوصلے والے انہیں کم از کم بادلوں کے گرجنے اور بجلی چمکنے پر امی تو یاد نہیں آتیں ناں۔" اور اس کی اس بات پر عدیل کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"بے وقوف لڑکی شادی کے بعد یہ جو شوہر نام کا انسان ہوتا ہے ناں، وہ سب سے قریب اور سب سے اپنا ہوتا ہے، اس کے قریب ہوتے ہوئے ایسی باتوں پر امی یاد نہیں آتیں۔" اور اپنی بات مکمل کرکے وہ خود ہی ہنستا چلا گیا۔
"اور اگر شادی والے دن ہی ایسی ہولناک بارش ہوجائے تو اس بے چارے کو کیا پتہ کہ میری دلہن کو بادلوں کی گرج سے ڈر لگتا ہے۔" وہ نیا نکتہ اٹھالائی تھی۔ عدیل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا مبادا اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔
"تو پھر کسی ایسے سے شادی کرلو جو پہلے سے جانتا ہو کہ اس کی دلہن کو بادلوں سے ڈر لگتا ہے۔ جو پہلے سے اپنا ہو، جسے ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بتانے کی ضرورت نہ پڑے۔" وہ اپنی ہی رو میں بول گیا، وہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"ایسا کون ہے؟" اس لمحے عدیل کو اپنے سامنے کھڑی وہ چھوٹی سی لڑکی بہت پیاری اور بہت اپنی لگی جسے اپنوں سے دور جانے کا ڈر اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گیا۔ بارش اور زور سے گرج چمک کے ساتھ ہونے

گی۔ وہ اس کا ہاتھ گھسیٹ کر برآمدے میں لے آیا۔
"پکوڑے تلوں...... جی چاہ رہا ہے ناں؟" اس نے عدیل کی خاموشی دیکھ کر موضوع بدلا اور اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"ہوں...... ہاں بہت...... تمہیں کیسے پتہ چلا؟" اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔
"اپنوں کے بارے میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں پتہ ہوتی ہیں۔" وہ باورچی خانے کی طرف بھاگ گئی' بارش ایک تواتر سے برسنے لگی۔ تائی نے صحن کا بلب جلایا اور وہیں برآمدے میں آ بیٹھیں۔
"شفق پکوڑے تل رہی ہے اوپر؟" انہوں نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے عدیل سے پوچھا۔
"ہوں...... اوپر نہیں نیچے...... اوپر تو کوئی نہیں ہے چاچی صبح سے اس کے رشتے کے سلسلے میں کہیں گئی ہوئی ہیں۔" اس کے لہجے کی اداسی کو وہ محسوس نہ کر سکیں۔ مغرب سے کچھ دیر بعد چاچی کی واپس ہوئی...... وہ وہیں نیچے بیٹھ گئیں۔
"بھابی یہ تصویر لائی ہوں' فیملی تو بہت اچھی تھی مگر لڑکا دیکھنے میں ہی غصے کا ذرا تیز لگ رہا تھا۔ میری شفق کا دل تو چڑیا جتنا ہے......" بات کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھرا گئیں۔ عدیل نے تصویر اچک لی۔ سخت سے چہرے والا وہ لڑکا واقعی شفق کے لیے اسے مناسب نہیں لگا تھا۔
"اس کی والدہ تو بڑے فخر سے بتا رہی تھیں کہ اس کے غصے سے سب ڈرتے ہیں۔"
"ہوں۔" تائی بھی جیسے سوچ میں پڑ گئیں۔

❀ ...... ☆ ...... ❀
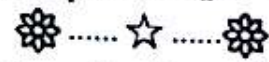
دو دن سے امی کو بخار تھا' عدیل ان کے کہنے پر ہی ماموں کی بیٹی اور صباحت کی ہونے والی نند یعنی اپنی کزن ارم کو لے آیا۔
"یوں تو میں شفق کو ایک آواز دیتی تو وہ دوڑی چلی آتی مگر بیٹا اب تمہیں ہی اس گھر کے طور طریقوں کو سیکھنا' سمجھنا ہے' میں نے کل فون پر تمہاری ماں سے بات کی تھی' میں نکاح والے دن ہی تم دونوں کا رشتہ بھی طے کرنا چاہتی ہوں' فی الحال اس نے کوئی جواب تو نہیں دیا مگر مجھے یقین ہے وہ انکار بھی نہیں کرے گی' آخر بیٹی کا معاملہ ہے اور ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی اپنوں میں ہی جائے۔" ان کی بات پر عدیل کے ساتھ ساتھ ارم نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ لوگ ان دنوں ممانی کے بھائی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے جن کی رہائش اسی شہر میں تھی اور ممانی نے واپس آ کر جواب دینے کو کہا تھا۔
"مگر پھوپو مجھے تو کچن کا خاص کام نہیں آتا...... صباحت کی طرح میں بھی بس کالج میں ہی بزی رہی...... اب تھوڑا تھوڑا سیکھنا شروع کیا ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔ اس لمحے وہ بددلی سے مسکرا کر رہ گئیں۔ عدیل شفق کو بلا لایا وہ آتے ہی شروع ہو گئی۔
"آپ نے بتایا کیوں نہیں تائی امی؟ کل میں نیچے آئی بھی تھی مگر صبا نے بھی ذکر نہیں کیا' میں بھی آپ کہیں گئی ہوئی ہیں' دوائی لی آپ نے۔" وہ بات کرتے ہوئے عدیل کی طرف مڑی' عدیل کے ساتھ کھڑی ارم کو دیکھ کر دل خوف سے لرزنے لگا۔ اس کا اور امی کا وہم شاید سچ ہونے جا رہا تھا' کمال خوبی سے اس نے آنسو چھپائے۔
"میں ابھی آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔" وہ کچن میں چلی گئی' کچن کا پھیلاوا سمیٹ کر تائی کے لیے کھچڑی پکائی' چائے پکا کر انہیں دوائی بھی کھلا دی۔ پھر کتنی ہی دیر بیٹھی ان کا سر اور کندھے دباتی رہی' اس لمحے وہ ارم اور شفق کا موازنہ کرنے لگیں ابھی وہ اسی ادھیڑبن میں تھیں کہ عدیل اور ارم کے ساتھ بھائی بھابی اندر داخل ہوئے۔
"لو تم بیمار پڑ گئیں' ہم مٹھائی لائے تھے' تمہیں بازار لے کر جانا تھا۔" بھائی آتے ہی شروع ہو گئے۔ شفق چائے پکا کر لے آئی۔ انہوں نے ناسمجھی سے پہلے بھائی اور پھر بھابی کی طرف دیکھا۔
"آپا آپ نے کل عدیل اور ارم کے سلسلے میں بات کی تھی' میں کوئی جواب نہیں دے سکی' دراصل جس دن ہم نے صبا کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ کیا تھا' اسی روز میرے بھائی بھابی نے مجھ سے ارم کا ہاتھ مانگا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہوگی کہ میرے دونوں بچے اپنوں میں

ہی جائیں گے' سسرال والے بھی راضی اور میکے والے بھی خوش' ابھی ہم ارم کے لیے وہاں ہاں کہہ کر سیدھے آپ کا منہ میٹھا کروانے آئے ہیں۔'' ممانی جوں جوں اپنی بات مکمل کررہی تھیں' عدیل کے سر پر دھرا بوجھ سرک رہا تھا۔ شفق تو چائے رکھتے ہی باہر چلی گئی تھی' وہ شاید کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی' اس نے مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ عدیل اور ارم کی بات طے ہونے جارہی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں باہر نکلا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔

''میری شفق کے لیے دعا کیجیے گا بھابی...... ایسے میں شفق کا رشتہ غیروں میں تلاش کرنا ہے ہمیں۔'' دیورانی کے جملے ان کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگے۔ وہ تو بس میکے والوں کو ہی اپنا سمجھے بیٹھی تھیں۔ ایسے میں ان کی اپنی بھابی نے کم ازکم ایک رشتہ ان کے ہاں سے کرکے اپنے سسرال والوں کو بھی اپنا ہی سمجھا...... مگر وہ کیا کرنے جارہی تھیں' وہ دیور دیورانی جنہوں نے ہر مشکل میں ان کا ساتھ دیا تھا' جن کے میکے میں ان کی بیٹی کو اپنانے والا کوئی نہیں تھا' ایسے میں وہ بھی انہیں پرایا کرنے والی تھیں' اپنی بیٹیوں کو اپنوں میں بیاہ کر مطمئن ہونے والی' اپنی غمگسار دیورانی کی اکلوتی بیٹی کو غیروں کے حوالے کرنے والی تھیں' وہ ایک جھرجھری سی لے کر اٹھیں' بھائی بھابی تو آرام کرنے اور نکاح والے دن آنے کا کہہ کر چلے گئے' مگر وہ پاؤں میں چپل اڑس کر وہی مٹھائی کا ڈبہ لے کر سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ دونوں ماں بیٹی شاید رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں۔

''عذرا...... عذرا کہاں ہو بھئی...... دو دن سے سوچ رہی تھی اوپر آنے کو...... اس موئے بخار نے ادھ موا کردیا تھا...... تم نے تو جھانک کر نہ دیا اور یہ شفق بھی چلی آئی اوپر...... سانس پھول گیا میرا......'' وہ اسٹول پر بیٹھ گئیں' دونوں نے حیرت سے انہیں دیکھا' ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھامے وہ بیٹھ گئیں' پھر دائیں ہاتھ کی انگلی سے انگوٹھی نکال کر شفق کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا' وہ حیرت سے انہیں دیکھتی آگے بڑھی۔

''دیکھ رہی ہو ناں تائی کا حال...... اب سیڑھیاں چڑھ کر تجھے بار بار بلانے نہیں آسکتی...... پکا پکا کرکے نیچے لے جانا ہی پڑے گا۔'' وہ بڑے دھڑلے سے اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی ڈالتے ہوئے بولیں۔ ''اور تم...... غیروں میں رشتہ دیکھنے لگیں بیٹی کا' اپنوں کے ہوتے ہوئے اپنی جان سے پیاری بیٹی یوں انجان لوگوں کے حوالے کرنے جارہی تھی' کم عقل نہ ہو تو۔'' اب ان کا رخ دیورانی کی طرف تھا۔ شفق کی تلاش میں اوپر آتے عدیل نے حیرت سے یہ منظر دیکھا' شفق تو ابھی تک خواب کی سی کیفیت میں کھڑی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی' دونوں دیورانی جیٹھانی گلے مل رہی تھیں۔

''ان دونوں کے لیے فکر مند تھیں ناں' ہم دونوں اور دونوں کا مسئلہ حل ہوگیا...... اے شفق تمہیں عدیل پسند تو ہے ناں؟'' وہ بات کرتے ہوئے شفق کی طرف مڑیں۔

''ج...... جی تائی امی......'' اس نے جلدی سے انگوٹھی والا ہاتھ دوپٹے کے نیچے چھپالیا' مبادا کہ اسی طرح اتار ہی نہ لیں جیسے پہنائی تھی۔ دونوں مٹھائی کھا رہی تھیں' وہ صبا کو بلانے کی غرض سے نیچے جارہی تھی جب عدیل سے ٹکرا گئی۔

''اس روز بارش میں کیا دعا مانگی تھی؟'' وہ شوخ ہوا۔

''یہی کہ کوئی اپنا ہو جو ساری زندگی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بن کہے سمجھ جائے۔'' اس نے نظریں جھکائیں۔

''اور آپ نے؟'' اچانک خیال آنے پر پوچھا۔

''یہی کہ امی کو 'اپنوں' کی اصل تشریح سمجھ میں آجائے ورنہ وہ تو بس میکے والوں کو ہی اپنا سمجھ رہی تھیں۔'' اس نے سچ میں یہی دعا مانگی تھی۔

''آپ صبا کو لے کر اوپر ہی آجائیں میں چائے پکاتی ہوں۔''

''تم چائے بناؤ میں بازار سے اپنی 'منگنی' کی خوشی میں 'اپنی کمائی' سے 'اپنی مٹھائی' لے کر آتا ہوں' ورنہ امی تو مٹھائی بھی 'اپنوں' کی لے کر آگئی ہیں۔'' وہ شوخی سے کہتا باہر نکل گیا اور شفق دعا کے قبول ہونے پر خوشی کے آنسو بہاتی صبا کو بلانے سیڑھیاں اتر کر ''اپنے'' گھر چلی آئی۔

❀

قسط نمبر 25

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شرمیلا آرزکو اس کے وارث کی خوش خبری سنا کر بے حد مطمئن نظر آتی ہے جب ہی وہ یہ خوشی اپنی ماں سے شیئر کرنے گھر پہنچ جاتی ہے دوسری طرف بتول بھی بیٹی کی منتظر ہوتی ہیں اسے خوش دیکھ کر شاد نظر آتی ہے لیکن جب شرمیلا خود میں پیدا ہونے والی تبدیلی سے آگاہ کرتی ہے تو وہ اس خبر پر خوش نظر نہیں آتی بلکہ مستقبل کے اندیشے مزید گہرے ہوجاتے ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ اولاد کے حصول کے بعد آذر اور شرمیلا کا تعلق ختم ہوجائے گا۔شرمیلا بھی انہی خدشوں میں گھر لوٹ آتی ہے جہاں آذر اسے اپنی محبت اور بھرپور ساتھ کا یقین دلاتا ہے۔مہرین کے لیے دونوں کی یہ قربت بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن وہ اپنے بنے جال میں خود ہی الجھ کر رہ جاتی ہے۔ذہنی سکون کے حصول کی خاطر وہ یہی فیصلہ کرتی ہے کہ جلد ہی آذر اور شرمیلا کے اس نام نہاد تعلق کو ختم کروادے گی۔آفاق شاہ کے باہر جانے پر سفینہ رومیو سے ملنے آفس پہنچتی ہے تاکہ بطور خاص روشنی کی پسند سے مل کر دیگر معاملات دیکھ سکے لیکن روشنی سفینہ کو وہاں آفس میں رومیو کے روبرو دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔دوسری طرف سفینہ بھی فائز کو وہاں دیکھ کر چونک جاتی ہے اسے اپنا گھر بار داؤ پر لگا نظر آتا ہے۔آفاق شاہ سفینہ کے ماضی میں دلچسپی لیتا ہے تو سفینہ کو تمام حالات چھپانا دشوار نظر آتا ہے جب ہی وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں شاہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔سفینہ اور روشنی کے درمیان اختلاف بڑھنے لگتے ہیں اور ایسے میں عائشہ بیگم اہم کردار ادا کرتی ہیں۔سفینہ کی خراب طبیعت پر جہاں شاہ اسے خصوصی توجہ سے نوازتا ہے وہیں روشنی کے لیے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے ایسے میں سفینہ ایک بڑی خوش خبری سنا کر جہاں اسریٰ اور آفاق شاہ کا دامن خوشیوں سے بھر دیتی ہے وہیں روشنی کے بگڑے تیور اسے الجھن میں مبتلا کیے دیتے ہیں۔نبیل کے حالات میں کافی تبدیلی آجاتی ہے اپنی اولاد کو کھونے کے بعد اسے اپنی غلطیوں کا بخوبی احساس ہوتا ہے' موبل کی ذات میں پیدا ہونے والی محرومی کا سبب وہ خود کو قرار دیتا ہے کیونکہ ان دنوں جب موبل کو اس کی توجہ کی ضرورت تھی تب اس کا ناروا سلوک موبل کو اذیت میں مبتلا کیے رکھتا ہے اور انہی تکلیف دہ گھڑیوں کے سبب موبل نہ صرف اپنے بچے کو کھو دیتی ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے ماں جیسے رتبے پر فائز ہونے سے محروم ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے:

❁......❁......❁

سفینہ نے نظریں چرائیں اور حالات کے اس موڑ تک آکر اپنا سر تھامتے خیالوں میں غلطاں ہوگئی۔سفینہ آفاق جو اس سے قبل جوش میں بھری فائز جلال کو مزید سنانے کے موڈ میں تھی' چہرے پہ پھیلی اداسی اور گہری نگاہوں سے چھلکتے شکووں کے آگے اس کی زبان کو ایک دم بریک لگ گیا۔

مقناطیسی خدوخال کے ساتھ اس کا بھرپور سراپا فائز کی وجاہت میں اب بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی' سرد آہ بھرنے کے بعد سفینہ نے نگاہ اٹھائی۔فائز کی پُراثر شخصیت کا سامنے کھڑی اس کی کزن پر رتی برابر بھی اثر نہیں پڑ رہا تھا' اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ سفینہ ایک مشرقی لڑکی تھی اس کے اندر تک اپنے شوہر شاہ کی محبت کی جڑیں پھیل چکی تھیں' اسی لیے کوئی دوسرا

بچ ہی نہیں سکتا تھا' چاہے وہ اس کی پہلی محبت فائز ہی کیوں نہ ہو ویسے بھی وہ ابھی تک شاک میں تھی' رومیو کی شکل میں فائز کا ہونا اسے ایک بڑی مصیبت میں ڈال سکتا تھا' روشنی اس سے شادی کی ضد لگائے بیٹھی تھی یہ سب سوچ کر سَنی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ماضی کی پرچھائی تو کہیں دور جا چکی تھیں' اسے تو بس اپنے مستقبل کی فکر تھی۔ فائز کے سامنے کھوئے ہوئے انداز میں نگاہیں جھکائے کھڑی سفینہ کا دماغ کہیں بھٹک گیا تھا۔ اس وقت دل میں یہ ہی بات چل رہی تھی کہ فائز کی وجہ سے اس کی اپنی شادی شدہ زندگی میں آنے والے طوفان سے کیسے نبرد آزما ہو۔

''اگر کسی کو خبر ہوگئی کہ میں اپنے ماضی کے سامنے آ بیٹھی ہوں تو کیا ہوگا۔'' وہ پریشانی سے اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

''اب سَنی مجھ سے کیا چاہتی ہے؟'' فائز نے ہونٹ بھینچ کر سوچا۔

''اگر شاہ کو یہ بات پتا چل جائے کہ اس کے منیجر کے ساتھ میرا کیا تعلق رہا ہے۔'' یہ سوچتے ہی سفینہ کے وجود پر کپکپی طاری ہوگئی۔

''اس کا حسن شادی کے بعد کتنا نکھر گیا ہے۔'' فائز سفینہ کو ایک ٹک دیکھے جارہا تھا۔

''چہرے کی چمک سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شاہ کے ساتھ کتنی مطمئن اور پُرسکون زندگی گزار رہی ہے۔'' اسے دل سے ایسی بے تکلفی کی ہرگز امید نہ تھی مگر چاہتے ہوئے بھی وہ نگاہ ہٹا نہیں پارہا تھا۔

''ماضی کا شائبہ دور دور تک نہیں۔'' دل میں ایک کسک سی پیدا ہوئی مگر سفینہ کے وجود کی لرزش پر اسے ایک دم ترس آنے لگا' وہ بے اختیار ہو کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پہلے کی طرح تسلی دینے کا خواہاں ہوا اور اس کی جانب بڑھا۔

''اپنی حدود کا خیال رکھو۔'' سفینہ نے چونک کر کاندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کو ایسے جھٹک دیا جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ تاریکی نے فائز کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

❁......❁......❁

آزر شرمیلا کو سمجھاتے کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شرمیلا کو اس کے بچے سے الگ نہیں کرسکتا' شوہر کی محبت بھرے نرم انداز پر اسے چند لمحوں کے لیے قرار آجاتا۔ مگر ہر نئے دن کے ساتھ نیا دوسوسہ اس کے سامنے منہ اٹھائے آ کھڑا ہوتا۔ فون بند کرنے والے واقعے کے بعد سے مہرین نے آزر سے مسلسل بحث و مباحثہ جاری رکھا' دونوں کے مابین ناراضی اتنی بڑھ گئی کہ نوبت علیحدگی تک جا پہنچی تھی' مہرین نے ان سے طلاق کا مطالبہ کردیا۔ آزر ہکا بکا رہ گئے' جو کچھ بھی تھا' وہ ان کی پہلی محبت ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانی بیوی تھی' وہ اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے تھک ہار کر پسپائی اختیار کرلی اور مہرین کا مطالبہ مانتے ہوئے شرمیلا کے پاس جانے کے معاملے میں وقتی طور پر محتاط ہوگئے۔

آزر کے اس طرح پیچھے ہٹنے پر شرمیلا کے وجود میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی' ان کے کہے ہوئے الفاظ کہ وہ اسے اپنے سے دور جانے نہیں دیں گے کہیں کھو کر رہ گئے' اس کا سارا اعتماد زائل ہوگیا اور ماں کے اندیشے سچ ہوتے دکھائی دیئے۔ وہ زود رنج ہونے کے ساتھ ساتھ عدم تحفظ کا شکار رہنے لگی اس نے اپنے ہاتھوں سے خود کو سولی پر چڑھایا تھا۔ مگر اب احساس ہوا کہ ایسی قربانی دینا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔

مہرین ہمیشہ اسے اپنے پیسے اور طاقت سے مرعوب رکھنا چاہتی لیکن شرمیلا کے وجود میں بدلاؤ آگیا تھا' اسے اب کسی سے کوئی سروکار ہی نہ رہا تھا' مادی لحاظ سے کافی کچھ مل جانے کے باوجود اس کا دل مکمل طور پر خالی ہوچکا تھا۔ اس کی زندگی کی اب ایک ہی خواہش تھی کہ وہ اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ باقی کی زندگی گزارے' وہ ان دونوں کو کھونا نہیں چاہتی تھی' مگر اپنی موت کے پروانے پر تو اس نے خود دستخط کیے تھے۔

ڈیلیوری میں ابھی وقت باقی تھا مگر شرمیلا کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی' کبھی بی پی شوٹ کر جاتا' کبھی آئرن کی کم ہوجاتی' ڈاکٹر بھی اس کی حالت پر تشویش کا اظہار کرنے لگی۔ آزر کے لیے یہ زندگی کا سب سے مشکل دور تھا' ایک طرف مہرین کی جاسوسی' دوسری جانب شرمیلا کا خیال' اس دن بھی وہ ڈاکٹر کے پاس سے روٹین وزٹ کے بعد گھر لوٹے تو شرمیلا کو کھویا کھویا پایا۔ ان کے محبت سے پوچھنے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور دل میں پلنے والے اندیشے ان کے سامنے رکھ دیئے' اسے ہر وقت اپنے بچے کی فکر سوار رہتی تھی۔ ماں بننے کے مراحل سے گزرنے سے پہلے اسے اس بات کا احساس نہ تھا کہ اپنے بچے کو کسی اور کو دے دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس نے رو رو کر جب آزر سے پوچھا کہ کیا مہرین کبھی کبھار مجھے اپنے بچے کو دیکھنے کی اجازت دے دے گی۔ اس کی حالت پر آزر کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔ وہ خود کو اس کا مجرم تصور کرنے لگے' انہیں شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ مہرین کے اس گھناؤنے کھیل کا حصہ کیوں بنے۔

''میں اپنے بچے سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اسے کبھی نہیں بتاؤں گی کہ میں ہی اس کی اصل ماں ہوں۔'' شرمیلا نے خیالوں میں کھوئے شوہر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر یقین دلانا چاہا تو آزر کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ اٹھا۔

''میں اسے صرف دور سے دیکھا کروں گی...... آپ بس مجھ سے اپنا نام الگ نہیں کریئے گا۔'' اس کی روتی تڑپتی ممتا پر انہیں بری طرح سے ترس آیا۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔'' آزر کو احساس ہوا کہ ایک ماں سے اس کے بچے کی خرید وفروخت کیسا غلیظ عمل ہے۔

''کچھ نہیں ہوگا کیوں پریشان ہوتی ہو۔'' وہ شرمیلا کے گرد اپنا ہاتھ پھیلا کر تسلی دینے میں مصروف ہوگئے مگر ان کے انداز کا کھوکھلا پن۔ شرمیلا کی وحشت کو بڑھاوا دینے کا باعث ہوا۔

❁......❁......❁

''یہاں بیٹھ جاؤ پلیز۔'' فائز نے اس کے ردعمل پر اپنے دل میں اس کی عزت کو دوچند ہوتا محسوس کیا اور کپکپاتی ہوئی سفینہ کو اشارے سے کرسی پیش کی۔

''شاہ کے ساتھ کب سے کام کر رہے ہو؟'' وہ میکانکی انداز میں بیٹھ گئی اور غائب دماغی سے پوچھا۔

''بہت طویل عرصہ نہیں ہوا۔'' فائز نے مسکرا کر تسلی آمیز لہجے میں جواب دیا۔

''تایا ابا کیسے ہیں؟'' اسے کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو دھیرے سے پوچھا۔

''ویسے ہی ہیں۔ حالت میں کچھ بہتری نہیں آئی بلکہ طبیعت دن بہ دن بگڑتی جارہی ہے اب تو انہوں نے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔'' باپ کا ذکر کرتے ہوئے فائز کا لہجہ نم ہوا۔ ان دونوں کے بیچ خاموشی کا طویل دورانیہ آ گیا۔

''یقین جانو مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ آفاق شاہ کی شادی تم سے ہوئی ہے۔'' فائز نے خود سے ناگوار خاموشی کو توڑا۔

''میں نہیں مانتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور گلابی کلی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

''میں اس معاملے میں بے قصور ہوں' اگر ذرا بھی بھنک مل جاتی تو یہاں کبھی نوکری نہیں کرتا۔''

''اب تو پتا چل گیا ہے ناں؟'' وہ ایک دم دوبارہ سے حواسوں میں لوٹتے ہوئے برہم نظر آئی۔

''ٹھیک ہے تم یہ بتاؤ اب کیا چاہتی ہو؟'' اس نے ہار مانتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ ہمیشہ کی طرح فائز نے گیند اس کی کورٹ میں پھینکی اور منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''میری زندگی سے بہت دور چلے جاؤ۔'' وہ دل پر جبر کر کے خودغرض بن گئی۔

''او کے چلا جاتا ہوں۔'' فائز نے زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اثبات میں سر ہلایا۔

فائز کے ہتھیار ڈالنے پر اس کے دل میں سکون اترتا چلا گیا لیکن اپنی امید پوری ہونے کے باوجود جانے کیوں اس کی اداسی کم نہ ہوئی۔

"ایک بار پھر میں نے اسے اپنے آپ سے دور کردیا۔" سفینہ کا دل ڈوبنے لگا۔

"اور کوئی حکم؟" فائز نے براہ راست اس کی آنکھوں میں شکایتی انداز میں جھانکا تو وہ نگاہیں چرا گئی۔

"شاہ کے دبئی سے لوٹ آنے پر تم ریزائن دو گے ناں؟" سفینہ نے اپنا پرس تھامتے ہوئے ایک بار پھر یقین دہانی چاہی تو فائز نے لب بھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ چپ چاپ بڑی حسرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔ بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں اتار سکوں گی۔" دو قدم بڑھنے کے بعد وہ لوٹ آئی اور نگاہیں جھکا کر پُرتشکر انداز میں اعتراف کیا۔ فائز سے کچھ بولا ہی نہیں گیا سفینہ بیگ کاندھے پر لٹکاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئی۔ سفینہ کے جاتے ہی فائز کی ہمت جواب دے گئی اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ کافی دیر وہ اسی انداز میں بیٹھا رہا۔ دل جو بڑی مشکلوں سے جینے کا عادی ہوا تھا اس پر ایک بار پھر موت کا سکوت طاری تھا۔

"میں اب یہاں سے اور سفینہ کی زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا۔" اس نے کیبن کا جائزہ لیتے ہوئے سرد آہ بھری سامنے رکھی فائل پر نگاہ گئی جو روشنی نے اسے چیک کرنے بھجوائی تھی۔

"روشنی کا کیا ہوگا۔" اچانک ایک خیال دل میں در آیا اسے احساس ہوا کہ معصوم سی اس لڑکی سے دور جانا اب اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ قسمت کے اس کھیل پر حیران ہوا۔

اسے روشنی سے انسیت ہو چلی تھی مگر وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ سر پھری سی لڑکی پور پور اس کی محبت میں ڈوب چکی تھی اس کا خیال آتے ہی وہ گومگو کا شکار ہو گیا ایک طرف سفینہ تو دوسری جانب روشنی آ کھڑی ہوئی وہ سوچنے لگا کہ اب اس راہ پر بڑھنا ہے یا پھر پلٹنا ہے۔

❁......❁......❁

"کاش میں شرمیلا کو آزر کی زندگی اور دل سے دور کر پاؤں۔" مہرین کے لیے دنیا کی ساری بہاریں سارے رنگ اور موسم کی رعنائیاں اپنا حسن کھو چکی تھی۔

"میں نے خود اپنے دل کا خون کیا ہے۔" اس کا دل بہت بوجھل ہونے لگا۔

"میں بے رحم بننا نہیں چاہتی۔ مگر آزر کی محبت نے مجھے مجبور کردیا۔" حالت عجب ہونے لگی شرمیلا کا سکون اس کے لیے باعث اذیت تھا۔ وہ آزر کو اس کے ناز نخرے اٹھاتا دیکھتی تو اللہ سے شکوہ کرنے بیٹھ جاتی کہ اس کے دامن میں اولاد جیسی نعمت کیوں نہیں رکھی۔

مہرین ملازمین کے ذریعے شرمیلا کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھواتی مگر خود اس کے کمرے کے قریب پھٹکتی بھی نہ تھی۔ ڈاکٹر کے وزٹ باقاعدگی سے ہوتے۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود ان دونوں کا رشتہ اجنبیوں جیسا تھا ایسے اجنبی جو کچھ لمحوں کے لیے آشنا بنے تھے۔ وہ سائیڈ دراز کھول کر سر درد کی ٹیبلٹ تلاش کرنے لگی تو ایک دم سے اس کے سامنے اپنی شادی کی البم آ گئی بے اختیار ہو کر اسے نکالا اور بڑی حسرت سے ایک ایک تصویر دیکھنے بیٹھ گئی۔ صفحہ پلٹتے ہوئے ولیمے کی ایک تصویر سامنے آئی جس میں آزر دلہن بنی مہرین کو بڑی وارفتگی سے تک رہے تھے اور اس کے اپنے چہرے پر بڑی دلنواز سی شرمیلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مہرین بہت دیر تک اپنی گود میں البم رکھے اس تصویر کو تکتی رہی اچانک آنسو ایک کے بعد ایک پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے گالوں پر پھسلنے لگا۔ تصویر پر یہ قطرے تواتر سے گرتے گئے تو اس نے دوپٹے سے انہیں صاف کیا اور البم بند کر کے واپس دراز میں رکھ دی۔

ثناء کلثوم

السلام علیکم! سب سے بڑا تعارف تو خاموشی ہے ایک تعارف یہ بھی ہے کہ انسان ہونا کسی اعزاز سے کم نہیں۔ کتابوں سے عشق ہے پانی سے پیار ہے لفظوں سے کھیلنا اور پانی سے مسحور ہونا میرا مشغلہ ہے۔ یہ حرف حرف جوڑ کر لفظ بنتا ہے یہی لفظ میری زندگی ہے وہ لفظ جو میرے کانوں میں پڑے زبان سے ادا ہوئے آنکھوں نے پڑھے میری یادداشت نے سوچے یہ سب میری زندگی ہے۔ نفرت مجھے حاسد سے ہے حسد سے نہیں گناہ سے ہے گناہگار سے نہیں۔ سکوت کمزوری ہے ہنسنا مجبوری ہے۔ رنگ مجھے گلابی اور سفید پسند ہے کھانے میں سب کچھ کھالیتی ہوں آخر میں سب کے لیے سلام پیار اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں زندگی اسٹیج ہے اور اس پر سب نے آنا اپنا کردار ادا کرنا ہے اور واپس چلے جانا ہے والسلام۔

ماضی کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے بہت ساری کھٹی میٹھی باتیں یاد آئیں کانوں میں آزر کی پیار بھری سرگوشیاں گونج اٹھیں وہ سب باتیں اب خواب وخیال بن چکی تھیں ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے ان کا رویہ اتنا اجنبی ہوگیا تھا کہ وہ بلاوجہ مجرم بن کر رہ جاتی ان کے محبت کے سارے دعویٰ ایسے جھوٹے ثابت ہوں گے یہ بات تو اس کے وہم وگمان بھی میں نہیں تھی۔ آزر تو مہرین کے بغیر سانس لینے کو بھی دوبھر سمجھتے تھے۔ جب تک مہرین ان کے پہلو میں نہ آلیٹے نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور رہتی اور شرمیلا کے ان کی زندگی میں شامل ہوجانے کے بعد سے وہ دھیرے دھیرے کیسے اس سے دور ہوچکے تھے۔ یہ بات اس کے لیے ناقابل فراموش تھی اب ایسا وقت بھی آنا تھا کہ وہ اس کے بغیر شرمیلا کے ساتھ ایسی خوشگوار نیند میں گم ہوجاتے کہ مہرین کی کال بھی ریسیو نہیں کرپاتے تھے۔

''ہم دونوں کے بیچ کی یہ دوریاں میری اپنی پیدا کردہ ہیں۔'' اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

''آزر نے مجھے سب کچھ دیا مگر اب انہیں کیا ہوگیا؟ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا۔ وہ مجھے کیوں نہیں سمجھ پائے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ان کی چاہت میں کیا۔ انہیں اولاد کی خوشی دینے کے لیے سوکن کا دکھ جھیلا اور وہ میری قربانی کا اعتراف کرنے کی جگہ ظالم اور خودغرض ٹھہراتے ہیں۔ میرا وجود یوں ہوکر رہ گیا ہے جیسے میں خودرو پودے کی طرح ایک اضافی شے کی طرح ان کے وجود سے چمٹی ہوئی ہوں۔ ان کا خلوص کھوگیا محبت کے کچے رنگ کیسے ناپختہ نکلے۔ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ مگر اسے ماننا ہی ہوگا۔ میری خوش فہمیوں نے مجھے تباہ کرکے رکھ دیا مگر اب میں آزر کو خود سے دور جانے نہیں دوں گی۔ میں شرمیلا کو اپنا گھر اجاڑنے نہیں دوں گی میں اسے برباد کردوں گی۔ بس ایک بار آزر کی اولاد اس دنیا میں آجائے پھر اس لڑکی کا وہ حشر کروں گی کہ وہ یاد رکھے گی۔'' ایک کڑواہٹ ایک ان دیکھی آگ اسے بھسم کرنے لگی جانے کیا ہوا وہ ایک دم دانت کچکچانے لگی۔

مہرین کا ذہن آزر کو محبت کی شدتوں کے ساتھ اپنی طرف متوجہ دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

❁......❁......❁

سفینہ کو فائز کے کمرے میں موجود پاکر روشنی کے دماغ میں ایسی ہلچل مچی کہ اس کے ہوش وحواس گم ہوگئے۔

''کہیں یہ میرا وہم تو نہیں۔'' وہ سفینہ اور فائز کے درمیان ہونے والی باتوں پر بھونچکا تھی۔

''مگر میں نے تو ریسپشن پر بھی پتا کیا تھا'' یہ حقیقت تھی کہ بھابی ہی فائز کے کمرے میں موجود تھیں اور اسے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تھیں۔'' اس کا دل ہر شے سے ایک دم اچاٹ ہوگیا۔ کسی کو بتائے بغیر وہ آفس کی عمارت سے بہت تیزی سے باہر نکلی اور اردگرد کے ماحول سے بے نیاز اپنی دھن میں مگن سڑک پر سیدھی چلتی چلی گئی دوپہر تک چمکنے والا سورج

سرمئی بادلوں میں جا چھپا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی کن من بارش برسنے لگی تو روشنی نے چونک کر سر اٹھایا' اس ناگہانی سے بچنے کے لیے وہ گھبرا کر قریبی درختوں سے مزین' اجنبی راستے کی طرف چل دی' جہاں اس سے قبل کبھی گزر نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے ساتھ قطار در قطار دور تک پھیلے درختوں کے گرے ہوئے سوکھے پتوں کی بہتات تھی۔ کچھ حصے بارش میں بھیگنے کے بعد بہت زیادہ اداس دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مبہوت سی کھڑی یہ نظارہ دیکھنے لگی' اپنا وجود بھی اسی اداسی کے منظر کا حصہ لگا۔ وہ گھر جانا بھول گئی' آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' ذہن کھویا کھویا سا تھا' بھابی کی باتیں اس کے دل میں خنجر کی طرح گڑی جا رہی تھیں۔

''وہ رومیو کو آفس چھوڑنے کا کیوں کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی محبت کو اس سے دور کرنا کیوں چاہتی ہیں بھابی ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ ان کا رومیو سے ایسا کیا تعلق ہے جو وہ اتنے استحقاق سے اسے حکم دے رہی تھیں؟ کہیں بھابی ہی تو رومیو کی جولیٹ نہیں' جن کی محبت میں اس نے دنیا چھوڑ رکھی ہے۔'' روشنی کے دماغ میں جھماکے ہونے لگے' وہ سر تھام کر گیلی چکنی زمین پر کپڑے خراب ہونے کا خیال کیے بنا بیٹھتی چلی گئی۔

بارش ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی' وہ سمجھ نہیں پائی کہ آگے بڑھے یا واپس پلٹ جائے' گاڑی بھی پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے تو کیا کرے' صورت حال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے اس نے بے بسی سے بیگ میں ہاتھ مار کر سیل فون تلاش کرنا شروع کیا تاکہ ڈرائیور کو کال کر کے یہاں بلائے مگر وہ کسی طرح بھی ہاتھ نہیں آیا۔ اچانک بیل بجنے کی آواز پر وہ اچھل پڑی' پھر خیال آیا یہ تو اسی کا فون ہے۔ اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے سیل نکال کر بات کی تو سکون کی لہریں اندر تک دوڑ گئیں۔ ان کا پرانا ڈرائیور اس کی اچانک گمشدگی پر پریشان ہو کر کال کر رہا تھا۔ روشنی نے اسے مین روڈ پر گاڑی لانے کا کہا اور بہت تیزی سے واپس ہوئی' بارش کی پروا کیے بغیر گالوں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی اسی راہ کی جانب بڑھتی چلی گئی' جہاں سے آئی تھی۔

❁......❁......❁

اپنی ہونے والی اولاد کی محبت میں گرفتار اندیشوں کے منجدھار میں پھنسی ہوئی شرمیلا ایسے ماحول میں بہت زیادہ دکھی اور اداس رہنے لگی بڑھتی ہوئی گھٹن سے نکلنے کا ایک ہی راستہ سمجھ میں آیا تو مہرین کے سامنے اپنی درخواست لے کر پہنچ گئی اور بلک بلک کر روتی رہی۔

''کیا میں اپنے بچے کی خاطر یہاں رہ سکتی ہوں؟'' اس کی مامتا تڑپی۔

''ایسا ممکن نہیں۔'' مہرین آزر کا انداز بڑا ظالم تھا۔

''سودا بازی میں ہمدردی کا کیا سوال۔'' مہرین پیسے کے نشے سے چور تھی' اس لیے اس کے اندر کی انسانیت کہیں جا چھپی تھی۔ اس کا ضمیر گہری نیند سو چکا تھا۔ ورنہ وہ کبھی بھی ایک ماں سے اس کے بچے کا سودا نہیں کرتی' جہاں خود غرضی ہو وہاں انسانیت نہیں رہتی' صرف نفع' نقصان کا حساب ہوتا ہے۔

''پلیز اس بہانے میں اسے دیکھ سکوں گی؟'' آنکھوں سے سمندر بہتا گیا۔

''میں تمہارا سایہ بھی یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ عورت سے فرعون بن گئی۔

''آپ فکر نہ کریں میں آزر کی زندگی سے چلی جاؤں گی' مگر مجھے اس گھر میں اپنے بچے کی آیا کا درجہ دے کر ہی رکھ لیں۔''

''میں تم سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی' چاہے وہ ایک نوکرانی کا ہی کیوں نہ ہو؟'' نفرت زدہ لہجہ شرمیلا کو اندر تک ہلا گیا۔ وہ ایک لمحے کو خاموشی سے سامنے کھڑی سرخ قیمتی لباس میں ملبوس انگارے کی طرح دہکتی عورت کو دیکھنے لگی' دل

غزل

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں میرے دل سے بوجھ اتاردو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خدوخال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو میرے سارے رنگ اتاردو
کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے نہ کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ دو میں بگڑ گیا ہوں سنواردو
میری وحشتوں کو بڑھادیا ہے جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھ ذرا میری دھڑکنوں کو قرار دو
تمہیں صبح کیسی لگی کہو میری خواہشوں کی دیار کی
جو اچھی لگی تو یہیں رہو اسی چاندنی میں گزار دو

انتخاب:عائشہ چوہدری.....کڈھالہ

میں ایک ہوک سی اٹھی۔

''کیا میرے بچے سے کوئی رابطہ بھی نہیں رہے گا۔''

''بالکل بھی نہیں۔''اس نے نخوت سے سر ہلایا۔

''اگر میں آپ کو یہ بچہ دینے سے انکار کردوں پھر؟''اس کے وجود میں سوئی ضد شرمیلا جاگی۔

''تو پھر تمہارے ساتھ تمہاری ماں بہنیں بھی سڑکوں پر رلتی پھریں گی۔''مہرین نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھمکی دی۔اس کا جوش بیٹھ گیا' ضد کو اس نے دبادیا اور ایک بار پھر چپ رہ گئی۔

''ٹرسٹ می میں ایسا کرسکتی ہوں۔''شرمیلا کی اتری صورت دیکھ کر مہرین کے لبوں سے ظالمانہ ہنسی پھوٹ پڑی۔

''میرے ہاتھ معاہدہ کر کے یوں بندھ نہ گئے ہوتے تو میں اتنی مجبور نہ ہوتی اور کبھی یہ ظلم نہ ہونے دیتی۔''اس کا دل کراہا اور مہرین کے لیے دل میں نفرت پنپ اٹھی۔

''ایک بات کان کھول کر سن لو تم نہ تو اپنے بچے سے کبھی ملوگی اور نہ ہی آزر سے کوئی تعلق رکھوگی' میں تم دونوں کے طلاق کے کاغذات بنوارہی ہوں' جلد ہی تمہیں اپنے شوہر کی زندگی سے نکال کر دور پھینک دوں گی۔''اس کے انداز میں حقارت جاگی۔

''اللہ......''شرمیلا نے آسمان کی طرف دیکھ کر فریاد کی۔

''تم بھول جانا کہ تمہارا ہمارے جیسے معزز اور رئیس خاندان سے کبھی کوئی تعلق رہا ہے۔''اس نے جتایا۔''یہاں سے جانے کے بعد ہم سے کسی قسم کا کوئی تعلق یا رابطہ نہیں رکھنا۔

''مگر یہ میرا بچہ ہے اور میں اس کی ماں ہوں آپ اس حقیقت کو کیسے جھٹلاسکتی ہیں؟''اس نے اعتراض کیا۔

''میں نے سب سوچ لیا ہے اس کی پرورش میں اپنے ڈھنگ سے کروں گی۔''وہ ہنسی۔''کبھی پتا نہیں چلنے دوں گی کہ اس کی ماں کوئی اور ہے۔''وہ اسے مستقبل کی منصوبہ بندی سے آگاہ کرتی ہوئی بڑی خوش لگی۔

''میں آپ کو ایسا ظلم نہیں کرنے دوں گی۔''شرمیلا ایک دم چلا اٹھی۔

”تم کچھ نہیں کرسکتی مجھے معاہدے کی شکل میں قانونی تحفظ حاصل ہے اور اگر تم نے اس کے باوجود کبھی ایسا کیا تو میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی طاقت بھی رکھتی ہوں۔“ اس کا لہجہ پُرغرور ہوا شرمیلا دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔

اس کا زہر آلود لہجہ آزر کے کانوں میں بھی پڑا شرمیلا کے چہرے کی نیلی پڑتی رنگت دکھائی دی تو اندر آتے آزر کو مہرین سے نفرت محسوس ہوئی۔

❁......❁......❁

سائرہ چمچہ بھر کر دلیہ شوہر کے منہ میں ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کا منہ پونچھتی جارہی تھیں۔ کرسی پر بیٹھے دلیہ کھاتے جلال خان کے چہرے پر بڑا سکون پھیلا ہوا تھا' سائرہ نے اس سے پہلے کبھی ان کو اس قدر مطمئن نہیں دیکھا تھا' انہوں نے فجر میں اٹھ کر بیوی سے وضو کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اشاروں میں نماز ادا کی تھی۔ پورا باؤل کھلانے کے بعد وہ پانی لینے کچن کی جانب بڑھی کہ اچانک پیچھے دھڑام سے گرنے کی آواز آئی وہ مڑیں تو دیکھا جلال خان فرش پر الٹے پڑے تھے' ان کے دل میں شدید درد اٹھا تھا' سائرہ کے ہاتھ سے باؤل گر گیا اور وہ چلاتی ہوئی ان کی جانب دوڑیں۔ ماں کے ایسے چلانے پر آفس جانے کی تیاری کرتے فائز کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جب تک فائز اور سائرہ نے آ کر انہیں اٹھایا وہ بے ہوش ہوچکے تھے۔ دلشاد بیگم بھی داماد کی بگڑتی حالت پر ایک دم پریشان ہوگئیں۔ فائز نے ماں کے کہنے پر تیزی سے کار نکالی باپ کو بانہوں میں بھر کر پچھلی سیٹ پر لٹایا اور تیزی سے گاڑی بھگاتا ہوا قریبی اسپتال جا پہنچا' جلال خان کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا مگر تھوڑی دیر میں ہی ڈاکٹر نفی میں سر ہلاتے ہوئے باہر آ گئے' ڈاکٹر نے ان کے حرکت قلب بند ہونے کی تصدیق کردی تھی۔

شوہر کے گزر جانے کا سن کر سائرہ ایک دم زور سے چلائیں۔ دادا جان کے دنیا سے جانے کے بعد فائز کے سر سے دوسری بار مہربان آسمان ہٹا تھا' ایک بار پھر وہ تپتی دھوپ میں آ کھڑا ہوا تھا' دل پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے وہ روتی مچلتی ماں کو سہارا دینے لگا۔ وقت نے کیسے فاصلے پیدا کردیئے تھے' خونی رشتوں کی موجودگی کے باوجود وہ دونوں تنہا اسپتال میں کھڑے تھے۔ ایک وقت تھا کہ ان کے اردگرد بھی اپنوں کا گھیرا ہوا کرتا تھا' جو ان کی تکلیف پر ساتھ آ کھڑے ہوتے تھے۔ دل نے ایک کاندھے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جس پر سر رکھ کر وہ رو سکے۔ اس نے کچھ سوچ کر ماں سے الگ ہوتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا۔

بہزاد کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ ان کے بڑے بھائی چپکے سے دنیا چھوڑ گئے ہیں' انہیں لگا زندگی بکھر گئی ہو۔ وہ بیوی کو لے کر فوراً بھائی کے سسرال بھاگے۔ فائز اس غم کی گھڑی میں چاچا چاچی کو یہ خبر کیسے نہ دیتا۔ وہ چاہتا تھا کے سنی بھی اپنے پیارے تایا جان کا آخری دیدار کرلے' مگر اس نے خود کو اسے اطلاع دینے سے باز رکھا۔

ریحانہ شوہر کو پورے راستے حوصلہ تو دیتی رہی مگر بہزاد کی خواہش کے باوجود سفینہ کو یہ اطلاع نہیں دی۔ وہ دونوں جب گلی میں داخل ہوئے تو دلشاد بانو کے گھر کے باہر شامیانہ لگا ہوا تھا' دری چاندنی پر محلے کے لوگ بیٹھے تھے' ایصال ثواب کے لیے سپارے پڑھے جارہے تھے۔ چاچا کو دیکھتے ہی انتظامات میں مصروف فائز کا صبر ٹوٹ گیا' وہ دوڑ کر ان کے پاس آیا اور بچوں کی طرح لپٹ گیا بہزاد نے بھتیجے کو سینے سے لگالیا اور باپ جیسے بھائی کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔

ریحانہ گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئیں۔ جہاں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ریحانہ نے عورتوں کی بیچ میں سفید دوپٹہ اوڑھے بیٹھی جٹھانی کو دیکھا جو پہلے سے کمزور لگ رہی تھیں۔ یہ عورت بھی ریحانہ کے لیے خوف کی علامت ہوا کرتی تھی' آج حالات کے ہاتھوں کس قدر مجبور اور تھکی تھکی دکھائی دی' شاید مکافات عمل اسی کا نام ہے۔ اپنے

خیالات کو جھٹکتے ہوئے ریحانہ ان کی جانب بڑھی۔ سائرہ نے دیورانی کو دیکھ کر مزید بلکنا شروع کر دیا...... ایسے وقت میں ریحانہ کی آنکھ بھی اشک بار تھی۔ وہ سائرہ سے لپٹ کر بری طرح سے رودی۔

جلال خان کی تدفین دوسرے دن ہونا تھی' بہنوئی کے انتقال کی خبر سنتے ہی شکیل نے اپنی بیوی نرما کے ساتھ وطن واپسی کا ارادہ باندھا اور ماں کو کال کر کے آنے کی اطلاع دی تو تدفین ان کے آنے تک ملتوی کر دی گئی' گاہے بگاہے دلشاد بانو کی طرف سے سسکی' ایک آہ بھی ابھر آتی۔ ان کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے' وہ یہاں سے وہاں کچھ نہ کچھ کرتی پھر رہی تھیں' بیٹے کے آنے کی خوشی ملی بھی تو کس وقت جب داماد کا پہاڑ سا غم آن پڑا تھا' یہ ہی زندگی تھی۔ وہ بولائی بولائی سی کبھی بیٹی کو گلے لگا کر چپ کراتیں تو کبھی محلے کی خواتین کو سپارے دینے لگ جاتیں۔ باتوں کی بھنبھناہٹ پر وہ ایک دم خفا ہو کر خواتین کے گروپ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''میری بیٹی بیوہ ہوگئی اور ان لوگوں کی باتیں ہی ختم نہیں ہورہی۔'' دلشاد نے باتوں میں مشغول خواتین کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھا۔

''چلو ری یہ بیچ میں رکھ دو۔'' محلے کی ایک بچی سے کہہ کر چادر بچھوائی اور اس پر گھٹلیاں پھیلا دیں اور عورتوں کو اشارے سے پڑھنے کے لیے کہا۔

''تایا جان۔'' ریحانہ سائرہ کو پانی پلا رہی تھی کہ اچانک دروازے سے روتی ہوئی سفینہ داخل ہوئی۔

''یہ کیسے یہاں آگئی؟'' وہ ہکا بکا رہ گئیں' ان کے منع کرنے کے باوجود بہزاد نے بیٹی کو یہ افسوس ناک خبر دے دی تھی۔

''یا اللہ کاش یہ خبر جھوٹی ہو۔'' سفینہ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی عشواماں کو بتائے بغیر ڈرائیو کے ساتھ تایا کے گھر روانہ ہوگئی۔ روشنی آفس گئی ہوئی تھی۔

''سفی میری بچی صبر کر۔'' ریحانہ نے بڑھ کر بیٹی کا استقبال کیا۔

''ایسا اچانک یہ کیسے ہوگیا؟'' وہ بلبلائی۔

''ہائے میری بچی دیکھ تیرے تایا مجھے چھوڑ گئے۔'' سائرہ بھی اس سے چمٹ گئی اور روتے ہوئے بین کرنے لگیں۔

''مجھے تایا جان کے پاس لے چلیں۔'' وہ روتے ہوئے ضد کرنے لگی۔

''ہائے اللہ۔'' سفینہ جلال خان کا چہرہ دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ریحانہ کو اس کی طبیعت کی فکر ہوئی۔ اس نے بہزاد کو کال کر کے سفینہ کی بے ہوشی کا بتایا تو انہوں فائز کو اندر بھیجا۔ جس کا دل سفینہ کی حالت پر دکھ سے بھر گیا' اس نے دری پر بے ہوش سفینہ کے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے۔ اسے آوازیں دینے لگا۔ ریحانہ اور سائرہ بھی اسے اپنی گود میں لٹا کر پکارنے لگیں۔

فائز کے والد کے انتقال کی خبر سن کر روشنی آفس کے دوسرے کولیگ کے ساتھ افسوس کرنے پہلی بار رومیو کے گھر آئی تھی' یہاں کا منظر دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ خواتین کے گھیرے میں اس کی بھابی بے ہوش پڑی تھیں اور فائز بڑی پریشانی کے عالم میں ریحانہ کے ساتھ بے ہوش سفینہ کو ہوش میں لانے کی تدابیر کر رہا تھا۔ روشنی کا وہاں رکنا محال ہوگیا' وہ ان سب کی نگاہوں سے بچتی ہوئی الٹے قدموں لوٹ گئی۔

✿......✿......✿

''اللہ کے لیے آزر میری مدد کریں۔'' وہ روتی ہوئی شرمیلا کو بانہوں کے گھیرے میں لے کر کمرے میں لوٹے تو اس نے ان سے فریاد کی۔

''کیا ہوگیا ہے جان اس حالت میں خود پر کیوں ظلم ڈھاتی ہو۔'' آزر نے انگلی کی پوروں سے اس کے ریشم سے گالوں

غزل

تیرے اخلاص سے محبت کی ہے
تیرے احساس سے محبت کی ہے
تو میرے پاس نہیں تو پھر بھی
تیری یاد سے محبت کی ہے
میں تم کو کس طرح بھول سکتا ہوں
میں نے تیرے اوصاف سے محبت کی ہے
کبھی تُو نے بھی مجھے یاد کیا ہوگا
میں نے ان لمحات سے محبت کی ہے
جن میں ہو صرف تیری اور میری باتیں
میں نے ان اوقات سے محبت کی ہے

حلیمہ سعدیہ شوکت...... تل خالصہ

پر بہتے آنسوؤں کو پونچھا۔

''مجھے اپنی بے بسی سے وحشت ہورہی ہے اور یہ وحشت اس وقت تک دور نہیں ہوگی' جب تک آپ مجھے اپنا اعتماد نہ بخشیں گے۔'' وہ سسک سسک کر دوبارہ رونے لگی۔ آزر گھبرا گئے۔

''شرمیلا پلیز چپ ہوجاؤ' میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔''

''کیا کروں جب بھی آپ سے بچھڑنے کا سوچتی ہوں دل بے قابو ہونے لگتا ہے۔ اپنے ہونے والے بچے سے جدائی میرے لیے سوہان روح ہے۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اپنی جان قربان کرکے بھی تمہاری خوشیوں کی حفاظت کروں گا۔'' شرمیلا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''آپ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں؟''

''ہاں...... وعدہ......''

''سچا اور پکا وعدہ جو کبھی کسی حال میں بھی وعدہ نہیں توڑیں گے؟''

''کبھی کسی حال میں' بھی ایسا نہیں کروں گا' خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوجائے۔'' شرمیلا نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''میری قسم کھایئے۔'' شرمیلا نے آزر کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر مطالبہ کیا۔

''اچھا جی چلو' اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں۔'' وہ جان بوجھ کر ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

''لیکن مہرین؟''

''اس کی فکر نہ کرو' وہ بھی میری بیوی ہے میں تم دونوں کے ساتھ عدل کروں گا۔''

''مگر وہ جو کچھ کہہ رہی تھی۔'' وسوسہ جاگا۔

''اسے کہنے دو اس کی طاقت مسز آزر ہونے میں مضمر ہے ناں اگر وہ حد سے بڑھی تو میں اس سے اپنا نام چھیننے کی طاقت رکھتا ہوں۔'' آزر کے لہجے میں صداقت تھی۔ تھوڑی دیر کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔ شرمیلا کے چہرے پر سکون

اترنے لگا۔
''اب ہنس کر دکھاؤ تمہاری روتی صورت سے ماحول کتنا سوگوار ہوگیا ہے۔'' آزر نے شرمیلا کے دونوں ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔
ان کے لمس و تسلیوں میں کتنی طاقت تھی شرمیلا کے اردگرد خوشیاں رقص کرنے لگی تھیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

سفینہ روشنی کو کھانے کے لیے بلانے اس کے کمرے میں آئی تو روشنی نے جلدی سے سر سے پیر تک چادر تان کر سونے کی اداکاری شروع کردی۔ اس نے نند کو گہری نیند میں مشغول دیکھا تو واپس مڑ گئی۔ بھابی کے جاتے ہی روشنی نے سکون کا سانس لیا اور چہرے پر سے چادر ہٹائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی' سر تھام کر ایک ہی بات سوچنے لگی کے بھابی نے ان سب سے یہ بات کیوں چھپائی کہ رومیوان کا کزن ہے۔ اس دن سے تو وہ سفینہ کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی' اتنی نفرت اسے اپنی بھابی سے کبھی بھی محسوس نہیں ہوئی تھی' جتنی اب محسوس ہونے لگی تھی یہ بات سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں۔
''بھابی اسی لیے رومیو سے آفس میں اتنی بے تکلفی سے بات کررہی تھی اور اسے جانے کا کہہ رہی تھیں۔'' وہ بڑبڑائی۔
''جب بھابی میرے لیے کچھ کرنہیں سکتیں تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے رومیو کو یہاں سے جانے کے لیے کہیں؟ اور رومیو اپنے والد کے انتقال والے دن بھابی کے کس قدر نزدیک کھڑے تھے۔'' روشنی کے دل میں جلن ہونے لگی۔
''اگر بھائی اس راز سے آشنا ہوجائیں تو کیا ہوگا؟'' اس کے دماغ میں یہ بات سرسرائی۔
''میں بھائی کو سب کچھ بتادوں تو بھابی کی دوکوڑی کی عزت بھی نہیں رہے گی۔'' اس نے انتقاماً سوچا۔ ''میں نے بڑی غلطی کی کہ انہیں رومیو کے بارے میں بتایا اب تو وہ اپنی محبت کو میرا بنتے نہیں دیکھ سکے گی۔'' وہ خود کو کوسنے لگی۔ ''عشوا اس بھابی کے بارے میں ٹھیک کہتی ہیں کہ بڑی ہی گھنی لڑکی ہے اس کے پاتال کو پانا مشکل ہے۔'' اس نے دانت کچکچائے۔
روشنی اتنے منفی انداز میں سوچ رہی تھی اس میں تلخی اور طنز کی چبھن بڑھتی چلی گئی کہ اگر سفینہ سے اس کا سامنا ہوجاتا تو وہ نرم دل شیریں زبان لڑکی گھبرا اٹھتی۔ تایا کے انتقال کے غم میں مبتلا سفینہ نہیں جانتی تھی کہ روشنی اس سے کس قدر بدگمان ہوچکی ہے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ پُرسکون انداز میں شوہر سے باتیں کرتے ہوئے ڈھیرے ڈھیرے پھیلے ہوئے کمرے کو سمیٹتی بھی رہی تھی۔ نبیل بہت غور سے مومل کے چلتے ہاتھوں کے ساتھ ہلتے ہونٹوں کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔
''اپنے آپ کو مار کر سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کی جانب مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔
''کیسے سمجھوتے؟'' نبیل نے پوچھا۔
''نیکی کی راہ پر چلنے کے لیے خود سے لڑنا پڑتا ہے۔'' اس نے قدرے سنجیدگی سے جتایا۔
''تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں کوشش تو کررہا ہوں۔'' نبیل نے اتفاق کیا۔
''آپ جانتے ہیں ناں کہ دنیا میں دل دکھانے سے بڑا کوئی دوسرا گناہ نہیں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔
نبیل نے پاس رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا' ابھی مومل کی کمزوری مکمل طور پر دور نہیں ہوئی تھی۔

’’ہاں یہ سچ ہے۔‘‘ پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
’’آپ نے شرمیلا کے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھے لگتا ہے ہمیں اس کی بددعا لگی ہے جو اللہ نے میری اولاد مجھ سے چھین لی۔‘‘ پانی کا گلاس ایک سانس میں ختم کرنے کے بعد وہ دل میں پلتا اندیشہ زباں تک لے آئی ہے۔
’’تم ٹھیک کہتی ہو؟ کیا مجھے اس سے معافی مانگنی چاہیے؟‘‘ نبیل نے سوالیہ انداز میں بیوی کو دیکھتے ہوئے خالی گلاس تھاما۔
’’نہیں۔ اس سے کوئی رابطہ مت کریں۔ شاید اس کا غصہ ابھی نہیں اترا ہو تھوڑا وقت گزر جانے دیں۔‘‘
’’یہ بات بھی ہے...... مگر میرے دل کے پچھتاوے مجھے جینے نہیں دیتے۔‘‘
’’اگر زندگی میں کبھی موقع ملے تو اس سے ضرور معافی مانگئے گا۔‘‘ اس نے متانت سے سمجھایا تو نبیل نے سر ہلا دیا۔
’’اچھا چھوڑو یہ باتیں آؤ کھانا کھاتے ہیں۔‘‘ بیوی کی اداسی دیکھ کر اس نے موبل کا ذہن بٹانا چاہا۔
’’چلیں۔‘‘ موبل نے ہاتھ بڑھایا تو نبیل نے اسے اٹھنے میں مدد دی۔

❁......❁......❁

ناراض نہ ہو تو ایک بات کہنی ہے پرنسز۔‘‘ شاہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔
’’بات...... کون...... سی بات۔‘‘ فون تھامے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپائے ساتھ ہی لہجے میں ڈرسمٹ آیا۔
’’یار...... مجھے دبئی میں ابھی مزید ایک ہفتہ رکنا پڑے گا۔‘‘ اس نے کہا۔
’’ایک ہفتہ مزید؟‘‘ وہ اضطراب سے بولی۔ ’’نہیں بس آپ لوٹ آئیں ورنہ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔‘‘ اس نے فون پر ہی بگڑنا شروع کردیا۔
’’جان...... یہاں کام سے آیا ہوں۔‘‘ وہ ایک دم گھبرا کر صفائی دینے لگا۔
’’آپ کے لیے کام مجھ سے اہم ہے کیا؟‘‘ جانے کیوں وہ ضدی ہو رہی تھی۔
’’نہیں...... میری پرنسز سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی چیز بھی عزیز نہیں۔‘‘ وہ اس کی کیفیت سے لطف اٹھاتے ہوئے محبت سے بولا تو سفینہ کو تھوڑا سکون حاصل ہوا۔ ’’کیا بتاؤں اب تمہارے بغیر ہوٹل کا کمرہ مجھے کیسا کاٹنے کو دوڑتا ہے۔‘‘ شاہ نے کچھ رومانٹک ہونے کی کوشش کی مگر اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔
’’کیا بات ہے؟‘‘ دوسری جانب سے آتی اس کی طویل سانسوں نے شاہ کو پریشانی میں مبتلا کردیا۔ وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔
’’کیا ہوا پرنسز؟‘‘ وہ گھبرا کر فون کی دوسری جانب سے چلایا۔
’’کچھ نہیں۔‘‘ اس نے زبردستی مسکرانا چاہا۔
’’کوئی پریشانی تو ہے۔‘‘ وہ اب سچ مچ فکرمندی سے گویا ہوا۔
’’چکر سا آجاتا ہے کبھی کبھی۔‘‘
’’ڈاکٹر کو بتایا؟‘‘ شاہ نے عجلت میں پوچھا۔
’’ہاں...... جاتی ہوں چیک اپ کے لیے کل بھی جانا ہے۔‘‘
’’تو چلو کل آکر مجھے بتانا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا...... چپ چپ سی کیوں ہو؟‘‘ شاہ نے محسوس کیا کہ سفینہ اس کے مزید قیام کے پروگرام کا سن کر خوش نہیں ہوئی۔
’’بس گھبراہٹ ہوتی ہے۔‘‘ اس نے مزید کچھ کہنے سے خود کو باز رکھا۔

"اپنی صحت کا خیال کیوں نہیں رکھتی؟" آفاق شاہ نے پریشان لہجے میں پوچھا۔
"بس دل نہیں کرتا۔" اس نے اداسی سے کہا۔
"پرنسز یہاں بات آپ کے دل کی نہیں رہی وہ تو اب میرے پاس ہے۔" اس نے چھیڑا۔
"پتا نہیں کیوں شاہ اب کچھ اچھا نہیں لگتا۔" وہ بے بس سی لگی۔
"اگر زیادہ دماغ خراب کیا تو میں کل کی فلائٹ پکڑ کر واپس آجاؤں گا۔" شاہ نے اسے دھمکانا چاہا۔
"یہ ہی تو میں چاہتی ہوں مگر آپ کو تو بس...... اپنے بزنس کی فکر ہے۔" اس نے دوسری بار طعنہ دیا۔
"ویسے میں پوچھ سکتا ہوں کہ جناب کے مزاج کیوں اس قدر برہم ہو رہے ہیں؟" اس نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔
"میں بہت اکیلی ہوگئی ہوں۔" جانے کیا ہوا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ شاہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اتنی دور سے وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

❁......❁......❁

نبیل نے کھانے کے بعد اس کو بستر پر لٹایا' موحل رات کو چائے نہیں پیتی تھی وہ خود اپنے لیے چائے پکانے کچن میں آگیا' نبیل جب تک واپس کمرے میں آیا تب تک وہ بے خبر سو چکی تھی۔
"یہ کتنے سکون سے سو رہی ہے۔" بستر پہ لیٹتے ہی گہری نیند سو جانا ہمیشہ سے موحل کی عادت تھی مگر اس نے اب جاکر غور کیا شاید اس لیے کے بہت عرصہ ہوا نبیل کی نیندیں اس سے روٹھ گئی تھیں۔
نبیل نے چائے کا کپ سائیڈ میں رکھا اور اے سی کی کولنگ بڑھاتے ہوئے اسے احتیاط سے چادر اوڑھا دی۔ موحل نے کروٹ بدلی تو' اس کا مرجھایا ہوا چہرہ نبیل کے مقابل آگیا۔ پیلی رنگت اور آنکھوں کے گرد پھیلے حلقے' چہرے پر اب بھی بڑی سوگواری دلکشی باقی تھی۔ وہ آہستگی سے چائے کا کپ تھامے کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا لاؤنج میں صوفے پہ جا بیٹھا اور قریب میز پر سلیقے سے رکھے اخبارات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بیک وقت دو عورتوں کے زرد چہرے ذہن کی اسکرین پر جگمگا اٹھے۔ ایک شرمیلا اور دوسری موحل جن کو دکھ دینے کی وجہ بننے پر شاید رب کریم نے اس کی ذات کا سکون چھین لیا تھا' نہ ظلم ہمیشہ رہتا ہے اور نہ ظالم۔ اچانک وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔

❁......❁......❁

رات بھر جاگنے کی وجہ سے روشنی کی طبیعت ست سی ہو رہی تھی' آفاق شاہ یہاں موجود نہیں تھے اور فائزہ اپنے والد کے انتقال کے بعد سے چھٹیوں پر تھے' اسی لیے فی الحال آفس کی ساری ذمہ داری کا بوجھ اس کے نازک کاندھوں پر آگرا تھا ورنہ تو وہ جس ذہنی کیفیت کا شکار تھی دفتر کی شکل بھی نہ دیکھتی۔ عشواماں کو ناشتہ کا کہہ کر وہ' ناشتے کے انتظار میں لاؤنج کی طرف چلی آئی۔ آرام دہ نشست پر بیٹھتے ہی' پلکیں بھاری ہونے لگیں اور وہیں صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر سوگئی' سفینہ کی آواز پر آنکھ کھلی تو اس نے غور سے اپنی طرف جھکی ہوئی بھابی کو دیکھا۔
کھلے ہوئے نم بھورے بال' چمکتا شفاف معصوم سا چہرہ' سنہری آنکھوں میں کاجل کی دلربا تحریر' ہونٹوں کا سرخی مائل گلابی رنگ۔
"اللہ......! یہ بھابی اس قدر حسین کیوں ہیں کہ ہر ایک ان پر فریفتہ ہوا جاتا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں کلستے ہوئے سوچا۔
"چلو جلدی سے کچن میں آجاؤ' چائے تیار ہے۔" وہ نند کی طرف دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے مسکرائی۔

''آپ یہاں سے جائیں۔'' اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے بس اتنا ہی کہا ورنہ دل تو چاہتا تھا کہ پھٹ پڑے۔ روشنی کا کھردرا لہجہ سن کر سفینہ کو پریشانی ہونے لگی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

''یہ روشنی کیوں اتنی بدلی بدلی سی لگ رہی ہے۔'' وہ منتشر ذہن کے ساتھ کچن میں آ کر پراٹھا بیلنے لگی۔

''اب مزہ آئے گا۔'' عائشہ بیگم نے آملیٹ کے لیے پیاز کترتے ہوئے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

''کہیں اس دن میرے آفس جانے کے بارے میں اسے پتا تو نہیں چل گیا۔'' وحشت ناک خیالوں کے بگولے ذہن میں چکراتے پھر رہے تھے۔

''میں تو اس گھر سے تمہارے جانے کے دن گن رہی ہوں دلہن بیگم۔'' کچن میں رکھی چھوٹی سی گول میز پہ ناشتہ سجاتی عائشہ بیگم نے سفینہ کے پریشان چہرے کو دیکھ کر سوچا اس کے اندر اطمینان کی لہر اترنے لگی۔

''روشنی بیٹا..... آؤ ناشتہ کرلو۔'' عائشہ بیگم کے پکارنے پر وہ مرے قدموں سے کچن میں داخل ہوئی۔

''کہاں ہے ناشتہ؟'' اس نے پہلے اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ کو دیکھا پھر عائشہ بیگم سے پوچھا۔

''چلو۔ بسم اللہ کرو۔'' سفینہ نے تندی آواز پر پھرتی سے توے سے گرما گرم پراٹھا اتار کر اس کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

''اماں میں نے آپ کو ناشتہ تیار کرنے کا کہا تھا ناں؟'' روشنی یک دم غصے میں پلیٹ سرکاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مگر روشنی......'' سفینہ اس کے جلال پر ہکلا کر رہ گئی۔

''بھابی میں آپ سے بات نہیں کررہی ہوں۔'' روشنی کے نفرت اور غصے بھرے لہجے نے اس کے اعصاب سن کر دیے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں کب ایسی آئلی چیز کھاتی ہوں' مگر آپ تو چاہتی ہیں کہ میں موٹی ہوجاؤں۔'' اس کی بدگمانی آسمان کو چھونے لگی۔

''ایسی بات نہیں ہے روشنی......''

''اب یہ پراٹھا آپ خود کھا لیجیے گا' مجھے دیر ہو رہی ہے میں چلتی ہوں۔'' وہ ناراضگی سی بولتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یہ روشنی کیا کہہ رہی ہے؟'' فرائی پین میں سے گرم تیل کی چھینٹ اڑ کر اس کے ہاتھ پہ پڑی تو وہ حواسوں میں آئی۔

''آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں کہا کہ روشنی نے میرے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے کھانے کی فرمائش کی ہے۔'' اس نے مڑ کر غصے میں عائشہ بیگم کو دیکھا جو اپنا پول کھل جانے پر کپکپا رہی تھیں۔

''بیٹا مجھے تو لگا کہ اس طرح سے تم دونوں کے بیچ کی دوریاں کم ہو جائیں گی۔'' عائشہ بیگم نے معصوم بنتے ہوئے بہانہ گھڑا اور نگاہیں چرا کر سنک میں پڑے برتن دھونے لگیں۔

سفینہ سمجھ گئی کے عائشہ بیگم نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے تا کہ روشنی کا دل ان کی طرف سے مزید برا ہو سکے' شاید وہ اپنی چال میں کامیاب بھی ہو چکی تھیں۔ سفینہ کا جی چاہ رہا تھا کہ انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دے اتنا سنا ئیں کے دماغ ٹھکانے آجائیں۔ شاہ کی یاد نے ایک دم دل پر ہاتھ مارا وہ انہیں کیسے بتاتی کے کن عذابوں کو سہہ رہی ہے وہ آج کل۔ جی چاہا کے کال ملا کر واپس لوٹنے کو کہے مگر پھر ایک دم ڈر گئی۔ یہ کیسا مصلحتوں کا جنگل ان دونوں کے بیچ آگ آیا تھا کہ وہ ان سے اپنا دکھ بھی چھپانے لگی تھی۔

❀......❀......❀

عجیب سے شور سے شرمیلا کی آنکھیں کھل گئی' وہ نماز پڑھتے ہوئے جائے نماز پر ہی لیٹ کر سو گئی تھی۔ آزر نے لائٹ بند کر کے زیرو پاور کا بلب جلا دیا تھا اور ہلکی سی چادر اس کے اوپر ڈال دی تھی بڑھتی ہوئی آوازوں پر وہ چادر اتار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں مہرین۔'' آزر کا خفا خفا سا لہجہ اس کے کانوں میں پہنچا۔

''مجھے نہیں پتا بس آپ اسی وقت طلاق نامے پر سائن کریں۔'' وہ ترکی بہ ترکی سوال و جواب میں مصروف تھی۔

''یہ کیسا بھوت سوار ہوا ہے چپ ہو جاؤ۔'' یہ آزر ہی تھے مگر وہ یوں التجا کرنے والوں میں سے کبھی نہ تھے' شرمیلا نے گھبرا کر کھڑکی سے جھانکا۔

''کیوں...... کیوں چپ رہوں؟'' وہ ہاتھ میں تھاما کاغذ لہراتے ہوئے طیش میں پاگل ہو رہی تھی۔

''دیکھو تمہاری آواز کمرے سے باہر نہیں جانی چاہیے۔'' آزر نے اسے بستر پر دھکیلتے ہوئے دھمکایا۔

''یہ میرا گھر ہے...... میرا مرضی' چیخوں یا چلاؤں۔'' مہرین نے ذرا پروا نہ کی۔

''شرمیلا سو رہی ہے اس کی طبیعت پہلے ہی کافی خراب ہے۔'' وہ نرمی سے سمجھانے لگے مگر مہرین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''کیوں آپ کی چہیتی کی نیند خراب نہ ہو جائے کہیں اس کا بڑا خیال ہے ہاں؟'' وہ ان کے مقابل کھڑے ہو کر چڑھی ہوئی آنکھوں سے بولی۔

''ہاں ہے خیال۔ بیوی بنا کر لایا ہوں میں اسے کوئی لاوارث نہیں ہے۔'' جواب میں وہ بھی چلائے۔

''اسی لیے تو اس طلاق نامے پر سائن کروا رہی ہوں تا کہ آپ دونوں کے بیچ کوئی رشتہ قائم نہ رہ سکے۔'' مہرین کی بڑی خوفناک ہنسی تھی یا شرمیلا کو محسوس ہوئی۔

''آپ اس طلاق نامے پر سائن کر رہے ہیں یا میں خود کو شوٹ کر لوں۔'' جانے کہاں سے مہرین نے پستول نکالی اور اپنی کنپٹی پر رکھ کر شوہر کو دھمکایا' آزر اس کی طرف بھاگے' باہر کھڑی شرمیلا کی روح جیسے دھیرے دھیرے سلب ہو رہی تھی۔

''میں اسپتال جاؤں گی آج چیک اپ کے لیے۔'' سفینہ کی دھیمی منمناتی سی آواز روشنی کے کانوں میں پڑی۔
''اچھا پھر؟'' وہ مڑ کر بھابی کو سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔
''تم میرے ساتھ چلوگی؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔
''نہیں......'' وہ قطعیت سے بولتی ہوئی مڑ گئی۔
''میں جاننا چاہتی ہوں کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟'' سفینہ کو بھی آج ضد ہوگئی نند کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنی طرف کھینچا۔
''سننے کا حوصلہ ہے۔'' اس کا لہجہ بڑا کاٹ دار تھا۔
''میرے حوصلے کا امتحان لینا چاہتی ہو۔'' وہ پھیکی ہنسی لبوں پر سجا کر بولی۔
''نہیں آپ کے کارنامے بتانا چاہتی ہوں؟'' وہ خفگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔
''کیا...... کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اس نے گھبرا کر نند کو دیکھا۔
''آپ نے پہلے میرے بھائی کو محبت اور پارسائی کے نام پر دھوکا دیا...... پھر میرے خلوص اور محبت سے کھیلا......'' وہ ایک دم چلائی۔
''ایسی بات نہیں ہے...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' خوف اس کی آنکھوں میں ٹھہر سا گیا تھا۔
''کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی...... میں نے خود آپ کو رومیو کے گھر ان کے والد کے انتقال والے دن بے ہوش پڑے دیکھا، پوچھ سکتی ہوں کہ کیا رشتہ ہے آپ دونوں کے بیچ؟'' اس نے بھڑکتے ہوئے سفینہ کی بات کاٹی۔
''وہ میرے تایا تھے جن کے انتقال پر میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔'' اچانک اس کی آنکھوں کے کٹورے لبریز ہوگئے۔
چند لمحے تو روشنی کو ایسا لگا جیسے کہ اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو گماں سے حقیقت کا سفر کتنا اذیت ناک تھا۔ سفینہ رومیو کی وہ ہی کزن نکلی جس پر وہ مرتا تھا۔ جس کے پیچھے اس نے دنیا چھوڑ دی اور اسے رومیو کا لقب حاصل ہوا۔ اس کے دل کو جلن و حسد کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
''مجھے آپ سے مزید کوئی بات نہیں کرنی آپ اس گھر میں اپنے دن گننا شروع کردیں بھائی کے آتے ہی میں آپ کو یہاں سے دھکے مار کر نکلواؤں گی۔'' روشنی نے نفرت زدہ لہجے میں کہا اور وہاں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ وہ روشنی کی دھمکی پر دل پر ہاتھ رکھ کر نم آنکھوں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔
''فیصلے تو قدرت پہلے ہی طے کردیتی ہے بس ان کا وقت مقرر ہوتا ہے تو کیا اب میرا شاہ سے الگ ہونے کا وقت آگیا ہے؟'' منظر دھندلا گیا اور کئی آنسو بڑی خاموشی سے اس سنہری گالوں پر سے بہتے ہوئے گریبان میں جذب ہوگئے تھے۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میرا عشق بھی تو

نزہت جبین ضیاء

کبھی کبھی زندگی پر ایک جمود سا طاری ہوتا ہے' بالکل ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح۔ خاموش اور پُرسکون نظر آنے والی زندگی' اپنے اندر نہ جانے کتنے نشیب و فراز' کٹھنائیاں' دکھ' تکلیف' گھاؤ اور گہرے زخم چھپانے کے باوجود پُرسکون نظر آتی ہے پھر اچانک سے کوئی یاد کا کنکر۔ کوئی بھولا بسرا وجود' کوئی شناسا چہرہ' سامنے آ کر اس ٹھہرے ہوئے پانی میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔ شوریدہ جذبے سر اٹھانے لگتے ہیں' یادیں کسی آسیب کی مانند دل و دماغ کو اپنی گرفت میں کر لیتی ہیں۔ انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے' بے چینیاں حد سے سوا ہو جاتی ہیں۔ بے قراریاں بامِ عروج پر پہنچنے لگتی ہیں' صدیوں کی تھکن لمحوں پر محیط ہو جاتی ہے۔

انشال ابرار بھی ایسا ہی ٹھہرا ہوا' بظاہر پُرسکون اور خاموش سمندر تھی جس کی خاموشی اور سنجیدگی میں بلا کے طوفان پوشیدہ تھے جس کے سکون کے پیچھے بے سکونی کا طلاطم برپا تھا۔ اس نے تو خود کو ان حالات کا عادی بنا لیا تھا' وہ تو اپنی زندگی سے مطمئن تھی کہ اچانک...... اچانک سے مصطفیٰ حسام ایک بار پھر سامنے آ گیا۔ مصطفیٰ جو اس کی زندگی سے نکل چکا تھا' جس کو بھولنے میں وہ آج تک ناکام رہی مگر کسی حد تک وہ اپنی زندگی کو گزارنے کی عادی ہو گئی تھی۔ اس مقام تک آنے میں انشال ابرار نے بہت کٹھن سفر طے کیا تھا۔ بار بار ٹوٹی' بکھری' بار بار اپنے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹا' ماں کی گود میں سر رکھ کر۔ ماں کے سینے سے لگ کر اور ماں کے کمزور وجود کی پناہوں میں آ کر وہ خود کو محفوظ سمجھنے لگی تھی کہ یوں اچانک مصطفیٰ نے آ کر اس کی ٹھہری ہوئی زندگی کو ایک بار پھر اضطراب' بے چینی اور بے کلی کی نذر کر دیا تھا۔ وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی' اپنے اردگرد پھیلے یادوں کے بے شمار دائروں میں وہ پھنستی چلی گئی' جب بے چینی حد سے بڑھنے لگی تو وہ اٹھ کر صحن کی طرف آ گئی۔

سورج دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کر رہا تھا' دھوپ صحن عبور کر کے اب دیواروں تک آ گئی تھی۔ صحن کے کونے میں نیم کا بڑا سا درخت تھا۔ یہ گھر ابرار صاحب کے والدین کا تھا پرانی طرز پر بنا ہوا جس کو وقت کے لحاظ سے تھوڑا بہت تبدیل کیا گیا تھا لیکن نیم کے اس گھنے درخت کو نہیں کاٹا گیا تھا۔ صحن سے گھر کے اندرونی حصے میں داخلے کے لیے برآمدے میں گول ستونوں کی سپورٹ تھی۔ بچپن میں انشال' مشعل' عماد ان ستونوں کے گرد گول گول گھوم کر کھیلا کرتے تھے' بہن بھائی یاد آئے تو ماضی کے اوراق پھڑ پھڑانے لگے۔

❁......❁......❁

ابرار صاحب اپنی بیوی رخسانہ اور چار بچوں کے ساتھ پُرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ پرانے طرز کے بنے ہوئے بڑے سے گھر میں رہائش پذیر تھے' سرکاری ملازم تھے۔ ان کے ایک بڑے بھائی حسام بھی تھے جو اپنی بیوی سفینہ بیگم اور ایک بیٹے کے ساتھ الگ گھر میں رہتے تھے دونوں بھائیوں اور ان کی بیویوں میں اچھے تعلقات تھے۔ ابرار احمد اور رخسانہ بیگم کی دلی خواہش تھی کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر نام بنائیں' اس لیے بچوں کو اچھے اسکولوں میں تعلیم دلوائی۔ انشال نے انٹر کر لیا' مشعل میٹرک میں' عماد آٹھویں اور نمل ساتویں کلاس میں تھی' حسام صاحب کا بیٹا مصطفیٰ بھی پڑھ رہا تھا۔

انشال ویسے تو پڑھائی میں اچھی تھی مگر کبھی کبھی فزکس پڑھنے میں اسے مشکل ہوتی۔ مشعل' عماد اور نمل تو سینٹر جاتے تھے مگر انشال کو کوچنگ جانا پسند نہیں تھا وہ گھر میں ہی پڑھتی تھی۔ انشال کا فزکس کا ٹیسٹ تھا اس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی کیونکہ پڑھائی کے معاملے میں وہ ہر چیز بھول جاتی' دوپہر کا وقت تھا۔ مشعل' عماد اور نمل اسکولوں و کالج سے واپس آئے سب نے کھانا کھایا پھر وہ لوگ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ انشال اپنی کتابیں

سنبھالنے صحن کی طرف آ گئی، محراب کے ساتھ بنے سیمنٹ کے چھوٹے سے چبوترے پر بیٹھ کر وہ نومیر کلز اس کی جان کو آ گئے تھے انہماک سے پڑھتے ہوئے اس کو وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔

''آپی..... امی بلا رہی ہیں، چائے تو پکا دیں۔'' نمل کی آواز پر وہ چونکی۔

''اُف پانچ بجنے والے تھے ابو بھی آنے والے ہوں گے۔'' کتابیں سمیٹ کر وہ سیدھا باورچی خانے کی سمت بھاگی۔ جلدی سے چولہا جلا کر چائے کا پانی رکھا اور پتی نکالنے کے لیے شیلف کی طرف بڑھی۔

''انشال اگر یہی حالت رہی تو تم تو پڑھائی مکمل ہونے سے پہلے پاگل ہو جاؤ گی۔ حلیہ دیکھو اپنا ناصرہ پگلی کی کاپی لگ رہی ہو۔'' مصطفیٰ کی آواز پر پتی کا جار نکالتے وہ چونک کر پلٹی مصطفیٰ کو دیکھ کر جھینپ کر جلدی سے ہاتھ سے بکھرے بالوں کو سمیٹا دوپٹہ درست کیا۔ مصطفیٰ اس کی بوکھلاہٹ پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

''واقعی یہ فزکس تو مجھے پاگل کر کے ہی چھوڑے گی۔'' معصومیت سے اعتراف کرتے ہوئے ابلتے پانی میں پتی ڈال کر وہ مصطفیٰ کی جانب پلٹی۔

''کیا سمجھ نہیں آتی؟'' مصطفیٰ اس کی بات پہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''ویسے تو سب کچھ مگر خاص طور پر نومیر کلز۔'' برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

''ہاہاہا..... اتنا برا منہ تو مت بناؤ اتنے اچھے اور معصوم سبجیکٹ کے لیے۔''

''ویسے آپ کب آئے مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔'' انشال نے موضوع بدلا۔

''میں..... اور میرے ساتھ امی بھی آئی ہیں آدھا گھنٹہ پہلے۔ آج دل کر رہا تھا تمہارے ہاتھ کے پکوڑے کھانے کا مگر یہاں آ کر اور تمہیں اس حالت میں دیکھ کر پروگرام بدلنا پڑا۔'' مصطفیٰ نے اس کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں نہیں، آپ بیٹھیں میں ابھی پانچ منٹ میں لے لاتی ہوں۔'' وہ خوامخواہ شرمندہ ہوئی۔

''پہلے تائی امی کو سلام کر لوں پھر تلنا شروع کرتی ہوں گرما گرم پکوڑے۔'' چائے کا چولہا دھیما کرتے ہوئے وہ کچن سے کمرے کی سمت چل دی، پیچھے پیچھے مصطفیٰ بھی تھا۔

''السلام علیکم تائی امی!'' سفینہ بیگم کے آگے جھکتے ہوئے گرم جوشی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کہاں تھی میری بچی اتنی دیر سے؟'' سفینہ بیگم نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''سوری تائی امی، میں صحن میں پڑھائی کر رہی تھی مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ آپ لوگ آئے ہیں۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''بھابی..... قسم سے یہ تو پڑھائی میں بالکل پاگل ہو کر رہ گئی ہے۔ سر پر سوار کر رکھا ہے اس نے پڑھائی کو نہ اپنا ہوش نہ گھر کا نہ ٹائم کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی کام کی فکر ہوتی ہے میں تو عاجز آ گئی ہوں اس کی پڑھائی سے۔''

''ارے..... ارے بھئی! ایسے نہ کہو رخسانہ بیگم، پڑھائی کو لے کر یوں کوسنے نہ دو میرے بچوں کو بہت آگے تک جانا ہے اور سب بچوں میں انشال سے مجھے بہت سی امیدیں ہیں۔'' اسی وقت ابرار صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور بیوی کی بات کاٹ کر پُرامید لہجے میں کہا۔

''السلام علیکم چاچا!'' مصطفیٰ نے اٹھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! ارے واہ آج تو مصطفیٰ بھی آئے ہیں۔'' ابرار صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''جی بس چاچا جی، جاب کی وجہ سے بہت کم وقت نکال پاتا ہوں۔ آج امی نے ذرا کلاس لی تو آنا پڑا۔'' مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جیتے رہو بیٹا، بہت ترقی کامیابی حاصل کرو، پتا چلا تھا تمہاری جاب کے بارے میں شکر الحمدللہ سیٹ ہو گئے ہو۔'' ابرار صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی بس آپ سب کی دعائیں ہیں ابرار میاں اور

میرے بچے کی محنت۔" سفینہ بیگم نے نم لہجے میں کہا' میاں کے انتقال کے بعد وہ حساس ہوگئی تھیں۔ مشعل' عماد اور نمل بھی کوچنگ سینٹر سے واپس آگئے تھے' تھوڑی دیر بعد انشال چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے اور کیچپ لے آئی تھی۔ خوش گوار ماحول میں چائے پی گئی' مصطفیٰ' انشال اور بچوں سے پڑھائی کے حوالے سے بات کرتا رہا' کچھ دیر بیٹھ کر انشال کو فزکس میں درپیش الجھن بھی سلجھائی۔

"چچی آپ نے اتنا اچھا سمجھایا ہے کہ اچھی طرح سمجھ گئی کاش آپ مجھے یونہی پڑھا سکتے۔ میرا کتنا بڑا مسئلہ حل ہوجائے گا۔" انشال نے مصطفیٰ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا' مصطفیٰ چپ چپ اس کے منہ کے مختلف زاویے دیکھتا رہا۔

"پڑھائی کو لے کر یہ لڑکی کتنی پکی ہے۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ "چلو میں کوشش کروں گا کہ تم کو تھوڑا سا ٹائم دے دیا کروں۔" مصطفیٰ کی بات پر انشال بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔

"سچی آپ...... آپ مجھے پڑھا دیا کریں گے؟" وہ غیر یقینی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں یار اور ایک بات یاد رکھو پڑھائی کو لے کر یا کسی بھی ایک سبجیکٹ کو لے کر کبھی پریشان نا ہوا کرو' پڑھائی کو کبھی بھی بوجھ مت بناؤ پڑھائی کے لیے خود کو دنیا سے الگ مت کرو بلکہ ایک ٹائم بنا کر ذہن اور خود کو فریش رکھ کر پڑھنے بیٹھو گی تو دیکھنا کتنی جلدی ہر چیز پک کرلوگی۔ ساری مشکلات آسان لگنے لگیں گی' ہر سوالات کے جوابات یاد ہوجائیں گے' نہ کوئی فارمولا مشکل لگے گا نہ کوئی نوٹس پریشان کریں گے۔"

"اور ہاں۔" اتنی لمبی بات کرکے وہ جاتے جاتے ایک لمحے کو رکا اور پلٹ کر انشال کو غور سے دیکھا جو منہ کھولے مکمل طور پر اس کی باتوں پر دھیان رکھے ہوئے تھی۔

"جی......" انشال نے سوالیہ نظریں اس پر ڈالیں۔

"میرے سامنے یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ مت آنا۔ مجھے صاف ستھری' فریش اسٹوڈنٹ چاہیے' تم جیسی اسٹوڈنٹ کو دیکھ کر ٹیچر بے چارے کو بھی جمائیاں آنا شروع ہوجائیں گی۔" مصطفیٰ کی بات پر سب کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

"اوکے ٹیچر۔" خلاف توقع انشال بھی مسکرائی' وہ بہت خوش تھی کہ اس کا مسئلہ یوں اچانک حل ہوگیا تھا۔

"ارے واہ مصطفیٰ میاں' تم نے ہماری بہت بڑی الجھن دور کردی۔" ابرار صاحب نے مصطفیٰ کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

مصطفیٰ ہفتے میں کم از کم چار دن انشال کو پڑھانے آجاتا۔ انشال بہت مطمئن اور پُرسکون ہوگئی تھی' ذہین تھی ہر چیز فوراً سمجھ لیتی' وہ کلاس میں مزید نمایاں ہوگئی۔ ایگزامز بھی ہونے والے تھے وہ دل جمعی کے ساتھ پڑھائی میں مصروف ہوگئی' وہ اچھے گریڈ سے بی ایس سی پاس کرنا چاہ رہی تھی۔ دن پر دن گزرتے رہے' مصطفیٰ بھی اس کی پڑھائی سے بہت مطمئن تھا اب اسے جب بھی ٹائم ملتا وہ آجاتا۔

اس روز موسم بہت خوب صورت تھا' آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے' ہلکی بوندا باندی اور ٹھنڈی ہوا اور مٹی کی سوندھی خوشبو ماحول کو خوب صورت بنا رہی تھی۔ مشعل' عماد اور نمل کوچنگ گئے ہوئے تھے۔ ابرار صاحب اور سفینہ بیگم گھر کا سودا سلف لینے بازار گئے ہوئے تھے۔ انشال نہا کر نکلی تب ہی مصطفیٰ آگیا' گرین اور کاپر کلر کے کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں لمبے گیلے بالوں میں کیچر لگائے وہ بہت نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

"چچی جان نہیں ہیں کیا؟" برآمدے کے کونے میں بچھے تخت پر اپنی مخصوص جگہ پر رخسانہ بیگم کو نہ پاکر مصطفیٰ نے پوچھا۔

"نہیں خوب صورت موسم کو انجوائے کرنے امی اور ابو آج بڑے لمبے ٹور پر نکلے ہیں۔" انشال مزاحیہ انداز سے بولی۔

"اوہ...... واہ جی۔" مصطفیٰ بھی ہنس دیا۔

"اچھا آپ بیٹھیں میں چائے لے آتی ہوں پھر

پڑھائی اسٹارٹ کرتے ہیں۔'' انشال نے اٹھتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ واپس آئی تو گرما گرم چائے کے ساتھ نمکو اور بسکٹ بھی تھے۔

''ارے واہ زبردست۔'' مصطفیٰ خوش دلی سے بولا' دونوں برآمدے میں بیٹھ گئے۔ چائے کا کپ انشال کے ہاتھ سے لیتے لیتے مصطفیٰ نے ایک گہری نظر انشال کے سراپے پر ڈالی' سانولی کھلتی ہوئی رنگت' دلکش نقوش' لمبے سیاہ سلکی شانوں پر بکھرے بال متناسب جسم اور قد' بلاشبہ وہ جاذب نظر لڑکی تھی جو سامنے والے کو امپریس کرسکتی تھی آج پہلی بار مصطفیٰ نے اتنی گہری نظروں سے انشال کو دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحہ ہی تھا کہ جس کے حصار میں آکر مصطفیٰ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے انجان دل میں پہلی گھنٹی بجی تھی اس پر یہ ادراک ہوا تھا کہ وہ معصوم' سیدھی سادی اور بظاہر لاابالی سی لڑکی اس کے دل پر اچھا خاصا قبضہ کیے بیٹھی ہے۔ چائے کے سپ لیتی ہوئی کتاب کھولے سر جھکائے وہ مسلسل مصطفیٰ کی نظروں کے حصار میں تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے اس کے خوب صورت سلکی بال بکھر کر شانوں تک آ گئے تھے' مصطفیٰ کے دل میں میٹھے جذبے سر اٹھانے لگے تب ہی مصطفیٰ کے سیل کی ٹون بجی اور مصطفیٰ کے ساتھ ساتھ انشال بھی چونکی۔

''وعلیکم السلام...... ارے یار ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟''

''ہائیں......'' لکھتے لکھتے انشال نے سر اٹھایا' مطلب وہ کسی لڑکی سے اتنی بے تکلفی سے بات کررہا تھا۔

''جی جی آجاؤں گا ٹائم نکال لوں گا تمہارے لیے فکرمت کرو۔'' مصطفیٰ کے الفاظ اور اس کا لہجہ انشال کے دل پر لگا تھا' انشال کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا' نجانے کیوں اسے کسی سے اتنی بے تکلفی سے بات کرتا دیکھ کر انشال کو برا کیوں لگا تھا۔ مصطفیٰ نے کال ختم کی تو انشال کی طرف دیکھا۔

''کس کی کال تھی؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی بے اختیار وہ سوال کر بیٹھی حالانکہ یہ پوچھنے کا اسے کوئی حق تھا نہ ضرورت' مصطفیٰ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی صباحت' اس کے بھائی کا پیپر رک گیا ہے تو کہہ رہی تھی کہ ٹائم نکال کر ذرا اسے گائیڈ کردوں۔'' مصطفیٰ نے تفصیل بتائی۔

''اوہ......'' انشال نے ہونٹوں کو سکیڑا' مصطفیٰ اس کے چہرے کے بدلتے اتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھتا رہا۔

''کیوں' کیا ہوا؟'' مصطفیٰ کا لہجہ کریدنے والا ہوا۔

''کچھ نہیں۔'' سر ہلا کر وہ دوبارہ کاپی پر جھک گئی۔

''ارے یہ کیا جواب لکھا تم نے؟'' مصطفیٰ نے جھک کر اس کی کاپی پر نظر ڈالتے ہوئے غلطی کی نشان دہی کی' غائب دماغی سے وہ غلط جواب لکھ گئی تھی۔

''اوہ سوری......'' انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے سر کو دباتے ہوئے وہ ہونٹ کاٹ کر بولی' مصطفیٰ نے بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

''انشال......'' مصطفیٰ نے پکارا تو انشال نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔

''کیا ہوگیا ہے؟ تم کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔ خیر تو ہے یہ اچانک تمہیں کیا ہوگیا' اچھی بھلی تھیں جب سے میں نے کال پر بات......''

''نہیں نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہوں بھلا آپ کی کال سے میرا کیا لینا دینا۔'' مصطفیٰ کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔

''مجھے تو ایسی ہی بات لگ رہی ہے' میں نے اس سے پہلے بھی یہ بات محسوس کی تھی تمہیں میرا یوں کسی سے بات کرنا شاید اچھا نہیں لگتا۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں بھرم تھا۔

''ارے یہ کیا بات کررہے ہیں آپ مجھے کیوں برا لگے گا بھلا' میں کون ہوں آپ کی ذاتیات میں دخل اندازی کرنے والی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔

''انشال ادھر دیکھو میری طرف۔'' مصطفیٰ نے اس کی جانب جھکتے ہوئے کہا۔

''جی......'' پلکیں اٹھائیں وہ جھنپی جھنپی سی پزل ہوتی ہوئی دل میں اتر رہی تھی۔

"انشال اگر تم چاہوں تو میں امی کو بھیجوں تمہارے رشتے کے حوالے سے۔"

"جی......!" حیرت اور بے یقینی سے اس اچانک کیے جانے والے سوال پر وہ بوکھلا گئی۔

"یہ......یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں یا نہ؟" مصطفیٰ نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا' لہجے میں تحکم تھا۔

"ارے واہ......اتنی دھونس جمانے کی کیا ضرورت ہے' یہ بھرم کسی اور کو دکھایئے۔" لہجے کو سخت بنانے کی ناکام کوشش کی۔

"ہاں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اندر ہی اندر تم بھی ایسا ہی چاہتی ہو۔"

"اونہوں......فضول کے تکے مت لگائیں۔" نظریں چراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہاں یا نہ......؟" انشال کی بات کو نظر انداز کرکے اسی لہجے میں وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"پھر وہی بات......"

"ہاں بات تو ایسی ہی ہے' چلو اچھا میرا اندازہ غلط تھا تو آئی ایم سوری......تم نہیں چاہتی تو کوئی بات نہیں۔"

"ارے......ارے' اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" مصطفیٰ کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔

"ہاہاہا......" مصطفیٰ زوردار قہقہہ لگا کر اس کو دیکھنے لگا' اسکائی بلو شلوار قمیص میں اپنے سانولے پُرکشش اور اسمارٹ سے سراپے کے ساتھ وہ انشال کے دل میں اتر رہا تھا۔ جانے کب سے انشال کے دل نے بھی مصطفیٰ کے ساتھ کی خواہش کر رکھی تھی' وہ بھی اندر ہی اندر مصطفیٰ میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ آپس کے تعلقات' بے تکلفی اور ساتھ نے دونوں کو ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب کردیا تھا اور یہ قربت دونوں کے اندر انسیت' محبت کا روپ دھار چکی تھی' وہ مصطفیٰ کو دیکھتی رہ گئی۔

"اچھا میں چلتا ہوں امی کو لے کر آؤں گا اب۔" مصطفیٰ اٹھتے ہوئے بولا اور وہ کھل کر مسکرا دی۔ اس رشتے پر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا' ابرار صاحب' رخسانہ بیگم کو مصطفیٰ بہت پسند تھا۔ پڑھا لکھا' عزت کرنے والا' اچھی جاب اور سب سے بڑھ کر کہ بچپن سے آج تک سامنے تھا باکردار اور شریف خاندان کا بچہ تھا۔

"ارے واہ آپی......مجھے تو مصطفیٰ بھائی شروع سے ہی بہت اچھے لگتے تھے اب تو وہ ہمارے دولہا بھائی بھی بن جائیں گے۔" نمل کو سب سے زیادہ خوشی تھی کیونکہ مصطفیٰ نمل سے بہت پیار کرتا تھا' اس کا خاص خیال رکھتا بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح اس کو کچھ نہ کچھ ضرور لاکر دیتا تھا۔

مصطفیٰ اور انشال بھی بہت خوش تھے' شادی انشال کے گریجویشن مکمل ہونے کے بعد طے پائی۔ انشال کا رشتہ پکا ہوا تو مشعل اور نمل کے لیے بھی رشتے آنے لگے۔ ابرار صاحب کے دوست کے بیٹے کا رشتہ مشعل کے لیے آیا' لڑکا ہر لحاظ سے اچھا لگا یوں اس کی بھی بات پکی کردی گئی۔ مشعل نے انٹر کرلیا تھا' شادی کے لیے تھوڑا وقت درکار تھا۔ ابرار صاحب نے آفس میں کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں تاکہ بیٹیوں کی شادی میں آسانی ہو۔

❀......❀......❀

انشال کے پیپرز ختم ہوئے تو شادی کی تیاریوں نے زور پکڑلیا' مشعل' عماد اور نمل خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہے تھے۔ اب مرحلہ تھا کہ بچوں کے کیسے کپڑے بنیں گے' مشعل اور نمل نے بہت سوچ بچار کے بعد فنکشنز کے لیے کپڑوں کی ڈیزائننگ سلیکٹ کی اس روز ابرار صاحب کو سب سے بڑی کمیٹی ملنے والی تھی۔ بچے دن سے ہی ان کا انتظار کررہے تھے' آج ان لوگوں نے شاپنگ کرنے جانا تھا۔ شام ہوگئی تھی' وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جارہا تھا' بچوں نے کئی بار کال بھی کی مگر ان کا فون بھی مسلسل بند تھا' آفس بھی بند ہوچکا تھا' رخسانہ بیگم مضطرب تھیں' نہ جانے کیوں دل بہت گھبرا رہا تھا' ایک تو بھاری رقم لے کر آرہے تھے آج کل کے حالات کا بھی کچھ بھروسہ نہ تھا' خدانخواستہ کوئی حادثہ نہ ہوگیا ہو۔ مغرب کی نماز پڑھ کر انہوں نے خوب دعائیں مانگیں' اب تو

چاروں بچے بھی پریشان ہورہے تھے ابو نے کبھی بھی اتنی دیر نہ کی تھی اگر کوئی کام بھی ہوتا تو کال کرکے ضرور بتادیتے۔ سب سے بڑی ٹینشن یہ تھی کہ فون آف جارہا تھا دل میں الٹے سیدھے خیالات آرہے تھے۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں کس سے پتا کریں کمیٹی کہاں سے لینی تھی؟ کس کس کے ساتھ مل کر ڈالی تھی کچھ بھی کسی کو علم نہ تھا۔ انشال نے مصطفیٰ کو کال کرکے بتایا۔

''فکر مت کرو چاچا جی یقیناً کسی کام میں بزی ہوں گے آجائیں گے تھوڑی دیر میں۔ چاچی جان سے کہو پریشان نہ ہوں میں ابھی کو لے کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے سمجھانے والے انداز میں کہا تب ہی لینڈ لائن پر فون بج اٹھا انشال نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

''جی ہاں..... ارے..... کب..... کیسے..... آپ کون.....؟ اچھا اچھا ہم آتے ہیں۔'' انشال نہایت گھبرائے ہوئے لہجے میں فون پر بات کررہی تھی سب کی توجہ اس کی جانب مرکوز تھی۔

''کیا ہوا..... کس کی کال تھی خیریت.....؟'' چاروں طرف سے سوال کیے گئے۔

''وہ..... وہ.....'' انشال روتے ہوئے رخسانہ بیگم کی طرف لپکی۔

''کیا ہوا آپی..... کس کی کال تھی ابو جی کیسے ہیں؟'' عماد پریشان ہوکر اسے دیکھ رہا تھا۔

''ابو جی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے وہ ہسپتال میں ہیں کوئی صاحب تھے فون پر انہوں نے بتایا ہے۔''

''اُف میرے اللہ.....!'' رخسانہ بیگم نے سینے پر ہاتھ مارا۔

''ہائے اللہ ابو جی.....'' مشعل اور نمل بھی رونے لگیں۔

''چلو ہم ہسپتال چلتے ہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ لوگ ہمت کریں آپی امی جی۔'' عماد نے پہلے اماں کو اور پھر بہنوں کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور فوراً مصطفیٰ کو دوبارہ کال کی سارے لوگ ہسپتال پہنچے۔ ابرار صاحب کی حالت کافی سیریس تھی کافی زیادہ چوٹیں آئی تھیں بلڈ بھی کافی بہہ چکا تھا۔

''ابو جی.....'' انشال تڑپ کر آگے بڑھی ابرار صاحب نے بمشکل اپنی آنکھیں کھول کر انشال کو قریب بلایا۔ زخموں اور تکلیف کی وجہ سے وہ کچھ کہنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔

''انشال..... میرے بچے میرے بچے گھر تم..... تم نے سنبھا..... لنا ہے..... تم سے امید..... ہے تم..... میرے گھر..... میرے بچوں اور..... اپنی ماں کا خیال رکھو گی..... اب..... تم..... کو یہ ذمہ..... داری..... نبھانی ہے.....''

''جی ابو..... ایسا مت کہیں پلیز آپ..... آپ تو میری ہمت ہیں ابو مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ آپ ٹھیک ہوجائیں گے ابو پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔'' انشال جو پہلے ہی ان کی حالت دیکھ کر حواس باختہ ہوچکی تھی بالکل بھی ہوش کھونے لگی۔

''ابو جی.....'' انشال کی چیخ کی آواز سے سارے دوڑے چلے آئے سب کچھ پل میں ختم ہوگیا تھا نہ کوئی بات نہ کوئی نصیحت نہ فرمائش۔ بہت بڑی ذمہ داری انشال کو سونپ کر ابرار صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساتھ چھوڑ گئے تھے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں آناً فاناً خوشیاں دکھوں میں بدل جائیں گی رخسانہ بیگم تیورا کر گر پڑیں مصطفیٰ اور سفینہ بیگم بھی سیدھے ہسپتال ہی پہنچے تھے۔ بیوی کا تڑپنا بچوں کی سسکیاں کوئی بھی ابرار صاحب کو واپس نہ لاسکیں۔

صبح کو ہنستے مسکراتے اپنے پیروں پر چل کر آفس جانے والے ابرار صاحب رات کو جب ایمبولینس میں گھر لائے گئے تو گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔

''ابو جی آپ..... ایسے کیسے جاسکتے ہیں؟ شادی کی ڈیٹ فکس کرکے..... مجھ پر اتنی بڑی ذمہ داری سونپ کر چلے گئے۔ ابو جی..... میں کیسے جی پاؤں گی مجھے قدم قدم پر آپ کی ضرورت ہے اور آپ نے ان بچوں کی

امی کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈال دی...... ابو جی میں بہت کمزور ہوں...... پلیز ابو......" انشال ابرار صاحب کو دیکھ کر سوچ رہی تھی پلٹ کر بلکتی بہنوں اور بھائی کو سنبھالتی تو کبھی ماں کے گلے لگ کر بری طرح رو دیتی' یہ کس مقام پر آ گئی تھی وہ۔

ابرار صاحب چار کاندھوں پر سوار اپنے ابدی سفر پر روانہ ہوگئے۔ انشال ضبط سے خود کو سنبھالے ہوئے ماں اور بہنوں کو سنبھال رہی تھی۔ اسے اپنے آپ کو مضبوط کرنا تھا' رخسانہ بیگم ساری زندگی میاں کے پیچھے پیچھے ہی رہیں' ان کو تو باہر کی کچھ خبر نہ تھی' بہت کڑی آزمائش کا وقت تھا' یہ اچانک سب کچھ بدل گیا تھا جس گھر میں قہقہے گونجا کرتے تھے وہاں سسکیاں اور اداسیوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ شادی کی تیاریوں کی جگہ اگربتی مہکنے لگی تھی' سپارے پڑھے جا رہے تھے۔ عجیب سی ویرانی اور وحشت کا راج تھا' گھر کی در و دیوار پر وحشت رقصاں تھیں' اداسیاں براجمان تھیں' سفینہ بیگم مستقل رخسانہ بیگم کے ساتھ رہتیں' بچوں کی دلجوئی میں لگی رہتیں۔ مصطفیٰ بھی آفس کے بعد زیادہ ٹائم یہیں گزارتا۔

انشال کا رزلٹ آیا تو وہ بہت روئی۔ ابو جی ہوتے تو کتنا خوش ہوتے' مشعل نے بھی انٹر کرلیا تھا' انشال نے ابو جی کے آفس کی طرف سے ملنے والی رقم کو مناسب جگہ پر فکسڈ کروا دیا تھا' اس کے سامنے بھائی بہنوں کا مستقبل اور ماں کی ضرورتیں تھیں' ابرار صاحب کی کمیٹی کا کچھ پیسہ ملا تھا۔ مشعل نے آگے پڑھنے سے انکار کردیا تھا کہ پڑھائی کے اخراجات اور گھر کے اخراجات چلانا آسان نہیں تھے' انشال نے سنا تو باقاعدہ اسے ڈانٹنے لگی۔

"مشعل پاگل ہوگئی ہو کیا؟ یہ کیا فضول بات کررہی ہو تم' پتا ہے ابو چاہتے تھے کہ ہم لوگ پڑھیں اس لیے پڑھنے کے معاملے میں کوئی منطق نہیں چلے گی۔" انشال کی بات پر مشعل آزردہ ہوگئی۔

"کیا بات ہے بھئی' کس بات کو لے کر بحث کی جارہی ہے؟" اسی وقت مصطفیٰ بھی آ گیا۔

"بس بھائی...... ابو جی ہمیں بہت یاد آتے ہیں' کتنی الجھنوں میں ڈال گئے ہیں۔" مشعل نے بھیگی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"نہیں گڑیا...... ایسے نہیں کہتے' اللہ پاک نے ہر چیز کا ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ آزمائشیں ہمیشہ ان پر آتی ہیں جو آزمائشوں پر پورا اترنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پھر تم کیوں فکر کرتی ہو جب تمہارے بڑے موجود ہیں۔" مصطفیٰ نے مشعل کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو انشال کی پلکیں بھی نم ہوگئیں۔

"اچھا چلو اٹھو آج میرا موڈ ہو رہا ہے کیرم کھیلنے کا' ہم لوگ کیرم کھیلتے ہیں اور تمہاری آپی ہمارے لیے چائے اور پکوڑے لاتی ہیں۔" مصطفیٰ نے ماحول کو بدلنے کے لیے کہا۔

"ارے واہ آپ لوگ کھیلیں اور میں کچن میں جاؤں؟" انشال نے بھی خود کو نارمل کرتے ہوئے مصطفیٰ کو دیکھ کر منہ بنایا اور مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔ مصطفیٰ کے آنے سے وہ لوگ وقتی طور پر بہل گئے تھے' مصطفیٰ رخسانہ بیگم کے پاس بھی کافی وقت بیٹھا رہا اور رات دیر گئے وہ لوٹ گیا تھا۔ انشال کچن کی صفائی کے بعد سونے کے لیے کمرے میں جانے سے پہلے رخسانہ بیگم کے کمرے میں آئی تو ان کو فکرمند دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا امی جی...... نیند نہیں رہی آپ کو؟"

"ہاں آج نیند نہیں آ رہی۔" انہوں نے ایک نظر انشال کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولیں۔ "سوچتی ہوں جو ذمہ داری ابرار احمد میرے کاندھوں پر ڈال گئے ہیں وہ کس طرح ادا کر پاؤں گی' ان کے بنا اتنی بڑی ذمہ داریاں کیسے پوری ہوں گی۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"امی جی...... میں نے کہا تھا ناں کہ آپ نے بالکل نہیں رونا' اللہ پاک نے ہم پر آزمائش ڈالی ہے وہی ہمیں ہمت طاقت بھی عطا کرے گا' وہی ہمارے حوصلوں کو تقویت بخشتا ہے' وہی وسیلے بھی بناتا ہے' وہی مسائل کے

حل بھی نکالنے والا ہے۔ ہمارے ایمان کی پختگی یہی ہے کہ ہم اپنے رب سے خیر مانگیں اس سے ہی رجوع کریں وہی رہنمائی کرنے والا ہے اس لیے آپ بھی بس اس پر بھروسہ رکھیں وہی سارے مسائل حل کرکے ہماری مدد کرے گا۔" انشال نے ان کے ہاتھ تھام کر دھیمے لہجے میں سمجھایا تو رخسانہ بیگم نے اس کو سینے سے لگا کر سر ہلایا۔

"دراصل بھابی صاحبہ چاہ رہی تھیں کہ اب تمہاری اور مصطفیٰ کی شادی کردیں اس لیے تھوڑی سی فکرمند ہوں۔" رخسانہ بیگم نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"امی...... ابھی فی الحال تو یہ ناممکن ہے میں ابھی شادی نہیں کرسکتی۔" انشال نے صاف انکار کردیا۔

"ارے کیا ہوگیا ہے تمہیں کیا مطلب ہے تمہارا؟ تمہاری شادی تو طے ہوچکی تھی اب ایسا کیا ہوگیا اس لیے بھابی کہتی ہیں کہ سادگی سے ہی......"

"امی جی......" اس نے ماں کی بات کاٹی۔ "کم از کم تین سال تک ایسا ناممکن ہے مشعل کا رشتہ طے ہوئے ایک سال ہوگیا ہے اب مزید ایک سال کا ٹائم باقی ہے اس کی شادی کرنی ہے عماد کی پڑھائی مکمل ہوجائے وہ جاب پر لگ جائے تو مجھے نمل کی فکر نہیں ہوگی۔ وہ ذمہ داری عماد اٹھالے گا مگر مشعل اور عماد کے لیے مجھے سوچنا ہے اور اسی وجہ سے آپ تائی امی سے بات کرلیں کہ تھوڑا سا انتظار کرلیں۔"

"پاگل ہوگئی ہو کیا انشال تم؟ یہ سب کچھ بھابی یا مصطفیٰ سے پوشیدہ نہیں وہ تمام حالات جانتے ہیں وہ کون سے غیر ہیں۔ سارے کام چلتے رہیں گے اس لیے تم شادی کی تیاری کرو۔" رخسانہ بیگم نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"امی جی آپ بات کو سمجھ نہیں رہی آپ کو نہیں پتا کہ ابو جی نے آخری وقت مجھ سے وعدہ لیا تھا انہوں نے مجھے بہت بڑی ذمہ داری سونپی ہے ان کی آنکھوں میں ایک امید و بھروسہ دیکھا تھا میں نے اور میں وہ بھروسہ قائم رکھنا چاہتی ہوں اس لیے میں جب تک اپنی ذمہ داری پوری نہ کرلوں اس وقت تک میں اپنی ذات کے بارے میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتی اور امی جی...... آپ کو اس معاملے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔" پیار سے کہتے ہوئے رخسانہ بیگم کو ان کی جگہ پر لیٹاتی چادر پھیلا کر وہ لائٹ آف کرکے کمرے سے نکل گئی۔

❁......❁......❁
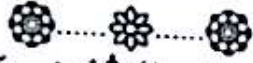
انشال نے جاب کے لیے کوشش شروع کردی تھی اس شام بھی وہ جاب کے سلسلے میں ابرار صاحب کے پرانے دوست سے مل کر آئی تھی منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوئی اور چائے بنا کر لائی تو مصطفیٰ آگیا۔

"انشال یہ کیا پاگل پن ہے یہ کیسا فیصلہ کررہی ہو تم؟" آتے ہی غصے سے سوال کیا۔

"کیوں کیا ہوا؟" چائے کا کپ مصطفیٰ کی جانب بڑھاتے ہوئے مطمئن انداز میں بولی ایسے ایسے ری ایکشن کی توقع تھی وہ ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھی۔

"میں تم سے ناراض ہوں تم نے شادی سے انکار کیوں کردیا؟"

"مصطفیٰ میں نے انکار نہیں کیا صرف کچھ سال کی مہلت مانگی ہے۔ مشعل کی شادی ہوجائے عماد کی جاب لگ جائے تب ہم شادی بھی کرلیں گے ناں تم کہیں بھاگے جارہے ہو ناں میں۔ تین چار سال میں ہم بوڑھے تو نہیں ہوجائیں گے۔"

"واہ انشال...... تم نے تو ایک لمحے میں ہمیں غیر کرڈالا بہت کمال بات کردی تم نے۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ صرف تمہیں ہی اپنی فیملی کا خیال ہے مجھے اور امی کو کچھ خیال نہیں ہے۔ ہم تم لوگوں کے بارے میں نہیں سوچتے؟ ہمیں تم لوگوں کے بارے میں کوئی علم نہیں؟ جس طرح مشعل عماد اور نمل تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں میرے بھی ہیں اور جتنی فکر تمہیں ان لوگوں کی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہے۔ میں بھی ان لوگوں کے لیے سوچتا ہوں فکر کرتا ہوں۔ میری بیمار امی کو بھی تمہاری ضرورت ہے ہم سب مل کر زندگی کو آسان بنائیں گے ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ میرا بھی رشتہ ان سب سے بہت مضبوط ہے۔"

"مصطفیٰ میں جانتی ہوں تائی امی اور آپ ہی ہمارے سچے ہمدرد ہیں لیکن...... لیکن میں نے ابو جی سے وعدہ کیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ شادی کے بعد عورت کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں میں نہیں چاہتی کہ میں اپنے گھر والوں کی وجہ سے آپ کی یا تائی امی کی ذمہ داریوں سے ذرا بھی کوتاہی برتوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب میں آپ کی زندگی میں آؤں تو مکمل طور پر آپ کے اور آپ کے گھر کے لیے سوچوں تو پلیز آپ تائی امی کو بھی سمجھائیں۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے عاجزی سے کہا۔

"انشال تم خوامخواہ ہی ایموشنل ہو رہی ہو جبکہ چچا جان بھی ہماری شادی کی تیاری کر رہے تھے میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ امی جی کی بھی یہی خواہش ہے وہ کب تک انتظار کریں گی؟" مصطفیٰ کا لہجہ بھی نرم ہوا تھا۔

"اچھا مصطفیٰ مجھے بس مشعل کی شادی تک کا ٹائم دے دو کم از کم میں ایک ذمہ داری تو پوری کر دوں۔" انشال کی بات پر مصطفیٰ نے اسے گہری اور چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا انشال کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی اور قطعیت دیکھ کر وہ اندر تک دکھی ہو گیا۔

"او کے جیسے تمہاری مرضی۔" وہ ہار مانتا ہوا بولا۔

"اوہ تھینک یو سو مچ مصطفیٰ......" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر تشکر بھرے لہجے میں گویا ہوئی مصطفیٰ یک دم ہی چپ ہو گیا تھا۔ وہ بہت بجھا بجھا سا لگ رہا تھا اسے واقعی انشال کی بات سے دکھ ہوا تھا انشال نے رتی برابر بھی اس پر بھروسہ نہیں کیا وہ مصطفیٰ کو اجنبی اور غیر بندے کی طرح سمجھ رہی تھی اور تمام مسائل کو صرف اور صرف اپنے ذاتی مسائل سمجھ کر نہ تائی کا خیال کیا اور نہ ہی مصطفیٰ کے جذبات کی پروا کی۔ سفینہ بیگم کو بھی انشال کی بات سے صدمہ ہوا مگر مصطفیٰ نے ان کو سمجھا کر خاموش کروا دیا تھا۔

انشال کو ایک فرم میں جاب مل گئی تھی ساتھ ساتھ وہ پڑھائی بھی کر رہی تھی۔ وقت آگے سرکا تو مشعل نے گریجویشن کر لیا تو اس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں گو کہ مصطفیٰ مشعل کی شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا مگر وہ چپ اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ خیر سے مشعل کی شادی ہو گئی وہ اپنے سسرال چلی گئی اس روز رخسانہ بیگم بہت روئی تھیں ان کو ابرار صاحب کی شدت سے یاد آئی تھی۔ گھر کی پہلی خوشی تھی اور وہ ابرار صاحب کے بغیر انجام کو پہنچی۔ انشال بھی بہت اداس تھی مگر دوسری جانب مطمئن بھی تھی کہ اللہ پاک نے ایک بڑے فرض کو بخیر و خوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔

عماد کا ایم بی اے بھی آخری مراحل میں تھا پرائیوٹ ایم بی اے کرنا کچھ آسان نہ تھا مگر یہ ابرار صاحب کی خواہش تھی اس لیے انشال دن رات محنت کر کے اکلوتے بھائی کی تعلیم کے اخراجات پورے کر رہی تھی۔ عماد نے کئی بار انشال سے کہا کہ میں بھی ٹیوشنز پڑھا سکتا ہوں مگر انشال نے ہر بار سختی سے منع کر دیا۔

"نہیں تمہیں صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دینا ہے بس میری دلی تمنا ہے کہ تم جلد از جلد اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ اور میں ابو کے سامنے سرخرو ہو جاؤں۔" انشال کا لہجہ گلوگیر ہو جاتا تو عماد محبت بھری نظروں سے اپنی آپی کو دیکھتا رہ جاتا۔

مشعل کی شادی خیر سے ہوئی تو رخسانہ بیگم نے انشال کو بھی شادی کرنے کے لیے کہا۔

"جی امی...... جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" انشال کو مصطفیٰ سے کیا گیا وعدہ یاد آ گیا تو اس کو ہار ماننا پڑی۔

"اچھا میں کل ہی بھابی سے بات کرتی ہوں کہ اللہ پاک جلدی سے یہ فرض بھی پورا کروا دے۔" رخسانہ بیگم نے آگے بڑھ کر انشال کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

اسی رات سفینہ بیگم کا بی پی ایک دم شوٹ کر گیا بیمار خاتون تھیں مصطفیٰ بھی جاب میں مصروف رہتا تھا حالانکہ ایک کام والی ماسی رکھی تھی مگر وہ کون سا چوبیس گھنٹے ساتھ رہتی کبھی کبھی وہ دوا لینا بھی بھول جاتی تھیں اس روز بھی ایسا ہی ہوا رات کو کھانا کھا کر وہ جلدی لیٹ گئیں آنکھ لگ گئی تو دوا لینا بھول گئیں۔ بی پی نہ جانے کب شوٹ کر گیا

طبیعت گھبرائی تو مصطفیٰ کو آوازیں دیں' مصطفیٰ بھاگا ہوا آیا اور رات کے چار بجے ان کو ہسپتال لے کر بھاگا مگر بی پی کی وجہ سے ان کو برین ہیمرج ہوگیا اور وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ مصطفیٰ تو نیم پاگل سا ہوگیا' اس کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا ماں کی جدائی کا غم پہاڑ بن کر اس پر ٹوٹا تھا۔ وہ تو بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی تیاری کر رہی تھیں' کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے تھے انشال کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وقت وہ کس طرح اور کن الفاظ میں مصطفیٰ کو تسلی دے۔

مصطفیٰ بالکل اکیلا رہ گیا تھا' دس سال کا تھا جب والد کا انتقال ہوگیا تھا تب ماں نے ہی اسے پالا پوسا تھا' اس کو لے کر سہانے خواب دیکھے تھے۔ ایک مصطفیٰ ہی ان کی تمناؤں کا مرکز تھا' بہت محنت مشقت کر کے انہوں نے مصطفیٰ کو اچھی تعلیم دلوائی۔ اچھی پرورش کی اور جب ان کو آرام' سکون اور راحت کا وقت ملنا تھا وہ چپکے سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی گئیں۔

عماد کی تعلیم مکمل ہوئی' اس کو جاب بھی مل گئی' سفینہ بیگم کے انتقال کو دو ماہ ہوگئے تب رخسانہ بیگم نے سوچا کہ سادگی سے انشال کی رخصتی کر دیں کیوں کہ مصطفیٰ بہت اکیلا ہوگیا تھا اس کے لیے کافی مشکلات پیدا ہوگئی تھیں اب اس کو مورل سپورٹ کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس طرح سے وہ سفینہ بیگم کے صدمے سے بھی تھوڑا باہر آسکتا تھا' انشال ساتھ ساتھ رہتی تو اس میں تبدیلی آسکتی تھی یہی سوچ کر انہوں نے انشال سے بات کی۔

''ٹھیک ہے امی جی..... میں کل آفس سے واپسی پر مصطفیٰ سے مل کر آتی ہوں' بات بھی کرلوں گی۔'' انشال نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا تو رخسانہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔

زندگی کیسے عجیب عجیب سے امتحانات لیتی ہے ایک وقت وہ تھا کہ جب ابرار صاحب شادی کی تیاریاں کر رہے تھے اور حالات نے پلٹا کھایا اور اب سفینہ بیگم کی موت نے حالات کو نیا رخ دے دیا تھا۔ وہ آفس سے سیدھا مصطفیٰ کے پاس آگئی مصطفیٰ بیڈ پر کاغذات پھیلائے کچھ مصروف تھا۔

''السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟ آپ آئے نہیں کافی دن سے امی یاد کر رہی تھیں۔'' انشال نے کاغذات پر اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔

''ہاں' مصروف ہوں کام میں' بیٹھو تم۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''چائے لاؤں آپ کے لیے؟'' انشال نے لہجے کو بشاش بناتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' میں نے سیکھ لی ہے اب اچھی چائے پکا لیتا ہوں بالکل امی جیسی۔'' اس بار لہجے میں سرد مہری کے ساتھ ساتھ درد بھی تھا' انشال نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا ہوا مصطفیٰ؟'' انشال نے اس کے سپاٹ چہرے کو غور سے دیکھا۔

''کچھ نہیں' ہونا کیا ہے' بس میں نے حالات سے کمپرومائز کرنا سیکھ لیا ہے۔ اس طرح رہنا' اپنے کام کرنا اور تنہا جینا۔'' لہجہ بدستور وہی تھا' انشال کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''مصطفیٰ آپ کی تنہائی اور اکیلے پن کا ہمیں بھی احساس ہے اس لیے امی نے کہا ہے کہ وہ سادگی سے ہماری شادی کرنا چاہتی ہیں۔''

''کیا؟'' مصطفیٰ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر تیکھے چتونوں سے اس کی جانب دیکھا۔

''جی مصطفیٰ..... کیوں کہ اب آپ کو ضرورت ہے اور مجھے لگتا ہے کہ ہمیں شادی.....''

''نہیں انشال..... تمہیں سب غلط لگتا ہے کیوں کہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' کاغذات سمیٹ کر فائل میں لگاتے ہوئے انتہائی روکھے لہجے میں بولا۔

''کیا..... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اس کی بات پر انشال کرسی سے اچھل پڑی۔

''ہاں..... ہاں مس انشال ابرار احمد..... کیوں کہ ساری باتیں میرے لیے فضول اور بے معنی ہیں کیونکہ جب مجھے اس کی ضرورت تھی' میری ماں کو یہ خواہش تھی تب

تم مجبوریوں ذمہ داریوں اور مسائل کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں اور تم نے ہمیں غیر اور ناکارہ سمجھ کر لوٹا دیا تھا۔ اپنی ماں کا میں اکلوتا بیٹا تھا اور مجھ کو لے کر میری ماں نے بہت سارے خواب دیکھے تھے ان کو بھی مجھے دلہا بنے دیکھنے کی تمنا تھی ان کی بھی کچھ خواہشات تھیں۔ کچھ سپنے تھے جو انہوں نے میری ذات کے حوالے سے دیکھے تھے اب جب کہ میری ماں نہ رہیں تو میرے لیے یہ ساری باتیں الفاظ رسمیں سب بے معنی رہ جاتی ہیں۔ میرے لیے یہ سب بے کار ہے کیوں کہ میری خواہشات بھی میری ماں کے ساتھ دفن ہوگئی ہیں۔'' مصطفیٰ کے الفاظ نشتر بنتے انشاں کے وجود میں پیوست ہو رہے تھے۔

''مصطفیٰ......!'' انشال نے کرب سے اسے پکارا۔ ''آپ تو جانتے ہیں کہ میں اس وقت کن حالات سے دوچار تھی مجھے ابو جی کے سامنے سرخرو ہونا تھا۔ آج تک میرے باپ کی پُر امید آنکھیں دکھائی دیتی ہیں ان کے چہرے کی بے بسی میں بھول نہیں سکتی۔ میں نے ابو جی سے وعدہ کیا تھا کہ میں خیال رکھوں گی سب کا اور......''

''انشال......'' مصطفیٰ نے درمیان سے اس کی بات کاٹی۔ ''یہاں پر ایک بیمار عورت کی مرنے تک یہ ہی خواہش تھی میں نے تمہیں ہر طرح سے سمجھانا چاہا ہر ممکن تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انشال میں کوئی غیر نہیں تھا نہ ہی امی نئی تھیں کہ تمہارے حالات سے ناواقف ہوں۔ ہم مل جل کر حالات کا مقابلہ کرسکتے تھے میں خود کو اپنی مرحومہ ماں کے سامنے شرمندہ اور مجرم سمجھنے لگا ہوں کہ تمہاری ضد نے مجھے اتنا مایوس کردیا تھا تم نے کبھی بھی میری بات کو میرے نظریے اور میری ماں کے حوالے سے محسوس ہی نہیں کیا۔''

''مصطفیٰ پلیز میں اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو چکی تھی ہم بہت آزمائش اور کٹھن دور سے گزر رہے تھے۔'' انشال کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

''تم ایک بار مجھ پر بھروسہ کرکے دیکھتیں میری بات پر غور کرتیں مگر......تم......؟ بہرحال میں لمبی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ امی جی کے بعد مجھے یہ گھر محلہ اور شہر سب کچھ ویران دکھائی دینے لگا ہے۔ میں اس طرح خود کو کبھی معاف نہیں کرپاؤں گا اس لیے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملک ہی چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لیے اور تمہیں اپنی طرف سے آزاد کررہا ہوں میں تمہیں پابند نہیں کروں گا۔ تمہاری اپنی مرضی ہے تمہاری اپنی زندگی ہے جس طرح چاہے گزارو۔''

''یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' شدتِ غم اور حیرانی سے انشال کی آنکھیں پھٹنے لگیں منہ سے گھٹی گھٹی سی آواز سسکی کی صورت نکلی اسے مصطفیٰ سے ہرگز اس انتہائی ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

''اگر آپ میری مجبوریوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رہے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ تائی امی کے ساتھ میں نے غلط کیا تو......سوائے ہاتھ جوڑ کر اور گڑگڑا کے معافی مانگنے کے سوا کیا کرسکتی ہوں مگر......اللہ کو گواہ بنا کر صرف اتنا کہوں گی کہ شاید میری غلطی ہو مگر میں نے تو سب کی بھلائی اور اپنا فرض سمجھ کر وہ کیا جو مجھے سمجھ میں آیا ہاں شاید یہاں میری غلطی ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ اور تائی امی کے ساتھ غلط کیا کہ آپ کو اپنے مسائل کا حصہ نہیں بنایا بہرحال ایک بات ضرور کہوں گی کہ میرے دل میں صرف اور صرف آپ ہیں۔ میں نے صرف اور صرف آپ کے ساتھ کی خواہش کی اور اگر آپ نہیں تو زندگی میں کوئی اور آپ کی جگہ نہیں لے پائے گا۔'' انشال نے اپنے لہجے کو مضبوط بنانے کی ناکام کوشش کی۔

''میرے لیے بھی تم پہلی اور آخری لڑکی ہو لیکن بس......نہ جانے کیوں اب میں بھی یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ یہاں سے دور بہت دور چلا جاؤں۔ چچی جان کو سلام کہنا اور اپنے گھر والوں کا ہمیشہ یونہی خیال رکھنا۔'' انشال کو اٹھتا ہوا دیکھ کر اس نے آخری جملے پر زور دے کر کہا۔ انشال نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک نظر مصطفیٰ کے سپاٹ چہرے پر ڈالی آخری بار گھر اور کمرے کو دیکھا ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اور پھر تیز تیز قدم

اٹھاتی گھر سے نکل گئی۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی جب انشال گھر میں داخل ہوئی۔

''امی...... امی......'' وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی رخسانہ بیگم کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رودی' ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ ماں کے سینے سے لگ کر تو سارے دکھ' غم سب کچھ تازہ ہوجاتے ہیں۔ اپنوں کے آگے دکھ زیادہ شدید انداز میں اثر انداز ہوتا ہے۔

''انشال...... انشال......'' رخسانہ بیگم اس کی حالت دیکھ کر حواس باختہ ہوگئیں۔

''کیا ہوا؟ ارے کچھ بتاؤ بھی' تم مصطفیٰ سے ملنے گئی تھیں' وہ...... ٹھیک تو ہے ناں؟'' لیکن انشال ان کی بانہوں میں بے ہوش ہوگئی تھی۔

''عماد جلدی سے آؤ'' رخسانہ بیگم پوری قوت سے چیخیں' آنکھ کھلی تو خود کو ہسپتال کے بیڈ پر پایا۔

''انشال میری بچی......'' اس کی آنکھیں کھلی دیکھ کر نمل' عماد اور رخسانہ بیگم اس کے مزید قریب آگئے۔

''کیا ہوا میری بچی؟'' رخسانہ بیگم جو بدستور رو رہی تھیں' بے قرار لہجے میں سوال کیا۔

''کیا بتاؤں؟'' اس نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے۔

''آپی! کیا ہوا ہے...... کیا مصطفیٰ بھائی نے کچھ کہا؟ میں نے کال کی لیکن ان کا سیل بھی بند تھا۔ بتاؤ تو آخر ہوا کیا ہے؟'' عماد نے اس کے ہاتھ تھام کر ملائمت سے پوچھا۔

''امی جی...... عماد......'' اتنی دیر میں انشال نے خود پر کنٹرول کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''بولو کیا ہوا...... میری بچی؟'' تب انشال نے دھیرے دھیرے مختصراً سارا احوال بتادیا۔

''ہائے میں مرگئی۔'' رخسانہ بیگم کرسی پر ڈھ گئیں۔

''ارے کیا مصطفیٰ بھائی پاگل ہوگئے ہیں' اتنا بڑا فیصلہ وہ کس طرح کرسکتے ہیں جب اپنے ہیں' اپنا کہتے ہیں خود کو تو...... اپنوں کے ساتھ یوں برتاؤ کیا جاتا ہے کیا؟ میں ابھی جاکر ان سے بات کرتا ہوں' حد کرتے ہیں وہ اگر...... آپی کو کچھ ہوجاتا تو......'' عماد غصے میں آپے سے باہر ہورہا تھا۔

''عماد...... یہ سب باتیں اب فضول اور بے مطلب ہیں کیوں کہ اس بات کو تین گھنٹے گزر چکے ہیں اور...... اور مصطفیٰ اس وقت شاید پاکستان کی حدود سے باہر نکل چکے ہوں گے لہٰذا اس بات کو یہیں ختم کردو۔''

''ارے واہ...... ایسے کیسے ختم کردیں' کیا مجھے ریحانہ کی موت کا غم نہیں۔ وہ کس طرح ایک فضول بات کو لے کر اتنا سنگین فیصلہ کرگیا ہے۔'' اس بار رخسانہ بیگم بولیں۔

''امی جی...... آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں' وہ جب یہاں نہیں ہیں تو آپ لوگ کیسے اور کہاں تلاش کریں گے؟ اور پھر کون سا آپی ان کے نکاح میں تھیں' چھوڑیں ان کو بس آپی کے لیے سوچیں اللہ کا کرم ہے کہ آپی ٹھیک ہیں اس لیے اب لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''ہائے اللہ یہ کیا ہورہا ہے ہمارے ساتھ؟ کیوں بار بار ہمیں آزمائش میں ڈال رہا ہے' اللہ پاک ہم سے کون سا گناہ ہوگیا ہے؟ ہمیں معاف کردے میرے مولا...... ہم کمزور' ناتواں اور بے بس بندے ہیں۔ ہم پر رحم کرنا میرے رب' ہم پر مزید آزمائش مت ڈالنا' آمین۔'' رخسانہ بیگم باقاعدہ بین کرنے لگی تھیں۔

''بس کریں امی جی...... یہ گھر نہیں اسپتال ہے۔'' عماد نے تھوڑے سے تیز لہجے میں ماں سے کہا تو رخسانہ بیگم بے چارگی سے انشال کی طرف دیکھنے لگیں۔

ڈاکٹرز کے مطابق اچانک شاکڈ کی وجہ سے انشال کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اس وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی' اب حالت بہتر تھی اس لیے ضروری ہدایات کے بعد ڈاکٹرز نے اس گھر جانے کی اجازت دے دی۔ حالات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں؟ یا کچھ بھی ہوجائے کوئی جیتے جی ہمیں چھوڑ جائے' مگر زندگی اپنی مخصوص رفتار سے چلتی رہتی ہے۔ کسی کے آنے سے یا کسی کے جانے سے گو کہ زندگی میں ایک خلل' کمی اور ادھورا پن ضرور آجاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے زندگی پر جمود سا طاری ہوگیا ہو مگر رفتہ رفتہ

حالات و واقعات اور ہمارے اردگرد کے لوگ ہمیں پرانی ڈگر پر لے آتے ہیں‘ یہی سلسلہ ہے جو ازل سے چلتا آرہا ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

❁......❁......❁
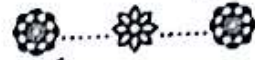
وقت دھیرے دھیرے سرکتا رہا‘ گھر کا ماحول بہت مکدر سا ہوگیا تھا۔ عماد کو اچھی جاب مل گئی تھی‘ اس دوران نمل کا رشتہ بھی طے ہوچکا تھا۔ ایک دو رشتے انشال کے لیے بھی آئے لیکن انشال نے سختی سے منع کردیا تھا۔ بظاہر انشال بہت مطمئن اور خوش نظر آتی‘ اس نے خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا جس بات کو لے کر اس کی زندگی میں اتنا بڑا طوفان آیا تھا۔ وہ اسی بات پر مزید عمل درآمد کرنے لگی تھی۔ امی جی گھر اور بہنوں اور بھائی کا خیال رکھتیں ان کے لیے سوچتیں اور ان کے لیے ہی محنت کرتیں۔

اس رات انشال اپنے کمرے سے عماد کے کمرے کی طرف آئی اسے کچھ بات کرنی تھی تب ہی عماد کے کمرے سے آتی آوازیں سن کر وہ ٹھٹک گئی۔

”ہاں ہاں یار تم فکر مت کرو بس اس پرپوزل کو منع کروا دو میں کچھ کرتا ہوں تمہارے لیے۔ ہاں یار...... یہی تو مسئلہ ہے امی جی کو آپی کی وجہ سے اعتراض ہوگا۔ اوکے چلو تم ٹینشن مت لو میں بات کروں گا امی سے‘ آرام سے سو جاؤ سویٹ ہارٹ‘ آئی لو یو سوچ۔“ انشال واپس اپنے کمرے جانب چل دی۔

”عماد اس وقت یوں بے تکلفی سے کس سے بات کررہا تھا یقیناً شادی کے حوالے سے بات ہورہی تھی اور مجھے لے کر وہ لوگ پریشان ہیں۔“ کافی دیر تک انشال عماد کے بارے میں سوچتی رہی‘ الجھتی رہی اور دوسرے دن عماد نے اپنے حوالے سے رخسانہ بیگم سے بات کی۔

”امی آپ لوگ میرا رشتہ لے کر میری دوست انابیہ کے گھر جائیں۔“

”ہائیں...... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ میں انشال کی شادی سے پہلے تمہارے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔“

رخسانہ بیگم کو عماد کی بات اچھی نہیں لگی۔

”مگر امی...... انابیہ کا پرپوزل آیا ہوا ہے اس کے والدین وہاں ہاں نہ کردیں۔ اب تو آپی کے لیے کوئی رشتہ بھی نہیں آرہا‘ جب آئے تب انہوں نے انکار کردیا۔“

”اور امی جی اگر آپی کی شادی طے نہ ہوئی تو کیا ہم ایسے ہی بیٹھے رہیں گے اور میں مل چکی ہوں انابیہ سے امی بہت بیوٹی فل ہے وہ۔ اس کے لیے تو بہت پرپوزلز ہیں۔“ اس بار نمل بولی تھی‘ چھوٹی سی نمل جسے انشال گڑیا کہتی تھی۔

”جی امی جی...... ہم آپی کو لے کر کوئی رسک نہیں لے سکتے‘ آپ لوگ جاکر بات تو طے کردیں اور پھر نمل کے سسرال والے بھی تو شادی پر اصرار کررہے ہیں۔ سوچنا تو پڑے گا ہمیں۔“ عماد کی آواز تھوڑی تیز ہوئی۔

”یہ اس کے چھوٹے بھائی‘ بہن تھے جنہیں گزشتہ سالوں سے انشال نے ماں باپ بن کر پالا تھا۔ عماد سچ ہی تو کہہ رہا تھا‘ سب کو اپنے اپنے مستقبل کی فکر تھی اور وہ...... وہ جس نے اتنے سال گنوا دیئے‘ اپنی زندگی کی خوشیاں داؤ پر لگا کر بھی خالی ہاتھ تھی ساری رات نیند اس سے روٹھی رہی مختلف سوچوں نے اسے ایک پل کے لیے بھی قرار نہ بخشا‘ دکھ اس کے اندر تک اتر گیا تھا صبح وہ آفس بھی نہ جاسکی۔

”ارے کیا ہوا بیٹی...... آج آفس بھی نہیں گئیں تم؟“ رخسانہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں تو اس کا تھکا تھکا چہرہ‘ سرخ آنکھیں بے خوابی کی گواہی دے رہے تھے۔

”جی امی...... سر میں درد تھا اس لیے آنکھ نہیں کھلی۔“ اس نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے‘ تم نیند پوری کرلو کافی دنوں سے نیند بھی پوری نہیں ہوئی تمہاری۔“ رخسانہ بیگم نے اس پر چادر صحیح سے پھیلاتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کرکے واپس چلی گئیں۔

”نیند تو میرے اپنوں نے اڑائی ہے اماں۔“ وہ تکیے میں منہ دیتے ہوئے سوچنے لگی۔

دس بجے تک نیند پوری کرکے اٹھی تو طبیعت کچھ بہتر لگی شاور لے کر وہ ناشتا کرکے رخسانہ بیگم کے کمرے میں

آ گئی۔ رخسانہ بیگم اس وقت سبزی کاٹ رہی تھیں۔

''کافی تھکی ہوئی سی لگ رہی ہو بیٹی' بہت کام کررہی ہو' میں کہتی ہوں کچھ دن جاب سے چھٹی لے کر ریسٹ کرلو۔ اب تو عماد بھی ماشاء اللہ تنخواہ لانے لگا ہے۔'' رخسانہ بیگم نے غور سے اس کے مضمحل چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں امی جی' اب مجھے عادت ہوگئی ہے اگر ریسٹ کروں گی تو میں بور ہوجاؤں گی' یوں مصروف رہنا مجھے اچھا لگنے لگا ہے یا شاید میں مصروفیت کی عادی ہوگئی ہوں۔'' چائے کا سپ لے کر اس نے کپ ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

''اور امی...... میرے خیال میں ہمیں اب نمل کی شادی کی تیاری شروع کردینی چاہیے اس کا گریجویشن مکمل ہونے والا ہے......''

''انشال...... اس بات پر میں ہرگز راضی نہیں کہ عماد کی شادی تم سے پہلے ہو۔'' رخسانہ بیگم نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے تیزی سے کاٹی۔

''اوکے...... اوکے' چلیں آپ بات طے تو کرسکتی ہیں ناں عماد کی۔'' انشال نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ رخسانہ بیگم تذبذب کا شکار ہوئیں۔

''امی پلیز جو ہمارے ہاتھ میں ہے وہ تو ہم کرسکتے ہیں ناں' عماد جہاں چاہتا ہے وہاں اس کا پرپوزل لے کر چلتے ہیں۔ نمل کی شادی کی تیاری اسٹارٹ کرتے ہیں اور اچھے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ امی جی جو خوشیاں ہماری منتظر ہیں ان کو تو خوش آمدید کہیں ناں۔'' انشال کی بات پر رخسانہ بیگم نے آبدیدہ نظروں سے اس کے پُرسکون چہرے کی جانب دیکھا' کتنی حوصلہ مند' پُرخلوص اور ثابت قدم لڑکی تھی وہ لاابالی سی انشال کو وقت نے کتنا معتبر' سنجیدہ اور بڑا بنادیا تھا۔ ایک گہری نظر انشال پر ڈال کر انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

''واؤ آپی...... تھینک یو سوچ مچ۔ آئی لو یو میری سویٹ آپی۔'' عماد نے سنا تو اس کو گلے سے لگا کر خوشی سے نعرہ لگایا۔

''جیتے رہو' شاد و آباد رہو بھیا۔'' انشال نے دعا دی۔

❁......❁......❁
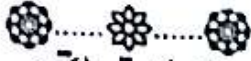
انابیہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی' عام سی فیملی سے تعلق رکھتی تھی صورت شکل تو اچھی تھی مگر تھوڑی سی خودسر اور مغرور سی لگی تھی مگر عماد کی پسند تھی اس لیے سب نے دل سے قبول کرلیا۔ عماد کا رشتہ طے ہوگیا اور ساتھ ہی نمل کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہوگئیں۔ انشال نے رخسانہ بیگم اور عماد کے مشورے سے گھر کا آدھا حصہ یعنی ایک پلاٹ فروخت کردیا کیونکہ گھر کافی بڑا تھا۔ لوگ کم تھے اور فی الحال رقم کی ضرورت بھی تھی' اپنے پورشن کے اوپر تھوڑا سا ضرورت کے مطابق گھر بنوا کر کرائے پر چڑھا دیا اور تھوڑا سا انشال نے قرضہ بھی لے لیا یوں اوپر کا پورشن بھی بن گیا جس سے آمدنی ہونے لگی ساتھ ہی نمل کی شادی بھی احسن طریقے سے ہوگئی۔ انشال کافی مطمئن تھی کہ اللہ پاک نے دوسرے اہم فرض سے سبکدوش کردیا تھا۔ مشعل کم کم آتی' نمل اور مشعل اپنے اپنے گھروں میں خوش تھے۔

ابھی نمل کی شادی کو کچھ ماہ ہی گزرے تھے کہ انابیہ کے والد کی طبیعت خراب ہوگئی ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا طبیعت کافی خراب تھی۔ ڈاکٹر ان کی طرف سے ناامید ہوچکے تھے' ان کی طرف سے یہ پیغام آیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے ہیں انابیہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے سامنے اپنی بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں۔

''نہیں' ایسا کیسے ممکن ہے؟ میں نے پہلے انشال کی شادی کرنی ہے۔'' رخسانہ بیگم نے سختی سے انکار کیا۔

''نہیں امی جی پلیز۔'' انشال کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی بدلا' گزشتہ وقت کی تلخ و تکلیف دہ یاد نے یکلخت اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ رخسانہ بیگم نے اس کے چہرے پر پھیلے کرب کو محسوس کیا تھا ان کے دل میں درد سا ہوا۔

''امی جی' ایک بار پھر...... ایک بار پھر ہم اس غلطی کو ہرگز نہیں دہرائیں گے' بعض پچھتاوے اتنے گہرے گھاؤ

لگادیتے ہیں کہ سال ہا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کی کسک اور جلن ہمیں اپنے اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن تب وقت گزر چکا ہوتا ہے تب ہمیں احساس کے کچوکے دکھ کے تازیانے اور اذیت کے ناگ لمحہ بہ لمحہ ڈستے ہیں اور میں...... اب ایسا کچھ نہیں کرنے دوں گی۔ امی جی آج کا یہ فیصلہ کل کے لیے اذیت کا باعث بنے ہمیں عماد کی شادی کردینی چاہیے۔ آگے کے حالات صرف اللہ پر چھوڑ کر ہمیں حال کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے امی جی۔'' انشال کے لہجے میں بے تحاشا دکھ بول رہے تھے رخسانہ بیگم رنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

وقت اور حالات نے اسے کتنا سمجھ دار بنادیا تھا' وہ صرف اور صرف دوسروں کے بارے میں سوچتی۔ وقت نے اسے کتنا بڑا بنادیا تھا اور حالات نہ جانے اسے کون سے دوراہے پر لے جارہے تھے رخسانہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''بس امی جی...... مشعل اور نمل سے کہہ دیں کہ شادی کی تیاری شروع کردیں ہم اپنے بھائی کی شادی خوب دھوم دھام سے کریں گے۔'' لہجے کو بشاش بناتے ہوئے انشال مسکرائی رخسانہ بیگم سرہلا کر رہ گئیں۔

عماد کی شادی طے ہوئی تو انشال پر مزید کام کا بوجھ بڑھ گیا' وہ آفس میں زیادہ ٹائم دینے لگی تھی' رخسانہ بیگم مشعل اور نمل مل کر تیاری کررہی تھیں۔ اس روز بھی وہ لوگ شاپنگ کرکے لوٹے تھے' مشعل کے دو بیٹے تھے جب کہ نمل کی ایک بیٹی۔ بچے بھی آجاتے تو رونق لگی رہتی' اس روز عماد آفس سے لوٹا تو سب لوگ موجود تھے' شاپنگ کرکے واپس آئے تھے کچھ دیر بعد انشال بھی آگئی۔ سارے شاپرز قالین پر پھیلے ہوئے تھے سب نے اپنی اپنی شاپنگ بھی کی تھی۔ انشال نے سب تیاری رخسانہ بیگم کی مرضی پر چھوڑ دی تھی۔

''ارے واہ' یہ تو بڑے پیارے پیارے سوٹس ہیں۔'' قالین پر بکھرے مختلف سوٹس دیکھ کر انشال خوش دلی سے بولی وہ ابھی ابھی روم میں داخل ہوئی تھی۔

''آپی آجاؤ' یہ دیکھو ہم آپ کے لیے بھی سوٹ لے آئے۔'' نمل نے کہا تو وہ مسکرا کر بیٹھ گئی۔

''گڈ۔'' سارے سوٹس پر نظر ڈالی سارے اچھے تھے اسے کاپر اور سی گرین کومبینیشن والا کام کا سوٹ اچھا لگا۔

''یہ والا سوٹ میں لے لیتی ہوں۔'' انشال نے سوٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں آپی' یہ تو ہم دلہن کی بری کے لیے لائے تھے کاپر کلر اور برائٹ کام والا یہ بھلا سوٹ آپ پر اچھا تھوڑی لگے گا۔'' مشعل کی بات پر انشال نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کو دیکھا' سوٹ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔

''مشعل...... کیا مطلب ہے تمہارا؟ انشال بوڑھی تو نہیں ہوگئی جو اس طرح سے کہہ رہی ہو یہ کلر انشال پر اچھا نہیں لگے گا۔'' رخسانہ بیگم کو مشعل کی بات بہت بری لگی۔

''امی جی...... مشعل آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں' ہم یہ کھلتا ہوا کلر اناب یہ بھابی کے لیے ہی لائے ہیں۔ آپی کے لیے تو یہ گرے سوٹ لیا ہے۔'' نمل نے مشعل کی تائید کی اور لائٹ گرے سوٹ اٹھا کر رخسانہ بیگم کی جانب بڑھایا۔ انشال کو بہنوں کی بات سے شدید جھٹکا لگا تھا' اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' آہستگی سے سوٹ کارپٹ پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور رخسانہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''امی...... میں کچھ دیر آرام کرلوں۔'' کہہ کر کمرے سے نکل گئی' اپنے کمرے میں آئی تو دل بہت دکھی ہورہا تھا۔ بہنوں کے رویے نے سخت ذہنی اذیت پہنچائی تھی۔

''کیا میری عمر نکل گئی؟'' اس نے آئینہ میں اپنا جائزہ لیا' گزشتہ برسوں نے اس کی صحت پر اثر تو ڈالا تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا۔ سات آٹھ سال میں وہ کوئی پچاس سال کی عورت تو نہیں بن گئی تھی' وقت نے یہ تبدیلی ضرور کی تھی کہ اس سے چھوٹی بہنیں مائیں بن چکی تھیں' انشال نے اپنے بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا۔ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی' رات کے نو بجے آنکھ کھلی تو رخسانہ بیگم عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں' مشعل اور نمل اپنے گھر جاچکی تھیں' عماد گھر پر

نہیں تھا۔ وہ رخسانہ بیگم کے کمرے میں آئی تو رخسانہ بیگم کی نماز ختم ہوگئی تھی اور وہ جائے نماز تہہ کررہی تھیں۔

''جی امی جی..... اب یہ بتائیں کے عماد کی شادی کے حوالے سے کتنی تیاری رہ گئی ہے۔'' بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے بشاش لہجے میں سوال کرتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ رخسانہ بیگم نے جائے نماز شیلف پر رکھتے ہوئے پلٹ کر بغور اسے دیکھا۔

''کیا ہوا امی؟'' اس نے ماں کو یوں گھورتا دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

''انشال...... مانا کہ تم پر کم عمری میں گھر کی ذمہ داری آن پڑی' تم نے اس گھر کو اور گھر کے لوگوں کو مرد بن کر سنبھالا ہے لیکن...... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم دوسروں کو سنوارتے اور سنبھالتے ہوئے خود کو اس حد تک نظر انداز کردو کہ اپنی عمر سے بھی دس سال بڑی لگنے لگو۔ اپنی عمر کی لڑکیوں کو دیکھو کیسی بنی ٹھنی رہتی ہیں' کچھ تو غیر شادی شدہ بھی ہیں مگر خود کو سجا کر رکھتی ہیں اور ایک تم ہو کہ تمہیں اپنی فکر ہوتی ہے نہ اپنا خیال رکھتی ہو۔ مشین بن کر بس کام کام کرتی رہتی ہو ذرا اپنے آپ کو بھی دیکھو تھوڑا سا خود پر بھی دھیان دو۔''

''ارے امی جی' چھوڑیں بھی کیا ہوگیا ہے آپ کو کیسی باتیں کررہی ہیں۔ اچھی بھلی تو ہوں میں الحمدللہ مجھے کیا ہوا ہے بھلا؟ اور پھر مجھے کون سا کسی فیشن شو میں حصہ لینا ہے جو بن ٹھن کر رہوں۔ میں جیسی بھی ہوں بہت خوش اور مطمئن ہوں اور مجھے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا ہے اس لیے میری فکر نہ کیا کریں بس دعا دیا کریں۔ اچھا یہ بتائیں آپ کے کپڑے سل کر آ گئے؟'' لمبی چوڑی بات کے بعد اس نے یک دم سے بات بدل کر خوشگوار انداز میں سوال کیا۔ رخسانہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

عماد کی شادی بھی ہوگئی اپنے طور سے۔ بہنوں نے اپنے اپنے ارمان نکالے رسومات کے وقت مشعل اور کمل انشال کو مسلسل اگنور کرتے اور باقاعدہ اسے کوئی بھی رسم کرنے سے منع بھی کرتے رہیں۔

''آپی پلیز' آپ ہٹ جائیں۔ بھائی' کوشش کریں کہ بھابی کے ساتھ میں اور مشعل ہی رسم کریں' آپی بے چاری کنواری رہ گئیں ناں' کوئی اثر نہ پڑے۔'' مشعل نے عماد کو بھی یہ بات باور کرادی تھی تب ہی تینوں مل کر انشال کو اگنور کررہے تھے' مطلب اسے باقاعدہ منحوس قرار دیا جارہا تھا۔ ہر بات کے ساتھ جملے اور حرکات وسکنات کو رخسانہ بیگم بھی محسوس کررہی تھیں ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ لوگ انشال کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کررہے ہیں؟

عماد کے ولیمے کے دوسرے دن مشعل اور کمل اپنے سازوسامان کے ساتھ اپنے گھر کو لوٹیں' انابیہ سے انشال کی ملاقات بھی کم کم ہوتی۔ وہ صبح جاتی تو شام کو لوٹتی لیکن پھر بھی انشال ہر ممکن اس کا خیال رکھتی' شادی کو ایک ہفتہ ہوچکا تھا۔ اس روز انشال آفس سے لوٹی تو عماد اور انابیہ رخسانہ بیگم کے کمرے میں تھے۔

''السلام علیکم آپی!'' انابیہ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو گڑیا؟'' انشال نے پرس ٹیبل پر رکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں جواب دیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اچھی ہوں۔'' انابیہ مسکرائی۔

''آپی یار...... کچھ پیسے چاہئیں۔'' عماد نے کہا تو انشال چونکی۔

''مگر اب پیسے کس لیے چاہئیں؟''

''وہ دراصل انابیہ کی برتھ ڈے آرہی ہے اور میں اس کو اسپیشل گفٹ دینا چاہتا ہوں۔'' عماد نے محبت پاش نظروں سے انابیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے مگر جو سلامیاں آئی تھیں' وہ تو ہوں گی ناں تمہارے پاس؟'' رخسانہ بیگم کو بیٹے کی بات ایک آنکھ نہ بھائی تھی تب ہی تنک کر فوراً بولیں۔

''امی جی...... ہمیں ہنی مون ٹرپ کے لیے بھی پیسے چاہئیں' وہ فری میں نہیں ہوجاتا۔'' عماد نے بھی اسی تیزی سے جواب دیا' انشال نے بغور عماد کو دیکھا۔

کتنا بدل گیا تھا وہ' انشال نے شادی کے حوالے سے

اتنا پیسہ دیا، تیاریوں میں کوئی کمی نہ ہونے دی۔ عماد سے تو برائے نام پیسہ لیا تھا اور اب پھر...... پھر سے وہ پیسے مانگ رہا تھا۔

"عماد تم چھوٹے بچے نہیں ہو، تمہیں چاہیے کہ اپنے اخراجات سوچ سمجھ کر رکھو۔ انشال ایک لڑکی ہو کر اتنا سب کچھ کررہی ہے اب تم شادی شدہ ہو اپنی ذمہ داری محسوس کرو۔ ہر بات کی ذمہ داری اس کی جان پر مت ڈالو انشال نے اب تک تم تینوں کے لیے محنت کی، گھر کے اخراجات میری ساری ذمہ داریاں اٹھائیں ہیں۔ اب تم بھی کمانے لگے ہو اس لیے تمہیں بھی سب کچھ سنبھالنا چاہیے۔"

"امی جی یہ آپ کیسی باتیں کررہی ہیں؟ صرف آپی نے ہی سب کچھ نہیں کیا گھر کا کرایہ بھی آتا ہے، میں بھی کچھ نہ کچھ تو دیتا ہوں۔" عماد کو ماں کی بات سخت ناگوار گزری تب ہی جھٹ سے بولا۔

"اُفوہ......" انشال نے چونک کر عماد کی جانب دیکھا، نئی نویلی دلہن کے سامنے یہ دونوں کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے انابیہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"اچھا چلو میں ان شاء اللہ کچھ کردوں گی، تم فکر مت کرو عماد۔" انشال نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"تھینک یو آپی۔" عماد نے اٹھتے ہوئے کہا، ساتھ ہی انابیہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"امی جی ہم لوگ رات کو ڈنر کرکے آئیں گے، ابھی انابیہ کے پاپا کے گھر جارہے ہیں۔" عماد نے کہا اور دونوں کمرے سے نکل گئے۔

"انشال تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہوگیا؟ کیا ضرورت تھی یوں حامی بھرنے کی۔ اپنی ساری تنخواہ اڑا دیتا ہے اتنے سارے پیسوں کا گفٹ لے کر دے گا، ہم کوئی ارب پتی لوگ نہیں ہیں کہ ایسے چونچلے پالیں اگر خود میں اتنا دم نہیں ہے تو بھاری تحفے لینے کی کیا ضرورت ہے۔ جتنا ہے اس سے ہی گزارا کرے ناں، تمہیں مشین سمجھ رکھا ہے کیا؟ شرم تو نہیں آتی شادی شدہ ہو کر بھی ہاتھ پھیلاتے ہوئے، کب تک یوں ذمہ داریاں سنبھالتی رہو گی تم۔ کوئی ضرورت نہیں تمہیں ایک پیسہ بھی دینے کی، اپنا آپ تھکا تھکا کر سب کی ضرورتیں اور خواہشات پوری کرنے کی۔ اب تمہیں جاب بھی چھوڑ دینی چاہیے، عماد کو بھی بڑا ہونے دو، اس پر بھی ذمہ داری آنی چاہیے۔"

"امی جی...... ابھی نئی نئی دلہن گھر میں آئی ہے تھوڑے دن تو صبر کرلیں یقیناً دونوں مل کر گھریلو امور میں حصہ لیں گے۔" انشال کی تسلیاں بے جا تھیں۔

"مجھے تو یہ لڑکی سمجھ دار اور عقل مند کہیں سے بھی نہیں لگ رہی اگر عقل مند اور گرہستی والی ہوتی تو عماد کو وقت سے پہلے ہی روکتی۔ مجھے تو نہیں لگتا انشال کے یہ لڑکی ہمارے لیے کچھ بہتری سوچے۔" رخسانہ بیگم کی جہاندیدہ نظریں آنے والے کل کو بخوبی دیکھ رہی تھیں، موجودہ حالات آنے والے وقت کا پتا دے رہے تھے گزشتہ ایک ہفتے میں انابیہ نے ایک بار بھی ساس سے بیٹھ کر کوئی بات نہیں کی تھی، صبح سلام دعا کرتی اور پھر کمرے میں چلی جاتی۔ پھر دو دن بعد ہی عماد اور انابیہ ہنی مون ٹرپ پر روانہ ہوگئے۔

❁......❁......❁

اس روز اتوار تھا۔ اتور کے دن انشال کافی مصروف رہتی، ایک چھٹی کا دن ملتا اس میں ہفتے بھر کے کپڑے بھی دھوتی، استری بھی کرتی، رخسانہ بیگم کو ٹائم بھی دیتی اور کھانا بھی خود ہی پکاتی۔ دوپہر تک صفائی کے ساتھ ساتھ کھانا بھی تیار کرلیا، تین بجے کے قریب سارے کاموں سے فارغ ہو کر ہاتھ لیا اور کھانا لگایا تب ہی نمل اپنے شوہر فرہاد کے ساتھ آگئی۔

"آجاؤ کھانا کھالو۔" انشال نے پیش کش کی۔

"ارے واہ ضرور کھاؤں گی۔" مٹر پلاؤ، کباب، رائتہ سلاد دیکھ کر نمل کے منہ میں پانی آگیا۔

"اور آپ کے ہاتھ کا کھانا تو لاجواب ہوتا ہے۔"

"ماشاء اللہ آج کافی خوش گوار موڈ ہے تمہارا۔" انشال نے نمل کو یوں خوش دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"بس آپی، آپ لوگوں کی دعائیں اور مدد شامل ہو

تو......“نمل نے کباب منہ میں رکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔ رخسانہ بیگم اور انشال دونوں چونکے۔

”آؤ بیٹا! تم بھی کھالو۔“ رخسانہ بیگم نے فرہاد کو دیکھ کر ملائمت سے کہا۔

”نہیں شکریہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ نمل میں ذرا باہر جا رہا ہوں ایک دوست سے مل کر آتا ہوں۔“ فرہاد نے اٹھتے ہوئے نمل کو مخاطب کیا تو نمل نے اثبات میں سر ہلایا۔

”امی جی...... آج ہم لوگ آپ سے اور آپی سے کچھ بات کرنے آئے ہیں۔“ نمل نے فرہاد کے جاتے ہی ماں کو مخاطب کر کے کہا۔

”کیا ہوا خیریت؟“ رخسانہ بیگم اور انشال پوری طرح سے نمل کی طرف متوجہ تھے۔

”وہ دراصل فرہاد کے ابو اپنی جائیداد گھر کا حصہ بخرہ کررہے ہیں ظاہر ہے بچے زیادہ ہیں اور گھر بھی اتنا کوئی بہت بڑا نہیں ہے اس لیے ہمیں جو حصہ مل رہا ہے اس سے ہم فی الحال اپنے مطلب کا اچھے ایریا میں گھر خرید نہیں سکتے تو......“ وہ ایک لمحے کو رکی۔

”تو......؟“ انشال نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تو ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تھوڑا بہت پیسہ لگا کر آپ کے اوپر مزید ایک پورشن بنوالیں اور فی الحال یہاں شفٹ ہوجائیں اور پھر کچھ عرصے میں پیسہ جمع کر کے اچھی جگہ گھر لے لیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے نمل اور پھر مشعل نے بھی اپنے حالات کو لے کر ایسا ہی کچھ مطالبہ کیا تھا تب عماد نے سختی سے منع کردیا تھا کہ بیٹی کو گھر میں نہیں رکھنا چاہیے۔“ رخسانہ بیگم نے اس بات پر حیران ہوتے ہوئے ملائمت سے سمجھایا انشال چپ رہی تھی۔

”امی جی...... ہماری ضرورت کے وقت آپ لوگ کام نہیں آئیں گے تو کون آئے گا بھلا؟ ایسے موقعوں پر ہر جگہ میکہ ہی سپورٹ کرتا ہے اور آپ تو صاف انکاری ہیں۔“ نمل کو شاید ماں سے ایسی امید نہ تھی۔

”نمل...... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ اگر ہم نے تمہیں یہاں رکھ لیا تو مشعل اور اس کے میاں فراز کو اعتراض ہوسکتا ہے۔“

”مگر اب تو مشعل آپی کے حالات بہت بہتر ہیں ان کو کسی سپورٹ کی ضرورت نہیں فی الحال ہمیں ضرورت ہے اور ہمیں کون سا ساری زندگی آپ کے سر پر سوار رہیں گے جب بہتری ہوگی تب چلے جائیں گے۔ آپی آپ بھی تو کچھ بولیں ناں ویسے تو گھر کے سارے فیصلے آپ ہی کرتی ہیں اور...... اور اب ایسے چپ کی ہوئی ہے جیسے سنائی نہیں دے رہا آپ کو۔“ نمل کا لہجہ انتہائی بدتمیز تھا وہ پلٹ کر انشال سے مخاطب ہوئی۔

”نمل پریشان مت ہو عماد واپس آجائے تو بات کرتے ہیں ایک ہفتے میں عماد آجائے گا۔“

”ہنہہ......“ نمل کو انشال کی بات کھو کھلی لگی۔ تھوڑی دیر بعد فرہاد آگیا اور نمل منہ پھلائے واپس لوٹ گئی۔

”اُف اللہ“ رخسانہ بیگم نے اس کے جاتے ہی سر تھام لیا۔

”یا اللہ یہ کیسی پریشانیاں ہیں ابھی تک مشعل منہ بنائے ہوئے ہے اور سب کچھ جانتے بوجھتے اب نمل اپنا مطالبہ لے کر آگئی یہ کیا ہوگیا ہے لڑکیوں کو کیا سمجھتی ہیں کہ شادی کے بعد بھی صرف ان لوگوں کا ہی حق ہے گھر پر میکے کے نام پر ناجائز مطالبات کیا سوچ کر کرتی ہیں کون سا ہمارے پاس قارون کا خزانہ ہے۔“ رخسانہ بیگم بے حد پریشان ہوگئی تھیں۔

”فکر مت کریں امی جی اللہ بہتر کرنے والا ہے۔“

”بے شک اللہ پاک ہی بہتر کرنے والا ہے لیکن اس نے ہم انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا ہے سوچ سمجھ عقل فہم و فراست سے نوازا ہے اللہ پاک کی دی ہوئی ان نعمتوں کا اگر صحیح استعمال نہ کیا جائے تو کیا فرق رہ جائے گا انسان اور حیوان میں۔“

مگر کچھ لوگ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں انکی

لوگوں میں مشعل، نمل اور عماد بھی شامل تھے تب ہی تو پندرہ دن کے ہنی مون ٹور سے واپس آتے ہی دوسرے دن عماد نے حیران کن اعلان کردیا۔

''امی جی...... ہم لوگ کچھ عرصے کے لیے انابیہ کے والد کے گھر شفٹ ہورہے ہیں' آج کل ان کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے' آنٹی بھی پریشان ہیں کوئی بیٹا بھی نہیں ہے اس لیے ان کو ہماری ضرورت ہے۔ جیسے ہی ان کی طبیعت ٹھیک ہوتی ہے ہم لوگ واپس آجائیں گے۔''

رخسانہ بیگم اور انشال آنکھیں پھاڑے عماد کو دیکھنے لگے' کتنی آسانی سے وہ اتنی بڑی بات کہہ رہا تھا۔ جوان بہن اور بوڑھی ماں کو اکیلے چھوڑ کر بیوی کے ساتھ اس کے میکے میں جا کر رہنے کی بات کتنے اطمینان سے کررہا تھا وہی عماد جس نے مشعل کے لیے کہا تھا کہ بیٹیاں میکوں میں آکر رہ جائیں تو داماد کی عزت نہیں رہتی۔ بیٹیوں کو ہر حال میں سسرال میں ہی رہنا چاہیے اور آج ساری باتیں' سارے احکام ساری دلیلیں سب بے معنی اور بے وزن ہوکر رہ گئی تھیں۔ اس کو ذرا سا بھی خیال نہیں تھا کہ اس کے بغیر گھر میں ماں اور بہن کیسے رہ سکیں گی۔

''بیٹا...... میں اور انشال یہاں پر اکیلے کیسے رہ سکیں گے؟'' رخسانہ بیگم نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

''امی جی...... آپ کے ساتھ تو اوپر اسحٰق انکل کی فیملی بھی ہے۔ اتنے اچھے اور کوآپریٹو لوگ ہیں وہ اور میں کون سا آپ لوگوں کی زندگیوں سے جارہا ہوں' آتا جاتا رہوں گا۔ امی جی...... انابیہ کے ماں باپ بوڑھے بھی ہیں' بیمار بھی' اس وقت ان کو ہماری ضرورت ہے اور ان کا خیال رکھنا میرا بھی فرض ہے۔'' رخسانہ بیگم کے ساتھ انشال بھی عماد کی تقریر سن رہی تھی۔ سارے فرائض' حقوق' احکامات' ضرورتیں سب کچھ اپنے مطلب کی تھیں' بیوی کے ماں باپ کو ضرورت تھی اور اپنی ماں کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔

''اور آپ یہ مت سمجھیں امی کہ ہمیں آپی کی فکر نہیں ہے' ہمیں اندازہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے پریشان رہتی ہیں۔ ہمیں آپی بہت عزیز ہیں ان کے لیے بھی بہتری ہی سوچ رہے ہیں ہم' آپ فکر نہ کیا کریں۔''

رخسانہ بیگم کو چپ دیکھ کر انابیہ نے آگے بڑھ کر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے کہا' رخسانہ بیگم نے پلٹ کر اسے بغور دیکھا اور پھیکی سی ہنس دیں۔

پھر عماد مختصر سا سامان لے کر سسرال چلا گیا اور کچھ دن بعد یہ عقدہ کھلا کہ انشال کی بہتری کے لیے ان لوگوں نے کیا سوچا تھا۔ انابیہ کے رشتہ دار کسی پچاس سالہ آدمی کا رشتہ لے کر آئے تھے جس کی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا اور وہ گھر داماد بن کر رہنے پر راضی بھی تھا۔ رخسانہ بیگم نے بیٹے اور بہو کی اچھی طرح کلاس لے کر رشتے سے صاف انکار کردیا تھا۔ عماد کے جانے کے بعد گھر پر عجیب سی اداسی چھاگئی تھی' انشال نے جاب سے ریزائن دے دیا تھا' دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے ساتھ رہتے' مشعل اور نمل بھی کم ہی آتیں۔ زندگی جیسے جمود کا شکار ہوکر رہ گئی تھی' کھانا پکانا' صفائی' کپڑے دھونا' اخبار پڑھنا' نماز پڑھنا' ٹی وی دیکھنا سب ایک روٹین تھی جو چل رہی تھی۔

❁......❁......❁

کافی دن بعد اتفاق سے مشعل اور نمل اور عماد سارے اکٹھے آگئے تھے' گھر میں چہل پہل سی ہوگئی تھی سب بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

''امی جی' یہ گھر فروخت کردیں آپ؟'' باتوں کے دوران مشعل نے کہا۔

''کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم کیوں فروخت کروں؟'' رخسانہ بیگم اس کی بات پر دنگ رہ گئیں۔

''جی امی جی' یہی بہتر ہے' اب دیکھیں ناں ہم لوگ تو اتنی کسمپرسی میں زندگی گزار رہے ہیں اور ایک آپ لوگ ہیں صرف دو افراد اور اتنا بڑا گھر۔ کیا کریں گے اتنا بڑا گھر رکھ کر' کوئی چھوٹا سا فلیٹ لے لیں دو کمروں کا' بہت ہے آپ دونوں کے لیے۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ آپ لوگ اتنے بڑے گھر میں عیش کریں۔'' نمل اور مشعل حد درجہ بدتمیز اور گستاخ ہوگئی تھیں جبکہ عماد مطلب پرست'

مشعل نے عماد کو مخاطب کیا۔

''ہاں...... ہاں میرے خیال میں تم لوگ ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' رخسانہ بیگم اور انشال ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''یہ تم لوگ کیا اول فول بک رہے ہو؟'' رخسانہ بیگم نے کہا۔

''امی یہ گھر آپ کا ہے اور بہتر یہی ہے کہ آپ آرام سے تسلی سے اس کا فیصلہ کریں' دیکھیں انشال آپی کی شادی کردیں آپ ان کے ساتھ رہ سکتی ہیں ایک پورشن فروخت کر کے حصہ بخرہ کردیں اور اگر انشال آپی کی شادی نہ ہو تو امی جی اس میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے وہ آپ کے ساتھ ہی رہیں گی۔'' مشعل نے سمجھداری دکھائی۔

''میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں کسی کو میرے لیے اللہ کی ذات اور انشال کا ساتھ ہی کافی ہے اور تم لوگ میرے فیصلے کے منتظر رہو حساب کتاب اور حصہ چاہیے ہو تو ٹھیک ہے تم لوگوں کی یہ خواہش بھی پوری کردوں گی مجھے ہفتے بھر کا ٹائم دو' اگلے اتوار آجانا۔ گھر کے حوالے سے کوئی نہ کوئی خوش خبری ضرور ملے گی۔''

''اچھا ٹھیک ہے پھر ہم لوگ اگلے اتوار کو آجائیں گے۔'' عماد نے اٹھتے ہوئے کہا تو مشعل اور نمل بھی کھڑی ہوگئیں۔

بہت عرصے بعد انشال ان لوگوں کے جانے کے بعد ماں کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ کتنے خود غرض ہوگئے تھے اس کے بھائی بہنیں' نہ جانے ان کے ذہن میں کیسے کیسے غلیظ خیالات پل رہے تھے۔ کیسی سوچیں پال رکھی تھیں۔

''یقین نہیں آتا کہ یہ میری اولاد ہے' میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی کہ میری اولاد کی سوچ اتنی سطحی اور گری ہوئی ہوچکی ہے۔ بیٹیاں تو اپنے میکے کے بھرم رکھنے کی خاطر نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتی ہیں' عورت کے لیے میکہ ایسی چیز ہے کہ وہ بوڑھی بھی ہوجائے تب بھی لفظ میکہ اس کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے۔ میکے کا مان اور بھرم اس کے لیے بہت اہم ہوتا ہے لیکن یہاں...... یہاں تو بیٹیاں میکے میں آ کر صرف بھرم دکھاتی تھیں' اپنے حق کی بات کرتی تھیں۔''

''سب کو اپنی اپنی ہی فکر ہے اور اپنے لیے سوچتے ہیں' کسی کو ہماری فکر نہیں؟'' انشال نے بے چارگی سے ماں کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

''فکر نہ کر میری بچی' اللہ پاک ہے ناں ہمارے لیے وہی آزمائش میں ڈالتا ہے تو وہی آزمائشوں سے نکالتا بھی ہے' دکھ دیتا ہے تو اس کے پیچھے سکھ بھی ہمارے انتظار میں ہوتا ہے۔ مشکلات کے بعد آسانیاں اور تکلیف کے بعد راحت بھی ضرور ملتی ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک تیرا نصیب بہت اچھا کرے۔'' رخسانہ بیگم اس کو سینے سے لگا کر خود بھی رونے لگیں۔

''انشال اٹھو میرے ساتھ اسحق بھائی کے پاس چلو ابھی۔'' اچانک ہی رخسانہ بیگم نے انشال کو کرائے دار کے پاس چلنے کے لیے کہا۔

''ارے کیوں امی؟'' انشال نے حیرت سے سوال کیا۔

''کچھ نہیں بس میرے ساتھ اوپر چلو' مجھے اسحق بھائی سے کچھ بات کرنی ہے۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے سر پر دوپٹہ پھیلا کر کہا تو انشال اٹھ کر منہ دھونے چلی گئی۔

❁......❁......❁
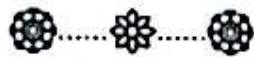
اگلے اتوار کو ایک بار پھر سب لوگ موجود تھے۔

''جی امی جی کیا فیصلہ کیا؟'' عماد نے سوال کیا۔ ''گھر سیل ہوجائے تو اچھا ہے امی جی' میں نے کاروبار کا سوچا ہے اچھی آفر آئی ہوئی ہے۔'' عماد نے بے قراری سے کہا۔ ''مجھے پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔''

''پیسوں کی ضرورت کس کو نہیں ہوتی بھائی۔'' اس بار نمل نے بات میں حصہ لیا۔

''ہاں بھئی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے مگر کمال یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ضرورت پوری کی جائے۔ جب مجھے ضرورت تھی تب تو ایسی ہری جھنڈی دکھائی گئی کہ اللہ

تو بہ آج تک میں اپنے سسرال اور فراز کے سامنے شرمندہ ہوں کہ میرے میکے نے میرا ساتھ نہ دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ تم لوگوں نے ہمت کرلی تو کوئی فیصلہ بھی ہونے جارہا ہے۔“ مشعل نے طنزیہ لہجے میں لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔

”واقعی تم سچ کہہ رہی ہو مشعل‘ ہماری غلطی تھی کہ اتنے عرصے ہم یونہی چپ چاپ بیٹھے رہے لیکن تم لوگوں کی مہربانی سے میں نے اپنی زندگی میں ہی فیصلہ کردیا تاکہ تم سب مطمئن ہوجاؤ۔“ رخسانہ بیگم نے ٹھہرے ہوئے مدلل لہجے میں بات کی۔

”گڈ...... کتنی قیمت لگی امی جی اس گھر کی؟“ نمل کی باچھیں کھل گئیں۔

”اچھی خاصی لگی ہوگی ابھی بھی اتنا بڑا رقبہ ہے‘ ڈبل اسٹوری اور شہر کے وسط میں بھی ہے۔“ مشعل نے بھی آنکھیں پھیلا کر کہا۔

”میں نے یہ کب کہا کہ میں گھر فروخت کررہی ہوں یا اس کی قیمت لگائی ہے۔ میں...... میں تو اپنا فیصلہ سنانے جارہی ہوں۔“ رخسانہ بیگم کا لہجہ پُراعتماد تھا۔

”کیا...... جی...... کیا مطلب......؟“ یکلخت سب کا لہجہ بدلا اور سب حیرانی سے سوال کرنے لگے۔

”میرا مطلب یہ کہ میں نے پہلے ہی گھر کا آدھا حصہ فروخت کردیا تھا اور مشعل تمہاری اور نمل کی شادی کی تھی اور پھر جب عماد کی شادی ہوئی تو انشال نے قرضہ اٹھایا۔ الحق بھائی سے تین سال کا کرایہ ایڈوانس لیا اور پھر وقتاً فوقتاً بھی تم لوگوں کی زچگیوں پر اور عماد کی ضرورتوں کے لیے بھی رقم کا بندوبست انشال ہی کرتی رہی۔ اس لیے میرے خیال میں اب تم لوگوں کا اس گھر میں کوئی حصہ باقی نہیں رہ جاتا اگر رہتا بھی ہے تو یہ گھر میں نے اپنی خوشی سے انشال کے نام کردیا ہے۔“ رخسانہ بیگم نے نہایت اطمینان سے اپنی بات مکمل کی۔

”ہائیں......“ سارے اچھل پڑے۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی جی! اس گھر پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔“ عماد نے غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاہاہا...... واہ بیٹا واہ...... آج تمہیں حق یاد آرہا ہے‘ تم سب نے اپنے اپنے حق وصول کرلیے‘ کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی۔ اپنے حق کی بات کرنے کو تو سب کے منہ میں لمبی لمبی زبانیں ہیں مگر مجھے یہ بتاؤ کہ تم تینوں میں سے فرائض کس کس نے ادا کیے؟ میں کئی بار بیمار ہوئی تو مجھے کون ہسپتال لے کر بھاگا؟ میرا خیال کس نے رکھا؟ میرے ساتھ راتوں کو کون جاگا؟ کس نے مجھے ہر حال میں سہارا دیا؟ ارے بے غیرتو...... تمہاری اسی آپی نے اپنی شادی داؤ پر لگائی تو صرف تم لوگوں کے لیے۔ مشعل سے صرف تین سال بڑی ہے مگر ماں کی طرح تم لوگوں کا خیال رکھا‘ ہمیشہ تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھا۔ وقت سے پہلے خود کو اتنا بڑا بنالیا کہ اب تم لوگوں کے لیے وہ منحوس ثابت ہونے لگی ہے؟ تم لوگوں کو اس کے کپڑوں پر اعتراض ہوتا ہے‘ تف ہے تم لوگوں کی سوچ پر‘ شرم سے ڈوب مرو تم لوگ...... تم لوگ اپنے عیش وآرام اور اپنی ضرورتوں کے لیے آج بھی اس کی حق تلفی کرنا چاہتے ہو۔ شرم نہیں آئی یہ سوچتے ہوئے بھی کہ اس گھر کو فروخت کردیں‘ جس گھر سے تمہارے باپ کی خوشبو آتی ہے۔ جس کے آنگن میں ہنستے کھیلتے تم لوگوں نے سال ہا سال گزارے‘ جس کی ہر اینٹ میں تمہارے باپ اور تمہاری ماں کی محنت اور محبت شامل ہے تم لوگ خلوص‘ محبت سچے رشتوں کے تقدس کو بھی بھلا چکے ہو۔ تم لوگوں نے میری روح تک کو زخمی کر ڈالا مگر تم لوگ میری اولاد ہو یہ رشتہ اللہ پاک کی طرف سے ہے تو میں اس سے انکار نہیں کرسکتی لیکن تمہارے رویوں نے‘ تمہاری سوچ اور تمہاری باتوں نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔ اس لیے میں تمہیں اس گھر میں آنے سے روکوں گی نہیں کیوں کہ یہ گھر تمہارے باپ کا بھی ہے لیکن اس گھر پر اب صرف اور صرف انشال کا حق ہے۔ یہ گھر انشال کے نام ہوچکا ہے یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔“ مشعل‘ نمل اور عماد کے چہروں کا رنگ یک دم بدلا تھا انہیں حد درجہ غصہ آرہا تھا‘ تینوں تنتناتے ہوئے اٹھے اور سلام کیے بنا گھر

سے نکل گئے۔

❀......❀......❀

زندگی اپنی رفتار سے گزرتی رہی وقت کا پہیہ دھیرے دھیرے چلتا رہا' حالات کیسے بھی ہوں' دکھ سکھ' ہنسی' رونا' عروج' زوال' جدائی' ملن' خزاں بہار' گرمی سردی...... ہر موسم اپنے وقت پر آتا اور جاتا ہے۔ موسموں کے بدلنے سے حالات کب بدلتے ہیں؟ وقت ایک ایسا پنچھی ہے جو اپنی مخصور رفتار سے اڑان بھرتا رہتا ہے اسے اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ساتھ کتنی تبدیلیاں لا رہا ہے کس کے ساتھ بھلائی اور کسے دکھ کے اتھاہ سمندروں میں دھکیل رہا ہے۔ یہ تو نظام قدرت ہے کہ وقت کو بڑھتے ہی رہنا ہے سو وقت بڑھتا چلا جارہا تھا' ڈھیر سارے دن بیت گئے۔

گزرے ماہ و سال میں عماد کے سسر اور ساس کا انتقال ہوگیا گو کہ عماد کبھی کبھار آجاتا لیکن اس کی ناراضگی ہنوز برقرار تھی۔ وہ اپنے دو بچوں اور بیوی کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ سسر کے مرنے کے بعد ان کی جائیداد سے کاروبار کرکے اب بیوی کے احسانوں تلے دبا ہوا تھا۔ مشعل اور نمل کبھی کبھار عید بقرعید پر چکر لگالیتی' ابرار صاحب کی پینشن تھی گھر کا کرایہ تھا دونوں ماں بیٹیوں کا گزارا با آسانی ہوجاتا پھر اسحٰق صاحب کی بیوی' بہو اور بیٹا بہت خیال رکھتے۔ کبھی کبھی رخسانہ بیگم کی طبیعت خراب ہوجاتی تو انشال پریشان ہوجاتی۔ ایسے میں مشعل نمل کھڑے کھڑے آکر خیریت پوچھ لیتیں' انشال کو ان لوگوں کا اتنا ہی دم غنیمت تھا اسے ضرورت کسی کی نہیں تھی۔ اس نے خود کو حالات میں ڈھال لیا تھا وہ جانتی تھی کہ اب اسے صرف اور صرف رخسانہ بیگم کے لیے جینا ہے ان کی خدمتیں کرنا ہے' بدلے میں رخسانہ بیگم ہاتھ اٹھا اٹھا کر ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ دل سے اس کے لیے دعائیں کرتیں' انہیں کبھی کبھی یہ سوچ کر بہت فکر ہوجاتی کہ اگر خدانخواستہ کل کو ان کو کچھ ہوجاتا ہے تو انشال کا کیا ہوگا؟

عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تو انشال کو خیال آیا کہ رخسانہ بیگم کی دوائیاں ختم ہوگئی ہیں' وہ ہمیشہ ایکسٹرا دوائیں رکھتی کہ کبھی بھی کوئی مسئلہ ہوجائے تو دوا کا ناغہ نہ ہو۔

''امی جی میں ذرا مارکیٹ جارہی ہوں' ایک دو چیزیں لینی ہیں اور واپسی میں آپ کی دوائیں بھی لیتی آؤں گی۔'' انشال نے رخسانہ بیگم کے کمرے میں آکر کہا۔

''اچھا بیٹی دھیان سے جانا۔'' رخسانہ بیگم نے جائے نماز بچھاتے ہوئے کہا۔

''جی امی جی میں نے چائے پکا کر کامائیکروویو میں رکھ دی ہے آپ سو رہی تھیں ناں' آپ نماز سے فارغ ہوکر پی لیجیے گا۔''

''اوں......'' رخسانہ بیگم نے سر ہلایا۔

مختصر سامان لے کر وہ کیمسٹ کی دکان سے دوائیں لے کر پلٹی اور رکشہ کو ہاتھ دے رہی تھی کہ قریب ہی گاڑی آکر رکی' انشال نے پلٹ کر غصہ سے گاڑی کی جانب دیکھا قبل اس کے کہ انشال غصے میں آکر کچھ بولتی' گاڑی کا دروازہ کھلا انشال کی نظریں اوپر اٹھیں تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں آنکھوں میں عجیب سے رنگ نمایاں تھے۔

دس سال...... دس سال کے طویل عرصے کے بعد مصطفیٰ...... اچانک سے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ انشال اوپر سے نیچے تک آنکھیں پھاڑے اس دشمنِ جان کو دیکھ رہی تھی۔ وقت نے اس کی شخصیت پر کوئی منفی اثر نہ ڈالا تھا' وہ آج بھی ویسا ہی اسمارٹ اور جاذب نظر تھا۔

''السلام علیکم!'' حیرتوں سے باہر نکلی تو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' جواب دے کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

''آپ...... آپ یہاں...... اس ملک...... اس شہر میں؟'' نہ چاہتے ہوئے انشال کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ اسے یاد تھا کہ مصطفیٰ نے کہا تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ ملک چھوڑ کر جارہا ہوں۔

''ہمنہہ......'' مصطفیٰ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر ہلایا۔

''تم یہ دوائیں......؟'' مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ میں

دواؤں سے بھرا شاپر دیکھ کر اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
''امی کی دوا ئیں ہیں۔'' وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔
''اوہ.....'' مصطفیٰ نے ہونٹوں کو سکیڑا۔''کیسی ہیں چچی جان..... زیادہ بیمار ہیں کیا؟ میرا خیال ہے اس طرح کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں لگتا اگر مناسب سمجھو تو میں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے لوگوں کو عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے پا کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
''او کے.....'' انشال خلاف توقع فوراً ہی راضی ہوگئی۔
''اوہ..... تھینکس۔'' مصطفیٰ کا چہرہ کھل اٹھا اس نے آگے بڑھ کر جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور وہ گاڑی میں آ بیٹھی اتنے عرصے بعد یوں مصطفیٰ کے ساتھ بیٹھنا' اس سے بات کرنا' دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا نہ جانے کیوں؟
''چچی جان کو بی پی کا مرض کب سے ہے اور سب کیسے ہیں؟'' گاڑی اسٹارٹ کر کے مصطفیٰ نے سوال کیا۔
''امی جی کو کافی عرصے سے بی پی اور شوگر کا مرض لاحق ہے اور باقی سب ٹھیک ہی ہوں گے اپنی اپنی زندگیوں میں خوش' مطمئن اور مگن۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی انشال کا لہجہ تلخ ہوگیا۔''میں اور امی جی اپنی دنیا میں خوش اور مطمئن ہیں۔''
''اوہ..... مطلب تم نے شادی نہیں کی۔'' مصطفیٰ نے ہونٹوں کو سکیڑا۔ مختصر باتوں کے دوران ہی گھر آ گیا تھا۔
''کیا میں چچی جان سے مل سکتا ہوں یقیناً وہ..... وہ مجھ سے ناراض ہوں گی ناں؟'' وہ شرمندہ ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
''پتا نہیں۔'' انشال نے سپاٹ لہجے میں کہا' مصطفیٰ کا چہرہ یک دم اداس ہوگیا۔''ویسے آپ اندر آئیے امی جی سے مل کر جائیے گا۔'' گاڑی سے اترتے ہوئے وہ بولی تو مصطفیٰ یک دم خوش ہوگیا۔
''ارے بیٹا تم.....!'' رخسانہ بیگم نے اتنے عرصے بعد مصطفیٰ کو سامنے دیکھا تو حیرت سے چیخیں' سارے گلے شکوے اور غصہ ایک پل میں ختم ہوگیا۔ انہیں اپنا یہ بھتیجا بہت عزیز تھا' ان کو بھی دل سے اس سے ہمدردی تھی' شاید یہی وجہ تھی کہ مصطفیٰ کے ردعمل کو انہوں نے کسی حد تک جائز سمجھا تھا۔
''سوری چچی جان..... میں بہت شرمندہ ہوں' میں نے شاید جذبات میں آ کر ایک غلط فیصلہ کرلیا تھا' اپنی ناراضگی کا غلط طریقہ سے اظہار کیا۔'' وہ خاصا شرمندہ تھا۔
''نہیں نہیں بیٹا' پتا نہیں اس وقت کیا صحیح تھا کیا غلط شاید ہم سب ہی غلطی پر تھے یا ہم سب اپنی اپنی جگہ درست تھے مگر غلطیاں بھی اپنے ہی کرتے ہیں اور معافیاں بھی اپنے ہی مانگتے ہیں اور میں تم سے ناراض نہیں ہوں بیٹا' یہ بتاؤ تم کیسے ہو؟ اور تمہاری فیملی وغیرہ؟'' رخسانہ بیگم ایک لمحے کو رکیں۔
''چچی جان..... میں نے شادی نہیں کی' دس سال ملک سے باہر رہا اور آخرکار تھک کر اپنے وطن لوٹ آیا ہوں' اتنے عرصے گھومتا رہا مگر اپنے ملک جیسا سکون کہیں نہیں ملا۔ میرے دوست کی والدہ ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں' ان کو دیکھ کر نکلا تھا کہ انشال نظر آ گئی۔'' مصطفیٰ نے تفصیل سے بتایا' انشال چائے لے آئی تھی' تھوڑی دیر تک رسمی بات چیت ہوتی رہی اس نے بتایا تھا کہ پرانا گھر فروخت کر کے چھوٹا سا بنگلو خرید لیا ہے اور اب یہیں پاکستان میں چھوٹا سا کاروبار اسٹارٹ کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ واپس چلا گیا۔
مغرب ہو چکی تھی' دونوں ماں بیٹی نے نماز مغرب ادا کی' رخسانہ بیگم مستقل مصطفیٰ کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔ انشال ہوں' ہاں میں جواب دیتی رہی۔ رات کے کھانا کے بعد انشال نے رخسانہ بیگم کو دوائی کھلائی اور ان کو سونے کی ہدایت کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔
مصطفیٰ کی یوں اچانک سے آمد نے انشال کے دل کی دنیا میں ہلچل مچا دی تھی گو کہ اس نے گزشتہ دس سال میں ہر ہر پل مصطفیٰ کو یاد کیا تھا' اس کی یادوں سے اپنی راتوں کو آباد

رکھا تھا لیکن وہ نظروں کے سامنے نہ تھا۔ آج اسے یوں سامنے دیکھ کر دل میں شوریدہ جذبے سر ابھارنے لگے تھے' اتنے عرصے بعد اس کا لوٹ آنا' شادی نہ کرنا اور یوں ملنا یہ سب کچھ حد درجہ بے چینی اور بے قراری کا عالم تھا۔ رخسانہ بیگم ماں تھیں وہ انشال کی کیفیت سے بخوبی واقف تھیں۔

❁......❁......❁
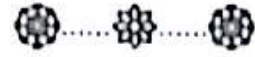
شام سے انشال بہت بے چین اور اضطرابی کیفیت سے دوچار بھی تھی وہ جانتی تھیں کہ مصطفیٰ انشال کی پہلی اور آخری محبت ہے تب ہی تو انشال نے مصطفیٰ کے بعد کسی بھی مرد کے لیے اپنے دل کا دروازہ وا نہیں کیا یقیناً آج بھی مصطفیٰ انشال کے دل پر قابض تھا۔

رات بھر جاگنے کی وجہ سے انشال صبح کافی مضمحل تھی' اس کی آنکھیں شب بیداری کی گواہی دے رہی تھیں۔ انشال نے معمولی کام نپٹائے' اس کی طبیعت اداس ہو رہی تھی' کل مصطفیٰ آیا لیکن دوبارہ آنے کی بات کی اور نہ ہی انشال نے پوچھا۔ مصطفیٰ نے آ کر ایک بار پھر دل کی دنیا میں ہلچل مچادی تھی' وہ سامنے نہ تھا تو دل کو قرار آ گیا تھا مگر اب سامنے آ کر چلا جانا' انشال کے لیے تکلیف کا باعث تھا۔

موسم کافی اچھا تھا' شام کے وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے موسم پر خوشگوار اثر ڈالا تھا' دن بھر کی گرمی کے بعد ٹھنڈی ہواؤں سے موسم میں تبدیلی اچھی لگ رہی تھی۔ رخسانہ بیگم اسحق صاحب کے پاس اوپر گئی ہوئی تھیں' ان کی بہو کی طبیعت خراب تھی اس کی عیادت کو آئیں تھیں۔ انشال شام کو نہا کر نکلی لمبے بالوں کو سلجھا کر پشت پر پھیلایا وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی' اس ستون کی پناہ میں آ کر ہمیشہ سے اسے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ دشمن جان کو پکارا تھا شاید اس خاموش پکار میں اتنی شدت تھی کہ وہ چلا آیا' آنکھ بند کر کے کھولی تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ لائٹ گرے شلوار قمیص' بلیک پشاوری چپل پہنے اپنے دراز قد کے ساتھ اس کے بالمقابل کھڑا تھا۔

''ارے آپ؟'' حیرت اور خوشی کے احساس سے وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی' کبھی کبھی دعائیں یوں بھی قبولیت کا درجہ پالیتی ہیں۔

''کیوں...... میرا دوبارہ سے آنا اچھا نہیں لگا؟'' مصطفیٰ نے غور سے اس کے چہرے کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔

''نہیں نہیں...... ایسی بات نہیں۔ وہ یوں آپ کے آنے کی امید نہیں تھی ناں؟''

''امیدیں تو تمہیں ہمیشہ غلط ہی رہتی ہیں' یہ برسوں پرانی عادت ہے تمہاری۔'' مصطفیٰ کا لہجہ تلخ ہوا' انشال نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''ہاں' سچ کہہ رہا ہوں برا مت ماننا مگر میں سچ کہوں گا اور سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ میری بھی تلخ سچائی کو برداشت کر لینا اور بس میرے صرف ایک سوال کا جواب دو کہ تم نے گزشتہ دس برسوں میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ جس بات کو بنیاد بنا کر تم نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی' اپنا آپ ختم کر ڈالا' خوشیوں کے دروازے خود پر بند کر لیے' رشتوں کو نبھاتے نبھاتے تم خود کتنی اکیلی ہوگئی ہو۔ جن کے لیے تم نے مجھے ٹھکرایا' ان لوگوں نے تمہیں کیا صلہ دیا؟ میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا' ہر ہر طریقے سے تمہارا ساتھ دینا چاہا۔ تمہارے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر بانٹنا چاہا کیونکہ مجھے تم عزیز تھیں' تم سے وابستہ تمام مسائل' تمام رشتے اور پریشانیاں میں اپنی سمجھتا تھا۔ مجھے تم سے وابستہ ہر چیز عزیز تھی' تب ہی تو میں آج تک اکیلا ہوں۔ میرے پاس الحمدللہ سب کچھ ہے مگر زندگی میں ایک خلاء اور ادھورا پن ہے جو ابھی بھی موجود ہے اور تمہیں گزشتہ سالوں میں کیا ملا؟ تم نے کبھی سوچا کہ خدانخواستہ کل کو چچی جان کو کچھ ہو جاتا ہے تو تم اس حرص وہوس' لالچ اور خود غرضی کی دنیا میں کیسے جی پاؤ گی؟ یہاں پر تو روپے پیسے نے رشتوں کے تقدس کو پامال کر کے رکھا ہوا ہے' احساس کا فقدان ہے۔ افراتفری کا یہ عالم ہے کہ ہر کوئی صرف اپنے بارے میں سوچ رہا ہے۔''

''مصطفیٰ پلیز......'' انشال نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید

کچھ کہنے سے روکا‘ مصطفیٰ کا ایک ایک لفظ سچائی پر مبنی تھا۔
”مجھے کب اس بات کا پتا تھا کہ میرے سگے بھائی اور بہنیں یوں کریں گے‘ وہ لوگ صرف اپنے بارے میں سوچیں گے‘ میں نے تو بڑے ہونے کے ناطے اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کی‘ ابو جی سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کی سعی کی‘ میری نیت صاف تھی۔ وقت اور حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ سمجھ نہیں آیا کہ حالات کے ساتھ رشتے بھی بدلتے چلے گئے۔“ انشال کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

”جانتی ہو تم‘ میں اتنی دور رہ کر بھی یہاں کے حالات سے بے خبر نہ تھا تب ہی تو نہ چاہتے ہوئے بھی واپس لوٹ آیا ہوں۔“ مصطفیٰ نے کہا۔ ”میں نے گزشتہ دس سال میں روپیہ پیسہ‘ نام عزت کمایا اگر کچھ کھویا تو بدلے میں کچھ ملا بھی لیکن تم نے...... تم نے کیا پایا؟“

”مصطفیٰ مجھے دنیا کی سب سے بڑی نعمت کا ساتھ ملا ہے مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میری نظر میں سب کچھ بے کار ہے جو سکون‘ جو تشفی مجھے امی جی کی خدمت کرکے حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے کسی چیز کی کوئی حیثیت ہے ناں اہمیت‘ اب مجھے امی جی کے ساتھ کی عادت ہوگئی ہے جس طرح اتنی زندگی گزاری اسی طرح سے باقی زندگی بھی گزر جائے گی‘ مجھے جنت کمانی ہے۔“ وہ سر جھکا کر نم لہجے میں بولی۔

”اور میں...... میں کہاں ہوں؟ اتنی لمبی چوڑی زندگی میں میرا حصہ کیا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ انشال نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”مطلب یہ کہ تمہیں تو الحمدللہ چچی جان کی خدمت کرکے جنت مل رہی ہے‘ تمہارے بھائی اور بہنوں کے گھر آباد ہوگئے اور میں بے چارہ...... میں بے چارہ تمہاری لمبی چوڑی زندگی میں کہیں بھی نہیں؟ تم سب کو کچھ نہ کچھ دیتی رہی ہو‘ ایک معصوم مصطفیٰ حسام جو اتنے لمبے اور تھکا دینے والے سفر سے دردر کی خاک چھان کر لوٹ آیا ہے‘ ایک معصوم اور دریا دل لڑکی کے پاس کچھ مانگنے تو...... تو اسے بھی تو کچھ حصہ دے دو ناں؟“

”جی......“ انشال نے جی کو لمبا کیا۔

”ہاں انشال...... مجھے آج ایک بار پھر تمہارا ساتھ چاہیے جو کچھ بھی ہوا شاید وہ ہم دونوں کی غلطی کا نتیجہ تھا لیکن اب قدرت نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے تو میں نہیں چاہتا کہ ہم ایک بار پھر کوئی غلطی کر بیٹھیں۔ جس کا ازالہ بعد میں ناممکن ہو جائے کیونکہ مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ وہ چھوٹی سی‘ لاابالی سی لڑکی جو خود کو بہت بڑا اور سمجھ دار سمجھتی ہے‘ اندر سے آج بھی ڈرپوک ہے اسے بھی کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ بولو ٹھیک کہا ہے ناں میں نے؟“ مصطفیٰ نے تھوڑا سا جھک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ انشال حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے یوں اچانک وقت نے پلٹا کھایا تھا۔

”بولو ساتھ دو گی میرا؟“ وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ”ہاں یا نہ۔“ وہی بہت سالوں پرانا مخصوص انداز انشال کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

”ہاں یا نہ......“ اس نے قریب آکر سرگوشی کی۔

”ہاں ہاں ہاں......“ بالکل اسی انداز میں خوب صورت اقرار کرکے وہ مصطفیٰ کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

برسوں بعد انشال کو مصطفیٰ کے سینے سے لگ کر تحفظ اور سکون کا احساس ہوا تھا۔ عین اسی وقت سیڑھیوں سے اترتی رخسانہ بیگم نے یہ منظر دیکھا تو فرطِ مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

اگلے گھر پچھلے گھر

نازیہ جمال

''وشمہ...... وشمہ...... ارے وشمہ بیٹا۔'' دیوار پار سے اس کے نام کی تواتر سے پکار آرہی تھی۔ ''بیٹا سنتی ہو؟''

''عذرا خالہ مجھے بلا رہی ہیں' میں دیکھتی ہوں ذرا۔'' نمکین لسی کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے وشمہ نے کہا پھر دسترخوان سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھ جاؤ آرام سے کھانا کھاؤ...... کوئی ضرورت نہیں جانے کی' اس عورت کو ہر وقت کچھ نہ کچھ مانگنے کی حاجت رہتی ہے۔'' اسے کھانے سے ہاتھ کھینچتا دیکھ کر یسریٰ بھابی نے ناگواری سے ٹوکا۔

''بھابی...... ہوسکتا ہے واقعی خالہ عذرا کو کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی بات کہنی ہو' مجھے سن تو لینا چاہیے۔'' نرمی سے کہتے ہوئے وشمہ باہر آگئی۔

اندر روم کولر کے بخ نیم تاریک ماحول سے نکل کر ایک دم چلچلاتی تیز دھوپ میں آنے سے اس کی آنکھوں کے سامنے لحہ بھر کو اندھیرا چھایا تھا۔ عذرا خالہ دیوار کے دوسری طرف سے سر نکالے ان کی طرف بازو لٹکائے منتظر کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر پیار سے بولیں۔

''وشمہ بیٹا' ذرا ایک دو پیاز تو دینا' ابھی زوہیب دفتر سے لوٹا ہے' کھانا پکانا ہے اس کے لیے۔'' وہ سر ہلا کر کچن میں آگئی۔ ٹوکری سے تین چار بڑی بڑی پیاز اٹھائیں اور سکون سے خالہ عذرا کے دونوں ہاتھوں میں دے دی۔

''اللہ بھلا کرے تمہارا' نصیب اچھے ہوں تمہارے خالو جان سودا لائیں گے تو میں تمہاری پیاز واپس کردوں گی۔'' خالہ عذرا کے لہجے میں عاجزی اور پیار بدرجہ اتم موجود تھے۔

''کوئی بات نہیں خالہ۔'' آرام سے کہتی وہ اندر آگئی۔ دھوپ اس کے چہرے کو جلانے لگی تھی۔

''کیا مانگ رہی تھیں تمہاری عذرا خالہ خیر سے۔'' چاول کی پلیٹ میں رائتہ نکالتے ہوئے یسریٰ نے طنزیہ پوچھا۔

''پیاز کی ضرورت تھی' سالن پکانے کے لیے۔'' سادگی سے کہتے ہوئے اس نے اپنی بچی ہوئی روٹی ہاٹ پاٹ سے نکال کر کھانا شروع کردی۔

''زہر لگتی ہے مجھے یہ عورت' ہر وقت دیکھو ہاتھ پھیلائے کھڑی رہتی ہے' کبھی پیاز تو کبھی چینی...... کچھ نہ کچھ کم پڑ جاتا ہے ان کے گھر...... بندہ پوچھے گھر کے افراد کتنے ہیں' میاں کی پینشن' بیٹے کی ہر ماہ تگڑی تنخواہ اور خود یہ' ٹوٹل تین افراد...... تم سے آسانی سے چیزیں بٹور لیتی ہے۔ ورنہ گھر کی دیواریں تو دوسرے پڑوسیوں کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہیں اُدھر تو نہیں جھانکتی...... پتہ ہے ناں انکار ہوجاتا ہے۔'' چاول کی پلیٹ صاف کرتے ہوئے یسریٰ سخت غصے سے بول رہی تھی۔

''اور واپس کب کریں گی پیاز' یہ تو بتایا ہوگا؟'' تیز نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے یسریٰ نے پھر پوچھا۔

''بھابی' تین چار پیاز کا کیا واپس کرنا......'' سادگی سے کہتے ہوئے وشمہ نے دسترخوان لپیٹنا شروع کردیا۔

''تین چار پیاز...... صرف ایک وقت کے سالن کے لیے؟'' بھابی یسریٰ حلق کے بل چیخیں' دل چاہا کہ زوردار تھپڑ وشمہ کے منہ پر مار کے باہر دھوپ میں کھڑا کردیں جس نے اپنی فیاض اور مہربان فطرت سے تنگ کر رکھا تھا۔

☆......☆......☆

''دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں...... ایسا نشہ تیرے پیار نے دیا...... کھوگئے سپنوں میں ہم۔'' دیوار پار سے اونچے سروں میں میوزک بج رہا تھا۔

''اوہ لگتا ہے خالہ عذرا کے لاڈلے فرزند گھر پر براجمان ہیں۔'' سرخ اینٹوں کے فرش پر برش پھیرتے ہوئے وشمہ نے دل میں سوچا۔ خالہ عذرا کا اکلوتا بیٹا

بینک میں کسی اچھی پوسٹ پہ تھا' موسیقی کا دلدادہ اور کھانے پینے کا شوقین' ایک سال کی ہمسائیگی میں وشمہ اتنا تو جان چکی تھی۔

''وشمہ باجی' امی کہہ رہی ہیں واٹر پائپ دے دیں پودوں کو پانی دینا ہے۔'' سامنے والوں کا شیراز اس کے سامنے کھڑا عرض پیش کررہا تھا۔

''ارے چندا' میں لے آتی ہوں۔'' پیار سے بولتے ہوئے وشمہ نے برش رکھ کر اسٹور کا رخ کرنا چاہا مگر یسریٰ کی کڑک دار آواز نے رک جانے پر مجبور کردیا۔ جو بالٹی سے دھلے کپڑے نکال کر زور زور سے جھٹکتی تار پہ ڈال رہی تھیں۔

''کوئی پائپ وائپ نہیں ہے ہمارے پاس...... پچھلی بار بھی تم لوگ لے گئے تھے جگہ جگہ سے کٹ لگ گئے ہیں پائپ پہ' جب دوسروں کی چیز احتیاط سے استعمال نہیں کرسکتے تو مانگنے کیوں آتے ہو...... چلو بھاگو یہاں سے۔'' غصے سے بولتے ہوئے شیراز کو ڈپٹ کر باہر کا رخ دکھایا۔

''اور تم...... اپنی مہربانیوں کا دائرہ اپنے تک ہی محدود رکھا کرو۔ ہر وقت بی بی دریا دل نہ بنا کرو...... جگہ جگہ ٹیپ لگائی تھی پھر پائپ کچھ گزارے لائق ہوا۔ چلی ہیں پھر سے سخاوت کے دریا بہانے۔'' اب کے توپوں کا رخ وشمہ کی جانب ہوا۔

''بھابی پائپ پہ کٹ یاسمین آنٹی نے نہیں لگائے تھے انہیں کیوں انکار کررہی ہیں' وہ تو عمران بھائی کا جب مکان بن رہا تھا' وہاں سے پائپ خراب ہوکر آیا تھا۔'' اس نے یسریٰ کو کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

''خراب کہاں' وہاں سے تو چھوٹا ہوکر آیا تھا۔ بے ایمان لوگوں نے پائپ کا آدھا ٹکڑا کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔'' یسریٰ جل کر بولی۔ عمران بھائی بھی انہی کی گلی میں رہائش پذیر تھے' اپنے مکان کی تعمیر میں راحیل بھائی سے پائپ مانگ کر لے گئے تھے جو انہوں نے یسریٰ کی ہزار ہا تاکید سننے کے بعد عمران کے حوالے کیا تھا۔

''کیا بھائی...... کیا بہن...... دونوں گھر کے ضیاع کے درپے ہیں۔'' بات شوہر کی تھی' یسریٰ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی۔

وشمہ نے گلی میں جھانک کر دیکھا تو سامنے شیراز دوسرے نوعمر لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں شیراز کو بلایا۔

''شیری...... اِدھر آؤ۔'' پھر رول کیا ہوا پائپ اس کے حوالے کردیا۔ دروازہ بند کرکے سکون کی سانس لی۔ کوئی اس کے گھر مانگنے آتا اور پھر خالی ہاتھ واپس جاتا' بھلا ایسی صورت میں وہ سکون بھری سانس لے سکتی تھی کیا؟

☆......☆......☆

وہ رحمت الٰہی اور نسیم فاطمہ کی اکلوتی' لاڈلی بیٹی تھی' جو اپنی سخاوت' ہمدردی اور فیاض فطرت کے باعث محلے بھر میں عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے۔ مرحوم رحمت

الٰہی حد درجہ مہمان نواز اور فراغ دل انسان تھے۔ اپنی زندگی میں کوئی دن ایسا نہ گزرا کہ ان کی بیٹھک میں کسی مہمان کی ضیافت نہ کی گئی ہو دوست' محلے دار' اپنے' پرائے سبھی ان کی بیٹھک میں جمع ہوتے' چائے کا دور چلتا اور تازہ ترین ملکی صورت حال پر گرما گرم بحث چلتی' کھانے کا وقت ہوتا تو دستر خوان بچھ جاتا' ورنہ تو چائے' لسی' ستو اور سکنجبین کا دور چلتا ہی رہتا تھا۔ نفاست اور سلیقے سے سجی بیٹھک میں چلتا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی بھی ہزار ہا دلچسپیاں اپنے اندر سموئے ہوئے رہتا تھا۔

اور اِدھر نسیم فاطمہ...... جو خدا ترسی' دریا دلی اور حسن سلوک میں اپنے شوہر سے بھی دو ہاتھ آگے تھیں' روزمرہ برتنے کی چیزوں سے لے کر سلائی مشین جیسی چیز بھی کوئی عاریتاً مانگنے آتا تو بلاتردد حوالے کر دیتیں۔ محلے میں رات کے کسی بھی پہر کسی بچے کے پیٹ میں مروڑ اٹھتا تو مروڑ کی دوا یقینی طور پر نسیم فاطمہ سے مل جاتی تھی۔ ماسی بختاور کی بہو نویں مہینے کی حاملہ ہے' گھر بھر کے کپڑے ہاتھ سے دھوتے دھوتے اس کی کمر ٹوٹنے لگتی تو نسیم فاطمہ اسے مشورہ دیتی کہ واشنگ مشین اٹھا کر لے جانا تو ممکن نہیں' ہاں اپنا گٹھڑ لے کر یہاں آجاؤ اور یوں واشنگ مشین میں آرام سے سارے کپڑے دھل جاتے۔ رات کے آخری پہر رشید درزی کے ہاں بچہ جنم لیتا تو نومولود کو شہد چٹانے کے لیے قدم خود بخود رحمت الٰہی کے دروازے پہ آ رکتے تھے۔ ہر کسی کے کام آنا ان میاں بیوی کا شیوہ تھا۔ بلا تفریق' بلا غرض ضرورتیں پوری کرنا ان کے گھر کی شان تھی۔

بیٹھک کا ایک دروازہ گھر کے صحن میں کھلتا تھا' جب بھی کوئی مہمان آتا تو رحمت الٰہی گھر کی سمت والے دروازے کو کنڈی لگا لیتے اور اِدھر نسیم فاطمہ چولہے پہ چائے کا پانی چڑھا دیتیں' پھر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات ٹرے میں سجا کر وشمہ کے ہاتھ بیٹھک میں بھجواتیں۔

''ابا...... چائے تیار ہے۔'' ننھی وشمہ کی آواز سن کر ابا دھیرے سے دروازہ کھول کر ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لیتے۔

اسے ستمبر کی وہ ڈھلتی شام اچھی طرح یاد تھی جب اماں کی ایک سہیلی خالہ پروین کافی دور سے ان سے ملنے آئیں' ساتھ میں سات سالہ ان کی بیٹی بھی ہمراہ تھی۔ وشمہ کی ہم عمر' دن بھر ساتھ کھیلیں جاتے وقت سبرینہ کو وشمہ کی بائیسکل بہت پسند آگئی تھی' جس پہ سارا دن دونوں نے باری باری سواری کی تھی۔ صورت حال گمبھیر تھی جب سبرینہ سائیکل کو ساتھ لے جانے پر مصر تھی اور وشمہ کسی صورت بائیسکل آنکھ سے اوجھل ہونے نہ دینا چاہتی تھی' خالہ پروین نے بیٹی کو بہتیرا سمجھایا مگر بے سود' سبرینہ کا دل بائیسکل پر بری طرح آچکا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے بیٹا' آپ سائیکل لے جاؤ' ہم وشمہ کو اور سائیکل لادیں گے۔'' نسیم فاطمہ نے کمال شفقت سے سائیکل سبرینہ کو تھما دی تھی۔ بچی کا رونا' مچلنا' ان سے دیکھا نہ جا رہا تھا۔

''اماں...... آپ نے میری سائیکل سبرینہ کو کیوں دے دی' آپ کو پتہ بھی ہے مجھے یہ سائیکل بہت پسند ہے' راحیل بھیا لاہور سے میرے لیے لائے تھے۔'' بولتے ہوئے وشمہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے۔

''میری گڑیا...... تمہارے پاس کھیلنے کو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں' تمہیں اور سائیکل لادیں گے تمہارے ابا' کسی غریب بچی کو مایوس کرنا اچھی بات تو نہیں تھی۔'' اماں نے محبت سے بولتے ہوئے اسے بازوؤں میں بھرلیا۔

''مگر نئی سائیکل اس جیسی تو نہ ہوگی' وہ تو لاہور سے بھیا خاص طور پر میرے لیے لائے تھے۔'' وہ بھیگی آواز میں نروٹھے پن سے بولی تھی۔ سائیکل چھن جانے کا غم اسے ٹھیک طرح سے کھانے اور پڑھنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

''دیکھو وشمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری نعمتیں دے رکھی ہیں' ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کا

طریقہ یہ ہے کہ ان نعمتوں میں ہمیں ان لوگوں کو بھی شامل کرنا چاہیے جن کے پاس کچھ کمی یا تنگی ہو...... تمہاری پروین خالہ بے حد غریب ہیں ان کے شوہر کی ٹانگ ایک حادثے میں ٹوٹ گئی ہے گھر میں پیٹ بھر کر کھانے کو کچھ نہیں وہ میرے پاس اس لیے آئی تھیں کہ تمہارے ابا سے کہہ کر شہر کے کسی مخیر شخص سے ماہانہ وظیفہ لگوا دوں۔

سوچو تمہارے پاس کتنا کچھ ہے اچھا کھانا' اچھے کپڑے' سب سے بڑھ کر صحت مند کمانے والا ابا' ایسے میں اگر ایک سائیکل چلی بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے ہاں اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ہمیں بہت کچھ دے دیتا ہے اسے اپنے فیاض بندے بہت پسند ہیں وہ اپنے مہربان بندوں پہ حد سے زیادہ مہربان ہے اسے کنجوس' لالچی' چھوٹے دل کے اور بخیل لوگ سخت ناپسند ہیں' اسے تو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بندوں کے کام آئیں' اس کی مخلوق کی حاجت پوری کریں اس کا درد بانٹیں...... پھر کیوں نہ ہم اللہ کے پسندیدہ بندے بن جائیں صرف تھوڑی سی چیزیں دے کر۔" رات کو چارپائی پہ اماں کے برابر لیٹی وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ سلکی بالوں میں سرسراتی ان کی انگلیاں بے حد سکون دے رہی تھیں اور سب سے بڑھ کر ان کا نرم اور دھیما محبت بھرا لہجہ۔ ایک ایک لفظ اس کی سماعتوں میں رس گھولتا ہوا اس کے ننھے سے دل پر نقش ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

پورے ایک ماہ بعد میٹھے پانی کی لائن کھلی تھی۔ گھر میں پانی کی سخت تنگی تھی۔ گھر میں کھارے پانی کی فراہمی بورنگ سسٹم سے جاری تھی مگر لوگ میٹھے پانی کے لیے بوند بوند ترس رہے تھے پانی کی اس تنگی کو بھی یسریٰ بھابی نے وشمہ کے سر تھوپ دیا تھا۔

"اور گیلن بھر بھر دو محلے والوں کو پانی کے۔ دنوں میں بھرا ٹینک ختم کر دیتی ہو...... خود ایک گھونٹ پینے کو نہیں اور یہ ایدھی کی جانشین ڈول بھر بھر لٹا رہی ہیں۔" یسریٰ دن کے کسی بھی وقت اس کے خوب لتے لیتی رہتی' یہ تو سچ تھا کہ اس نے ہر مانگنے والے کو میٹھا پانی بھر بھر دیا تھا کیونکہ انڈر گراؤنڈ ٹینک کی بدولت کافی سہولت رہتی تھی۔

ویسے تو روٹین میں پانی ہر پندرہ دن بعد آ جاتا تھا' لیکن اس دفعہ پائپ لائن کی مرمت کی وجہ سے کافی لیٹ ہو گیا تھا۔ پورا ایک ماہ بند رہنے کی وجہ سے موٹر پمپ کے پرزے جام ہو چکے تھے۔ راحیل بھیا نے موبل آئل کی بوتل کو جھٹک جھٹک کر چند قطرے برآمد کیے اور پمپ کے پرزوں میں انڈیلے مگر کوئی فرق نہ پڑا...... پرزوں کی گڑگڑاہٹ اور اوپر سے پانی کا کم پریشر۔

"یہ دو ماہ پہلے میں موبل آئل کی بھر کر بوتل لایا تھا' اب یہ چند قطرے بچے ہیں' کہاں گیا سارا آئل؟ پیتے ہو تم لوگ کیا؟" مارے جھلاہٹ کے چیخ کے پوچھا تھا۔ موٹر پمپ کا شور کانوں کو بے حد برا لگ رہا تھا۔

"ارے مجھ سے کیا پوچھتے ہیں' اپنی اس لاڈلی بہنا سے پوچھیے جو اپنی سخاوت کے دریا میں موبل آئل بھی بہا بیٹھیں۔" یسریٰ نے چمک کر وشمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنز سے کہا۔

"وشمہ کہاں گیا سارا موبل آئل...... کسے دیا تھا؟" راحیل نے سنجیدگی سے اس کی طرف رخ کیا۔

"وہ بھائی خالہ خدیجہ اپنی موٹر میں ڈالنے کے لیے لے گئی تھیں......" وہ سر جھکا کر بدقت بولی۔

"اور یہ بھی بتاؤ ناں اپنے بھائی کو کہ بوتل بھر لے گئی تھیں' خالہ خدیجہ اور چند قطرے بچا کر لے آئیں۔" یسریٰ نے ایک اور تپتا' کلستا جملہ پھینکا۔

"حد ہوتی ہے بے وقوفی کی' یہ بھی کوئی موبل آئل دینے کی چیز ہوتی ہے لوگوں کو۔" راحیل نے غصے سے سر جھٹکا۔

"ارے موٹر کے تیل کا کیا پوچھتے ہیں...... یہ تو سر پہ لگانے کا تیل' پکانے کا تیل' گھٹنوں پہ مالش کا تیل' ہر قسم کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔" شوہر کا مزاج برہم پا کر یسریٰ جلتی پہ تیل چھڑکنے لگی تھی۔

راحیل کو وشمہ پہ کبھی غصہ نہ آیا تھا' یسریٰ وشمہ کی فضول خرچی اور بے دریغ اِدھر اُدھر لٹانے کی شکایت لگاتی رہتی تھی مگر وہ سب کچھ اگنور کیے رکھتا تھا کیونکہ وہ اپنے مرحوم والدین کی تربیت کے اثر کو ہرگز مٹانا نہیں چاہتا تھا مگر اس وقت ہلکی دھار سے آتا پانی اور سپلائی مین کی ہدایت......ٹھیک دو گھنٹے بعد پانی بند کردیا جائے گا...... غصہ آنا فطری امر تھا۔

''دیکھو وشمہ......تم بچی نہیں ہو کہ گھر کی ضرورتیں سمجھ نہ سکو ٹھیک ہے کوئی ایسا گردن سے ہاتھ میں نے بھی نہیں باندھ رکھا مگر تم کچھ خیال تو رکھا کرو۔'' رکھائی سے کہتے ہوئے راحیل نے بائیک کو کک لگائی' ارادہ بازار سے موبل آئل کی دوسری بوتل لانے کا تھا۔

''تھوڑے کو بہت جانو وشمہ' تمہارے بھائی کی ناراضی بلاوجہ نہیں۔ مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے' کچھ تو خیال کرو' تمہارے ابا مرحوم کا دور سستا تھا' تم دو بہن بھائی آرام سے پل گئے ہمارے پانچ بچے' ہزار ضرورتیں' اوپر سے تمہارا فرض ادا کرنا ہے' مہربانی کرکے ذرا اپنی ہمدردانہ فطرت کو کنٹرول کرو اور اگلے گھر جاکر شوق سے سخاوت کے جھنڈے گاڑنا' میرا گھر تمہاری اسراف پسندی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔'' یسریٰ نے غصے سے بولتے ہوئے کھٹ سے دونوں ہاتھ اس کے سامنے باندھ دیئے اور کتنی ہی دیر بھائی اور بھابی کے الفاظ کی تکرار ساکت کھڑی وشمہ کے کانوں میں ہوتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

دن بے حد سست روی سے گزر رہے تھے' اب نہ تو صبح شام دیوار پار سے عذرا خالہ وشمہ کو بلا کر کچھ مانگتی تھیں ناں ان کے بیٹے کا اونچے سروں میں میوزک بجتا تھا...... کیونکہ عذرا خالہ اپنے نئے مکان میں شفٹ ہوگئی تھیں۔ کرائے کے اس مکان میں وہ لوگ سال بھر کے لیے آئے تھے۔ جانے سے ایک دن پہلے ان کے گھر ملنے آئیں' وشمہ کو خوب لپٹا لپٹا کر پیار کیا تھا۔

''جیتی رہو' اپنے گھر آباد رہو......ایسی بخت آور بیٹی نصیب والوں کو ہی ملتی ہے' مجال ہے جو کبھی مجھے کسی چیز سے انکار کیا ہو' بلا تکلف' بلا تردد میں ہر چیز مانگ لیتی تھی تو صرف اس یقین کے ساتھ کہ مجھے انکار نہیں ہوگا' ایسی فرشتہ صفت' بچی جہاں بستی ہو' اس گھر پہ اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔'' خالہ عذرا کے لفظ لفظ سے محبت ٹپک رہی تھی۔ مگر یسریٰ کو خالہ عذرا کا یہ التفات ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

''ہونہہ......بھائی بے چارے کی کمائی اِدھر اُدھر لٹا کر نیک نامی کمائی جارہی ہے۔ ذرا بنوا کلے گھر جاکر میاں کی آمدنی دونوں ہاتھوں سے اڑائیں تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا۔'' خالہ عذرا کے جانے کے بعد یسریٰ نے باآواز بلند اپنی کھولن نکالی تھی۔

صرف خالہ عذرا پہ ہی کیا موقوف' پورا محلہ ہی وشمہ کو دل وجان سے چاہتا تھا' کسی کی پیاری بیٹی' تو کسی کی لاڈلی بہن' مرحوم والدین کی نیک نامی بھی خوب کام آتی تھی' اوپر سے اپنے گن۔

''وشمہ بیٹا' تو جنتی ہے' اتنا نیک اور ہمدرد دل پایا ہے کہ حد نہیں' مجال ہے جو ماں کی طرح کسی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹایا ہو۔ ارے اس گھر پہ رحمتیں ہی اس بچی کی وجہ سے ہیں۔'' کسی شادی بیاہ ختم قرآن' سالگرہ یا کسی اور نوعیت کے فنکشنز میں ایک ساتھ جمع ہمسایوں سے اسے اس قسم کے ہی جملے سننے کو ملتے تھے' بڑے پیار' محبت سے اسے گلے لگایا جاتا تھا' محفل میں امتیازی جگہ دی جاتی تھی' کیا چھوٹے کیا بڑے سب اس کے دلدادہ تھے' ایسے میں یسریٰ کا غصے اور کھولن سے برا حال ہوتا' گھر کی مالک وہ تھی اور تعریف وستائش ساری کی ساری وشمہ کے حصے میں آرہی تھی۔ ناانصافی ہی ناانصافی تھی۔ ایک تو کمائی اس کے میاں کی اوپر سے کنجوس' تنگ دل اور بدمزاج بھی وہ مشہور تھی۔ یسریٰ کے خیال میں وشمہ کی مہمان نوازی اور دریا دلی' ہی اس کی شہرت خراب کرنے کی ذمہ دار تھی۔ اس لیے ہرگزرتے دن کے ساتھ یسریٰ کا رویہ وشمہ کے ساتھ خراب سے

خراب تر ہوتا جارہا تھا۔

☆......☆......☆

"زوہیب بیٹا ذرا مارکیٹ سے کھیرا تو لادو...... سلاد بنانا ہے تمہیں تو معلوم ہے تمہارے ابو سلاد کے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔" عذرا بیگم کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ گئیں۔ جہاں زوہیب ریموٹ ہاتھ میں لیے چینل سرچنگ میں مصروف تھا۔

"کمال ہے امی! اب کھیرا لینے کے لیے اتنی دور بازار جاؤں۔" زوہیب نے کوفت سے انہیں دیکھا۔

"جانا تو پڑے گا بیٹا! اب یہ پرانا محلہ تو نہیں کہ کوئی چیز کم ہونے پہ دیوار پار سے مانگ کر کام چلاؤں۔ کتنی پیاری بچی تھی وشمہ، میری ایک پکار پر دوڑی چلی آتی تھی اور چیزیں بڑی اپنائیت سے تھما دیتی تھی۔ نمک مرچ، سبزی، تیل...... قینچی تک مانگی تو لڑکی نے ہنسی خوشی تھما دی۔" عذرا بیگم کا لہجہ آج بھی وشمہ کے لیے محبت سے معمور تھا۔

"ہاں وہ آپ کی ہمدرد اور نیک دل ہمسائی...... بہت باتیں سنتی تھی اپنی بھابی سے......" عذرا بیگم کی بات پہ زوہیب بھی کچھ یاد کرتے ہوئے دلچسپی سے بولا، کبھی فرصت کے لمحوں میں دیوار کے ساتھ لان میں کرسی رکھ کر وہ بیٹھتا تو دیوار پار سے آنے والی آوازیں اس کی دلچسپی والتوجہ خود بخود کھینچ لیتی تھیں، یسریٰ کا وشمہ کی کسی نہ کسی بات پر کھنچائی کرنا، وشمہ کی وضاحتیں، محلہ داروں کی آمدورفت کسی نہ کسی کا کچھ مانگنا، محلے داروں کو نوازنے پر یسریٰ وشمہ کو جب سخت سناتی تو ایسے میں زوہیب کے دل میں وشمہ کے لیے فطری ہمدردی پیدا ہو جاتی تھی۔

"بے چاری کو دوسروں کی خاطر اتنی باتیں سننا پڑتی ہیں۔" عذرا بیگم سے وہ اکثر و بیشتر وشمہ کی تعریف سنتا رہتا تھا۔ اس کا سگھڑاپا، سادگی خوب صورتی اور ہر کس و ناکس کے کام آنا...... یسریٰ کی تند مزاجی، کنجوسی اور تھڑدلی، بس دیکھا نہیں تھا ورنہ تو ہمسایوں کے نام سے لے کر عادات تک سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔

"چلو اٹھو کھیرا لے آؤ...... اگر کھانے میں دیر ہوگئی تو تمہارے ابو بلاوجہ بگڑ جائیں گے...... ویسے بھی آج کل سیدھے منہ بات نہیں کررہے مجھ سے۔" عذرا بیگم قدرے یاسیت سے بولیں۔

"کیوں...... کیا ہوا خیریت؟" وہ چونکا۔

"بس وہی تمہاری یاسمین پھپو زہر گھول گئی ہیں ان کے کانوں میں کہ میں اپنی بھانجی کو بہو بنانا چاہتی ہوں، میرے اکلوتے لاڈلے بیٹے پہ پہلا حق پھوپو کا ہے۔ بھائی کو مٹھی میں کر کے بھتیجے کو داماد بنانا چاہتی ہیں یاسمین آپا...... مگر میرے جیتے جی ممکن نہیں کہ نینا اس گھر میں میری بہو بن کر آئے، جیسی ماں، ویسی بیٹی...... کون سا یاسمین آپا نے مجھے بھابیوں والا مان دیا جو اس کی بیٹی سے عزت، محبت اور خدمت کی امید رکھوں...... چلی ہیں میرے میاں کو میرے خلاف بھرنے...... جیسے میں تو ننھی کاکی ہوں، ان کے کہے میں آ جاؤں گی......" عذرا بیگم کا لہجہ ازحد کڑواہٹ لیے ہوئے تھا۔

"اوہ نو امی! نینا...... نیور...... میرے لیے سوچنے گا بھی نہیں۔" زوہیب برا سا منہ بنا کر بولا، نظروں کے سامنے اپنی پھوپو زاد نینا کا سراپا لہرایا تھا۔ گھیردار ٹاپ کے ساتھ پنڈلیوں سے اوپر تک ٹائٹس، تیز میک اپ، رنگے ہوئے لہریے دار بال، نقلی رنگین عدسے، زوہیب کا تو سن کر ہی جی مکدر ہو گیا تھا۔

"تو اور کیا میں کون سا نینا کو بہو بنانا چاہتی ہوں، ہر وقت تو پیسٹری بنی رہتی ہے اور اِدھر تمہاری نائلہ آنٹی یمنیٰ کے لیے خود منہ سے کہہ رہی ہیں۔ سچ پوچھو تو میرا دل یمنیٰ کے لیے بھی نہیں مانتا، نائلہ نے کبھی سسرال والوں کو منہ نہیں لگایا، جوتے کی نوک پہ ساس کو رکھا، ان کی بیٹی مجھے کیا خاطر میں لائے گی؟"

"چہ...... چہ...... افسوس آپ کی گوہر مقصود اس روئے زمین پر نہیں ملنے کی۔" ماں کو متفکر دیکھ کر زوہیب شرارت سے بولا۔

"خیر ایسا بھی اندھیر نہیں مچا، اپنی بھانجی لے کر میں

تمہارے ابو کو ناراض نہیں کرسکتی اور آپا یاسمین کی بیٹی لے کر اپنی بہن کی ناراضی مول نہیں لینا چاہتی' میرا گوہر مقصود تو مجھے اپنے پرانے محلے میں ہی مل گیا تھا۔ خوش شکل' خوش اطوار اور سب سے بڑھ کر غنی دل کی مالک۔'' عذرا بیگم کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کون کس کی بات کررہی ہیں؟'' زوہیب الجھا۔

''ارے میں وشمہ کی بات کررہی ہوں' وہی میری بہو بننے کے لائق ہے' کیا نہیں ہے؟'' الٹا ڈپٹ کر پوچھا۔

''ہاں...... ہاں...... نہیں...... وہ۔'' زوہیب کے منہ سے بے ربط انداز میں نکلا تھا۔

☆......☆......☆

''اللہ نصیب اچھے کرے...... اچھا گھر اور بر نصیب ہو' ارے جس گھر جائے گی' کونہ کونہ اجال دے گی' ایسی بخت آور بچی کسی نیک بخت کو ہی نصیب ہوگی۔'' اپنے تمام محلے داروں' جاننے والوں سے اس قسم کے دعائیہ جملے سن کر وشمہ جوان ہوئی تھی۔ اسے گمان تک نہ تھا کہ اس کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا صلہ اتنا بہترین اور شاندار ملے گا۔

زوہیب ایک بے حد محبت کرنے والا' خیال کرنے والا اور عزت کرنے کے ساتھ ساتھ کروانے والا شوہر بھی ثابت ہوا تھا۔ وشمہ اس کی محبت کی پھوار میں پور پور بھیگتی زندگی کی رعنائیوں سے لطف اٹھا رہی تھی۔ شادی کے ابتدائی ایام دعوتیں' گھومنے پھرنے میں گزر گئے تھے۔ ہنی مون کے لیے مری اور شمالی علاقہ جات کا رخ کیا' واپسی پہ ڈھیروں ڈھیر تحائف ساتھ تھے۔ وشمہ اس بات پہ اللہ کا شکر بجالاتی تھی کہ زوہیب فراخ دل اور ہمدرد فطرت کا مالک انسان تھا۔ راستے میں جہاں کہیں کوئی مانگنے والا گداگر ملتا' فراخ دلی سے کچھ نہ کچھ دے دیتا نہ صرف اپنے لیے بلکہ اس کے بھائی بھابی اور بھتیجوں کے لیے بھی کھل کے شاپنگ کی تھی۔

زندگی ایک شفاف' چمکیلی اور سبک روی کی مانند گزر رہی تھی۔ عذرا بیگم نے کچن کی ذمہ داریاں کلی طور پر وشمہ کے حوالے کردی تھیں۔ ایک آسائشوں سے بھرپور' پرسکون گھر کا فرد ہونے کا احساس کتنا جاں فزا تھا' یہ کوئی وشمہ سے پوچھتا۔

گھر میں ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی مگر کسی کی آمد بالکل نہ تھی' کبھی کبھی عذرا بیگم کے عزیز اور رشتہ دار آنکلتے تھے' وشمہ ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی تھی' گھر نیو ہاؤسنگ اسکیم کے تحت شہر سے باہر تھا اس لیے دور دور تک آباد گھر کا نام ونشان نہ تھا' بس زیر تعمیر مکان ہی نظر آتے تھے' اس لیے ہمسایوں کا وجود ندارد تھا' وہ تو ایک بھرے پرے محلے سے آئی تھی۔ اتنی خاموشی' ویرانی اور سکون سے اس کا دل گھبرا جاتا تھا۔ زوہیب آفس چلا جاتا' اس کے سسر مطالعے کے شوقین تھے' اسٹڈی میں صبح سے شام تک بند رہتے تھے' ایسے میں وہ اور عذرا بیگم رہ جاتی تھیں' جن کے لہجے کی مٹھاس اور نرمی دن بدن اس کے لیے کم ہوتی جارہی تھی۔ وشمہ سمجھ دار تھی' لہجوں کے لباس بدلنے سے اپنے طور طریقے کا جائزہ لیتے ہوئے خوش اسلوبی سے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتی' مگر بہو تھی کہیں نہ کہیں غلطی کر بیٹھتی تھی' پچھلے اتوار عذرا بیگم کے بھتیجے کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ وشمہ سے ملنے آگئی' کیونکہ ان کی شادی پہ کسی وجہ سے وہ نہ آسکی تھی' وشمہ نے دل لگا کر ان کی خاطر داری کی...... چلتے وقت ان کی بیٹی نویرہ کو وشمہ کا ایک جیولری سیٹ بہت پسند آگیا تھا جو وشمہ نے کمال فراغ دلی اور محبت سے اسے گفٹ کردیا تھا۔

''اوہ مامی جی...... آپ تو بہت سوئیٹ ہیں۔'' نویرہ نے بے ساختہ وشمہ کا بوسہ لے لیا تھا۔

مہمان تو رخصت ہوگئے مگر وشمہ عذرا بیگم کے تیز وتند جملوں کی زد میں آگئی تھی۔

''مہورانی' ذرا اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھو' اس لڑکی نے گہنے مانگے تو تم نے دے دیئے' کیا مٹی کے بھاؤ ملے تھے۔'' لہجہ کرخت اور پیشانی سلوٹوں سے بھری تھی۔

''جی خالہ جان' نویرہ نے اتنے پیار سے مانگا تو میں

پے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا' ویسے بھی جیولری آرٹیفیشل تھی۔" وشمہ نے جیسے انہیں وضاحت پیش کی تھی۔

"تو تمہارا کیا مطلب ہے آرٹیفیشل تھی تو کسی اور کو دے دیں؟ اگر سونے کی ہوتی تو کیا اسے بھی دوسروں کو نواز دیتیں؟" عذرا بیگم کی آنکھیں باہر کو ابلیں۔

"سوری خالہ جان' آئندہ احتیاط کروں گی۔" بجھے دل کے ساتھ بس یہی الفاظ کہے جاسکتے تھے۔ اس نے نویرہ کو جیولری سیٹ اس لیے بھی دیا تھا کہ کہیں انکار پر عذرا بیگم ناراض نہ ہوجائیں کہ ان کی پوتی کو انکار کردیا' ایک عجیب طرح کی گھٹن نے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا۔

عذرا بیگم دن کے کھانے کے بعد قیلولہ کرنے کی عادی تھیں' وشمہ کچن میں برتن سمیٹ رہی تھی جب پشت پہ آواز سنی۔

"کچھ کھانے کو مل سکتا ہے باجی جی۔" سامنے ایک مفلوک الحال عورت کھڑی تھی۔ تن پہ مفلسی کے پیوند جا بجا دکھائی دے رہے تھے۔ ساتھ میں دو بچے بھی تھے۔ کمزور' مدقوق صورت۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں' بیٹھو۔" کافی سارا کھانا بچا ہوا تھا۔ اس نے فرش پر دستر خوان لگادیا۔ عورت کا شوہر سامنے والے مکان کی کنسٹرکشن میں بطور مزدور کام کررہا تھا۔ وہ مہینہ پورا ہونے کی وجہ سے شوہر سے تنخواہ لینے آئی تھی کیونکہ گھر میں سات بچوں کی ضروریات منہ کھولے کھڑی تھیں۔ باتوں باتوں میں غریب عورت نے اپنی عسرت بھری زندگی کی تصویر پوری تفصیل کے ساتھ وشمہ کے سامنے رکھ دی...... وشمہ کا نرم دل بری طرح تڑپا تھا۔ ایسی مجبوری ایسی لاچاری' فوراً اپنے تین چار سوٹ لے آئی' جو بکثرت پہنے جاچکے تھے۔ غریب عورت کو دیئے جاتے وقت کچھ پیسے بھی مٹھی میں تھمادیئے تھے۔

عذرا بیگم آنکھیں ملتی ہوئی باہر آئیں تو ٹھٹک گئیں' نظریں عورت کی بغل میں دبی گٹھڑی پہ تھیں' عورت تو دعائیں دیتی رخصت ہوگئی مگر وشمہ کے لیے یہ خدا ترسی مہنگی پڑگئی۔

"وشمہ...... عورت کو کیا کچھ باندھ کر دیا ہے؟" شرر بار لہجہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں خالہ جان' بس کچھ پرانے کپڑے دیئے ہیں' غریب عورت تھی' سات بچوں میں سے دو کوئی بی تھی' ایک شوہر کمانے والا۔"

"تو کیا تمہارا ایک شوہر کے علاوہ کوئی اور کمانے والا ہے اس گھر میں؟" بے حد طنزیہ انداز میں اس کی بات کاٹی تھی۔

"دیکھو وشمہ' میں تمہیں ایک سال سے جانتی ہوں' تم ایک فضول خرچ' غیر ذمہ دار اور اپنی من مانی کرنے والی لڑکی ہو' ہر وقت دوسروں کا منہ بھرنے کی فکر میں رہتی ہو' گھر میں کیا نقصان ہورہا ہے' اس کی تمہیں مطلق پروا نہیں ہوتی' تمہاری بھابی ہر وقت گھر کے نقصان کے لیے تمہیں ٹوکتی رہتی تھیں' مگر مجھ میں اتنا دم نہیں کہ اس بڑھاپے میں تمہاری ایک ایک حرکت پہ نظر رکھوں' گھر کا چولہا چکی تمہارے حوالے کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم دونوں ہاتھوں سے راشن لٹاؤ' کپڑے لتے بانٹو۔" عذرا بیگم کے سخت الفاظ کسی پتھر کی طرح اس کے دماغ پہ برس رہے تھے۔

"یہ ہمدردی' نیک دلی اور فیاضی کے نام پر اسراف پسندی اور لاپروائی' پچھلے گھر میں تو چل سکتا تھا' مگر یہ میرا گھر ہے' یہاں میرے طے کیے ہوئے اصولوں کی پیروی کرنی ہوگی۔" عذرا بیگم الفاظ کی سنگ باری مکمل کرکے واپس کمرے میں چلی گئی تھیں۔ کوریڈور میں آبدیدہ وشمہ کے ذہن میں بس انہی الفاظ کی تکرار ہورہی تھی۔

"اگلے گھر...... پچھلے گھر......"

محبت میری آخری شرارت تھی

صائمہ قریشی

اب یہ عالم ہے
کہ......
چاند کے چمکتے ہی
دل بیٹھ جاتا ہے (ماہ گل)

پورے چاند کی چاندنی پورے آسمان پر پھیلی ہوئی تھی' یہ فسوں خیز رات میرے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچا رہی تھی۔

محبت کے چاند کو گرہن لگ چکا تھا' چاند محبت کی نشانی تھا لیکن اب مٹ رہا تھا۔ دل کی دنیا میں اندھیرا ہو رہا تھا اور میں ڈھیر ہوتی جا رہی تھی (ماہ گل)۔

گل میر مرتضٰی نے ڈائری بند کی' اس نے دوسری ڈائری اٹھائی' گہرے سبز رنگ کی ڈائری کے پہلے صفحہ پر "ماہ گل" لکھا تھا اس کے سارے صفحوں کو پوروں اور انگوٹھے سے پکڑ کر چیک کیا۔ اس کے زیادہ صفحات خالی تھے کچھ صفحوں پر چند اشعار درج تھے' خالی صفحوں پر ایک ان کہی داستان بکھری ہوئی تھی' خاموشی کی زبان میں محبت ارقم تھی یوں محسوس ہو رہا تھا اس سبز رنگ کو محبت کا رنگ کہا گیا ہو۔ وہ ڈائری محبت کے رنگوں سے بھری تھی' سبز رنگ کی ڈائری کھولتے ہی ایک خوشگوار احساس' محبت کا احساس رگ و پے میں سماتا محسوس ہوا حالانکہ ان صفحات پر کوئی تحریر رقم نہ تھی لیکن وہاں ستارے اور قوس قزاح کے رنگ تھے' محبت جگمگا رہی تھی اور نیلی ڈائری "محبت میری آخری شرارت تھی" سبز رنگ کی ڈائری کا حوالہ اس کے پہلے صفحہ پر چسپاں تھا اور پھر ہر صفحہ کا درد خون کے آنسو رلاتا تھا۔ وہ سمجھ نہ پا رہا تھا کہ اس کو اب کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے' ایسا کیا کرنا چاہیے کہ ماہ روش اس کی بات سن لے۔ اس کے دل میں گل میر مرتضٰی کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جائے۔ مسلسل سوچ اور وقتاً فوقتاً ڈائری کی ورق گردانی نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔

کچھ گھنٹے پہلے تک وہ ماہ روش کے غصے کو زیادہ اہمیت نہ دے رہا تھا لیکن آج دو مزید لوگوں کے سامنے اس نے گل میر مرتضٰی کو قاتل کہہ دیا تھا۔ اس کی نفرت کی شدت اس پر عیاں ہوئی تھی' آج سے پہلے تک ان کے درمیان معمولی تلخ کلامی تو ہوتی رہی تھی لیکن آج کی تلخ کلامی کا رنگ روپ ہی الگ تھا۔ مریم اور یسریٰ سے نظریں ملائے بغیر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔

اب اس کی دلی اضطرابیت عروج پر تھی۔ کسی پل چین نہ تھا' اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کس سے مشورہ کرے کس سے کہے کہ ماہ روش کو سمجھائے۔ کیسے اس کو یقین دلائے کہ "ماہ گل" زندہ ہے' وہ قاتل نہیں ہے وہ کہتے ہوئے مسلسل سوچ میں گم تھا۔

❀......❀......❀

"سکندر اب آپ کو کوئی فیصلہ کرنا چاہیے' گل میر کتنے ہی دنوں سے یہاں مقیم ہے۔ آپ اس سے بات کریں' اس کو جانے کو کہیں ڈانٹیں یا کوئی فیصلہ کریں یوں تو رنجشیں مزید بڑھتی جائیں گی۔" مہرالنساء رسان سے ان سے مخاطب تھی' سکندر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کی۔

"خاموشی مزید کشیدگی پیدا کر رہی ہے اور یہ الگ بے چینی ہے بڑی بوا بھی پریشان ہیں۔" وہ کچھ نہ بولے تو مہرالنساء مزید گویا ہوئی۔

"کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" سکندر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کسی اور بات کی گنجائش ہے کیا؟" مہرالنساء نے ابرو اچکا کر انہیں دیکھا۔

"نہیں گنجائش تو نہیں۔" سکندر گہرا سانس لے کر بولے۔

"ماہ روش انتہائی بددل ہے اس سے' اس کا نام تک سننا گوارہ نہیں اور اس نے یہاں ڈیرے جما لیے۔" مہرالنساء کے لہجے میں ناگواری کا عنصر واضح تھا' سکندر

نے انہیں دیکھا۔

''اس کی موجودگی ہماری ماہ روش کے لیے تکلیف کا باعث ہے اور وہ بہت چڑچڑی ہورہی ہے' ذرا ذرا سی بات پر بھڑک جاتی ہے پھر بھی لحاظ کرتی ہے لیکن کب تک کرے گی؟ اس سے پہلے کہ وہ بڑوں سے بدتمیزی کرے آپ کو چاہیے کہ گل میر سے دوٹوک بات کریں۔'' مہرالنساء نے اپنے خدشات ظاہر کیے۔

''ہاں میں بات کرتا ہوں گل میر سے' دانیال اور حمزہ کی سیٹ کنفرم ہوگئی ہے۔ اگلے مہینے وہ دونوں آرہے ہیں' اس سے پہلے کوشش کرتا ہوں کہ ساری رنجشوں اور کشیدگی کو مٹاسکوں۔'' سکندر نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ مہرالنساء کو یقین دلایا۔

''ہاں اور ایک بات' مجھے نہیں لگتا ہے کہ ماہ روش اب گل میر سے شادی پر تیار ہوگی۔'' مہرالنساء نے سکندر سے کہا۔

''لیکن ہمیں جلد از جلد کوئی فیصلہ بھی کرنا ہے' سچ پوچھیں تو گل میر پر مجھے بھی اب اعتبار نہیں رہا۔ ٹھیک ہے کہ وہ ادیبہ اور مرتضٰی بھائی کا بیٹا ہے لیکن اس کی اپنی بھی ایک شخصیت ہے جو اب متاثر کن نہیں رہی۔'' مہرالنساء کے لب ولہجے میں پریشانی جھلک رہی تھی۔

''کوئی بھی فیصلہ ہم اکیلے نہیں کرسکتے۔''

''ماہ روش ہماری بچی ہے اور اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کے لیے کیا آپ ساری دنیا سے مشورے کریں گے؟'' مہرالنساء یک دم ترش لہجے میں بولی۔

''میرا یہ مطلب نہیں......'' سکندر نے حیرانی سے مہرالنساء کو دیکھا۔

''لیکن ماہ روش کے لیے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔''

''گل میر کی کمزوریوں کو ایک طرف رکھ کر اس کی اچھائیوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔'' سکندر تو آج اس کو حیران کرنے کے درپے تھے آج سے پہلے اس حوالے سے سکندر نے کسی مثبت پہلو پر نہ سوچا تھا۔

''لیکن ماہ روش...... ہم اس کی فیلنگز کو بھی تو فراموش نہیں کرسکتے ناں؟'' مہرالنساء کے چہرے پر متزلزل سوچیں ابھر رہی تھیں۔

''سب ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔'' سکندر نے مہرالنساء کو تسلی دی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا لیکن وہ مطمئن نہ ہوئی تھیں۔ بیٹی کی قسمت کے فیصلے کے بارے میں بہت سے خدشات ان کو پریشان کررہے تھے لیکن قبل از وقت وہ کچھ بھی نہ کرسکتی تھیں' اس لیے خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

❁......❁......❁
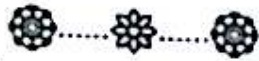
''محبت کی شدتیں ڈرادیتی ہیں' نجانے کیوں ایک وہم سا ہونے لگتا ہے صدقہ بلائیں ٹالتا ہے تو آج میں نے اپنی محبت کا صدقہ دیا ہے۔'' (ماہ گل)

ہم بھی دل رکھتے ہیں جو ہر دم دھڑکتا ہے
تیرے نام کی مالا جپتا ہے' تجھے دیکھ کے جینے لگتا ہے
(ماہ گل)

وہ ڈائری کے صفحات پلٹ رہا تھا' ابتدائی صفحات پر ہر جگہ بہت سی خوشیاں تھیں' محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اس کی شدتیں درج تھیں اس کے ڈر' اس کی فکریں' اس کے وہم اور محبت...... گل میر کے لیے یہ ڈائری انکشافات کی کتاب ثابت ہورہی تھی جس کی ہر ہر سطر اس کو چونکنے پر مجبور کررہی تھی۔

''انہوں نے کہا میں چاند ہوں جس کی چاندنی ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے' دل کو سکون دیتی ہے۔ میں وہ پھول ہوں جس کی خوشبو نے ان کی ساری زندگی کو مہکا دیا ہے۔ میرے لیے وہ کیا ہیں کاش میں ان کو لفظوں میں بتاسکتی' لیکن میں ابھی چپ ہوں' میں ماہ گل ہوں۔ وہ ماہتاب جو اُن کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا جو اُن کے دل کا سکون ہے وہ گل' جس کی محبت کی خوشبو نے ان کی زندگی کو مہکا دیا...... میں ماہ گل ہوں' میں نے اپنا نام ماہ گل رکھا ہے' محبت کی اس کتاب میں میں ماہ گل کے نام سے پہچانی جاؤں گی ہمیشہ۔'' (ماہ گل) اس صفحے نے گل میر نے

ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیلا دی تھی کتنے صفحوں کو گل میر نے یوں ہی پلٹتا تھا بنا پڑھے اس صفحے کا سرور ہی الگ تھا۔

''ہاں میں پاگل ہوں ان کی محبت میں پاگل ان کے لیے پاگل۔ آپ کہتے ہیں تو ہاں میں جھلی ہوں۔ کم عقل بھی ہوں۔ جذباتی بھی ہوں۔ لیکن محبت میں نے ان ساری کمیوں کو پس پشت ڈال کر ہوش و حواس میں کی تھی پورے خلوص کے ساتھ۔''

''میں رو رہی تھی وہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے میری آنکھوں سے بہتے آنسو ان کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے محبت کے پھول کو روند دیا تھا چاند کی چاندنی کو ماند کر دیا تھا۔ انہوں نے مجھے رلا دیا ہے میری محبت پر غلط فہمی کی مہر ثبت کر کے ختم شد لکھ دیا تھا اور وہ خاموش تھے مجھے رلا کر بھی چپ ہی رہے۔'' (ماہ گل)

درد کے شکنجے نے گل میر کو دبوچ لیا تھا اس لمحے دل جیسے کسی بے درد کی مٹھی میں مسلا جا رہا تھا۔ اس صفحے نے گل میر کی حالت کو بدتر کر دیا تھا یک دم اس کا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا یک دم اس نے ڈائری کو بند کیا وارڈروب میں چھپا کر بستر پر لیٹ گیا۔

❁......❁......❁
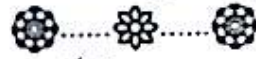
''مجھے تو کسی بہت بڑی سازش کی بو آ رہی ہے۔''

''ہاں لگ تو ایسا ہی رہا ہے کہ معاملہ بہت سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔'' ماہ روش کے جاتے ہی گل میر بھی وہاں سے چلا گیا تھا یسریٰ کو پہلے تو اپنے گیم کھیلنے والے آئیڈیا کے رد ہونے کا افسوس تھا لیکن اب دونوں بہنیں ماہ روش اور گل میر کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی پر غور و فکر فرما رہی تھیں۔

''ماہ گل کون ہوگی؟'' مریم نے سوالیہ نظروں سے یسریٰ کو دیکھا۔

''نہیں معلوم شاید گل بھائی کی کوئی گرل فرینڈ؟'' مریم نے قیاس آرائی کی۔

''مجھے نہیں لگتا میر بھائی اور ماہی کی تو شروع سے دوستی ہے ہم نے ہمیشہ ان دونوں کو ایک ساتھ ہی سوچا ہے۔ میر بھائی کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہو سکتی۔'' یسریٰ نے اس کی بات رد کی۔

''گل بھائی کسی کو اچھے لگ سکتے ہیں یا شاید مہ گل ماہ روش کی کوئی دوست ہو؟'' مریم نے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میر بھائی کی پرسنالٹی بھی تو زبردست ہے ناں ایک دم سے اٹریکٹ کر لیتے ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اب ان دونوں کے درمیان اتنی زیادہ رنجش ہے۔'' یسریٰ نے کسی حد تک مریم کے پوائنٹ کی تائید کی۔

''یہ بھی تو سوچو کے ماہی نے کیا کیا تھا۔'' مریم بے حد سنجیدگی سے ان دونوں کے درمیان ہوئی بحث پر غور کر رہی تھی۔

''کیا کیا تھا؟'' یسریٰ نے استفسار کیا۔

''کہ میر بھائی قاتل ہیں ماہ گل مر چکی ہے۔'' مریم زیر لب بولی۔

''مطلب گل بھائی اور ماہی کے درمیان ماہ گل تھی؟ جو اب نہیں رہی لیکن اس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان فاصلے آ گئے؟'' یسریٰ تیزی سے بولی۔ مریم نے اس کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا کر رہ گئی۔ بحث طویل تر ہوتی گئی لیکن یہ محبت نفرت میں کیوں بدل گئی ماہ گل کا کیا کردار رہا یہ گتھی نہ سلجھ سکی۔

''یقیناً بڑی بوا اس راز سے باخبر ہوں گی چلو ان سے پوچھتے ہیں ورنہ یہ سوچیں ہمارے دماغ کی لسی بنا دیں گی۔'' یسریٰ نے مریم سے کہا اور دونوں بڑی بوا کی تلاش میں وہاں سے نکل گئیں۔

''ایک دم سے بڑی بوا سے ماہ گل کا پوچھنے پر وہ حیران تو ہوں گی ہو سکتا ہے ہمیں بتائیں بھی نا۔'' آمنہ بیگم لان میں بیٹھی کیاریوں کی صفائی میں مصروف دکھائی دے رہی تھیں ان کی طرف بڑھتے ہوئے یسریٰ نے کہا۔

''ہاں معلوم ہے کوئی فارمولا استعمال کرنا پڑے گا۔'' مریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بڑی بوا' مدد چاہیے کیا؟'' بڑی بوا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''نہیں بیٹا مدد تو نہیں چاہیے' یہ کیاریوں کی تھوڑی سی صفائی کرنی تھی تقریباً ہوگئی ہے۔'' آمنہ بیگم نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

''بڑی بوا آپ کوئی مالی کیوں نہیں رکھ لیتیں' اتنا اچھا آپ نے یہ باغیچہ بنالیا ہے تو اس کی دیکھ بھال کے لیے مالی تو ہونا چاہیے۔'' مریم نے لان کے اس کونے پر نگاہ دوڑائی جہاں بہت سے پودے سرمستی میں مشغول تھے یہ بہار آمنہ بیگم کی محنت کی گواہی دے رہی تھی' یسریٰ نے بھی اثبات میں سر ہلا کر مریم کی مالی والی بات کی تائید کی۔

''بیٹا کچھ پودے تو سالوں سے لگے ہیں اور یہ پھولوں والے سارے اب لگا رہی ہوں۔'' آمنہ بیگم نے پھولوں والے پودوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ میرا اپنا شوق ہے' مالی رکھ لوں گی تو خود بور ہو جاؤں گی۔'' وہ ہولے سے ہنس کر بولیں اور کیاری سیٹ کرنے والے سارے اوزار باکس میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مریم نے کہا اور تینوں لان میں لگے کانی ٹیبل کی جانب بڑھنے لگیں۔

''بڑی بوا آپ کے دستکاری اسکول کا کیا بنا؟'' یسریٰ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے آمنہ بیگم سے پوچھا۔

''آج کل ذرا کام کم ہوگیا ہے' دوسرے اس عمارت کا کوئی ایشو چل رہا ہے۔'' آمنہ بیگم اپنی مخصوص کرسی پر براجمان ہوگئیں۔

''کام کیوں کم ہے اور ایشو کیا ہے؟'' مریم اور یسریٰ کو زیادہ تر معاملات سے بے خبر ہی رکھا جاتا تھا' ایک تو وہ چھوٹی تھیں اور دوسرے ان کو خود بھی گھریلو قسم کے مسئلے مسائل سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ اسی لیے تو وہ ہر بات سے بے خبر ہی رہتی تھیں اب جبکہ وہ بھی دھنک آباد میں واپس آچکی تھیں تو آہستہ آہستہ ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ تو تقریباً ہر ایک بات سے انجان ہیں' اس لیے اب دونوں مل کر آگے بڑھی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دے رہی تھیں' دلچسپی ظاہر کر رہی تھیں۔

''بیٹا جو عورتیں کام سیکھ رہی تھیں' ان میں سے چند عورتوں کو گھریلو مسائل کے باعث کام روکنا پڑا اور کرائے کا بھی کچھ مسئلہ چل رہا ہے' سلائی کڑھائی کے لیے کچھ مشینیں درکار ہیں۔'' آمنہ بیگم نے ان کو زیادہ تفصیل سے تو نہیں لیکن چند مسائل سے آگاہ کردیا۔

''بڑی بوا ہم آپ کی مدد کردیا کریں' آپ کا دستکاری اسکول بھی چل پڑے گا اور ہم بھی کچھ سیکھ لیں گے۔'' مریم نے یک دم اپنی مدد کی آفر کی۔

''ہاں کیوں نہیں' لڑکیوں کے پاس کوئی نہ کوئی ہنر ہونا بہت ضروری ہے۔ زندگی کی راہیں بہت کٹھن ہوتی ہیں کون جانے کون سا موڑ ٹیڑھا آجائے۔ کوئی ہنر ہوگا صلاحیت ہوگی تو آگے بڑھنے کو حوصلے بھی بلند رہیں گے۔'' آمنہ بیگم نے ان دونوں کی آفر کو دل و جان سے قبول کیا۔

''ٹھیک ہے بڑی بوا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' مریم اور یسریٰ نے حامی بھرلی۔

''دانیال اور حمزہ کے آنے میں چند دن ہی باقی ہیں تم دونوں نے ان کے کمرے سیٹ کردیئے؟'' آمنہ بیگم نے دونوں کو باری باری دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ناں بڑی بوا ہم نے تو کچھ نہیں کیا ابھی' کل شام ہی تو بتایا تھا بابا نے کہ وہ اگلے ہفتے پہنچ جائیں گے' آج کل میں کردیں گے۔'' اب کے یسریٰ منہ بسورے بولی کیونکہ آمنہ کی نظریں ان کی سستی پر ان کو گھورے جارہی تھیں۔

''اصلی بات پتا ہے کیا ہے بڑی بوا؟'' مریم نے کن انکھیوں سے یسریٰ کو دیکھا' بڑی بوا نے سوالیہ نظروں سے مریم کو دیکھا اور یسریٰ نے متعجب نظروں سے۔

''ہم دونوں میر بھائی اور ماہی کی وجہ سے پریشان ہیں' اتنا مزیدار گروپ تھا لیکن ان دونوں کی ان بن کی وجہ سے ہر وقت بوریت چھائی رہتی ہے۔'' مریم نے کھوجتی نگاہوں سے آمنہ بیگم کو دیکھ کر منہ بسور کر کہا۔

''ہاں بس دعا کرو دونوں کے درمیان صلح ہو جائے۔'' آمنہ بیگم نے سرد آہ بھر کر کہا۔
''بڑی بوا ہم تو سوچ رہے تھے کہ اس سال دونوں کی شادی ہو جائے گی۔'' یسریٰ نے قدرے رازداری برتی۔
''ہاں ہونا تو ایسا ہی تھا لیکن پتا نہیں اب قسمت میں کیا لکھا ہے۔'' اس نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔
''قسمت میں سب اچھا ہی لکھا ہوگا بڑی بوا فکر نہ کریں۔'' مریم شش و پنج میں مبتلا ہو رہی تھی کہ بڑی بوا سے ماہ گل کے بارے میں کیسے پوچھے' مدد طلب نظروں سے یسریٰ کو دیکھا لیکن اس لمحے وہ اس موضوع سے ہی لاتعلق لگ رہی تھی۔ مریم نے آنکھیں پھیلائیں تو یسریٰ نے یک دم اس کی طرف دیکھا یوں سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ چکی ہے۔
''بڑی بوا۔'' یسریٰ نے آمنہ بیگم کو مخاطب کیا تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''گل بھائی دھنک آباد میں کیوں رہ رہے ہیں؟'' یسریٰ بولی تو مریم کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔
''گل میر نے ماہ روش سے شادی سے انکار کر دیا تھا' جس وجہ سے سکندر اور ادیبہ کے درمیان لڑائی ہوئی تھی۔ گل میر کو مرتضیٰ نے گھر سے نکال دیا تھا اور میں نے گل میر کو یہاں بلوا لیا تاکہ وہ اپنی پوزیشن کلیئر کر سکے۔'' آمنہ بیگم کی اطلاع نے گویا ان دونوں کے آس پاس ایک بم پھوڑ دیا تھا۔
''کیا......! میر بھائی نے انکار کیا؟'' مریم کی حیرت سوا نیزے پر تھی۔
''یہ نہیں ہوسکتا' گل بھائی نے انکار کر دیا واقعی بڑی بوا...... لیکن کیوں؟'' یسریٰ کے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی۔
''ماہ روش اور گل میر کی لڑائی ہوئی ہے شاید۔'' آمنہ بیگم نے گول مول سا جواب دیا۔
''کیا آپ کو بھی نہیں معلوم کہ وجہ کیا ہے؟'' مریم نے پوچھا تو آمنہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔
''ماہ گل کون ہے بڑی بوا؟'' مریم نے پوچھا تو آمنہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔
''ماہ گل کون ہے؟'' انہوں نے اس کا سوال دہرایا۔
''کیا آپ نہیں جانتیں؟'' اب کے یسریٰ نے پوچھا۔
''نہیں میں اس نام سے واقف نہیں ہوں۔'' آمنہ بیگم کی لاعلمی نے مریم اور یسریٰ کے شک کو یقین میں بدل دیا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی اور موجود ہے۔ جس وجہ سے دونوں کے درمیان فاصلے ہیں۔
''کیوں کیا ہوا کون ہے ماہ گل؟'' آمنہ بیگم نے دونوں کو دیکھا اور استفسار کیا۔
''شاید وہ......'' اور پھر اس سے پہلے کہ مریم ماہ گل کے بارے میں اپنی اور یسریٰ کی قیاس آرائیاں بیان کرتی گل میر کو آتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔
''کیا ہوا بیٹا؟'' آمنہ بیگم نے مریم کے خاموش ہو جانے پر لب وا کیے تھے کہ گل میر کی سرخ آنکھوں اور اڑی رنگت نے انہیں حیران کر دیا۔
''سر میں شدید درد ہو رہا ہے' میرے پاس کوئی ٹیبلٹ بھی نہیں۔'' گل میر کرسی پر بیٹھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا' آمنہ بیگم بوکھلا گئیں جبکہ وہ دونوں بھی پریشان ہوئیں۔
''میں چائے لاتی ہوں۔'' مریم کچن کی جانب بھاگی' آمنہ تب تک اس کے پاس کھڑی اس کا سر سہلاتی رہی' پین کلر اور چائے لے کر مریم بھی واپس آچکی تھی تقریباً آدھے پونے گھنٹے کے بعد اس کا درد ذرا کم ہوا تو ان تینوں کی جان میں جان آئی۔
مریم اور یسریٰ وہاں سے چلی گئی تھیں جبکہ گل میر وہیں کرسی پر سر ٹکائے بیٹھا رہا اور آمنہ بیگم اس کا سر سہلاتی رہیں۔

❀......❀......❀

''خیریت تو ہے آج کل آپ بڑے سکون میں ہیں۔'' مرتضیٰ پچھلے تین دن سے ادیبہ کو دیکھ رہے تھے جو مسلسل

خاموش تھیں۔ دھنک آباد کے مکینوں کے حوالے سے کوئی بات ان کے لبوں سے نہ نکلی تھی' گل میر کی جانب سے ابھی تک رابطہ ویسا ہی تھا لیکن ادیبہ اطمینان میں تھیں' دو دن تک مرتضٰی دیکھتے رہے لیکن اب پوچھے بنا نہ رہ سکے۔

"کیا میرا سکون آپ کو بے سکون کررہا ہے؟" ادیبہ نے تنک کر پوچھا۔

"ہاہاہا...... نہیں لیکن حیرت ضرور ہورہی ہے۔" مرتضٰی حیدر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے مرتضٰی صاحب؟" ادیبہ نے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا بتاؤ کیا بات ہے؟" مرتضٰی نے اس کے سوال کو نظر انداز کرکے دوبارہ پوچھا۔

"بڑی بوا سے رابطہ ہوا سب خیریت ہے ناں؟" مرتضٰی مزید گویا ہوئے۔

"ہاں جیسے آپ کو تو کوئی خبر ہی نہیں۔"

"کس بات کی خبر؟" مرتضٰی نے ادیبہ کے روٹھے انداز کو دیکھا۔

"دانیال بھائی اور حمزہ واپس آرہے ہیں۔" ادیبہ نے بتایا۔

"کنفرم ہوگیا اس کا آنا؟" مرتضٰی نے پوچھا۔

"کیا آپ کو علم نہیں؟"

"یہ تو پتا تھا کہ وہ آرہے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کے کب آنا ہے۔"

"اگلے ہفتے آرہے ہیں۔" ادیبہ نے انہیں بتایا۔

"بڑی بوا سے میری بات ہوئی تھی' آپ نے صحیح کہا تھا کہ جہاں بہت سے لوگ گل میر کے خلاف ہیں وہاں بہت سے لوگ اس کا ساتھ دینے والے بھی موجود ہیں۔ بڑی بوا نے بتایا تھا کہ مریم اور یسریٰ اس کا بہت خیال رکھتی ہیں تو اس لیے اب تسلی ہوگئی ہے۔" ادیبہ کے لہجے میں ایک اطمینان کی جھلک نمایاں تھی۔

"یہ تو اچھی بات ہے اور سکندر کی فیملی کا رویہ کیسا ہے؟" مرتضٰی نے پوچھا۔

"سکندر بھائی کی ابھی تک گل میر سے کوئی بات نہیں ہوئی' بڑی بوا بتارہی تھیں کہ وہ تو گل میر کی دھنک آباد میں آمد سے ہی بے خبر تھے ہاں البتہ مہرالنساء کے رویے میں تھوڑی لچک ضرور آگئی ہے لیکن ماہ روش اللہ توبہ اس لڑکی کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے۔ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی گل میر کو بے عزت کرنے کا۔" نرمی سے بولتے ہوئے ادیبہ کے لہجے میں کڑواہٹ آہی گئی تھی۔

"جس کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے' زیادہ تکلیف بھی اسی کو ہوتی ہے۔" مرتضٰی گہری سانس لے کر بولے۔

"میرے خیال میں ماہ روش کی تلخی حق بجانب ہے۔" مرتضٰی کی بات پر ادیبہ نے انہیں دیکھا۔

"ساری دنیا اپنی اولاد کا ساتھ دیتی ہے' وہ غلط ہوں یا صحیح ایک آپ ہیں مرتضٰی صاحب اولاد کی غلطی پر ساتھ دینا تو دور پہلی سزا آپ کی طرف سے ہوئی۔" ادیبہ کو مرتضٰی پر شدید غصہ آرہا تھا۔

"میں ان والدین میں سے نہیں ہوں جو اولاد کی غلطی پر ان کا ساتھ دے کر ان کو مزید شہہ دیں تاکہ وہ مزید بگڑ جائیں۔" مرتضٰی نے ہمیشہ کی کہی بات پھر دہرائی۔

"ہاں لیکن جوان اولاد کو یوں گھر سے نکال دینا کوئی خاص دانشمندانہ فیصلہ بھی نہیں ہے مرتضٰی صاحب' آپ شکر ادا کریں کہ آپ کا بیٹا بگڑا ہوا نہیں ہے ورنہ آپ کے ان اصولوں کے باعث لینے کے دینے پڑجاتے۔" ادیبہ کبھی بھی ان کی اس دلیل سے قائل نہ ہوئی تھی۔

"اور آپ شاید بھول رہی ہیں کہ میں نے گل میر کو دھنک آباد جاکر حالات ٹھیک کرنے کا ہی کہا تھا۔" مرتضٰی حیدر بھی اپنی بات پر قائم تھے۔

"یہی بات آپ اسے لاڈ پیار سے بھی کہہ سکتے تھے اگر بڑی بوا اسے نہ بلواتی تو وہ خود ہی دھنک آباد کیسے جاسکتا تھا؟" ادیبہ بھی کہاں ہار ماننے والوں میں سے تھی۔

"ادیبہ بیگم آپ بات کا ایک رخ دیکھ کر فیصلہ کرلیتی ہیں' آپ پوری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔ میں اپنے بیٹے کا دشمن نہیں ہوں' اسے ایک اعلیٰ انسان بنانا چاہتا ہوں'

اگر میں نے اسے دھنک آباد چلے جانے کو کہا تھا تو آپ کو کیا لگتا ہے میں نے جذبات میں آ کر غصے میں اپنے اکلوتے بیٹے کو دربدر کردیا؟ رشتے میں لاکھ انڈراسٹینڈنگ سہی لیکن کبھی کبھی کچھ معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی بدولت لہجے میں تلخی اور کڑواہٹ کے ذرے در آتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ رشتے میں بگاڑ پیدا کردیا جائے تلخی کے کڑے گھونٹ حلق سے نیچے اتار دینے میں ہی عقل مندی ہے اس دانشمندانہ عمل سے رشتے کا تقدس قائم رہتا ہے۔" مرتضیٰ کی تلخی پر ادیبہ نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔

"بڑی بوا نے میرے کہنے پر ہی گل میر کو دھنک آباد بلوالیا تھا۔" مرتضیٰ کے انکشاف نے ادیبہ کے اندر ایک اطمینان کی لہر دوڑا دی جوان کے چہرے کی مدھم مسکراہٹ سے عیاں ہورہا تھا۔

"ہاں تو غلطی تو آپ کی ہی ہے مجھے تو بتانا چاہیے تھا ناں۔"

"ادیبہ بیگم اب آپ الہڑ حسینوں کی طرح اپنی اداؤں سے کیا زیر کریں گی؟" مرتضیٰ کی آنکھوں میں شرارت اور الفاظ میں ایک ہلکا سا طنز وہ بخوبی محسوس کرگئی تھیں۔

"رہنے دیں مرتضیٰ صاحب الہڑ حسیناؤں والی ادائیں اس وقت نہیں دکھائی تھیں جب وقت بھی تھا اور عمر بھی اب تو......" ان کے انداز نے مرتضیٰ صاحب کو قہقہہ لگانے پر مجبور کردیا تھا۔

"ادیبہ بیگم ہم تو اس وقت بھی فدا تھے اور آج بھی ہیں۔" لہجے کی شرارت اور آنکھوں کے اشاروں نے ادیبہ کو سٹپٹایا۔

"اجی جائیے رہنے دیجیے اب ان مسخریوں کو۔" ادیبہ نے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ میں تو آج بھی گھائل کرنے والی ادائیں موجود ہیں ادیبہ بیگم۔"

"مرتضیٰ صاحب ذرا ہوش کے ناخن لیں جوان بیٹا دربدر رل رہا ہے اور آپ کو عشق کا بخار چڑھنے لگا ہے۔" ادیبہ نے ہنستے ہوئے انہیں چھیڑا۔

"آپ کی یہ ادائیں ناں خون جلاتی ہیں رنگ میں بھنگ ڈالنے کا ہنر بہت اعلیٰ ہے آپ میں۔" مرتضیٰ حیدر بدمزہ ہوئے۔

"حد کرتے ہیں آپ بھی۔" ادیبہ خجل سی مسکرائی۔

"کاش کے آپ میں بھی حد کرنے کی صلاحیت ہوتی۔" سرد آہ بھر کر مرتضیٰ نے ایک بار پھر چوٹ کی تو ادیبہ ہنستی چلی گئی۔

"اچھا اب آپ بڑھاپے میں لوٹ آئیں چند ایک چیزیں مرمت طلب ہیں تو مہربانی فرما کر میری مدد کردیں۔" ادیبہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"کاش ان مرمت طلب چیزوں میں آپ کا دل و دماغ بھی شامل ہوتا۔" مرتضیٰ حیدر ابھی تک ان کو چھیڑنے میں مصروف تھے۔

"مرتضیٰ صاحب بہت غلط عمر میں بگڑنے چلے ہیں آپ بڑھاپے میں بگاڑ کے بعد سدھرنے کا وقت نہیں رہتا۔" ادیبہ بیگم بھی کہاں باز آنے والی تھیں۔ ایک عمر گزاری تھی دونوں نے ایک دوسرے کی حس کو بخوبی سمجھتے تھے ایک دوسرے کے مزاجوں سے بھی مکمل آشنائی تھی۔

"ادیبہ بیگم اب سدھرنا چاہتا بھی کون ہے۔"

"مرتضیٰ صاحب اب بس کیجیے آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" ادیبہ بیگم نے عاجز آ کر کہا۔

"آپ تو بیگم صاحبہ ایسے گھبرا رہی ہیں جیسے میں واقعی بگڑنے لگا ہوں۔" مرتضیٰ حیدر ہنسے۔

"اب آپ چل رہے ہیں کہ میں جاؤں؟" ادیبہ نے انہیں گھورا۔

"مجھے اٹھاؤ۔" مرتضیٰ نے ہاتھ بڑھایا ادیبہ نے مسکرا کر ان کے ہاتھ کو پکڑا پھر انہوں نے ادیبہ کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور اٹھ کر ان کی مدد کرنے چل دیئے۔

❁......❁......❁
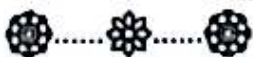
"اب تو ہم آپ کی بینڈ بجا کر ہی آپ کو روانہ کریں

گے۔‘‘ ماہ روش کی شوخ آواز نے حمزہ کو سرشار کردیا تھا۔
’’بینڈ بجنے کے بعد روانہ کون ہونا چاہے گا۔‘‘ وہ بھی شریر لہجے میں بولا۔
’’تو رک جانا پھر۔‘‘ ماہ روش بولی۔
’’پہلے آ جاؤں پھر دیکھتے ہیں۔‘‘
’’تم ٹھیک ہو؟‘‘
’’ہاں میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔‘‘ ماہ روش مسکرائی۔
’’گل میر کیسا ہے؟‘‘ حمزہ نے اس سے پوچھا۔
’’ہیلو؟‘‘ وہ کچھ نہ بولی تو حمزہ کو ایک لمبی ہیلو کہنی پڑی۔
’’آپ مجھ سے ان کے بارے میں نہ پوچھا کریں۔‘‘ ماہ روش نے اسے منع کیا۔
’’کیوں ماہی؟‘‘ حمزہ نے نرمی سے پوچھا۔
’’میں ان کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی۔‘‘ وہ صاف گوئی سے بولی۔
’’لیکن یہ صحیح تو نہیں ہے ناں۔‘‘
’’کس کے لیے صحیح نہیں ہے؟‘‘
’’تمہارے لیے۔‘‘ حمزہ کے لہجے میں اس کے لیے ایک فکر نمایاں تھی۔
’’ان کا ذکر مجھے تلخ کرنے لگتا ہے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے پھر مجھے غصہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ حمزہ پلیز آپ اس بارے میں بات نہ کریں۔‘‘ ماہ روش کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔
’’جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بہت سی باتوں کو درگزر کرنا پڑتا ہے ناں ماہی۔‘‘
’’محبت ہی تو نہیں ہے حمزہ ورنہ کیا میں ایسا کرتی؟‘‘ ماہ روش آنسوؤں کو نگلتے ہوئے بولی۔
’’اب ایسا تو نہیں ہے پاگل۔‘‘ حمزہ نے اسے تسلی دینی چاہی۔
’’وہ تو مکر چکے ہیں اپنے وعدوں سے محبت سے۔‘‘ اسے معلوم ہی نہ ہوا کب آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔
’’محبت میں کبھی کبھی غلط فہمی ہوجاتی ہے۔‘‘
’’جس محبت میں غلط فہمی ہوجاتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی صرف دل لگی ہوتی ہے۔‘‘ ماہ روش کسی طرح قائل نہ ہورہی تھی۔
’’ماہی......‘‘
’’آپ کی ماہی پاگل ہے حمزہ آپ نہیں سمجھ سکتے محبت میں غلط فہمی ہوجائے تو وہ دور ہوجاتی ہے لیکن جب محبت ہی غلط فہمی ہو تو اس کا علاج کیسے ہو؟ جب کوئی اپنے ہی دعوؤں سے پھر جائے محبت سے ہی مکر جائے اپنے لفظوں کو آپ کا وہم کہے تو آپ بتائیں حمزہ...... یہ کیسی محبت ہے؟‘‘ ماہ روش انتہائی دکھ سے اس سے پوچھ رہی تھی اور اب اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔
’’تم مجھے بتاؤ ایسا کیا ہوا تھا کہ حالات بدل گئے؟‘‘ حمزہ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہ تھا اس لیے اس سے وجہ جاننے لگا۔
’’حمزہ جب ہم محبت کرتے ہیں تو پھر ہمیں اس کا بھرم بھی رکھنا چاہیے حالات نہیں بدلے دل بدل گیا ہے۔ آپ یوں سمجھیں کہ دل کے بدل جانے کا سبب بتا کر میں اس بھرم کو توڑ نہیں سکتی آپ میری فکر نہ کریں۔‘‘ ماہ روش نے دھیمے لہجے میں کہا۔
’’گل میر کہاں ہے؟‘‘ حمزہ نے اس کی بات سن کر کہا۔
’’دھنک آباد میں ہی ہیں۔‘‘ مختصراً جواب دیا۔
’’تم بات کرتی ہو اس سے؟‘‘
’’نہیں۔‘‘
’’اور وہ......؟‘‘
’’کوشش کرتے ہیں۔‘‘
’’ہم...... گل میر نے مجھ سے بھی رابطہ نہیں کیا کیا تم اسے کہہ سکتی ہو کہ مجھ سے رابطہ کرے؟‘‘
’’آپ اپنے پیغامات کسی اور ذریعے سے ان تک پہنچائیں۔‘‘ ماہ روش ترش لہجے میں بولی تو حمزہ ہنس دیا۔
’’اچھا ٹھیک ہے۔‘‘
’’آپ ایک وعدہ کرسکتے ہیں؟‘‘
’’کون سا وعدہ؟‘‘

''آج کے بعد آپ گل میر کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی سے یہ کہیں گے کہ میری آپ سے بات ہوئی ہے۔'' ماہ روش دھیرے سے بولی۔

''ماہی۔'' حمزہ حیران ہوا۔

''پلیز۔'' لہجے میں التجا تھی۔

''کیا تم بھی محبت سے مکر رہی ہو؟'' حمزہ کے سوال پر اس نے لب بھینچ لیے۔ ''تمہارا دل بھی بدل گیا ہے کیا ماہی؟''

''ہاں یہی سمجھ لیں۔'' وہ بمشکل انکاری ہوئی۔

''خیر چھوڑیں یہ باتیں' آپ بتائیں میرا گفٹ کہاں ہے؟''

''میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کررہا ہوں ماہی...... میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تم دونوں کے درمیان کی غلط فہمی دور ہوجائے۔'' حمزہ مضبوط اور پُرعزم لہجے میں کہنے لگا تو ماہ روش خاموش ہوگئی۔

''اور تمہارا گفٹ میں آؤں گا تو لے کر آؤں گا۔'' حمزہ نے مسکرا کر کہا۔

''انتظار رہے گا۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی' مزید چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون بند ہوگیا تھا' ماہ روش یوں ہی ساکت وجامد وہاں بیٹھی رہی۔

❁......❁......❁

''پھول اکیلا ہے' خاموش ہے' تیز ہوا کے جھونکے کسی بھی لمحے اس کی پنکھڑیوں کو بکھر سکتے ہیں اور یہاں رانجھے تمہیں کوئی پروا ہی نہیں۔''

''بڑی بوا جی اس وقت اپنا آپ کسی رانجھے جیسا ہی لگ رہا ہے۔'' گل میر کو اب سر درد میں آرام آرہا تھا' آمنہ بیگم اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی اس کو سرزنش کرنے لگی تو گل میر نے کہا جس پر آمنہ بیگم نے اسے گھورا۔

''میرے خیال میں اب تمہیں کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے اور میاں رانجھے اپنے معاملات اب سنجیدگی سے دیکھو۔''

''بڑی بوا...... آپ جب میاں رانجھے کہتی ہیں تو اپنا آپ سچ مچ رانجھا رانجھا سا لگنے لگتا ہے' صحراؤں میں بھٹکنے والا' محبت کو کھو جنے والا نااہل رانجھا۔'' گل میر نے منہ بسور کر اپنا ہی مذاق اڑایا۔

''او محبت کو کھو جنے والے نااہل رانجھے' اب ذرا ہمت پیدا کرو اور بات کو آگے بڑھاؤ' چند دنوں میں دانیال اور حمزہ بھی آرہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کے آنے سے پہلے تم یہاں کے معاملات سلجھالو اور گھر واپس چلے جاؤ۔'' آمنہ بیگم نے کہا۔

''بڑی بوا...... ماہ روش میری بات سننے کو تیار نہیں' سکندر ماموں کی مصروفیت کی وجہ سے ان کا کوئی اتا پتا ہی نہیں' ممانی جان بھی خاموش ہیں آپ ہی بتائیں ایسے میں میں کیسے کچھ کروں؟'' گل میر نے لاچاری سے ان کی طرف دیکھا۔

''جو بھی ہے بیٹا اب تمہیں خود ہی راستہ نکالنا پڑے گا۔'' آمنہ بیگم بولیں تو گل میر خاموش ہوگیا' اب وہ بھی خاموش تھیں۔ گل میر سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ اس کو کوئی رستہ دکھائیں گی' کوئی مشورہ دیں گی لیکن آمنہ بیگم تو اب اس کو بغیر کوئی رستہ دکھائے کوئی مشورہ دیئے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

''تو اس کا مطلب ہے یہ جنگ اب اکیلے لڑنی ہے' سارے محاذ اپنے بل بوتے پر فتح کرنے ہیں' ماہی کو خود منانا ہے۔ محبت کو واپس موڑ کر لانا ہے۔'' گل میر خود کلامی کرتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''بہت ہوگیا چوہے بلی کا کھیل ماہ روش سکندر...... اب جنگ ہوگی محبت کی جنگ۔'' جارحانہ انداز میں ہاتھ میں پکڑے ناول پر نظریں جماتے دوسرے ہاتھ میں کافی کے مگ کو تھامے ماہ روش کو چونکایا تھا۔ کچن کے دروازے کو عبور کرکے وہ سست روی سے چلتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی نظریں ناول کے اوراق پر جمی تھیں اور گل میر کی وہاں موجودگی کا احساس نہ ہوا تھا یکایک اس کے سامنے آجانے اور اب اس کو للکارنے پر اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

"گڈ لک گل میر مرتضیٰ......" وہ بمشکل اپنے آپ پر قابو پا کر بولی۔
"تم دعا کرو گی ناں کہ میں اس جنگ میں جیت جاؤں۔" وہ سامنے کھڑا اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ماہ روش نے اسے دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے قدم بڑھا دیئے۔
"کیا تم واقعی مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو؟" گل میر اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ "بولو ناں ماہی...... کیا واقعی تم مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا تو گل میر اس کے سامنے آ گیا اسے رکنا پڑا۔
"آپ کو کیا لگتا ہے؟" ماہ روش ضبط کی حدوں کو چھو رہی تھی۔
"مجھے لگتا ہے تم مجھ سے شدید......" گل میر نے ایک پل رک کر اسے دیکھا' ماہ روش کی نگاہیں اس پر ٹکی تھیں' وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔
"شدید محبت کرتی ہو۔" اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا' اس کی اس بے تکی قیاس آرائی پر ماہ روش کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔
"ان میں سے کوئی ایک چیز مجھے دے دو' تھک جاؤ گی تم' بہت بوجھ اٹھا رکھا ہے۔" گل میر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ لے لیا' اس کا انداز نہایت دوستانہ تھا لیکن ایک ایسا تاثر بھی موجود تھا جو ماہ روش کو سلگانے لگا۔
"گل میر مرتضیٰ...... آپ میرے راستے سے ہٹ جائیں۔" ماہ روش نے دانت پیس کر کہا۔
"میں تمہارے رستے سے نہیں ہٹ سکتا۔" گل میر نے کافی کا سپ لیا اور مکمل اطمینان سے بولا۔
"کیا میں آپ سے کوئی امید رکھ سکتی ہوں؟" نجانے کیوں ماہ روش کا لہجہ نرم تھا' انتہائی غصے کے باوجود وہ کوئی ایسا الفاظ نہ کہہ پائی جو اس کو نہایت تکلیف دیتا۔
"تم مجھ سے ہر طرح کی امید رکھ سکتی ہو۔" گل میر کی آنکھوں میں ایک مسکراہٹ ابھری تھی' ماہ روش نے اسے دیکھا آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں تھیں۔
"کہو...... کیا کہنا ہے؟" وہ شاید الفاظ ترتیب دے رہی تھی کہ گل میر نے اسے بولنے پر اکسایا۔
"آپ دھنک آباد اور میری زندگی سے چلے جائیں۔ آپ کی موجودگی مجھے تکلیف دے رہی ہے' میں برملا اظہار کرتی ہوں گل میر مرتضیٰ کہ میرے دل میں آپ کے لیے جگہ نہیں' ضرورت نہیں مجھے آپ کی۔ گل میر مجھے آپ کا ساتھ نہیں چاہیے' مجھے اس تکلیف سے نجات دلا دیں پلیز میں کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی' نہ پہلے کبھی مانگا۔ میری زندگی سے چلے جائیں' یہاں سے چلے جائیں......" اس کی بات پر گل میر ساکت رہ گیا۔ اگلے پل وہ آنکھوں کو رگڑتی وہاں سے بھاگی تھی گل میر چاہنے کے باوجود اس کو روک نہ پایا۔

❁......❁......❁

"ان کی خواہش ہے کہ میں بھول جاؤں' وہ وقت' وہ لمحہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانا بھول جاؤں۔ ان کے نشتر چبھوتے الفاظ بھول جاؤں' سب کچھ بھول جاؤں...... بھول جاؤں کہ میری محبت نے کتنی ذلت سے نوازا ہے مجھے۔ کرچی کرچی ہوتے بھروسے اور لہولہان ہوتی محبت کے زخموں کو بھول جاؤں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کیسے؟" (ماہ گل) اگلے پل گل میر نے ڈائری بیڈ پر اچھال دی۔
دونوں ہاتھوں سے سر کو تھاما پھر آنکھوں کو ہتھیلیوں سے رگڑا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ٹانگیں لٹکائے وہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ ماہ روش کے الفاظ' اس کے آنسو اور محبت کے باوجود نفرت کی انتہا' گل میر کے لیے یہ مقام انتہائی ذلت آمیز تھا' اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ ماضی کے جھروکوں نے اس کے دل و دماغ پر دستک دی' یک دم گل میر نے آنکھیں کھول دیں۔ کھنکتی ہنسی نے اسے چونکایا تھا' چوڑیوں کی کھنک نے اس کی ساری توجہ سمیٹی تھی۔ کھلکھلا کر ہنسنے والی ماہ روش تھی اور منتشر دھڑکنوں پر حیران ہونے والا دل گل میر کا' یوں یہ کہانی ہنسی کی کھلکھلاہٹ اور چوڑیوں کی کھنک سے ہی شروع ہوتی تھی' یہ کچی عمر کی محبت

تھی اور دونوں ہی انجان تھے۔

جب جب سکندر کا ٹرانسفر ہوتا گل میر دھنک آباد آ جاتا تھا' گوکہ اس کی عمر زیادہ نہ تھی سولہ سترہ سال لیکن پھر بھی تین عورتوں کا سولہ سترہ سالہ سہارا بھی اطمینان کا باعث تھا۔ گل میر عمر کے اس حصے میں تھا جہاں چیزیں' لوگ' باتیں اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کرتی ہیں اور جس پہلی چیز نے اس کو اپنی طرف کھینچا تھا' دل میں عجیب سے احساس کو جنم دیا تھا وہ ماہ روش کی ہنسی اور چوڑیوں کی کھنک تھی۔

ماہ روش اس سے کوئی دس گیارہ ماہ ہی چھوٹی تھی یہ محبت لفظوں کی محتاج نہ تھی اور پھر گھر کا ماحول بھی ایسا نہ تھا کہ دھڑلے سے محبتوں کی منادی کی جاتی' کسی کے جذبات کو غلط انداز سے پیش کیا جاتا۔ بے شک دھنک آباد مکمل آباد نہ تھا لیکن ان کی اقتدار برقرار تھیں' گل میر دھنک آباد کا حصہ نہ ہونے کے باوجود ان اقتدار کا پاس رکھتا تھا' اپنی اسی انڈراسٹینڈنگ کے باعث گل میر نے دھنک آباد کے مکینوں کے دلوں میں ایک خاص مقام بنالیا تھا۔

ماہ روش اور گل میر کی دوستی تھی' چھوٹی چھوٹی خوشیاں شیئر کرنا' ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا لیکن ابھی تک دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ حمزہ' مریم اور یسریٰ بھی اس گروپ کا حصہ تھے' حمزہ ان میں سب سے بڑا تھا اور خاصی بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ شرارتوں میں ان کا ساتھ دیتا تھا لیکن جہاں کوئی بات اس کی مرضی کے برعکس ہوتی وہ بگڑ بھی جاتا تھا۔ سب پر اس کا رعب تھا لیکن ماہ روش کچھ زیادہ ہی لاڈلی تھی' دونوں میں دوستی بھی خوب تھی اور پھر وہ تینوں دبئی چلے گئے لیکن ماہ روش اور حمزہ کا رابطہ مسلسل تھا۔

گل میر کی ذومعنی باتیں شروع ہوچکی تھیں' ماہ روش درگزر کرجاتی تو کبھی مسکرادیتی۔ اس میں شرم تھی' جھجک تھی' ایک لحاظ تھا' لڑکی ہونے کی بناء پر اس نے جذبات کو محفوظ کر رکھا تھا' ایک جائز تعلق تک کے لیے لیکن اس کی آنکھیں بولتی تھیں' گل میر کو محبت کے پیغامات دے دیا کرتی تھی۔

''لڑکیوں کو بے باک نہیں ہونا چاہیے' اپنی محبت کو بہت سنبھال کر رکھنا چاہیے' دھڑلے سے منہ پھاڑ کر محبت کا اظہار کرنے والی لڑکیاں میری انسپریشن کبھی بھی نہیں رہی ہیں۔'' وہ ہمیشہ یہی کہتی تھی' درپردہ گل میر کے لیے پیغام تھا تو گل میر کی شکایت بے معنی ہوجاتی تھی' اس کی شکایت بھی تو ڈھکی چھپی ہوتی تھی ناں' اس کی محبت کی طرح۔

''تم چاندنی ہو' مہکتا پھول ہو۔'' گل میر دھیرے سے کہہ کر وہاں سے چل دیا' ماہ روش کے ہونٹوں پر شرمگین مسکراہٹ کا بسیرا ہوا ساتھ ہی آنکھیں جھک گئی تھیں۔

اسے چوڑیاں پسند تھیں اور وہ اس کی کلائی پر کھنکتی چوڑیوں کی کھنک کا اسیر ہوا جارہا تھا' بہت سارا وقت گزر چکا تھا۔ محبت نے اب بولنا شروع کردیا تھا لیکن ماہ روش تاحال خاموش تھی۔ ہاں دونوں میں دوستی تھی' کزن کے رشتے کا احترام بھی تھا' فاصلے بھی تھے۔ دونوں میں خوب بحث بھی ہوتی تھی اور جھگڑا بھی لیکن جھگڑے اور بحث کا اینڈ گل میر کی گہری مسکراہٹ اور ماہ روش کی شرمگین مسکراہٹ پر ہوتا تھا۔ بعض اوقات محبت کا اظہار ضروری ہوتا ہے' عمل سے یا لفظوں سے' فقط مسکراہٹ کو محبت کا ضامن نہیں ٹھہرایا جاسکتا' محبت اقرار مانگتی ہے' پلکیں جھکا دینا' مسکرا دینا عادت بھی ہوسکتی ہے' ضروری نہیں کہ یہ محبت کے ہی اشارے ہوں۔ گل میر اب الجھن کا شکار ہونے لگا تھا' وہ آنکھوں کے پیغامات اس کی اپنی محبت کا عکس تو نہیں؟ جو گل میر کی روش آنکھیں' ماہ روشن کی آنکھوں میں جھلملاتے دیکھتی تھیں؟

''حمزہ اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی محبت سے کوئی اور بھی محبت کرتا ہے۔ فرق پڑتا ہے تو صرف اس بات سے کہ آپ کی محبت کو آپ کی کتنی قدر ہے۔'' گل میر نے فیصلہ کیا تھا کہ اب دھنک آباد جاکر ماہ روش سے دو ٹوک بات کرکے اپنی بے چینی کا خاتمہ کرسکے۔ انہی دنوں سکندر نے ملتان ٹرانسفر کی وجہ سے مہرالنساء اور ماہ روش کو بھی ہمراہ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا' تبھی تو دھنک آباد کا

سامان اسٹور روم میں منتقل ہو رہا تھا۔ ماہ روش کی فون پر ہونے والی گفتگو پر گل میر ٹھٹک کر رک گیا۔

"آپ فیصلہ کرلیں حمزہ...... میں آپ کے ساتھ ہوں۔" زیر بحث محبت اور ابھی گفتگو گل میر کو یوں محسوس ہوا اس کے سر پر چھت آ گری ہو۔

"بابا میری کوئی بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔" گل میر کو یہ تو پتا چل گیا تھا کہ کال کس کو کی جا رہی ہے لیکن ایک بے یقینی تھی، ماہ روش کی آواز مدھم تھی۔

"کوئی اگر مگر نہیں ہے، انکار کسی صورت نہیں ہوگا آپ بس بارات کی تیاری کریں۔" ماہ روش ہنسی تھی۔

"نہیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گی آپ آ جائیں تو پھر مل کر سب کو سرپرائز دیں گے۔" اس نے یقیناً اسے کسی کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا۔

"نہیں تو۔" یک دم ہی اسے ماہ روش کے چہرے پر قوس و قزاح بکھری نظر آنے لگی تھی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" اس کی پلکیں لرزیں، مدھم آواز گل میر کی بھی سماعت سے ٹکرائی۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ دھیرے سے ہنسی تھی، اس لمحے اس کی ہنسی کی مدھم جھنکار گل میر کی سماعت میں کسی پگھلے سیسہ کی مانند اتر رہی تھی۔ اس کو خبر کیے بناء کسی آہٹ کے بغیر وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا، ماہ روش کو خبر ہی نہ ہوئی اور اس کی محبت کی دنیا میں زلزلہ آ چکا تھا۔

❁......❁......❁
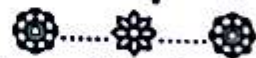
"میں نے آپ سے کہا تھا ابھی ذرا صبر کر جائیں، ایسی بھی کیا جلدی تھی۔" گل میر کی جھنجلاتی آواز نے ادیبہ کو حیران کیا تھا۔

"جلدی کی کیا بات ہے بیٹا...... میں تو کب سے دل میں ارمان لیے بیٹھی ہوں تمہارے لیے ایسی تیاری کروں...... ہم تو کہہ رہے ہیں کہ سکندر بھائی کے ملتان شفٹ ہونے سے پہلے ایک رسم کر دیں۔" ادیبہ کو گل میر نے اپنی پسند کا بتایا تھا، ان کی تو خوشی کی انتہا ہی نہ رہی، جھٹ پٹ مرتضیٰ کو بتایا اور آمنہ بیگم کو بھی بیٹے کی پسند سے آگاہ کر دیا تھا۔

"بھلا اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہوگی کہ ہمارے بیٹے نے خاندان کی لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔" مرتضیٰ کی خوشی بھی دیدنی تھی۔

"جو آپ چاہ رہی ہیں وہ اب میں نہیں چاہ رہا ہوں۔" گل میر انتہائی غصے سے گویا ہوا تھا۔

"ہیں...... کیوں...... کیا ہوا ہے؟ کیا تم ماہی سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟" ادیبہ بوکھلا گئیں تھیں۔

"نہیں۔" وہ سپاٹ انداز میں بولا۔

"تو کہا کیوں تھا کہ تم ماہی کو پسند کرتے ہو۔"

"عجیب بات ہے آپ کی بھی مما...... اب بھلا کسی کو پسند کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے شادی کر لی جائے؟" وہ جھنجلایا تھا۔

"گل میر یہ کیا بچکانہ بات ہے؟" ادیبہ کے لہجے میں واضح غصے کی جھلک تھی۔

"مما بچکانہ بات تو آپ نے کی ناں، ذرا سا اپنے بیٹے کا بھرم نہ رکھ سکیں اور اُدھر بات کی آپ سے اِدھر آپ نے اس بات کے طرح طرح کے مطلب نکال کر سارے جہاں میں اس کو مشہور کر دیا۔ پسند تو میں پندرہ لڑکیوں کو کرتا ہوں اب کیا سب سے شادی کر لوں؟" گل میر تو جھتے سے ہی اکھڑ چکا تھا۔

"گل میر تم اپنی بات سے مکر رہے ہو بیٹا۔" ادیبہ کے تو اوسان خطا ہو چکے تھے۔

"آپ نے بات کو سمجھا ہی نہیں۔"

"بیٹا یہ غلط بات کی تم نے۔" ادیبہ اس سے ناراض ہونے لگی تھی لیکن اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھا ہوا تھا۔

"سوری مما......"

"بیٹا ہم نے تو سکندر بھائی اور مہر النساء سے بھی بات کر لی ہے۔" ادیبہ منمنائیں۔

"مما......" گل میر چلایا تھا۔ "مما ایک بار تو کنفرم کر لیتی ناں۔"

"تم نے بات ہی ایسی کی تھی کہ کنفرم کرنے کی

ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔"
"کم از کم خود تو تھوڑا سا سوچ لیتیں۔" وہ اب زچ ہو رہا تھا۔
"لو بھلا ہم کیا پاگل ہیں جو سوچنے بیٹھ جاتے۔" ادیبہ ہنسی گویا اس کا مذاق اڑا لیا۔
"مما پلیز، ماموں جان کو کال کر کے اپنے الفاظ واپس لے لیں۔" گل میر نے تو حد ہی پار کر دی۔
"دماغ تو درست ہے ناں؟ یہ کوئی معمولی بات نہیں اور پھر تم نے شادی تو کرنی ہی ہے ناں؟ تو ان پندرہ لڑکیوں میں سے ایک سے کرلو اور وہ ایک ماہ روش ہے۔" ادیبہ اس کی بات کو کسی زاویے سے بھی سنجیدگی سے نہ لے رہی تھی۔ "اور بیٹا منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی واپس نہیں ہوتے۔"
"ایک معمولی سی بات کو آپ نے خوامخواہ بڑھا دیا، چلو ٹھیک ہے آپ نے ایسا سمجھ لیا لیکن ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کیا تک بنتی تھی؟" گل میر کسی طرح مان نہ رہا تھا۔
"ایک بار تو مجھ سے دوبارہ پوچھ لیتیں، فٹ سے ماموں جان سے کیوں بات کرلی۔"
"تم نے اس لڑکی کا انتخاب کیا تھا جو ہماری بھی خواہش تھی تو کنفرم کیا کرتے؟" ادیبہ کو اس وقت گل میر کے رویے پر حیرانی ہو رہی تھی۔
"مما میں نے سرسری بات کی تھی۔" گل میر کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کیسے بات کو سنبھالے۔
"تمہاری سرسری بات ہمارے دل کو بہت پسند آئی۔" ادیبہ ایک بار پھر مسکرائی اور اب کی بار ان کی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔ "ماہ روش بہت اچھی ہے، ہزاروں لڑکے ہیں جو ابھی بھی ارینج میرج کرتے ہیں، تم بھی کرلو اب۔"
"میں ماہ روش سے شادی نہیں کرنا چاہتا، آپ یہ پرپوزل واپس لے لیں۔"
"کیا تم سیریس ہو؟" ادیبہ کو یک دم اس معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔
"مرنے کی حد تک۔" گل میر دوٹوک انداز میں بولا۔
"تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟" وہ یک لخت طیش میں آ گئی تھی۔
"میں ماہ روش سے محبت نہیں کرتا مما...... اور وہ بھی نہیں کرتی۔" گل میر نے ایک اور عذر تراشا۔
"کل تک تو بہت دوستی تھی، ہنس ہنس کر باتیں ہو رہی تھیں۔" ادیبہ تنک مزاجی سے بولی۔
"دوستی کا مطلب یہ نہیں ہوتا مما کہ محبت ہے اور شادی کرلی جائے۔" گل میر بھی اسی لہجے میں بولا۔ "سمجھا تو میں بھی ایسا ہی تھا مما کہ محبت ہے، یہ دوستی صرف دوستی نہیں لیکن......" گل میر دل ہی دل میں تلملا رہا تھا۔
"نہیں ماہ روش یہ انکار تم نہیں میں کروں گا، مجھے تو اب سمجھ آ رہی ہے کہ میری محبت کی حوصلہ افزائی کیوں نہ ہو رہی تھی۔ تمہاری آنکھوں میں کسی اور کی محبت کے رنگ تھے اور میں شاید میں اپنے آپ کو ہی بے وقوف بنا تا رہا تھا۔" وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔
"دیکھو بیٹا دوستی ہے ناں شادی ہوگی تو محبت بھی ہو جائے گی۔" ادیبہ اسے قائل کرنے لگی تھی۔
"اگر آپ ماموں جان سے بات نہیں کرنا چاہتی تو میں کر لیتا ہوں۔"
"نن...... نہیں گل میر...... میں بات کرلوں گی، سوچنے کا موقع تو دو۔" ادیبہ یک دم گھبرا گئی اس کے تیوروں سے کچھ بعید نہ تھا ابھی جا کر ساری زندگی کی محبت کو خاک میں ملا دے۔
"پہلے تو نہیں سوچا تھا اب کیوں سوچنا ہے۔" اس کے انداز اب خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔
"تمہاری عجیب منطق ہے، تمہیں سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے تھا اور یہ جو تم اب کہہ رہے ہو ناں اس وقت تمہارا یہ لہجہ تھا نہ الفاظ۔ تم اپنا لہجہ بھول گئے ہو۔" ادیبہ اب فکر مند ہونے لگی تھی۔ "اور ماہی کو بھی شرم آتی، یوں دوستیاں کرتے ہوئے۔" ادیبہ اب ماہ روش کو سنانے لگی تھی، گل میر نے لب بھینچ لیے۔ "تم ابھی کوئی بے وقوفی نہ کرنا، میں تمہارے پاپا سے اور بڑی بوا سے کہتی ہوں۔" ادیبہ اب صحیح معنوں

میں پریشان ہورہی تھیں اور گل میر بے حد بے چین' دل میں نفرت امڈ رہی تھی لیکن ایک بے کلی بھی تھی۔

❁......❁......❁
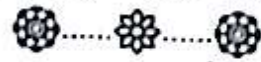
''مجھے تو بہت خوشی محسوس ہورہی ہے' ایک اطمینان رگ و پے میں اتر گیا ہے۔'' سکندر مہرالنساء سے مخاطب تھے۔

''کیا ہوا؟'' وہ متعجب نظروں سے انہیں دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

''آج بڑی بوا نے ماہ روش اور گل میر کے رشتے کی بات کی ہے اور کہا ہے کہ ادیبہ مرتضیٰ آنا چاہتے ہیں۔'' سکندر کے لہجے میں سرشاری تھی۔

''ہاں ادیبہ نے مجھے بھی کال کی تھی اشاروں کنایوں میں بات تو کی ہے لیکن واضح الفاظ میں کچھ نہیں کہا۔'' مہرالنساء مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ان کو بتانے لگی۔

''اچھا ہے' ہمیں تسلی رہے گی کہ ہماری اکلوتی بیٹی محفوظ ہے۔'' سکندر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہے تھے۔

''آپ تو ان کی ایک کال پر فیصلے کیے بیٹھے ہیں' پہلے ماہی سے تو پوچھ لیں اور اسے اتنی جلدی کوئی بھی جواب دے دیں گے کیا؟'' مہرالنساء نے سکندر کے مطمئن انداز کو دیکھ کر کہا۔

''فیصلہ تو نہیں کیا نہ ہی اتنی جلدی جواب دوں گا لیکن سچ بتاؤں مہرالنساء بیگم تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے گل میر بہت اچھا لڑکا ہے اور ہماری نظروں کے سامنے رہا ہے۔ اپنا خون ہے عادات واطوار بھی اچھے ہیں میرے خیال میں تو ماہی کو اعتراض نہ ہوگا اور اگر اسے کوئی اعتراض ہوا بھی تو میں ہر ممکن طریقے سے اسے کنوینس کروں گا۔'' سکندر تو پکا ارادہ کرچکے تھے کہ گل میر کے رشتے کے لیے ہاں کریں گے۔

''ہاں لیکن پھر بھی ماہی سے پوچھ لینا چاہیے' ہمارے لیے اس کا خوشی خوشی راضی ہوجانا ہی اہم ہے۔'' مہرالنساء نے اس رشتے کی حمایت کرتے ہوئے بیٹی کی خوشی کو بھی اہمیت دی۔

''ماہی کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہ ہوگا' بلاؤ اسے ابھی بات کرتے ہیں۔ ابھی اس کی مرضی معلوم ہوجائے گی۔'' سکندر کا بشاش لہجہ ان کی دلی کیفیت کو عیاں کررہا تھا مہرالنساء مسکراتے ہوئے وہاں سے باہر نکلی اور ماہ روش کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''میری محبت کی راہیں اتنی آسان ہوں گی میں نے سوچا نہ تھا' منزل خود چل کر میرے سامنے آ کھڑی ہوگی۔ میں نے اس کا کبھی گمان بھی نہ کیا تھا' پتا نہیں کون سے لوگوں کی وہ کیسی محبت ہوتی ہے کہ ان کی راہوں کو کانٹوں سے بھر دیتی ہے اور منزل کا کہیں اتا پتا ہی نہیں ہوتا۔ ان کی محبت شاید مضبوط نہیں ہوتی یا شاید واقعی ان کی قسمت ان کا ساتھ نہیں دیتی؟ گل میر اب آپ کی آنکھوں میں اقرار نہ کرنے کی شکایت نہیں ہوگی۔ اب سارے اقرار ہوں گے' اب محبت ہوگی۔''

''ماہی...... کیا کررہی ہو؟'' مہرالنساء اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ چونکی' ساری باتیں ادھوری رہ گئیں جو زیر تحریر تھیں۔

''کچھ نہیں مما۔'' اس تک بڑی بوا کے ذریعے یہ اہم خبر پہنچ چکی تھی ماہ روش جانے کیوں شرمانے لگی' اسے یوں محسوس ہونے لگا وہ اس کے دل میں جھانک کر گل میر کے لیے موجود محبت تک رسائی پانے لگی ہیں اس محبت تک جو ابھی تک اس کے دل کے نہاں خانوں میں پوشیدہ ہے۔

''بابا بلا رہے ہیں تمہیں اور تمہاری پیکنگ مکمل ہوگئی؟'' مہرالنساء نے اسے کہا اور کمرے میں بکھری چیزوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''بس مما یہ سامان ہی پیک کرنا ہے اور پھر کچھ بکس رکھنی ہے' ابھی تو دن ہیں ناں کرلوں گی۔'' ماہ روش بے پروائی سے بولی۔

''اپنی رفتار تو دیکھو جیسے دن نہیں سال ہیں۔'' مہرالنساء نے ابرو اچکا کر اس کی کاہلی پر چوٹ کی۔

''ہاہاہا...... فکر ناٹ مام سب ہوجائے گا۔'' ماہ روش ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھولتی ہوئی کھلکھلا کر بولی۔

"ارے ارے گرو گی گراؤ گی، کیا کررہی ہو؟" مہرالنساء چلائیں لیکن وہ اپنی خوشی کو محبت کو چھپا نہ پارہی تھی۔ اسے پریزنٹ کرنے کے ساتھ ساتھ مہرالنساء بھی مطمئن ہوچکی تھیں زمانہ شناس تھیں جان گئی کہ بیٹی کی ہنسی بے وجہ نہیں۔

"تم چلو بابا کے کمرے میں، میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" مہرالنساء نے کہا اس نے اثبات میں سر ہلایا اور سکندر کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"بابا آپ نے بلایا تھا؟" ہلکی سی دستک کے بعد اس نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔

"ہاں بیٹا آجاؤ۔" سکندر کسی کتاب کی ورق گردانی کررہے تھے، کتاب کو بند کرکے سائیڈ پر رکھ دیا۔ اجازت ملتے ہی ماہ روش سست روی سے چلتی ان کے پاس آ گئی۔

"بیٹا آپ سے ایک بات پوچھنی تھی اور آپ نے مجھے سچ سچ جواب دینا ہے۔" سکندر کی بات پر ماہ روش چونکی ہوگئی دھڑکنوں میں ایک شور سا مچا ان کی تمہید سے وہ جان گئی وہ کیا پوچھنے والے ہیں۔

"جی بابا۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"بیٹا مثل مشہور ہے کہ بیٹے والدین کا سہارا ہوتے ہیں، بیٹے کی پیدائش پر ماں باپ کا سر فخر سے بلند ہوجاتا ہے۔ عورت کے قدم جم جاتے ہیں، معاشرے میں وہ اترا سکتی ہے لیکن بیٹا یہ سچ نہیں ہے ایک بیٹی ہونے کے باوجود میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ بیٹی کی پیدائش پر میاں بیوی کے تعلق میں جو مضبوطی آتی ہے وہ بیٹے کی آمد پر نہیں آسکتی۔ میں یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں کہہ رہا ہوں یہ ہماری آپ بیتی ہے۔ آپ کی پیدائش پر ہم نے جشن منایا تھا کہ اللہ نے ہمیں یہ اعزاز بخشا ہے کہ ہم ایک بیٹی کی پرورش کریں۔" سکندر صاحب محبت میں گندھے جذبات سے اس کی اہمیت کا احساس دلا رہے تھے اپنی زندگی میں اس کی اہمیت بتانے لگے ماہ روش کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

"جی بابا...... مجھے فخر ہے کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔" ماہ روش ان کے قریب آ بیٹھی، سکندر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں کبھی آپ کے ساتھ رہا تو کبھی دور جانا پڑا لیکن آپ کا احساس، یہ ذمہ داری ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔ کبھی حالات تلخ بھی ہوئے کہ ذمہ داریاں نبھانا آسان نہیں ہوتا لیکن آپ کی طرف سے ہم نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔" سکندر مزید گویا ہوئے۔

"مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے بیٹا کہ آج بہت سے لوگوں نے میرے گھر کی روشنی سے اپنے گھر کے اندھیروں کو ختم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ آپ کی شرم و حیا، آپ کے اعلیٰ اخلاق، آپ کا رہن سہن ایسے جواہرات ہیں جن کی قیمت کوئی نہیں ادا کرسکتا لیکن اپنانے کی خواہش ہر کسی کے دل میں مچلتی ہے۔" ان کے الفاظ دلنشین تھے لہجہ اتنا دلکش تھا کہ ماہ روش دم سادھے ان کو سنتی رہی۔

"ان بہت سے لوگوں میں سے میں نے گل میر کو ترجیح دی ہے، تو اس بارے میں آپ کی رائے جاننی ہے۔ یہ فیصلہ حتمی فیصلہ نہیں ہے، آپ کی رائے، پر آپ کی پسند نہایت ضروری ہے۔" سکندر کی تمہید ختم ہوئی اور بلآخر وہ اصل بات کی طرف آئے۔

"میری رائے کا تعلق اس بات سے قطعی نہیں کہ گل میر میرا بھانجا ہے لیکن اس کی نیچر اس کا خلوص اور شرافت ضرور ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ کے لیے بہتر ہے لیکن یہ فیصلہ میرے کچھ بھی سمجھنے سے نہیں ہوگا۔ آپ کی خوشی اور مرضی سے ہوگا۔" سکندر نے آج ثابت کیا تھا کہ وہ ایک مکمل انسان ہیں اور پرفیکٹ باپ بھی۔

"بابا آپ بہت اچھے ہیں، مجھے ہمیشہ اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ آپ ہمیشہ میرا ساتھ دیتے ہیں۔ اپنے فیصلے پر مہر نہیں لگاتے بلکہ میری مرضی اور پسند کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ آپ اور مما کی محبت نے ہی مجھے اتنا خود اعتماد بنایا ہے، آپ جو بھی فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔" نظریں جھکائے ماہ روش نے سکندر کے فیصلے پر اپنی پسندیدگی کی مہر ثبت

کردی تھی جس پر سکندر کھلکھلا اٹھے۔
"سچ کہہ رہی ہو؟" اس کی ہاں کے باوجود سکندر اس کے اقرار کی تصدیق کرنے لگے۔
"جی بابا......" وہ مسکان کو چہرے پر سجا کر بولی۔
"ٹھیک ہے پھر میں آج ہی بڑی بوا سے کہتا ہوں کہ ادیبہ اور مرتضیٰ کو ہماری رضا مندی سے آگاہ کردیں۔" سکندر نے اسے بتایا تو منتشر ہوتی دھڑکنوں کو اس نے نظریں جھکا کر ڈپٹا تھا۔
"گل میر بیٹا چائے پینی ہے؟" مہرالنساء چائے کپ میں ڈال رہی تھیں کہ گل میر کچن میں داخل ہوا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا اور اس سے پوچھنے لگی ان کے لہجے کی تیزی پر وہ ٹھٹک گیا تھا۔
"جی ممانی جان اگر ہے تو دے دیں۔" وہ مسکرایا لیکن یہ صرف وہی جانتا تھا کہ اس لمحے اس کی اپنی ہی یہ مسکراہٹ اس کو کتنی تکلیف سے دوچار کررہی تھی۔
"اچھا آجاؤ پھر اپنے ماموں جان کے کمرے میں وہیں بیٹھ کر پی لیتے ہیں۔" مہرالنساء نے اوون سے چیز پٹیز نکال کر پلیٹ میں رکھے اور ٹی کیک سے دوسری پلیٹ سجائی۔ ٹرے میں ساری چیزیں رکھ کر باہر قدم بڑھائے تو گل میر بھی ان کے ہمراہ چل دیا تھا۔
"تمہارے ماموں شام کی چائے کے ساتھ ضرور کچھ نہ کچھ کھاتے ہیں اس لیے میں چیزیں بنا کر رکھتی ہوں۔" چلتے ہوئے مہرالنساء نے گل میر کو بتایا۔
"ہاں صرف چائے پینے کا مزہ بھی نہیں آتا' شام کی چائے کے ساتھ کچھ کھانے کے لیے نہ ہو تو' پھیکی پھیکی سی لگتی ہے۔" گل میر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
"تو کیا تم بھی' اُف دونوں ماموں بھانجے ایک جیسے ہو۔" مہرالنساء ہنسی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ یک دم رک گیا' اسے معلوم نہ تھا کہ ماہ روش بھی موجود ہے۔
"آؤ آؤ بیٹا۔" سکندر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے آگے بڑھ کر اسے پاس بلایا۔ گل میر ماہ روش کو مکمل نظر انداز کرکے ان کی طرف بڑھا' ماہ روش خاموشی سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی یک دم بے تحاشہ شرم نے اسے آ گھیرا تھا۔
"ماموں جان آپ نے سامان کی لسٹ بنالی جو ساتھ لے جانا ہے؟" مہرالنساء نے چائے پیش کی تو گل میر نے سکندر سے پوچھا۔
"نہیں بیٹا لسٹ کیا بنانی زیادہ سامان تو نہیں لے کر جانا۔ سال بھر کی تو بات ہے اس دوران میں کوشش بھی کروں گا کہ جلدی اگلا ٹرانسفر ہوجائے اگر نہ ہوسکا تو دانیال سے بات ہوتی ہے' وہ چند ماہ میں پاکستان واپس شفٹ ہورہے ہیں تو بزنس کا ارادہ کررکھا ہے۔ بہرحال یہ ساری پلاننگ قبل از وقت ہے' آپ تو ساتھ ہو ہی۔" سکندر اسے اپنی فیوچر پلاننگ سے آگاہ کرتے گئے۔
"جی ماموں جان ان شاء اللہ' جہاں تک ممکن ہوسکا میں آپ کے ساتھ ہوں۔"
"اور جہاں ممکن نہ ہوا وہاں ہم ممکن بنالیں گے۔" سکندر نے قہقہہ لگا کر کہا تھا' ماہ روش کے چہرے پر بھی ایک مسکراہٹ ابھری تھی۔
"جی ہاں ماموں جان بالکل۔" گل میر کے لہجے میں بشاشت نہ تھی' اس کے اندر کی خاموشی اسے بے چین کررہی تھی وہ جانتا تھا کہ سکندر کا رویہ اتنا خاص کیوں ہے خوشگوار کیوں ہے لیکن ماہ روش کی خاموشی کو آج وہ کسی اور نظر سے دیکھ رہا تھا اس کی جھکی نظریں گل میر کے احساسات کو منفی تاثر دے رہی تھیں۔
"مہرالنساء بیگم کیا خیال ہے خوش خبری پہلے گل میر کو ہی نہ سنادی جائے۔" سکندر شریر مسکراہٹ کے ساتھ گل میر کو دیکھ کر مہرالنساء سے مخاطب ہوئے جبکہ ان کے اس طرز تکلم پر ماہ روش بے حد حیران ہوئی تھی۔
"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" مہرالنساء نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ گل میر نے متعجب نگاہوں سے ان دونوں کو باری باری دیکھا' پھر کن انکھیوں سے ماہ روش کو دیکھا جو لب بھینچے بیٹھی تھی۔ اپنی دھڑکنوں کی اس اتھل پتھل پر وہ حیران

تھی، ہاتھوں کو گود میں رکھے انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے وہ اپنی دلی کیفیت کو سب سے پوشیدہ رکھنے کی تگ ودو میں مصروف تھی۔
''اُف ماہی...... بدتمیز لڑکی، حالت دیکھ اپنی بھلا یوں بھی کوئی شرماتا ہے۔'' وہ اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگی تھی، اسے خبر نہ تھی اس لمحے گل میر وہاں آسکتا ہے اور یہ گمان بھی نہ تھا کہ سکندر یوں اس کے سامنے ہی گل میر سے ایسی باتیں کریں گے۔ گل میر سے اس کی یہ کیفیت واقعی چھپی رہی، لب بھینچ کر نظریں جھکا کر ہاتھوں کو مروڑنے کو اس کا اضطراب جان کر ایک غلط فہمی کو ہوا دے دی گئی۔
''خیریت ماموں جان کون سی خوشخبری؟'' گل میر چائے کے کپ کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے بمشکل دریافت کرنے لگا۔
''بیٹا آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ادیبہ اور مرتضٰی نے بات کی ہے۔'' سکندر بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔
''کون سی بات ماموں جان؟'' وہ جانتا تو تھا لیکن حیرت کا اظہار کیا۔
''ہماری ماہی کو تمہاری زندگی میں شامل کرنے کی خواہش......'' سکندر نے محبت پاش نظروں سے ماہ روش کو دیکھ کر گل میر سے کہا۔
''معذرت ماموں جان، میں اس معاملے سے لاعلم ہوں۔'' گل میر نے ادیبہ کی ہدایت کو فراموش کر کے من مانی کی۔
''کیا مطلب؟'' یک دم ہی ان تینوں نے چونک کر گل میر کو دیکھا۔
''مم...... ماموں جان......'' وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگا تھا۔
''کیا ادیبہ اور مرتضٰی نے تم سے پوچھے بغیر یہ قدم اٹھایا ہے؟'' سکندر یک دم ہی انتہائی سنجیدگی سے اس سے پوچھنے لگے تھے وہ سر جھکا گیا جبکہ ماہ روش کی دھڑکنیں جو ایک خوب صورت انداز میں دھڑک رہی تھی، ان میں بھونچال آ گیا تھا۔
''بولو گل میر...... کیا بات ہے؟'' اس کی خاموشی ان تینوں کو دہلا رہی تھی۔
''ماموں جان ایسی کوئی بات میں نے نہیں سوچی، ماہ روش بھی ایسی نہیں چاہتی ہے۔ ابھی مما سے لڑائی ہوئی ہے کہ بنا سوچے سمجھے انہوں نے آپ سے اتنی بڑی بات کردی۔'' گل میر نظریں جھکا کے بول رہا تھا، ماہ روش کو لگا پوری چھت اس کے سر پہ آ گری ہو، سکندر اور مہر النساء کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔
''میں بہت شرمندہ ہوں ماموں جان...... مما آپ سے بات کریں گی۔ آپ بہت قابل احترام ہیں میرے لیے لیکن، ایسے فیصلے زبردستی نہیں ہوتے۔'' ماہ روش یک ٹک اس کو دیکھے جارہی تھی، سکندر اور مہر النساء کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔
اب وہاں مکمل خاموشی تھی، سکندر کی خوشی پل میں غائب ہوئی تھی، مہر النساء پریشان تھیں اور ماہی وہ تو ایک ہی پل میں جیسے دہرانے پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔
''بیٹا یہ کوئی مذاق ہے کیا؟'' سکندر نرم لہجے میں اس سے تصدیق چاہنے لگے۔
''میں بہت شرمندہ ہوں ماموں جان...... مما نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔'' گل میر ابھی تک اپنی بات پر قائم تھا۔
''اس کا مطلب آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے ہیں۔'' ماہ روش اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ سکندر اور مہر النساء اس کے سوال پر ششدر تھے گل میر نے بھی بھونچکا ہو کر اسے دیکھا۔
''میں نے ایسا کیا کہا تم سے۔'' گل میر کے سوال نے گویا اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔
''آپ نے ایسا نہیں کہا مجھ سے...... کوئی دعویٰ نہیں کیا؟'' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''ماہ روش تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ہمارے درمیان تو کبھی محبت یا کسی دعویٰ کی کوئی بات ہی نہیں

ہوئی۔'' گل میر کے ذہن میں ایک فیصد بھی یہ امید نہ تھی کہ ماہ روش، سکندر اور مہرالنساء کے سامنے اس سے ایسے سوال کرے گی۔ اگر وقت کوئی اور ہوتا تو وہ اس سے سوال کرسکتا تھا اس کو محبت کا الزام دے سکتا تھا لیکن اس وقت تو اسے مکر جانا ہی تھا، ماہ روش کی سمجھ پر سوال اٹھانے میں ہی اس کی جیت تھی۔

''میری دوستی کو تم محبت سمجھ رہی ہو میں انجان تھا' اس کے گھر جانے کے بعد تو اب کوئی سوال باقی ہی نہ رہا تھا۔''

''ماموں جان مجھے نہیں معلوم...... ماہی تم ایسے کیسے سمجھ سکتی ہو۔'' ماہ روش کی بدحواسیاں اس پل گل میر کو حیران کررہی تھیں۔

ماہ روش اگلے پل وہاں سے باہر بھاگ گئی تھی، گل میر کو احساس نہ ہوا کہ اس نے کیا کردیا ہے۔ سکندر اور مہرالنساء کے لیے بھی گل میر کا یہ اقدام ناقابل برداشت تھا لیکن وہ خاموش تھے، گل میر وہاں سے اٹھ کر چل گیا تھا۔

❀......❀......❀
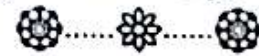
وعدہ تھا مکر گیا
نشہ تھا اتر گیا
دل تھا مر گیا
انسان تھا بدل گیا

روانی سے بہتے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں وہ اپنے کمرے میں آ بیٹھی تھی، قسمت کے پلٹ جانے پر حیران بھی تھی۔

''آپ نے تو محبت پر سے میرا اعتبار ہی ختم کردیا ہے، بھلا کوئی محبت سے بھی مکر جاتا ہے گل میر؟ محبت کی نشانیوں کو کیا نظر کا دھوکہ کہتا ہے کوئی؟ گل میر کیوں کیا آپ نے ایسا۔'' اس کے وہاں نہ ہونے کے باوجود وہ اس سے مخاطب تھی۔

''بہت دکھ دیا آپ نے مجھے یا شاید یہ میری ہی غلطی تھی۔ بنا پوچھے اتنے سارے خواب آنکھوں میں سجا لیے، ہاں یہ میری ہی غلطی ہے۔'' اب وہ اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔

''تمہارے رونے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' بے تحاشہ سرخ آنکھوں کے ساتھ اس نے دروازے کی سمت دیکھا' گل میر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تمسخرانہ لہجے میں اس سے مخاطب تھا' وہ آنکھوں کو رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ میں تمہارے راستے سے ہٹ گیا ہوں۔'' گل میر کا لہجہ تلخ تھا' ماہ روش نے چونک کر اسے دیکھا چہرے پر اس کی باتوں کے نہ سمجھ میں آنے کے تاثرات واضح تھے۔

''کون سے راستے سے ہٹ گئے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے یہ الفاظ نکلے۔

''محبت کے راستے سے۔'' گہرا سانس لے کر گل میر نے اسے دیکھ کر کہا' ماہ روش کے چہرے پر الجھن ہی الجھن در آئی تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' رخساروں پر بہتے گرم سیال کو ہتھیلیوں میں جذب کرتی ماہ روش پھر بولی۔

''بہرحال حمزہ بہت اچھا لڑکا ہے۔'' گل میر نے کہا' ماہ روش نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''حمزہ کا کیا ذکر؟'' وہ بالآخر پوچھنے لگی۔

''تم دونوں کی محبت کا مجھے علم نہیں تھا' مما نے ہماری دوستی کے پیش نظر ماموں جان سے بات کردی' بہن بھائی کی محبت کی قیمت ہماری زندگیاں نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے تمہیں اور حمزہ کو ملانے کی ذمہ داری میری۔'' گل میر نے فراخ دلی کی انتہا کردی۔ محبت کی قربانی دے کر اپنے آپ کو ایک مثالی عاشق ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس پل ماہ روش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا' اگر وہ اپنے حواسوں کو قابو میں نہ رکھتی تو اس لمحے نیچے گر چکی ہوتی۔ اس کی باتوں پر ماہ روش کی دگرگوں حالت گل میر کے لیے حیران کن بات تھی۔

''آ...... آپ کو یہ کس نے بتایا۔'' لفظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے تھے۔

"ایسی باتیں بھی بھلا چھپ سکتی ہیں اور پھر مثل مشہور ہے عشق اور مشک چھپائے نہ چھپے۔" وہ ہولے سے ہنسا تھا اس کی اس مدھم ہنسی میں ایک ایسی کاٹ تھی کہ ماہ روش کا دل چیر کے رکھ گئی۔ کچھ دیر پہلے ماہ روش اپنے آپ کو غلط سمجھ رہی تھی' خوامخواہ امیدیں لگالیں۔ گل میر کی مسکراہٹ کو محبت سمجھ کر خواب دیکھنے لگی تھی لیکن اس کے انکار کی وجہ نے یک لخت اسے اپنی ہی نظروں میں گرادیا تھا۔ گل میر کے اس الزام پر اب اپنے آپ پر غصے کے ساتھ ساتھ ماہ روش کو گل میر سے نفرت ہونے لگی' جہاں محبت تھی وہاں اب تلخی ڈیرے جما چکی تھی۔

"بہت شکریہ گل میر مرتضیٰ...... آپ کی زیرک نظر کی داد دینی پڑے گی۔ آپ نے بہت احسان کیا ہے ورنہ بابا اور مما کی وجہ سے میں اپنی اور آپ کی زندگی برباد کرنے چلی تھی۔" اب وہ سنبھل چکی تھی' استہزائیہ لب ولہجے میں اس سے مخاطب ہوتی اس کو چونکا گئی' بنا ایک لفظ کہے گل میر وہاں سے نکل گیا تھا۔

گل میر کی غلط فہمی نے ماہ روش کے اعتبار کو ریزہ ریزہ کیا تھا اور ماہ روش کی انا نے گل میر کی غلط فہمی پر سچائی کی مہر ثبت کردی تھی لیکن نقصان صرف دو لوگوں کا نہیں دو خاندانوں کا ہوا تھا۔

❁......❁......❁
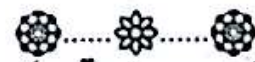
"تمہارا دماغ خراب ہے کیا' تمہیں کس نے کہا تھا کہ بڑے بنو؟ اور میں نے کہا تھا کہ مجھے وقت دو بات کرنے کا۔" ادیبہ گل میر کو خوب کھری کھری سنا رہی تھیں۔

"مما آپ بھی حد کرتی ہیں جب بات کر رہے تھے ماموں جان تو مجھے بھی تو جواب دینا تھا ناں اور یہ تو طے ہے کہ میں نے ماہ روش سے شادی نہیں کرنی تو ماموں جان کہتے ہیں کہ جب مجھ سے پوچھ رہے تھے تب انکار کیوں نہ کیا۔" گل میر ذرا بھی نادم نہ تھا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو بیٹا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' میں نے تم سے اسی لیے سوچنے کا وقت مانگا تھا کہ تم بھی سوچ لو گے۔" ادیبہ کا بس نہ چل رہا تھا اگر گل میر اس وقت ان کے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھتی۔

"مما فار گاڈ سیک اٹس ناٹ اے بگ ڈیل۔" گل میر کی برداشت بھی جواب دے چکی تھی۔

"ناٹ اے بگ ڈیل؟ گل میر...... تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" ادیبہ اتنی دیر سے نہایت آرام سے اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہی تھی جب وہ بالکل نہ سمجھا تو وہ ترش لب ولہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"مما پلیز اب آپ بار بار ایک ہی بات کر کے مجھے بور کر رہی ہیں۔" وہ واقعی اب زچ ہونے لگا تھا۔

"تمہیں احساس ہی نہیں اب میں سکندر بھائی کا سامنا کیسے کروں گی' کیا جواب دوں گی بڑی بوا کو۔ کتنے مان سے کتنے چاہ سے رشتہ مانگا تھا۔" ادیبہ انتہائی رنجیدگی سے کہنے لگی۔

"اُف مما پلیز' جلد بازی سے کام آپ نے لیا ہے آپ مجھے الزام نہیں دے سکتی۔" گل میر تو اپنی ہر ایک بات سے مکرنے کا تہیہ کر چکا تھا' ادیبہ نے سر پیٹ لیا۔

"گل میر بیٹا......" پکار پر اس نے پیچھے دیکھا۔

"مما اللہ حافظ' مجھے بڑی بوا بلا رہی ہیں۔" گل میر نے عجلت میں کہا۔

"اللہ حافظ بیٹا...... لیکن اب کوئی بدتمیزی......" اور ادیبہ کی بات ادھوری ہی رہ گئی' کال کٹ چکی تھی اب وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

"جی بڑی بوا۔" وہ ان کی جانب بڑھا تھا' ان کے چہرے پر چھائی یاسیت اور سنجیدگی اسے الرٹ کر چکی تھی کہ اب ایک بار پھر اسے اپنی باتوں سے اپنی محبت سے مکرنے کے لیے لہجے کو کرخت کرنا ہوگا۔ "بڑی بوا خیریت؟" وہ صوفہ پر براجمان ہوچکی تھیں وہ ان کے پاس نیچے بیٹھتے ہوئے ان سے استفسار کرنے لگا۔

"ہاں بیٹا خیریت ہے' میں صرف یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم نے کب چلنا ہے؟" وہ نظریں اس پر جماتے کہنے لگیں' گل میر نے نظریں جھکالیں آمنہ بیگم کے الفاظ ان کی

آنکھوں میں مچلتے سوال سے یکسر مختلف تھے۔

"بڑی بوا ماموں جان کے تو جانے میں ابھی چند دن باقی ہیں ان کے جانے کے بعد جائیں گے۔ سامان وغیرہ کو لاک اپ کرنا ہے تو ماموں جان کو مدد کی ضرورت ہوگی۔" اتنے دن میں یہ پہلی بات تھی جس سے گل میر مکر نہ سکا تھا آمنہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بیٹا ہم ایک دوسرے کے ساتھ کچھ ایسے جڑے ہوئے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کی عادت ہوچکی ہے اور تم نے سنا تو ہوگا کہ عادت محبت سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے؟" آمنہ بیگم بنا کسی تمہید کے اپنی بات کہنے لگی تھی گل میر خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"بیٹا بھرم رکھنا پڑتا ہے مان کو توڑ دینے والے خود بھی کبھی پرسکون نہیں رہتے بعض دفعہ جلد بازی بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔"

"بڑی بوا خوش فہمی بھی تو نقصان دہ ہی ہوتی ہے ناں؟" گل میر کے لہجے میں ایک دکھ جھلکنے لگا تھا۔ اس کے انداز میں تکلیف کے احساس نے آمنہ بیگم کو چونکایا تھا۔ آمنہ بیگم تو سکندر اور مہرالنساء کی سنے جارہی تھیں ماہ روش کے آنسو پونچھنے میں لگی تھیں لیکن گل میر سے تو وہ انجان تھی۔ آمنہ بیگم نے ایک عمر گزاری تھی دونوں کی ایک دوسرے سے دوستی کے مفہوم کو بھی بخوبی سمجھتی تھی گل میر کی طرف سے انکار ان کے لیے ایک ناقابل یقین بات تھی لیکن یہ سچ تھا اور اس کی وجہ جاننے کے لیے ہی وہ اس لمحے اس کے پاس موجود تھی۔

"کون سی خوش فہمی؟" وہ اس سے دریافت کرنے لگیں تھی۔

"محبت کی خوش فہمی بڑی بوا۔ اتنے دن سے مما کی ڈانٹ سن سن کر میں تنگ آچکا ہوں۔ انہیں میرے احساسات کی پرواہ ہی نہیں فکر ہے تو اپنی شرمندگی کی۔" گل میر کو تو جیسے موقع چاہیے تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہی تم کیا کہہ رہے ہو گل میر۔" آمنہ بیگم اس کی پریشانی پر الجھن کا شکار ہورہی تھیں۔

"بڑی بوا میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ میں اور ماہی...... مجھے یہی لگا تھا ہم ساتھ ہیں۔" گل میر جھنجلا رہا تھا اس کے لیے یہ سب سہنا نہایت کٹھن تھا۔

"ہاں تو پھر کس نے کہا کہ ایسا نہیں ہے؟" پچھلے دو دن سے تو ماہ روش رو رو کر اس کی بے وفائی کا ماتم کررہی ہے اور یہاں گل میر بھی اسی طرح کے احساسات سے دوچار تھا۔

"بڑی بوا وہ حمزہ کو پسند کرتی ہے۔" آنکھیں میچ کر مٹھیاں بھینچ کر گل میر نے بمشکل کہا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا یہ؟" آمنہ بیگم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ہاں بڑی بوا پوچھیں ان سے کہ کس نے کہا یہ؟" ماہ روش کب وہاں آئی تھی دونوں بے خبر تھے۔ آمنہ تو گل میر کی بات پر حیرت سے ماہ روش کو دیکھنے لگیں اور گل میر شکایتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟" آمنہ بیگم نے پھر سے پوچھا۔

"ماہ روش اور حمزہ کی باتیں سنی ہیں میں نے۔" وہ جانتا تھا کہ اس نے غیر اخلاقی حرکت کی ہے اسی لیے آواز بھی مدھم رہی اور نظریں جھک گئی تھیں۔ آمنہ بیگم نے یک دم ماتھے پر ہاتھ مارا جبکہ ماہ روش غصے سے اسے دیکھ رہی تھی آمنہ کچھ کہنے لگیں تو ماہی نے روک دیا۔

"بڑی بوا اب آپ بیچ میں نہیں آنا جب اعتبار نہیں تو محبت کیسے ہوگی اور بڑے بڑے دعوے کرنے کے بعد یک طرفہ گفتگو سے غلط مفہوم نکالنے والے کیا جانیں کہ محبت کیا ہے۔" ماہ روش بے انتہا دکھ سے بولی قہر آلود نگاہ اس پر ڈال کر مزید کوئی بات کہے وہاں سے نکل گئی جبکہ گل میر ہکا بکا اب آمنہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔

"تم سے ایسی بے وقوفی کی توقع نہ تھی۔" اس کے جاتے ہی آمنہ بیگم نے سرد آہ بھری اور اس سے مخاطب ہوئیں جبکہ وہ اس پل غائب دماغی کا شکار تھا اسے اپنا دماغ سن ہوتا محسوس ہونے لگا۔

"سنا تھا کہ بعض لوگ کلہاڑی پر پاؤں مار لیتے ہیں محاورے کو غلط تصور کرکے درگزر کردیا کرتی تھی آج اندازہ

ہوا کہ کلہاڑی پر پاؤں پارنا کیا ہوتا ہے۔" آمنہ بیگم اب اس کی عقل پر ماتم کررہی تھی جبکہ گل میر کو بھی اندازہ ہوگیا کہ واقعی اس نے اپنا نقصان کرلیا ہے۔

"تمہاری عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی پہلے پوچھ نہیں سکتے تھے؟"

"پلیز بڑی بوہیلپ می۔" دوسرے ہی پل وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑے ان سے مدد مانگ رہا تھا۔

"ساری بات بگاڑ کر اب مجھ سے مدد مانگتے ہو۔" آمنہ بیگم نے اسے گھورا تھا۔

"بڑی بوا پلیز، بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے۔"

"اب تو سکندر اور مہرالنساء بھی نہیں مان رہے ہیں میں نے کہا تھا کہ میں تم سے بات کرتی ہوں لیکن وہ تو تمہارا نام تک سننا نہیں چاہ رہے ہیں اور ماہی جس طرح یہاں سے گئی ہے مجھے نہیں لگتا کہ آسانی سے اب وہ بھی مانے گی۔" آمنہ بیگم نے اس کو آگاہ کیا۔

"پلیز بڑی بوا کچھ کریں ناں۔" وہ اب باقاعدہ منتیں کرنے لگا تھا۔

"تم اب ماہی کو راضی کرو اپنی غلط فہمی کا بتاؤ باقی سب ٹھیک ہوجائے گا۔" آمنہ بیگم نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ویسے حمزہ کی شادی کہیں اور طے ہورہی ہے اور ماہی اس کی مدد کررہی تھی۔" آمنہ نے اسے بتایا تو اس کا جی چاہا کہ اپنے بال نوچ لے۔ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے سرزد ہوتے ہی ادراک ہونے لگتا ہے کہ اب ہرجانہ بھرنا پڑے گا۔ گل میر کو بھی اب اپنی جلد بازی اور ناسمجھی پر شدید غصہ آرہا تھا اور پھر منتوں سماجتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا لیکن ماہ روش ایسی پتھر دل ہوئی کہ اب اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ تھا۔

اب تو سکندر اور مہرالنساء بھی بگڑ چکے تھے گو یا بات اتنی بڑی نہ تھی آسانی سے معاملہ سلجھ سکتا تھا لیکن انا پیدا ہوگئی تھی۔ ماہ روش اس کی طرف سے غلط فہمی کے بعد اتنے بڑے فیصلے پر اب بپھر چکی تھی اور پھر اس کا یوں سکندر اور مہرالنساء کے سامنے انکار کرنا ماہ روش کو بہت تکلیف پہنچی

تھی اور اب وہی دکھ، تکلیف ضد اور انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ اسی طرح ناراضگی میں سکندر مہرالنساء اور ماہ روش کے ہمراہ ملتان شفٹ ہوگئے تھے۔

گل میر نا کام رہ گیا تھا، ادھر مرتضیٰ تک جب یہ اطلاع پہنچی کہ گل میر کسی غلط فہمی کی بنا پر انکار کر چکا ہے اور یہ کہ پہلے ماہ روش کے ساتھ شادی کا خواہش مند تھا تو ان کا پارہ بھی ہائی ہونے لگا۔ سکندر کے دھنک آباد سے جاتے ہی آمنہ بیگم اور گل میر ایک دن وہاں رک کر مرتضیٰ مینشن چلے گئے، جانے سے پہلے کچھ سامان اسٹور روم میں رکھا تھا۔ گل میر گیا اور جب واپس آنے لگا تو ایک کونے میں بک ریک کے نیچے ڈائری پر نظر پڑی اور اٹھالی۔

❁......❁......❁

''دھڑکنو تخلیہ...... محبت میری آخرت شرارت تھی۔'' ان الفاظ نے اس کی تجسس کی رگ کو بھڑکایا، اس نے بنا سوچے ان پر قبضہ جمایا اور مرتضیٰ مینشن روانہ ہوگیا۔

چلو اچھا کیا تم نے
محبت ترک کرڈالی
محبت ویسے بھی اتنا بڑا رشتہ نہیں ہوتا
جسے ہر حال میں رکھنا ضروری ہو
محبت اور مجبوری میں تھوڑا فرق ہوتا ہے
خوشی ہے تم نے اس رشتے کو مجبوری نہیں سمجھا
چلو اچھا کیا تم نے ریاکاری نہیں کی
اداکاری نہیں کی
کوئی پردہ نہیں رکھا
کوئی دھوکا نہیں رکھا
محبت جھوٹ کا ملبوس پہنے خوب صورت تھی
گریبان چاک ہونے کا یہ دکھ اپنی جگہ لیکن
خوشی ہے جھوٹ کی دنیا میں
کچھ سچا کیا تم نے
بہت اچھا کیا تم نے
محبت ترک کردی (انتخاب) ماہ گل

گل میر نے صفحہ پلٹا تو نظم اور لکھے نام نے ساری غلط فہمی کو ایک پل میں دھواں کردیا اس کے دل میں پھول کھلنے لگے۔ اب مشکل مرحلہ اس کو منانا تھا۔

''میر بھائی...... میر بھائی...... کیا ہوا؟'' مریم کی آواز فکر مندانہ پکار اس کو چونکا گئی اور حال میں لے آئی تھی۔ گل میر نے اسے دیکھا اور اگلے پل یاد آ گیا کہ وہ کہاں ہے۔

''میر بھائی کیا پھر سے سر درد ہو رہا ہے...... کیا پھر سے کچھ نہیں کھایا؟ میر بھائی ایک تو آپ بھی ناں بہت بے پروا ہیں۔'' مریم تیزی سے بولی۔

''تو پروا کرنے والی لادو پھر۔'' گل میر مسکرا کر بولا۔

''ویسے سر درد نہیں ہے۔'' دوسرے پل وہ اسے بتا رہا تھا، اس نے اچٹتی نظروں سے دیکھا۔

''ویسے بھائی آپ کو سر درد اتنا زیادہ کیوں ہوتا ہے؟'' مریم نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرا دماغ زیادہ بڑے ڈبے میں ہے اس لیے۔'' وہ ہنسا۔

''چھوٹا سا دماغ بڑے ڈبے میں ہچکولے کھاتا رہتا ہے اس لیے ناں۔'' مریم شریر لہجے میں بولی تو گل میر نے غضیلی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپ کو بڑی بوا بلا رہی تھیں۔'' مریم نے اسے کہا اور باہر نکل گئی، گل میر بھی کچھ سوچ کر وہاں سے باہر نکل آیا۔

❁......❁......❁

''ارے یار کیا حال ہے۔'' گل میر نے باہر قدم رکھا تو حمزہ بالکل سامنے کھڑا تھا، دانیال اور حمزہ کو واپس آئے ابھی کچھ ہی گھنٹے گزرے تھے، گل میر کی ابھی ملاقات ہوئی وہ گرم جوشی سے حمزہ کی طرف بڑھا۔

''بس یار جی رہے ہیں تیری نگری میں۔'' حمزہ بشاش لہجے میں بولتا اس سے گلے ملنے لگا اور پھر وہیں کھڑے کھڑے ان کی باتیں ہونے لگیں۔ گل میر کے دل سے ساری غلط فہمی نکل چکی تھی جبکہ حمزہ تو اس کی حالت سے ہی بے خبر تھا اور اس پل اس کی گرم جوشی اس کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خوشی سے بھی نواز رہی تھی۔

''بتاؤ کیا حال چال ہیں؟'' حمزہ نے اس سے پوچھا۔

"حال تو ٹھیک ہیں لیکن چال تھوڑی سی لڑکھڑائی ہوئی ہے۔" گل میر نے اسی لمحے ماہ روش کو ادھر آتے دیکھا تھا' حمزہ کا قہقہہ ماہ روش تک بھی پہنچا تھا۔

"اونہہ۔" اس نے گل میر کو دیکھ کر منہ بنایا۔

"حمزہ چائے تیار ہے آجائیں۔" وہ گل میر کو مکمل نظر انداز کر کے حمزہ سے بولی۔ محبت تو کبھی زبان سے ادا نہ ہوتی تھی لیکن نفرت' چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا اعلان کرنے لگی تھی' گل میر نے دونوں بازو فولڈ کر کے بڑے آرام سے اس کے تیکھے تیوروں کو ملاحظہ کیا تھا۔

"ہاں چلو' چلو گل میر تم بھی۔" حمزہ نے مسکرا کر کہا اور پھر گل میر کو بھی دعوت دی جس پر ماہ روش نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں چلو۔" گل میر اب ساری پلاننگ کر چکا تھا۔

"تم چلو میں آرہا ہوں۔" اس نے حمزہ سے کہا۔

"ماہی تم رکو' ایک کام ہے۔" ماہ روش پلٹی تو گل میر نے آواز دی' حمزہ چونکا لیکن ظاہر نہ کیا۔ ماہ روش نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی میں بزی ہوں۔" حمزہ کے سامنے اس نے مروت نبھائی اور لہجہ نارمل رکھا۔

"صرف پانچ منٹ۔" وہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں پھیلا کر بولا۔

"بات سن لو۔" حمزہ نے ماہ روش سے کہا اور وہاں سے چل پڑا مجبوراً ماہ روش کو وہاں رکنا پڑا۔

"ماہ گل۔" گل میر نے اس کی جانب قدم بڑھائے' ماہ روش نے بے انتہا حیرانی سے اسے دیکھا۔

"گل میر کی ماہ گل۔" اس کا لہجہ شیریں تھا اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں' ماہ روش نے رخ موڑا۔

"محبت کی کتاب میں تم اسی نام سے جانی جاتی ہو ناں؟" وہ انتہائی نرم' فسوں خیز لہجے میں اس سے اقرار چاہ رہا تھا۔

"بولو ماہ گل....." وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آیا۔

"اونہہ محبت' جس دن آپ نے توڑا تھے ناں' محبت سے انکار کر دیا تھا اس وقت کو میر او ہم کہہ دیا تھا ناں اسی دن محبت کے ساتھ ساتھ ماہ گل بھی مٹی میں مل کر رل گئی تھی' ختم ہوگئی تھی۔" اس کے الفاظ کی شدت اس کے چہرے پر عیاں تھی' اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

"ماہ گل۔" گل میر کو یہ برداشت کرنا ہی تھا۔

"ہاہاہا..... ماہ گل۔" وہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔

"کیا تم مجھے معاف کرسکتی ہو ماہ گل؟" وہ اب بار بار اسے اس نام سے پکار رہا تھا جس میں اس کا اپنا حوالہ تھا۔

"آپ بار بار ماہ گل پکار کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور معاف کر دیا میں نے لیکن اس تعلق سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رکھنا۔" ماہ روش کٹھور پن سے بولی۔

"یہی کے ہم میں محبت تھی....." گل میر مضبوط لہجے میں اب اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑا تھا۔

"آپ نے شاید غور نہیں کیا گل میر مرتضی لیکن آپ کے ہر ایک لفظ کا خاتمہ "تھی" پر ہوتا ہے۔" ماہ روش نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم گل میر کی ماہ گل تھی' تم محبت تھی' ہاں میں محبت تھی۔" ماہ روش نے اس کے ادا کیے گئے ہر اک جملے کا اقرار کیا' لیکن اس کا زیادہ زور تھی پر تھا۔

"ماہ گل۔" وہ پھر زیرلب بولا تو وہ نخوست سے منہ پھیر کر وہاں سے پلٹنے لگی۔

"میری اک شرط ہے۔" گل میر نے اب ہر حال میں جیتنے کا تہیہ کر لیا تھا ماہ روش نے پلٹ کر دیکھا۔

"کیسی شرط؟" وہ دونوں بازو باندھے پُرشوق نگاہیں اس پر جمائے کھڑا رہا تو وہ پوچھنے لگی۔ لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی اور وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

عنقاء

ندا حسنین

برکھا رُت آج جم کر برسنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی‘ روٹھا ساون آج ناراضگی بھلائے مینہ برسانے پرآمادہ تھا۔ کالی گھنگھور گھٹائیں نیلے آسمان پر بانہوں میں بانہیں ڈالے محو رقص تھیں اور ان کے مخمور ہوکر جھومنے سے ساون برستا تھا اور کیا خوب جم کر برستا تھا۔

اور یہ برستی ساون رُت دل لبھائے دیتی تھا بے قرار کیے دیتی یوں کہ ایک پُر سرور پُر کیف سی کیفیت کا ادراک ہوتا جن دلوں میں محبت کے بیج کھل کر لالہ زار ہوچکے تھے رم جھم برستی بارش ان کے محبت کے گلشن میں آبیاری کیے دے رہی تھی۔ اور کچھ دل ایسے بھی تھے جن کے زخموں کو اس ساون نے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا‘ رم جھم شبنمی پھوار ان کے زخموں پر شعلوں کے مانند دہک رہی تھی۔ دل اداس بن کر روپ دھارے ہوا تھا جہاں کوئی کوئل اداسی سے جدائی کے نغمے گا رہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آرہا کہ وہ واپس آچکا ہے تمہارے پاس۔“ نیلے لباس میں ملبوس لڑکی تربوزی رنگ کی گھیردار فراک میں ملبوس لڑکی سے بناء دیکھے مخاطب ہوئی اس کے لہجے میں جوش جھلک رہا تھا اور نگاہیں سامنے گلاس وال کے اس پار سے جھانکتے لان پر مرکوز تھیں جہاں برستی بارش کی موٹی موٹی بوندیں بے تابی سے گیلی مٹی سے ملنے کو بے چین تھیں۔ اس کی مخاطب لڑکی جواباً خاموشی اختیار کیے رہی‘ اس کی نگاہیں بھی گلاس وال سے باہر جمی ہوئی تھیں۔

”اس نے تم سے دوری اختیار کرنے کی کیا وجہ بتائی؟“ وہ اب گردن موڑ کر رخ اس کی جانب کیے بغیر اسے دیکھتی سوال کررہی تھی مگر وہ لڑکی پھر بھی خاموش رہی۔ لکڑی کا وہ بے انتہا خوب صورت جھولا جس پر وہ دونوں براجمان تھیں سوال کرنے والی لڑکی کی ذرا سی جنبش سے ہلکے ہلکے ہلکورے لینے لگا۔

”تمہاری یہ خاموشی مجھے مزید بے چین کررہی ہے‘ مجھے بتاؤ عروسہ شہروز حسن نے تم سے کیا کہا؟“ اس کی مسلسل خاموشی سے جھنجھلا کر اس نیلے لباس والی لڑکی کی آواز بلند ہوئی تھی۔ اس بار مخاطب کیے جانے والی لڑکی نے ذرا سا رخ پھیر کر اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں بلا کا اسرار چھپا تھا‘ ہلکے گلابی ڈورے اس اسرار کی پراسراریت میں مزید اضافہ کررہے تھے۔

”وہ تمہیں یوں اچانک کیوں چھوڑ کر گیا تھا‘ کیا وجہ تھی اور اب واپس آیا تو اس کے کیا ارادے ہیں؟ تم خاموش کیوں ہو عروسہ‘ کچھ بتاتی کیوں نہیں۔“ گلابی ڈورے اس کے دل کو تڑپا گئے‘ تبھی اس کے لہجے میں شدت اور سوالوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ عروسہ نے نظریں جھکالیں اب اس کی نظروں کا مرکز اس کی ہتھیلیاں تھیں‘ نرم گلابی‘ لکیروں میں الجھی بھیگی بھیگی ہتھیلیاں۔

”تم مجھ سے اپنے دل کی باتیں کیوں چھپا رہی ہو‘ کہہ کیوں نہیں دیتیں سب کچھ۔ تمہیں اب اپنی سہیلی پر بھی اعتبار نہیں رہا۔“ وہ کب سے اس سے سوال کرتی اب نڈھال لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

”میرے پاس تمہیں سنانے کے لیے کوئی داستان امیر حمزہ نہیں مائرہ‘ بس اتنا جان لو جانے والے اگر لوٹ بھی آئیں تو لازمی نہیں کہ ان کا لوٹنا خوشیوں کا باعث بھی ہو۔“ قفل ٹوٹا اور ان گلابی ہونٹوں سے لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا ہوئے جو اسے شدید حیرانگی میں مبتلا کرگئے۔

”تم آخر مجھے بتا کیوں نہیں دیتیں کہ ماجرا کیا ہے‘ کیا کہا ہے شہروز حسن نے اگر اس کا آنا خوشیوں کا باعث نہیں تو پھر کیوں لوٹا ہے وہ؟“ وہ شدت جذبات کے عالم میں چیخ اٹھی اور اس کی شدت سے متاثر ہوکر لکڑی کا جھولا بھی جھول اٹھا۔

”کیا کرو گی جان کر‘ میں کہہ تو رہی ہوں اس پر مزید بحث کرنا عبث ہے‘ لاحاصل بحث۔“ عروسہ اس کے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر ایک بار پھر اپنی نگاہیں لان پر مرکوز کرچکی تھی۔

"قسم سے اگر تم میری سب سے عزیز سہیلی نہ ہوتیں اور میں تمہاری رگ رگ سے واقف نہ ہوتی تو تمہاری ان فلسفیانہ باتوں پر دو حروف بھیج کر چلتی بنتی مگر میں جانتی ہوں تم اس وقت دلگرفتہ اور اداس ہو اسی لیے میں جاننا چاہتی ہوں عروسہ کہ آخر شہروز حسن تم سے ملنے کیوں آیا تھا اس دن آفس؟" مائرہ اب جھولے سے اتر کر عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی' لان کا بھیگا بھیگا نظارہ اب عروسہ کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

"تم جاننا چاہتی ہو تو سنو' وہ شادی کر چکا ہے یہی بتانے آیا تھا اور مجھ سے اپنی بے وفائی کی معافی مانگنے رہا تھا۔" بالآخر اس نے تھکن زدہ لہجے میں گہری سانس لیتے ہوئے انکشاف کر ہی ڈالا۔

"کیا...... شادی کر چکا ہے؟" مائرہ آنکھیں پھاڑے حیرانگی سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ کہتا ہے بہت مجبور ہو کر اس نے یہ قدم اٹھایا' میرے سامنے شرمندہ تھا۔ معافی کا خواستگار تھا شہروز حسن......" وہ ایک بار پھر گویا ہوئی اس بار اس کے لہجے میں بھی نمی جھلک رہی تھی اور اس کے لب استہزائیہ انداز میں پھیلے ہوئے تھے اس کی بات سن کر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی مائرہ دھیرے سے اٹھ کر واپس اس کے برابر آ بیٹھی' اس کے انداز میں ابھی بھی غیر یقینی جھلک رہی تھی۔

"یقین نہیں آتا کہ شہروز حسن جیسا انسان بھی یوں مجبوری کی چادر اوڑھ کر بے وفائی کر جائے گا۔" مائرہ زیر لب بڑبڑائی۔ عروسہ نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ہولے سے مسکرا دی۔ اس کی اس مسکراہٹ میں بھید چھپے تھے' اسی پل ان دونوں کی نگاہیں لشکارے مارے لان پر جمی ہوئی تھیں جہاں بارش کا زور اب قدرے کم ہو چکا تھا۔

❀......❀......❀
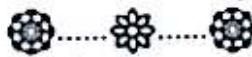
شہروز حسن کی وجاہت کو یونانی دیوتاؤں کی وجاہت سے تعبیر کیا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ مضبوط کسرتی جسامت کا دلفریب نقش کا مالک اپنے قول کا پکا بہادر نوجوان تھا' جو بلند ارادے رکھتا تھا اور ان ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے حوصلے بھی بلند رکھتا تھا۔ وہ سیاسی گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود خوب صورت دل کا مالک بھی تھا پر اس کے اس خوب صورت دل کی سنگھاسن پر راج کسی اور کا تھا وہ جس کا نام اس کے بلند ارادوں کی فہرست میں صف اول پر ٹھہرا تھا' جس کی پرکشش شخصیت' خوب صورت لب ولہجہ اور منفرد سوچ کا معترف ایک زمانہ تھا وہ جو چپکے سے دل چرا لینے کا ہنر جانتی تھی وہ عروسہ یاور اس یونانی دیوتا کے دل پر حکومت کرتی تھی۔

وہ (Made for Each Other) تھے' اس بات سے پوری یونیورسٹی واقف تھی۔ وہ آج سے نہیں اسکول کے زمانے سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے ان کے درمیان بہترین ذہنی ہم آہنگی تھی۔ وہ مزاج آشنا وہم خیال اور ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھے ان کے

ساتھ ان کی محبت کی مثالیں مشہور تھیں۔ یونیورسٹی کے آخری دن الوداعی تقریب میں شہروز نے عروسہ کو بہت خوب صورت انداز میں پرپوز کیا تھا' تقریب میں جب اسے سٹیج پر بلا کر یونیورسٹی میں گزارے گئے یادگار لمحوں کی یاد تازہ کرنے کی دعوت دی گئی تو شہروز حسن کی ہر یاد عروسہ پاور سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی' اس دن اس نے محفل میں سب کے سامنے عروسہ سے اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے پرپوز کیا تھا۔ شہروز حسن کے اس خوب صورت اور بانگ دہل اظہار محبت کو دیکھ کر عروسہ کی سب سے عزیز ترین سہیلی مائرہ نے مسکراتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''میں یقین سے کہہ سکتی ہوں یہ شخص تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا' اس نے ڈنکے کی چوٹ پر تمہارا ہاتھ تھامنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ مرتے دم تک تمہارا ساتھ نبھائے گا۔'' اور تب وہ اس کی بات پر بڑے دلکش انداز میں مسکرائی تھی۔

❀......❀......❀

بارش کا سلسلہ ایک بار پھر تیز ہو چلا تھا۔

''وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے' اس نے سب کے سامنے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی؟'' مائرہ کی نگاہوں کے سامنے تقریب کا منظر گھوم رہا تھا وہ اس منظر میں کھوئی خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئی عروسہ اس کی بات سن کر بے ساختہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''ارادے کا اظہار کرنا اور اس پر عملدرآمد کرنا دو مختلف باتیں ہیں۔ اظہار انتہائی آسان عمل جبکہ ان ارادوں کو پورا کرنا ہی اصل اور دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔'' عروسہ تلخ لہجے میں بولی' مائرہ خاموش سی ہو گئی۔ عروسہ نے سولہ آنے درست بات کی تھی وہ متفق تھی اس سے۔ لاؤنج میں ایک بار پھر خاموشی پھیل گئی یہاں تک کہ صرف گھڑی کی آواز نمایاں تھی۔

یونیورسٹی ختم ہونے کے بعد بھی ان دونوں کے درمیان رابطہ ختم نہ ہوا بلکہ مزید مضبوط ہوتا چلا گیا تھا۔ سیاسی پس منظر سے وابستگی کے باعث شہروز کا جھکاؤ سیاست کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ وہ خاندانی سوچ سے مختلف خیال کا مالک انسان تھا' وہ روایتی سیاسی ڈگر سے ہٹ کر چلنے کا خواہش مند تھا۔ سیاست میں وہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے نہیں بلکہ قومی و معاشرتی مفادات کی غرض سے آیا تھا۔ اس یونانی دیوتا کی اس خوب صورت سوچ نے ہی تو اس کی شخصیت کے چارم میں چار چاند لگائے تھے مگر سوچ و خیال زندگی کے کسی موڑ پر بھی بدل سکتے ہیں وہ فقط فطرت ہوتی ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔

شہروز حسن نے عروسہ کے اصرار پر اپنے گھر والوں کو اس رشتے پر آمادہ کرنا شروع کر دیا اور کچھ ہی دنوں بعد عروسہ کو یہ جاں فزا مژدہ سنایا کہ اس کی والدہ اگلے ہفتے عروسہ کے گھر ان دونوں کے رشتے کے سلسلے میں آ رہی ہیں۔ اس خبر کی خوشی عروسہ کے چہرے پر نور کی مانند دمک رہی تھی۔

مگر آنے والا ہفتہ آ کر بھی گزر گیا' نہ پیام آیا نہ مہمان۔ عروسہ نے گھبرا کر ہزار میسج کر ڈالے' کالز کیں مگر شہروز حسن کی جانب سے مستقل خاموشی کی فضا قائم رہی شہروز حسن اس دن سے یوں غائب ہوا جیسے روئے زمین پر وجود ہی نہ رکھتا ہو۔ عروسہ کو شہروز حسن کا یوں لاتعلق ہو جانا انتہائی صدمے سے دوچار کر گیا۔ وہ بلند و بانگ دعوے کرنے والا یونانی دیوتا بے وفا نکلا' اس پر یقین کرنا صرف عروسہ کے لیے ہی نہیں ان دونوں سے آشنا ہر فرد کے لیے دشوار تھا۔

اس نے ٹوٹ کر محبت کی تھی اور محبت میں حاصل ہونے والی بے وفائی نے اسے توڑ کر کرچی کرچی کر دیا تھا اس نے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا وہ اپنی محبت کا رونا نہیں رونا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں اس کے غم کی داستان سناتی تھیں۔ اس مشکل گھڑی میں مائرہ نے عروسہ کا بے حد خیال رکھا وہ اس کی اذیتوں' تکلیفوں اور دکھوں سے بخوبی واقف تھی۔ کوئی سات آٹھ ماہ کی پراسرار خاموشی کے بعد

شہروز حسن اچانک منظر عام پر آیا تو اپنی شادی کی روح فرساں خبر سنا کر وہ عروسہ سے معافی کا طلب گار ہوا تھا۔

"کیا مجبوری تھی اس کی؟" مائرہ نے ایک بار پھر دھیرے سے لب کشائی کی۔

"مجبوری۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "وہ کہتا ہے کہ وہ خاندان اور رسم و رواج کے آگے مجبور ہو گیا اور میں سوچتی رہ گئی کہ کیا شہروز حسن بھی رسم و رواج کے آگے سر جھکا سکتا ہے اور بھلا کیا محبت سے بڑھ کر بھی کوئی مجبوری ہوتی ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"محبت سے بڑھ کر کوئی مجبوری نہیں ہوتی مائرہ، میں جانتی ہوں ہمارے اپنے جہاں زندگی کے بیشتر موڑ پر ہماری طاقت بنتے ہیں اکثر مقامات پر ہمارے لیے امتحان بھی بن جاتے ہیں تب ہمیں یا تو ان سے ہارنا پڑتا ہے یا پھر انہیں ہرانا پڑتا ہے اور یہ محبت ہی ہوتی ہے جو اس مشکل گھڑی میں ہم سے فیصلہ کرواتی ہے۔" وہ بولتے بولتے تھکی تھی یا پھر پہلے کی تھکن تھی جو اس کے لہجے میں اب در آئی تھی۔ سائرہ اس بات کا فیصلہ نہ کر سکی، عروسہ لمحے بھر کو رکی تھی اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اس نے آنسوؤں کا گولہ حلق سے اتارا اور سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے منقطع کیا تھا۔

"مگر میزان کے ایک پلڑے پر محبوب کی محبت اور دوسری جانب والدین کی محبت رکھ دی جائے تو فیصلہ بے حد دشوار ہو جاتا ہے۔ فیصلہ کچھ بھی ہو، کسی بھی فریق کے حق میں ہو اس کا انتخاب دوسرے فریق کو دور ہونے پر، متنفر ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ فیصلہ کرنے والے کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چن لے فیصلہ کر لے تو یہ انتخاب ہوتا ہے مائرہ مجبوری نہیں مجبوری میں راستے کھلے نہیں ہوتے۔ بند ہوتے ہیں ماسوائے ایک کے تب مجبوراً اس اکلوتے رستے پر چلنا پڑتا ہے یہ ہوتی ہے مجبوری مگر اس کے پاس انتخاب کا حق موجود تھا اور اس نے مجبوری کی آڑ میں محبت کو خود قربان کیا اور دمکتے ہوئے سیاسی مستقبل کا انتخاب کیا۔ اس نے محبت کرنے والی، بھروسہ کرنے والی، ساتھ دینے والی

ہمسفر پر اس لڑکی کو ترجیح دی جو اس کا سیاسی قد مزید بلند کرنے کا باعث بنتی اگر وہ کم ہمت ہوتا' بزدل ہوتا' میرے لیے جنگیں لڑ سکتا نہ بغاوت کرسکتا تب بھی میرے دل کو صبر آجاتا۔ میری محبت کو بھی قرار آجاتا کہ میرا محبوب میرے عشق میں نڈھال ہوگیا۔ میری محبت خود اسے دعائیں دیتی اس کی راہ سے ہٹ کر اس کا راستا آسان کیے دیتی مگر وہ تو اپنی مجبوری بتاتے ہوئے یہ بھول گیا تھا کہ وہ عروسہ یاور کے سامنے بیٹھا ہے۔ وہ عروسہ یاور جو اس کے دل تک رسائی رکھتی تھی۔ اس کے رگ رگ سے واقف تھی' مائرہ اس دن میری محبت اس کے جھوٹ' منافقت اور خود غرضی دیکھ کر ہی خاموشی سے دم توڑ گئی وہ مجھ سے معافی مانگ رہا تھا مگر وہ لفظ کھوکھلے تھے انہیں ادا کرنے والا جھوٹا تھا اور جھوٹے انسان سے کی گئی محبت ہمیشہ بے آبرو اور بے موت مرتی ہے۔'' اس کے لفظوں سے خون رستا تھا کیونکہ اس کے حلق میں ٹوٹے دل کی کرچیاں چبھتی تھیں۔

''اور سب کچھ جانتے بوجھتے سمجھتے ہوئے بھی تم نے اسے معاف کردیا عروسہ؟ تم نے اس کی اصلیت اس کے منہ پر کیوں نہ ماری۔'' یہ شاید آخری سوال تھا جو پوچھنے کے لیے رہ گیا تھا مائرہ کے پاس' اس سے قبل کہ عروسہ اس کی بات کا جواب دیتی۔ عروسہ کے موبائل پر آنے والی کال نے ان دونوں کو ہی چونکا دیا۔ مائرہ کی نگاہیں بے ساختہ موبائل کی اسکرین پر جگمگاتے نام کی جانب اٹھیں' وہ بری طرح ٹھنک کر عروسہ کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی جو ایک بے نیازی نگاہ موبائل اسکرین پر جگمگاتے نام پر ڈال کر نظریں پھیر چکی تھی۔

''شہروز حسن...... یہ تمہیں اب کیوں کال کررہا ہے؟ جب یہ تمہیں اور تمہاری محبت کو ہار کر اپنا راستہ جدا کرنے کا فیصلہ کرچکا تو پھر تم سے رابطہ کرنے کا کیا مقصد ہے بھلا؟'' مائرہ کے لہجے میں غصہ جھلک نمایاں تھی۔

''تم جانتی تو ہو' مرد دریافت کا پرندہ ہے اور دریافت کا سلسلہ کبھی نہیں رکتا۔ وہ جوں جوں دریافت کرتا رہتا ہے آگے بڑھتا جاتا ہے۔'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ اس کی بات سن کر مائرہ افسردہ لہجے میں بولی۔

''صحیح کہہ رہی ہو تم عروسہ...... مرد دریافت کا ہی پرندہ ہے اور عورت صرف اور صرف اس کی دریافت' اس کی منزل نہیں اس کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ کچھ عرصے اسے اپنے حسن' اپنی ذہانت یا اپنی انفرادیت سے متوجہ ضرور کرلیتی ہے مگر ہمیشہ کے لیے اسے اپنا اسیر نہیں بنا سکتی۔'' مائرہ کے لہجے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عروسہ کے وجود کی تھکن اس کے رگوں میں بھی اترنے لگی ہے۔

''نہیں مائرہ...... عورت دریافت نہیں' عورت کے روپ ہزار ہیں۔ آج سے نہیں روز اول سے' کیا تم نے لازوال بی بی حوا کا روپ نہیں دیکھا یا پھر بے مثال حضرت خدیجہؓ کو یا محبوب بیوی کا روپ دھارے حضرت عائشہؓ کو نہیں جانا اور حضرت فاطمہؓ جیسی فرماں بردار بیٹی اور بہادر ماں' عورت کوئی ایک روپ لے کر زمین پر نہیں اتری۔ اس کے ضمیر کے رنگ کئی ہیں' تمہیں اس جہاں میں مریم جیسی پاک دامن عورتیں بھی سانس لیتی نظر آئیں گی جو زمانے کی اٹھتی انگلیوں سے اپنی عزت و بقاء کی جنگ لڑنے میں مصروف ہوں گی۔ تمہیں انہی معاشروں میں آسیہ بھی نظر آئیں گی جو ماں کی ممتا سے لبریز اولاد کے لیے معاشرے سے لڑ بھڑیں گی اور کیا کیا روپ بتاؤں مائرہ' عورت جاہ و حشمت کا شاہکار ملکہ بلقیس کے مانند بھی ہے اور کہیں نفس کے جال میں پھنستی عزیز مصر' وہ قیدی بھی رہی ہے۔ معاشرے' رسم و رواج روایات کی قیدی پھر بھلے وہ معاشرہ فرسودہ ہو یا نام نہاد فضاؤں کا علمبردار' وہ ڈیانا کی صورت ہر معاشرے میں سانس لیتی پائی جاتی ہے جو محبت کے حصول کی خواہش میں رلتی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ وہ کبھی اپنے ہوشربا حسن کو اپنی دنیاوی خواہشات پوری کرنے کے خاطر نیلام کرتی قلوپطرہ کا بھی رنگ چرالیتی ہے اور کبھی انسانیت کی خدمت میں دنیا تیاگ کرتی مدر ٹریسا' اپنے درد' تکلیفوں کو اپنی طاقت بنا کر دوسروں کے درد کی دوا بنتی ہیلن۔ یہ سارے عورت کے ہی روپ ہیں مائرہ اور ہر روپ کے پیچھے ایک داستان رقم ہے

اور کتنے ہی ان گنت روپ معاشرے میں سانس لے رہے ہیں مگر ہم سے مخفی ہیں...... عورت کوئی دریافت نہیں‘ کوئی موضوع نہیں جس پر کتابیں لکھ کر بحث کی جائے یا اسے جانچنے پرکھنے کا کلیہ مرتب کیا جائے بلکہ عورت وہ تخلیق ہے جس کے وجود کو سچی محبت اور خلوص سے جیتنے کے لیے بنایا گیا ہے۔‘‘ وہ کھوئے کھوئے مگر پُراعتماد لہجے میں بول رہی تھی اور مائرہ حیرت زدہ سی اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ باہر کن من برستی بارش کا سلسلہ اب تھم چکا تھا‘ صحن سے بارش اور مٹی کے ملن کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں گھل کر اپنا فسوں بکھیر رہی تھی۔ عروسہ کچھ پل خاموش رہنے کے بعد لان پر جمی نگاہیں پھیر کر مائرہ کی جانب دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

’’عورت عنقاء ہے‘ ایک ایسا پرندہ جو بے حد بلندی پر پرواز کرتا ہے اور بلندی کی پرواز کبھی بھی سہل ثابت نہیں ہوتی۔ بے شمار کٹھنائیاں ہوتی ہیں‘ مشکلیں ہوتی ہیں اور تب یہ پرندہ عنقاء ان مشکلوں‘ کٹھنائیوں اور حالات کے تھپیڑوں سے تھک کر‘ نڈھال ہوکر انتہا کی بلندی سے انتہائی پستی پر چلا جاتا ہے مگر پستی کا انتخاب وقتی ہوتا ہے اور پھر کچھ عرصہ وہ نظروں سے غائب رہنے کے بعد اچانک منظر پر ظاہر ہوتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ اونچائیوں پر پرواز کر جاتا ہے کیونکہ عنقاء علامت ہی بلند پرواز کی ہے اور عورت بھی عنقاء کے مانند ہے۔‘‘ مائرہ سحر زدہ سی اس کے لبوں سے پھول کی مانند جھڑتے لفظوں کو سن رہی تھی وہ اسے سمجھانے آئی تھی اور اب خود کسی فرماں بردار شاگرد کے مانند سبق سیکھ رہی تھی۔

موبائل اسکرین پر ایک بار پھر سے شہروز حسن کا نمبر جگمگانے لگا‘ عروسہ نے ایک نگاہ غلط اسکرین پر ڈالی اور مائرہ کا ہاتھ تھامے گلاس ونڈو سے منسلک دروازے کو باہر کی جانب دھکیلتی لاؤنج سے نکل کر لان میں داخل ہوگئی۔ سبز‘ نرم‘ بھیگی بھیگی گھاس تازگی کا ایک فرحت بخش احساس اجاگر کر رہی تھی۔ کیاریوں میں لگے گلاب‘ گیندے موتیے اور ڈیزی کے پھول برسات میں نہانے کے بعد محو رقص تھے وہ دونوں بھی اس دلکش موسم کی جوبن کو محسوس کرتیں‘ گھاس پر چہل قدمی کرنے لگیں۔

’’شہروز حسن نے میرا جو روپ دیکھا وہ محبت کی دیوی کا روپ تھا‘ اسے دریافت کرنے کے بعد اسے میرا عشق پھیکا لگنے لگا۔ اپنی سمجھ کے مطابق وہ مجھے دریافت کرنے کے بعد اپنے جھوٹ اور بے وفائی سے محبت کی دیوی کا وجود پاش پاش کر گیا۔ مائرہ یہ وہ مقام تھا جب میں ٹوٹ کر چکنا چور ہوئی اور پھر اپنی کرچیوں کو سمیٹ سمیٹ کر یکجا کر کے نیا روپ‘ نئی دیوی بنائی۔ شہروز حسن کو معاف کر کے میں ایک بار پھر بلندی پر جا پہنچی‘ وہ بلندی جو عنقاء کی علامت ہے اور پھر ہوا یوں کہ میرے نئے روپ نے ایک بار پھر شہروز کو دریافت کے لیے تجسس کر ڈالا۔ وہ دریافت کا پرندہ مجھ تک پہنچنے کے لیے ایک بار پھر پھڑ پھڑانے لگا مگر مائرہ میں نے کہا ناں عورت عنقاء ہے۔‘‘ اس کے خیالات اور سوچ کو جان کر مائرہ نے اسے رشک آمیز‘ محبت پاش نگاہوں سے دیکھا۔

اندر لاؤنج میں بڑے سے لکڑی کے بنے دلفریب جھولے میں وقتاً فوقتاً دریافت کے پرندے کی عنقاء تک پہنچنے کی کوشش موبائل اسکرین پر جگمگا رہی تھی۔ وہ معافی جو عروسہ نے شہروز کو دی تھی وہ اس کی محبت سے آزادی کا پروانہ ثابت ہوئی مگر یہی آزادی شہروز حسن کو ایک نئی دریافت پر آمادہ کرتی عنقاء کے سحر میں مبتلا کر گئی۔

قسط نمبر 10

شب آرزو تیری چاہ میں

نائلہ طارق

گزشتہ قسط کا خلاصہ

دراج اپنی خراب طبیعت کے باوجود زرکاش سے ملنے اس سے گھر آتی ہے' زرکاش اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے جبکہ دراج اس کی حالت دیکھ کر رونے لگتی ہے۔ زرکاش کے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہوئے تھے' زرکاش شیراز کو بھی معاف کردیتا ہے۔ یہ بات دراج کو بتانے کے ساتھ کبھی شیراز پر بھروسہ نہ کرنے کا بھی یقین دلاتا ہے' دوسری طرف محبت کا ڈرامہ کرتی دراج زرکاش کی حقیقی محبت میں گرفتار ہوجاتی ہے۔ راسب رجاب کی طرف سے فکر مند ہوتا ہے تب ندا اسے تسلی دیتی رجاب کے کمرے میں آتی ہے اور اسے نماز پڑھتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتی ہے۔ رجاب کو خود بھی سکون محسوس ہوتا ہے' تب ہی وہ ندا کے کہنے پر راسب کے پاس آتی ہے راسب اسے زرق کے فرار ہونے کی خبر دیتا اسے حیران کردیتا ہے۔ زنائشہ عرش کا انتظار کرتی ہر اس جگہ اسے تلاش کرتی ہے جہاں اس کے ہونے کا یقین ہوتا ہے لیکن مایوسی اس کے ہاتھ آتی ہے تب ایک روز زرق گھر آتا ہے اور اس کے عتاب کا نشانہ بنتا ہے۔ زنائشہ اسے ماں کے مرنے کی خبر سنا کر دھکے دے کر گھر سے نکال دیتی ہے۔ دراج زرکاش کے ٹھیک ہونے پر اس کے لیے دعوت کا اہتمام کرتی ہے' زرکاش اسے بتاتا ہے کہ ماضی میں جس لڑکی سے اس کا رابطہ تھا وہ اب بھی بحال تھا جس پر دراج برا منانے کے بجائے اس بات کو نارمل لیتی ہے۔ دوسری طرف زنائشہ عرش کی تلاش میں ناکام ہوتی خودکشی کرنے کا سوچتی ہے اور ایک تیز رفتار گاڑی کے آگے آجاتی ہے مگر خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے تب گاڑی سے دراج نکل کر زنائشہ کو سمجھا کر اپنے ساتھ ہاسٹل لے جاتی ہے۔ زرق پولیس کے ساتھ رجاب کے گھر آتا ہے تب رجاب اس سے سوال و جواب کرنے کے بعد اسے واپس لوٹ جانے کا کہتی ہے جس پر زرق اپنا مکمل علاج کروانے کی یقین دہانی کرواتا ہے رجاب اس کا علاج شروع کرواتی ہے۔ عرش کو ہوش آتا ہے لیکن وہ زیادہ ہوش و حواس میں نہیں رہتا ڈاکٹر اسے مخاطب کرتے ہیں مگر وہ پھر بے ہوش ہوجاتا ہے جبکہ دوسری طرف عرش کی اس حالت کا ذمہ دار شہرام خود کو ٹھہراتا ہے۔ سحر (شہرام کی بیوی) اسے فون پر گھر آنے کا کہتی ہے لیکن وہ ہسپتال میں ہی ٹھہرنے کو ترجیح دیتا ہے تب ہی شہرام کو کچھ عرصے پہلے پیش آنے والا واقعہ یاد آتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

فلیش بیک......!

رات گہری ہوتی جارہی تھی' جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا' ان کا غصہ بھی بڑھ رہا تھا' مسلسل گیٹ کے قریب ٹہلتے وہ اپنے غصے کا اظہار بھی کررہے تھے۔

''رہ گیا ہوگا دوستوں میں کہیں...... ہوجاتا ہے کبھی ایسا......'' سحر نے ایک بار پھر ان کا غصہ کم کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''نہیں ہونا چاہیے کبھی بھی ایسا...... ابھی وہ اتنا خود مختار نہیں ہوا ہے کہ میں اسے بے لگام چھوڑ دوں......'' شہرام غصے میں برس رہے تھے۔ ''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ اس کی صحبت ٹھیک نہیں...... ورنہ یہ شریفوں کے طور طریقے ہیں......؟ ہم پر فاتحہ پڑھ کر گھر سے گیا ہے وہ جو واپس آنے کی فکر تک نہیں...... یہ سب میری نرمی اور تمہاری طرف داریوں کا نتیجہ ہے جو......'' کال بیل پر ان کی بات ادھوری رہ گئی...... بگڑے تیوروں کے ساتھ انہوں نے ایک جھٹکے سے گیٹ کھولا۔

''کہاں تھے تم اتنی رات تک......؟ گھر واپس آنے کا ہوش اب آیا ہے تمہیں......'' غصے میں باز پرس کرتے شہرام یک دم رکے تھے اس کے زرد چہرے کے تاثرات سے زیادہ اس کے گریبان پر لگے سرخ دھبوں نے ان کو دنگ کر دیا تھا۔ جھکے سر کے ساتھ وہ ان کے سامنے ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا مگر شہرام نے اس کا بازو تھام کر روک لیا۔

''یہ خون کیسے لگا ہے تمہاری شرٹ پر......؟ کس سے جھگڑا کر کے آئے ہو تم......؟'' شہرام کا سوال ادھورا رہ گیا تھا جب وہ اپنا بازو چھڑاتا سرعت سے گھر کے اندر بڑھ گیا۔

''میں نے کیا پوچھا ہے تم سے؟ کیا کر کے آئے ہو تم......؟'' اس کا خاموشی سے منہ چھپا کر جانا شہرام کی تشویش اور غصے کو مزید ہوا دے گیا تھا' تیز قدموں کے ساتھ وہ اس کے پیچھے گئے تو سحر بھی ہول کر ان کے پیچھے دوڑیں۔

کمرے میں داخل ہوتے شہرام ٹک ٹک نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جو دیوار سے لگا آنکھوں پر ہاتھ رکھے گھٹی آواز میں رو رہا تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے' تم بتاتے کیوں نہیں...... کہاں سے آ رہے ہو...... کیا کر آئے ہو؟'' سحر روہانسے لہجے میں چیخیں۔ برستی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس نے پہلے سحر اور پھر شہرام کو دیکھا تھا جو اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''بھائی مجھے معاف کر دیں' میں وہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا' مجھ سے غلطی ہو گئی مگر...... میں...... وہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' خوف سے کانپتے لرزتے لہجے میں بولتا وہ شہرام کو معاملے کی سنگینی کا مکمل یقین کروا رہا تھا۔

''کیا کر آئے ہو تم...... کیا غلط ہوا ہے تم سے......؟'' شہرام اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھتے بمشکل پوچھ سکے تھے جواباً گھٹے سہمے لہجے میں وہ جو کچھ بتا رہا تھا وہ سب شہرام کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھا۔

''مجھے معاف کر دیں' مجھ سے غلطی ہو گئی......'' وہ اب ان کے پیروں سے لپٹا گھٹ گھٹ کر رو رہا تھا...... ماؤف دماغ کے ساتھ شہرام نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا' ان کے لیے یقین کرنا مشکل تھا کہ ان کا اتنا مہذب اور فرماں بردار بھائی کسی انسان' کسی عورت کے ساتھ ایسی بربریت کا مظاہرہ کرنے کا اعتراف کر رہا ہے...... اخلاقی قدروں کی سیڑھیوں سے وہ اس حد تک کیسے گر سکتا ہے...... انہوں نے تو تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی مگر آج اندازہ ہو رہا تھا' اس کے اعتراف گناہ کو سننے کے بعد کوئی شک بھی نہیں رہ گیا تھا کہ کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی کمی تو رہ گئی تھی...... جانے یہ اس سے گہری محبت ہونے کی مجبوری تھی یا کمزوری کہ وہ غم و غصے کے باوجود چاہتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکے تھے۔

''چلو تم میرے ساتھ......'' تمتمائے چہرے کے ساتھ وہ اسے بازو سے کھینچتے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے جب ساکت کھڑی سحر ہوش میں آتی تیزی سے ان کے راستے میں آ گئی تھیں۔

''میں جانتی ہوں آپ کہاں جا رہے ہیں مگر اب آپ کے وہاں جانے سے کیا ہو جائے گا......؟'' سحر شدید خوف اور وحشت سے بولیں۔

''جو کچھ یہ کر کے آ رہا ہے' اس سب کو بھگتنے کے لیے وہاں جانا تو پڑے گا...... اگر معاملہ اور بگڑ گیا تو پولیس میرے دروازے پر ہوگی۔'' وہ بھڑکے۔

''مگر اب بہت دیر ہوچکی ہے پولیس اس جگہ پہنچ چکی ہوگی۔'' سحر بولی تھی۔

''پولیس کے ڈر سے میں انسانیت نہیں بھول سکتا' اللہ کا خوف ہے میرے دل میں اسی لیے وہاں جا رہا ہوں' کم از کم اس لڑکی کو مزید کسی نقصان سے تو بچایا جاسکتا ہے' ہوسکتا ہے پولیس وہاں نہ پہنچی ہو اس لڑکی کے گھر والوں تک خبر نہ پہنچی ہو' پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا......''

''شہرام...... جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے' آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ اب آپ کے وہاں جانے سے کیا قیامت ہم پر ٹوٹ سکتی ہے......؟ ایک ہی بھائی ہے آپ کا' وہ مان رہا ہے نادانی میں ہوگیا اس سے...... آپ کو اس کی حالت دکھائی نہیں دے رہی' آپ اس لڑکی تک جاکر اپنے بھائی کو خود اپنے ہاتھوں سے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیں گے' اس کا مستقبل تباہ ہوجائے گا' ہماری زندگی برباد ہوجائے گی' یہ گھر تو اجڑ جائے گا' کیا باقی رہ جائے گا ہمارے پاس...... میں اپنی جان دے دوں گی مگر آپ کو کسی صورت وہاں نہیں جانے دوں گی۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ سحر نے چیختے ہوئے فیصلہ سنایا تھا اور شہرام کی گرفت سے اس کا ہاتھ آزاد کروالیا تھا جو سر جھکائے بالکل گم صم کھڑا تھا۔

''تو پھر بیٹھ جاتا ہوں میں بھی گھر میں منہ چھپا کر...... کرو اس وقت کا انتظار جب پولیس دروازے پر آ کر تماشہ لگوائے گی......'' سحر کے واویلے نے خود ان کو بھی کمزور کردیا تھا یا پھر جان سے عزیز تر بھائی کے انجام نے ان کو بھی خوف زدہ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کرلینے پر مجبور کردیا تھا۔

❁......❁......❁

اس رات کے بعد سے اب تک گھر میں موجود تینوں ہی نفوس ایک دوسرے سے نظریں چراتے دن رات گزار رہے تھے' گھر کے دروازے پر اب تک پولیس نہیں آئی تھی' ہر دن کے ساتھ شہرام کا پچھتاوا بڑھتا گیا تھا بس ایک یہ تسلی تھی کہ ان کا بھائی سلاخوں کے پیچھے نہیں مگر قید تو وہ ہوگیا تھا' اپنے خول میں' اپنے کمرے میں' باہر کی دنیا سے اس کا تعلق ٹوٹ چکا تھا' بے حسی اور بے ضمیر نہ شہرام خود تھے اور جانتے تھے کہ ان کا بھائی بھی نہیں ہے...... مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھے' اپنے پچھتاوے میں جلتے وہ اسے بھی اپنے گناہ کی آگ میں تپتا دیکھتے رہتے تھے' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سے کیا کہیں' اپنے ضمیر کو کس طرح مطمئن کریں۔

بری طرح چونک کر حال میں واپس آتے وہ بیڈ کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر تیزی سے اس کے قریب گئے تھے جو اپنے سر کو حرکت دیتا کراہ بھی رہا تھا۔

''تم خیریت سے ہو' بہت جلد بالکل ٹھیک ہوجاؤ گے' میں ہوں یہاں تمہارے ساتھ۔'' اس پر جھکے شہرام پُر شفقت لہجے میں بولے' دوسری جانب نیم وا شہد رنگ آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا' شہرام جانتے تھے کہ وہ مکمل ہوش میں نہیں مگر وہ اپنے دن رات کی ریاضت اور دعاؤں کا ثمر مل جانے پر بہت دن بعد سچی خوشی محسوس کررہے تھے' اپنے بھائی کی وجہ سے پولیس کے نام سے جو خوف' وحشت ان کے اعصاب پر طاری تھی اس کے باعث وہ اس لڑکے کے لیے بھی پولیس سے رابطہ کرنے کی جرأت نہ کرسکے تھے مگر اب امید بندھ گئی تھی کہ اس ندامت اور پچھتاوے سے ان کو جلد نجات مل جائے گی۔

❁......❁......❁

موسم کی خوبدلتے رہنا ہے
کبھی کن من کرتی بوندوں کی
برستی بارشوں کی صورت

کبھی دھوپ، چھاؤں، بدلیاں تو کبھی حبس زدہ دن رات......!
کبھی جاڑے کی خنک دھند میں لپٹے
شام وسحر، کبھی بہاروں کی آمد پر
رنگ بکھیرتے پھولوں کے کنج پر منڈلاتی تتلیاں

خزاں کی سوگواری میں ٹنڈ منڈ شجر......موسم کی یہ پرتیں کھلتی رہیں گی، بدلتی رہیں گی تاابد...... یہ تغیر، یہ بدلاؤ، زندگی کی نشانیاں ہیں، زندگی تغیر کا ہی تو دوسرا نام ہے، غم بھی بدل بدل کر نہ ملیں تو ان کو جھیلنا ناممکن ہوجائے، یکسانیت تو مرگ زیست ہے، زندگی اسی لیے زندگی ہے کہ یہ کبھی جامد وساکت نہیں ہوتی، موسم کے بدلتے رنگ وروپ میں، وقت کے بہاؤ اور حالات کے بدلتے دھاروں میں زندگی پنپتی ہوئی آگے بڑھتی رہتی ہے کیونکہ یہ فطرت ہے، زندگی کبھی رکتی نہیں، موسم کبھی ٹھہرتا نہیں اور حالات کا بدلتے رہنا اٹل ہے۔

ان ہی تغیرات اور تبدیلیوں کے درمیان محبت کے نازک پودے بھی نمو پاسکتے ہیں جو دل کے موسموں سے وابستہ ہوتے ہیں، چاہتوں کے پھول، پتے دل کے موسم کے مطابق کلام کرتے ہیں، دل کے موسموں میں سے ایک موسم ہجر وفراق کا بھی تو ہے، وصال کی تڑپ میں انتظار میں سلگتا......فراق کی طوالت سے نڈھال، آہ کو رسائی مل جانے کے انتظار میں بوجھل موسم......کائنات کے سارے موسموں سے بالکل الگ اور نرالے ہوتے ہیں یہ دل کے موسم......جن میں محبتوں کے پھول ہر شب وصل کی آرزو کرتے نکھرتے ہیں، ہر شام فراق میں اپنی خواہشوں کی رم جھم میں کھلتے پھولتے ہیں، عجب اصولوں پر کاربند ہے یہ کائنات کہ جس میں دھرتی کو اپنے آسمان سے مطلب ہے، ہجر کو وصل کی چاہ ہے، گل اپنی بو کے بن ادھورا ہے، جدائی کے قافلے ملن رتوں کے آنچل میں پہنچنے کو بیتاب رہتے ہیں، محبت محب اور محبوب کے یہ سلسلے یہ ضابطے افق تک پھیلے ہیں......کہیں نہ کہیں سے کوئی ہوک، کوئی صدا ہر پل بلند ہوتی ہے، دشت وکوہ سے لے کر بلندیوں سے گرتے آبشاروں کے سروں میں، بہتی ندی کی جلترنگ میں، ویرانوں سے چمن تک یہ صدائیں، یہ پکاریں گونجتی ہیں، ان صداؤں، ان گونجتی ہوک کا درد ایک دل ہی محسوس کرسکتا ہے، جو دل درد محسوس نہیں کرسکتا اسے دل کہہ نہیں سکتے، وہ دل ہو نہیں سکتا۔

❀......❀......❀

چہار سمت پھیلے گھور اندھیرے میں اگر کوئی چیز واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی تو وہ ایک سڑک تھی جس کی طوالت حد نگاہ تک جارہی تھی، گہری تاریکی میں وہ سڑک ایک زرد روشنی کی نہ ختم ہونے والی لکیر کی طرح نمایاں تھی، بھیانک سناٹا، ہو کا عالم اس سڑک پر پھیلا تھا، جانے یہ پراسرار سڑک کہاں سے شروع ہوکر کہاں ختم ہورہی تھی، مگر خنک سناٹوں میں پھیلی یہ سڑک انتہائی ہیبت ناک منظر پیش کررہی تھی، یک دم اس پُرسکوت پُرہیبت سڑک کا سناٹا ٹوٹا تھا، دور کہیں سڑک پر دوڑتے بھاری قدموں کی دھمک ابھری تھی اور پھر رکی نہیں تھی، یہاں تک کہ قدموں کی دھمک سے سڑک لرزنے لگی تھی، وہ پوری قوت، پوری طاقت سے دوڑتا آرہا تھا، اندھادھند، دیوانہ وار، شاید اس نے نہ رکنے کا تہیہ کررکھا تھا یا شاید اس کے لیے بھاگتے رہنا ضروری تھا......پتہ نہیں کوئی اس کے تعاقب میں تھا یا وہ کسی کے تعاقب میں، جانے وہ کسی کے پیچھے بھاگ رہا تھا یا کسی سے دور بھاگ رہا تھا، بھاگتے بھاگتے وہ بری طرح نڈھال اور پسینے میں شرابور ہوچکا تھا، اس کے مسلسل دوڑتے قدموں سے اس کی تھکاوٹ اس کی اذیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا، وہ بس بھاگ رہا تھا، قدم کہاں تھے وہ خود کہاں جارہا تھا، وہ کچھ سمجھنے کے قابل نہ تھا، دھونکنی کی طرح چلتی سانسیں، اکھڑتے قدم منجمد ہوتے اعضاء، سن ہوتے اعصاب، اس کی حالت بد سے بدتر ہوچکی تھی مگر اس کے باوجود وہ رکنے کو تیار نظر نہیں آرہا تھا، کوئی تو طاقت وخوف تھا جو اس کے

نیم جاں وجود کو بے جان ہوتے قدموں کو آگے ہی آگے کھینچتا جارہا تھا۔ بھاگتے‘ بھاگتے بے حال ہوتا اس کا وجود خود اس کے اپنے اختیار سے باہر ہو چکا تھا‘ ہیبت ناک سڑک کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اسے کسی عفریت کی طرح نگلنے کے لیے تیار تھا کہ کب اس کے بھاگتے قدم رکیں اور کب وہ اس کے شکستہ وجود کو سالم اپنے اندر سمو لے..... آخر کب تک؟ اس کے اکڑے اعضاء مفلوج ہو گئے تھے‘ دماغ سے وجود کا رابطہ ختم ہونے لگا تھا‘ قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا تھا‘ نیم مردہ حالت میں وہ جومنہ کے بل سڑک پر گرا تو پھر اٹھ نہ سکا۔

پتہ نہیں کتنا وقت اسے اسی حالت میں بے حس و حرکت اور اردگرد سے غافل گزر چکا تھا..... موت جیسا خنک سناٹا آہستہ آہستہ اسے نگلتا جارہا تھا کہ اچانک گہری خاموشی میں قریب ہی کہیں سڑک پر کچھ پراسرار سی آہٹیں ابھرنے لگی تھیں‘ جیسے جیسے یہ آہٹیں نمایاں ہورہی تھیں اس کے غافل وجود کی سماعتیں بھی مزید غافل نہ رہ سکی تھیں‘ اس کے حواس بیدار ہونے لگے تھے‘ آہٹیں قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھیں‘ بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے کھردری سڑک کی گرد آلود سطح سے اپنا چہرہ ذرا اٹھایا تھا‘ اس کی تھکی تھکی نیم وا آنکھیں اپنے سامنے رکتے دو پیروں پر ساکت ہوگئی تھیں‘ تیز زرد روشنی میں ان برہنہ پیروں کی جلد دودھیا اور بے داغ تھی‘ نازک‘ نازک انگلیوں پر سجے ترشے گلابی ناخن بے تحاشہ چمک رہے تھے‘ اتنے حسین پیر کسی انسان کے نہیں ہوسکتے تھے مگر یہ پیر انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے بھی نہیں ہوسکتے تھے..... ایک ٹک ان حسین پیروں کی خوب صورت بناوٹ کو دیکھتے ہوئے یک دم اس کے دل کی دھڑکن رکی تھی..... ان شفاف دودھیا پیروں پر اسے گاڑھے سرخ رنگ کے قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے.....

ان گرتے قطروں میں تیزی آرہی تھی‘ دیکھتے ہی دیکھتے وہ حسین بے داغ پیر سرخ خون سے تر ہوتے چلے گئے تھے‘ شدید دہشت کے ساتھ یہ منظر دیکھتے ہوئے اس نے اپنی نظریں اوپر اٹھانے کی کوشش کی تھی..... گہرے سبز رنگ کے دمکتے ہوئے ایک لبادے کا آغاز ہوا تھا جس میں قید وجود کسی عورت کا تھا..... ایک قیامت خیز‘ ہوشربا‘ ترشا ہوا نازک وجود..... اس کی خوف اور دہشت سے پھیلی آنکھیں مزید تجسس میں اوپر اٹھی تھیں اور پھر اگلے ہی پل اس چہرے تک پہنچ کر پھٹ گئی تھیں۔ دہشت سے اس کی چیخیں حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھیں..... اس عورت کے بھیانک چہرے سے دور بھاگنے کی کوشش میں اس کی پشت کھردری سڑک سے ٹکرائی تھی‘ وجود میں رہا سہا دم خم بھی ختم ہوگیا تھا‘ بمشکل کہنیوں کے بل اپنے بے جان وجود کو گھسیٹتا وہ اس سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا جو دھیرے دھیرے اس کی سمت بڑھی آرہی تھی‘ وہ اذیت سے کراہ رہا تھا‘ سانس لینا ناممکن ہوگیا تھا‘ کھردری سڑک سے اس کی کہنیاں بری طرح زخمی ہورہی تھیں مگر اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنے قدموں پر اٹھ کر بھاگتا وہ اب بھی اپنے بھیانک چہرے کے ساتھ اس کے قریب ہورہی تھی جو پشت اور کہنیوں کے بل رینگتا دور ہٹنے کی کوشش میں تھا۔

''مت جاؤ مجھ سے دور.....'' ٹھنڈی سرسراتی آواز نے اسے ساکت کردیا تھا۔

''دیکھو..... میں کتنی تکلیف میں ہوں‘ پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔'' وہ پھنسی پھنسی اذیت ناک آواز میں بولتی اس کے انتہائی قریب آچکی تھی‘ جو پتھرائی نظروں سے اسے دیکھتا سانس لینا بھول چکا تھا۔

''میں قبر تک تمہارا پیچھا کروں گی‘ تم مجھ سے دور بھاگ ہی نہیں سکتے.....'' تیز چنگھاڑتی آواز میں وہ اسے پاتال اتار گئی تھی۔

ایک جھٹکے سے اٹھتا وہ یک دم ساکت ہوا تھا‘ اپنے اردگرد کے ماحول کو پہچاننے میں اسے چند لمحے لگے تھے‘ دم اب بھی گھٹ رہا تھا‘ بمشکل سانس کھینچتے ہوئے اس نے اپنی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ پھیرا‘ اس کے ہاتھ میں لرزش بہت واضح تھی..... اتنے طویل عرصے بعد بھی کیا اسے بھلایا جاسکتا ہے جسے ہر پل آنکھیں تلاش کرتی ہوں‘ خوف اور وحشت

کے باوجود؟ سر ہاتھوں میں تھامے وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں تھا' جب دروازے پر دستک ہوئی۔
''جبران...... جلدی اٹھ جاؤ' تمہیں یاد ہے' ہمیں کہاں جانا ہے؟ نو بجنے والے ہیں۔'' باہر سے ابھرتی پکار اور تاکید کا کوئی جواب فی الوقت وہ دینے کے قابل نہیں تھا۔

✿......✿......✿

سنو!
وادی سبزہ زار میں
شام ڈھلنے سے پہلے
جب شاہ خاور کی
بنفشی کرنیں پھیلتی ہیں
جب مہکتی فضا میں
طائر پرواز بھرتے ہیں
جب برف پوش پہاڑوں کو
چیرتا' ہراتا' بل کھاتا آبشار
سرمستی سے چہکتا......
سبک رواں ندی سے ملتا ہے
جب عشق پیچاں کے پھولوں سے بھری
ڈالیوں پر کوئل کوکتی ہے
جب گڈریا سرسبز وشاداب ڈھلانوں پر
بھیڑیں ہنکارتا جاتا ہے
جب سکھ چین کے پیڑوں تلے
کوئی بانسری بجاتا ہے
جب جھیل میں تیرتے
ان گنت کنول کے پھولوں پر
اوس کے موتی چمکتے ہیں
جب نیلے گگن پر شام کا
پہلا ستارہ مسکراتا ہے
ہاں......تب......!
دل سے اک ہوک امڈ کر
لبوں تک آتی ہے
میری صدائے آشنا
دور بہت دور کہیں
دھند کی وسعتوں سے گزر کر

اس سنہری جزیرے تک جاتی ہے
جہاں.....تم ہو.....!
وہ صدا تمہیں بلاتی ہے کہ
آؤ.....شام ڈھلنے سے پہلے
ان دلفریب مناظر کو
ہاتھوں میں ہاتھ تھامے
اپنی آنکھوں میں جذب کرلیں
اس سے پہلے کہ یہ شام ڈھل جائے
آؤ ہم اس شام کو
مٹھیوں میں قید کرلیں
اڑتی تتلیوں کے رنگ چرالیں
آؤ کہ اس شام کی مسحور کن خوشبو کو
اپنی سانسوں میں اتارلیں
اس الوہی شام کے طلسم میں
گم ہوجائیں.....!
امر ہوجائیں.....!
کون جانے کہ.....!
ڈھلتی شام کے یہ حسین لمحے
پھر پلٹ کر کبھی آئیں نہ آئیں.....!

مختصر گیلری کی باؤنڈری کے قریب ہاتھ پر چہرہ ٹکائے وہ اتنے خوب صورت موسم اور خوشگوار شام میں بھی بہت بجھی بجھی تھی اس کی اداس آنکھیں کبھی دور ہاسٹل کے گیٹ تک جاتیں اور کبھی وسیع سبزے پر ابر آلود موسم اور ٹھنڈی ہواؤں کو انجوائے کرتی لڑکیوں تک..... کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ جس ہاسٹل میں ایک دن بھی گزارنا کبھی اس کے لیے مشکل تھا وہاں پانچ سال کا اتنا طویل عرصہ اسے گزر گیا اور پتہ بھی نہیں چلا.....اس عرصے میں بہت کچھ بدل چکا تھا رائمہ اور شذرا دو دو بچوں کی مائیں بن چکی تھیں شیراز چھٹیاں گزارنے تین بار وقفے وقفے سے آیا تھا ہر بار وہ اس کے جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھی کیونکہ جتنے دن وہ یہاں ہوتا زرکاش کا چہرہ بھی اسے دکھائی دینا مشکل ہوجاتا تھا کیونکہ اس کا سارا وقت پھر شیراز کے ساتھ ہی گزرتا تھا زرکاش سے اسے پتہ چلتا رہتا تھا کہ صبغہ سخت مخالف تھیں شیراز کے اتنا عرصہ یورپ میں گزارنے کی مگر شیراز ابھی وہاں اسٹڈیز کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا دراج کو اندازہ تھا کہ اسٹڈی تو صرف بہانہ ہے ورنہ یورپ کی آزاد فضاؤں میں رہنے کے بعد اب شیراز کے لیے واپس یہاں آ کر قیدو بند والی زندگی میں ایڈجسٹ کرنا ناممکن ہی ہوگا..... خیر اس کے لیے تو یہ اچھا ہی تھا شیراز کی صورت وہ کبھی دیکھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

زرکاش کا ساتھ اسے حاصل تھا زندگی میں سکون ہی سکون تھا۔ زرکاش کے لیے ہی اس نے خوب محنت سے اسٹڈیز کا سلسلہ جاری رکھا تھا ورنہ اس کا بس چلتا تو وہ بس دو ہی کام کرتی پہلا زرکاش کی محبت میں صبح و شام تمام کرنا دوسرا شاپنگ کرنا۔ آن لائن شاپنگ کا اسے کریز ہوچکا تھا زرکاش سخت نالاں رہتا تھا دراج عادی ہوچکی تھی اس لیے خود بھی

خیال رکھتی تھی لیکن اس کے لیے صدمے کی بات یہ چیز تھی کہ زرکاش نے اسے محبت میں صبح وشام تمام کرنے کی فرصت بھی نہیں ملنے دی تھی' اسٹڈیز کے ساتھ جانے کتنے کورس' ڈپلومہ' اسے زرکاش کی ہدایت پر کرنے پڑے تھے' اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس کتنے سرٹیفکیٹس جمع ہوچکے ہیں' حالانکہ زرکاش اپنے بزنس میں خود اتنا مصروف تھا لیکن دراج کو حیرت ہوتی تھی کہ زرکاش کو وقت کیسے مل جاتا ہے اس کی فراغت پر نظر رکھنے کا...... بہر حال یہ فائنل ایئر بغیر کسی ایکسٹرا کلاسز' کورسز وغیرہ کے گزرا تھا کیونکہ اس نے زرکاش سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب صرف کوکنگ اور سلائی کڑھائی کے کورس رہ گئے ہیں جو وہ کسی صورت نہیں کرنے والی' فائنل ایئر کے بعد بس اسے کوئی اچھی سی جاب کرنی تھی' ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرکے بس اسے زرکاش کے چہرے پر خوشی دیکھنی تھی...... اپنی کامیابیوں پر اس نے سچی خوشی صرف زرکاش کے چہرے پر ہی دیکھی تھی جیسے یہ کامیابی اس کی نہیں خود زرکاش کی ہو' دراج کو بس اسے خوشی دے کر خوشی ملتی تھی' ٹھیک ہے رائمہ اور اسد کا بھی اہم مقام تھا اس کی زندگی میں مگر زرکاش کا معاملہ سب سے الگ تھا...... ایک وہی تو تھا جو اس کے لیے بالکل نہیں بدلا تھا' روز اول کی طرح وہ آج بھی مہربان' مخلص اور خیال رکھنے والا تھا' خود سے قریب ہر فرد کی ذرا سی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھنا آج بھی اس کی فطرت میں شامل تھا' لیکن گزرے تمام عرصے میں اس نے خود کو کافی حد تک بدل لیا تھا یا پھر بے خبری میں زرکاش کی محبت کا شکار ہوجانے کے بعد اسے یہی مناسب لگا تھا کہ انہی رنگوں میں رنگ جائے جو زرکاش کو بہت بھاتے ہیں۔ گزرے تمام عرصے میں اس کی یہی کوشش رہی تھی کہ اپنی کسی حرکت یا زبان سے زرکاش کی دل آزاری نہ کرے' وہ اس قدر محتاط ہوچکی تھی کہ زرکاش کی ماں' بہنوں وغیرہ کا ذکر بھی نہیں نکالتی تھی' زرکاش کوئی ذکر کرتا تو بھی وہ صرف 'ہوں' ہاں ہی کرتی کسی بھی تبصرے سے گریز کرتی کہ مبادا کوئی سخت جملہ زبان سے نہ پھسل جائے کیونکہ یہ تو سچ ہی تھا کہ صبغہ سے لے کر شیراز تک وہ سب سے ہی الرجک تھی...... زرکاش کے لیے اسے وقت سے پہلے ہی میچورٹی اختیار کرنی پڑی تھی' وقت بے وقت کے جذبات کے اظہار محبت کے الاپ' روٹھنا' آنسو بہانہ شکوے شکایتیں یہ سب خرافات وہ بہت پہلے ہی ترک کرچکی تھی کیونکہ یہ سب زرکاش کو اس سے بیزار بھی کرسکتا تھا اور اسے ہلکا بھی' سو محتاط ہوئے زمانہ گزر گیا تھا۔

ٹھنڈی آہ بھر کر اس نے ایک نگاہ باؤنڈری پر ہی رکھے چائے کے مگ کو دیکھا جسے اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا' آج طبیعت میں اداسی کے ساتھ عجیب سوگواری بھی گھلی ہوئی تھی' پورے دو ماہ ہونے والے تھے زرکاش کو گئے ہوئے......

تین ماہ پہلے شزا کی شادی بھی ہوگئی تھی' دراج آگاہ تھی کہ شزا کو رخصت کرنے کے بعد زرکاش اور صبغہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے جائیں گے وہاں سے صبغہ کو اپنے بھائی کے پاس ٹھہرنا تھا جو اپنی فیملی کے ساتھ عرب امارات میں برسوں سے مقیم تھے' دراج کو اس بات کا سکون تھا کہ مسلسل دن رات اپنے کام میں غرق زرکاش کو کچھ دن فراغت اور آرام کے لیے مل جائیں گے' مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرکاش کے جانے کے بعد ہر دن کتنا پھیکا اور بے کیف ہوجائے گا' ایسا نہیں تھا کہ زرکاش روز ہاسٹل آجاتا تھا یا وہ ہر دوسرے دن اپارٹمنٹ پہنچ جاتی تھی...... اب تو بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ جس میں زرکاش کو ہاسٹل کے اندر آنا پڑے ورنہ صرف ویک اینڈ پر وہ اسے ہاسٹل ڈراپ کرنے ہی آتا تھا یا کبھی اسے پک بھی کرنے وہی آجاتا ورنہ تو دراج خود ہی اپارٹمنٹ پہنچ جاتی' بس اپنے پہنچنے کی اطلاع وہ زرکاش کو دے دیتی تھی اس کے بعد زرکاش جلدی پہنچے یا دیر سے دراج کو کوئی ایشو نہیں تھا' جانتی تھی کہ اپنے کام کے علاوہ زرکاش کا وقت اپنے گھر کے لیے بھی ہوتا ہے' شیراز کے جانے کے بعد زرکاش صبغہ کے لیے زیادہ حساس ہوگیا تھا' یہ بھی بہت اچھا تھا کہ شزا رخصت ہوکر بھی بہت قریب ہی تھی ورنہ صبغہ تنہائی کا شکار ہوکر پھر بیٹیوں کے ساتھ مل کر زرکاش کی شادی کا شور اٹھا دیتیں' حالانکہ پچھلے پانچ سال میں یہ شور پہلے بھی چند بار اٹھ چکا تھا' جسے زرکاش نے کس طرح دبایا' یہ وہی جانتا تھا' دراج

کو اس کے گھر کے معاملات سے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی' جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ شزا نے صاف یہ آرڈر پاس کر دیا تھا کہ اس کی شادی میں دراج کو انوائیٹ ہرگز نہ کیا جائے' تب سے ہی شزا کے یہ جملے دراج کی ان سب سے نفرت اور بیزاری کو دوام بخش گئے تھے ورنہ تو اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ جس انسان کا بھی تعلق زرکاش سے ہے اس کی وہ عزت کرے گی' لاکھ رنجش کے باوجود سامنا ہونے پر بھی زرکاش کی ماں بہنوں کے خلاف کوئی بات نہیں کرے گی مگر شزا کے غرور نے اسے پھر پٹری سے اتار دیا تھا' صبغہ نے بڑے جتانے والے انداز میں رائمہ کے سامنے اپنی بیٹی کے یہ جملے دہرائے تھے وہ بھی شادی کی تقریب کے دوران' خیر' کوئی اور موقع ہوتا تو بھی رائمہ خاموش ہی رہتی مگر یہ بات وہ دراج سے نہیں چھپا سکی تھی' دراج نے جب اس بات کی تصدیق زرکاش سے چاہی تو وہ کوئی تصدیق یا تردید سے احتراز کرتا بات کو ہی ٹال گیا تھا' اگر وہ پہلے والی دراج ہوتی تو زرکاش کے سامنے شزا کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیتی...... مگر خاموشی سے اس بات کو جانے دیا تو صرف اس لیے کہ وہ زرکاش اور اپنے تعلق کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی...... ورنہ یہ اندازہ تو رائمہ اور زرکاش دونوں کو ہی تھا کہ شزا کے بیان سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا' دراج خود اس کی شادی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیتی جیسے کہ اس نے شذرا کی شادی کے وقت انکار کیا تھا' زرکاش نے بھی اس بار کوئی اصرار نہیں کیا تھا اور پھر شادی پر شیراز کی آمد بھی ہو رہی تھی غالباً وہ بھی اس خوشی کے موقع پر کوئی بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔

باؤنڈری سے بازو ہٹاتے ہوئے اس نے سر جھٹک کر ان بیکار سوچوں سے خود کو نکالا تھا' اس کی سرسری نگاہ ہاسٹل کے گیٹ پر ڈھلتی شام پر ٹھہر گئی تھی' گیٹ سے اندر داخل ہوتے شخص نے صرف اس کی ہی نہیں قرب و جوار میں موجود سب ہی صنف نازک کی بصارتوں کو اپنی سمت کھینچ لیا تھا' بلیک جینز اور ڈارک میرون شرٹ میں ملبوس دراز قامت شخص کی پرسنیلٹی شاندار تھی' الوداع کہتی نرم سنہری شام میں اس کے سادہ مگر منفرد اسٹائل میں سنورے سیاہ نرم بال چمکنے کے ساتھ ساتھ کچھ بھیگے بھیگے بھی لگ رہے تھے' ڈارک میرون شرٹ کی سلیوز کو اس نے کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ کر رکھا تھا' اس کی مضبوط کلائی میں برانڈ رسٹ واچ سج رہی تھی' اس کے تیکھے نقوش' جاذب نظر چہرے پر سج کر سیاہ سن گلاسز کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہے تھے' وہ ہاسٹل کے اندرونی حصے میں غائب ہوا تو دراج جیسے ہوش میں آئی تھی' تقریباً بھاگتی وہ واش بیسن تک گئی' رگڑ رگڑ کر ہاتھ منہ دھونے کے بعد وہ ڈریسنگ کے سامنے عجلت میں اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی جب ہاسٹل کی ہی اس کی وہ دونوں دوستیں علجت میں روم میں داخل ہوئی تھیں۔

''دراج...... جلدی آجاؤ تمہارے کزن آئے ہوئے ہیں۔'' ان میں سے ایک پھولی سانسوں کے درمیان شور مچاتی اسے مزید ہواس باختہ کر گئی تھی۔

''جا رہی ہوں' تھوڑا بن سنور لوں' کچھ تو اچھی لگوں۔'' بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑتی وہ بولی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ میرے سامنے موجود ہیں...... آپ نے تو کہا تھا کہ ایک ہفتہ اور لگے گا واپس آنے میں...... اب اچانک آ گئے' مجھے بتایا کیوں نہیں......؟''

''ویسے ہی تمہیں تنگ کرنے کے لیے غلط بیانی کی تھی ایک ہفتے والی...... اور آنے سے پہلے تمہیں اطلاع کر دیتا تو تمہاری یہ خوشی اور والہانہ انداز کہاں ملتا۔'' زرکاش نے مسکراتے ہوئے بغور اس کے جھلملاتے چہرے کو دیکھا۔

''آپ بس اب بیٹھ جائیں' اتنی جلدی نہیں جانے دوں گی آپ کو۔'' اس کا بازو تھام کر بٹھاتی وہ خود بھی قریب بیٹھی تھی۔

''پہلے یہ بتائیں آپ کے لیے چائے لاؤں یا کولڈ ڈرنک۔''

''فی الحال کچھ بھی نہیں' بس تمہیں ملنے آیا ہوں سر پر پیر رکھ کے' مجھے سامنے دیکھ کر تم جس بے تابی اور گرم جوشی سے مجھ

تک آئیں اور جو خوشی مجھے تمہارے چہرے پر نظر آرہی ہے اس نے مجھے میری ہی نظروں میں بہت اہم بنادیا ہے' تمہاری ایک یہی عادت بھی مجھے بہت پسند ہوا کرتی تھی کہ میرے لیے تم اپنے جذبات چھپا کر نہیں رکھتی......"
"پسند ہوا کرتی تھی...... سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا اب میری یہ عادت ختم ہوگئی ہے؟" دراج نے مسکراتے ہوئے بات کاٹی۔
"ہاں تو اور کیا...... اب تو تم اظہار کے معاملے میں چور ہوگئی ہو' روکھی پھیکی سی سڑی ہوئی گرل فرینڈ کی طرح نہ اب میرے لیے آنسو بہاتی ہو' میرے ہاسٹل نہ آنے پر غصہ بھی نہیں کرتیں' ناراض بھی نہیں ہوتیں' ضد بھی نہیں کرتیں' نہ ہی اب یہ بتاتی ہو کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔" زرکاش مسکراہٹ چھپائے بولتا اسے کھلکھلانے پر مجبور کر گیا تھا۔
"آپ ہی چاہتے تھے کہ میں ایسی روکھی پھیکی سڑی ہوئی بن جاؤں......"
"بالکل بھی نہیں' میں تو آج تمہیں پہلے والی جون میں دیکھ کر بہت مس کر رہا ہوں اس دراج کو...... اور سوچ رہا ہوں آگے بھی منظر سے اسی طرح غائب ہوتا رہوں گا تاکہ تمہیں اتنا ایکسائٹڈ دیکھ سکوں۔"
"ہرگز نہیں' ایسا سوچیے گا بھی مت آپ کے تائی امی کے ساتھ عمرہ پر جانے کی خوشی میں' میں یہ بھی بھول گئی کہ اتنے دن آپ کے بغیر کیسے رہوں گی مگر اب کہیں جانے کا ارادہ بھی مت کیجیے گا۔" وہ فوراً بولی۔
"میرا خیال ہے کہ آخری دو دن کے علاوہ دو ماہ میں ایسا کوئی دن نہیں گزرا جس میں تم سے تفصیلی بات نہ ہوئی ہو۔" زرکاش نے یاد دلایا۔
"ظاہر ہے' یہاں میرے علاوہ کون ہوسکتا ہے آپ کے ہر منٹ کی خیر خبر رکھنے والا۔" وہ مسکرائی۔ "تائی امی تو بہت خوش ہوں گی عمرہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل کرکے......؟"
"ہاں یہ تو سچ ہے' ان شاء اللہ ان کی حج کی خواہش بھی پوری ہوگی...... جانتی ہو وہاں میں نے اپنے اور تمہارے لیے بہت دعائیں اللہ سے مانگی ہیں' ان کے قبول ہونے کا یقین بھی ساتھ لے کر آیا ہوں۔"
"اندازہ ہو رہا ہے آپ کے چہرے سے۔" وہ سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
"امی مکمل ارادہ کرکے آئی ہیں کہ اب ہر صورت میری شادی کروانی ہے...... سمجھ نہیں آرہا اس بار کیسے اس معاملے کو ٹالوں گا......" زرکاش کے بتانے پر وہ خاموش رہی تھی حالانکہ زرکاش منتظر تھا کہ وہ کچھ کہے گی مگر اس کی خاموشی پر زیادہ حیران بھی نہیں ہوا تھا' دراج جو کبھی اس سے شادی کر لینے کے اصرار کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی اب کافی وقت گزر گیا کہ اس نے شادی کا ذکر تک کرنا چھوڑ دیا تھا' جب جب گھر میں زرکاش کی شادی کا موضوع زور پکڑتا وہ ضرور دراج کو بتاتا مگر اس کی خاموشی یا موضوع بدل جانا زرکاش کو الجھا دیتا تھا' کہیں نہ کہیں وہ منتظر رہنے لگا تھا کہ دراج کبھی تو پہلے کی طرح اس سے شادی کرنے پر اصرار کرے مگر......
"زرکاش...... آپ ایسے ہی آگئے خالی ہاتھ میرے لیے کچھ بھی نہیں لائے؟" اچانک یاد آنے پر دراج نے صدمے سے پوچھا۔
"ایسا کیسے ہوسکتا ہے...... سب ابھی نہیں لاسکتا تھا' صبح ہی تو واپس آیا ہوں' سامان ابھی پیک رکھا ہے آرام کرنے کا موقع بھی نہیں ملا' شذرا کو ریسیو کرنے ایئرپورٹ جانا پڑا' اسے گھر چھوڑ کر ہاتھ لے کر سیدھا یہاں آیا ہوں...... دیکھو بال بھی گیلے ہو رہے ہیں' آئینے میں شکل دیکھنے تک کا موقع نہیں ملا' مجھے۔"
"اب یہ مت کہیے گا کہ جلدی جانا ہے۔" دراج خفت سے ٹوک گئی۔
"کہنا تو پڑے گا' تمہیں اندازہ ہوگا کہ گھر پر سب جمع ہو رہے ہیں' میرا ابھی وہاں ہونا ضروری ہے۔ ایسا کرتے ہیں

کل شام ریڈی رہنا' تمہیں پک کرتا ہوا لے جاؤں گا اپارٹمنٹ' کل شام کا سارا وقت تمہارا' اپنا سامان بھی چیک کرلینا' تم نے جو لسٹ دی تھی اس کے مطابق ہرگز نہیں ہے' پہلے سے بتا رہا ہوں' چیس چیس مت کرنا' تم جانتی ہو کاسمیٹکس وغیرہ سے مجھے الرجی ہے۔" تاکید کرتا وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا ضرورت تھی پھر آج آنے کی' کال کردیتے میں کل پہنچ جاتی اپارٹمنٹ۔" اس کے شدید خفت زدہ انداز پر زرکاش نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"اگر میرے لیے یہ کرنا آسان ہوتا تو میں واپس آتے ہی پاگلوں کی طرح یہاں دوڑا نہیں آتا...... اتنے دن بعد تمہیں قریب سے دیکھا ہے' کیا محسوس کررہا ہوں' بتا نہیں سکتا' تم سے دور تمہیں دیکھے بغیر رہنا میرے لیے بھی بہت دشوار ہے یہ تم بھی جانتی ہو۔" اس کے گمبھیر لہجے اور پُرحدت نگاہوں نے دراج کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کردیا تھا۔

"یہی سننا چاہ رہی تھیں تم......؟" اس کے گڑبڑانے پر زرکاش نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا' جواباً وہ اثبات میں سر ہلاتی ہنسی نہیں چھپا سکی تھی۔

❁......❁......❁

وہ فضائی فورسز کا ایک اہم دن تھا' دریا کے کنارے یہ خاص تقریب منعقد کی گئی تھی' سرکاری اور غیر سرکاری فضائی اداروں کے ہوا باز آج اپنے انوکھے کمالات کے ذریعے فضائیہ کو خراج تحسین پیش کرنے والے تھے' آج ان تمام پائلٹس کے لیے بھی یہ دن زیادہ اہم تھا جن کی ٹریننگ مکمل ہوچکی تھی اور آج وہ شائقین کے سامنے اپنی مہارت کا عملی نمونہ پیش کرنے جارہے تھے' اس تقریب میں آرمی آفیسرز فلائٹ کوچز اور پائلٹس کی فیملیز موجود تھیں' لوگوں کی کافی تعداد ساحل پر موجود تھی اور کافی تعداد ان دو بحری جہازوں پر موجود تھی جن کو بطور خاص آج دریا میں اتارا گیا تھا۔ جہاز کے عرشے پر وہ اپنے ہینڈی کیم کو سیٹ کررہا تھا جب ایک ناگوار آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"جبران...... کتنا وقت لگنا ہے یہاں......؟ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گا' کہا بھی تھا میں نے کہ میں یہاں نہیں آنا چاہتا مگر لے آئے زبردستی......"

"شہرام...... ابھی تو ہم یہاں پہنچے ہیں تو کم از کم موڈ تو اچھا رکھیے۔" سحر زچ ہونے والے انداز میں بولیں۔

"کچھ بھی ہوسکتا ہے یہاں...... یہ جانتے ہوئے بھی تم میرے موڈ کی بات کررہی ہو۔" شہرام غصیلے انداز میں بولے۔

"بھائی...... یقین رکھیے کچھ ایسا نہیں ہوگا جس کا اندیشہ آپ کو ہے' اس کی ٹریننگ مکمل ہوچکی ہے' اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی' آج آپ کو یقیناً اس پر بہت فخر ہوگا۔" جبران کا لہجہ پُریقین تھا۔

"کیا خاک فخر ہوگا...... پہلے اس کی ٹریننگ نے میری جان سولی پر چڑھائے رکھی تھی اور اب تم مجھے یہاں کھینچ لائے ہو اس کے اسٹنٹس دکھا کر میرا خون خشک کروانے کے لیے۔" شہرام ہنوز برہم ہی تھے۔

پہلے بہت سے ایئر کرافٹس ایک ساتھ فضا میں نمودار ہوئے تھے پھر ان کی پوزیشنز بدل گئی تھیں' آڑھے ترچھے' اوپر نیچے اڑان بھرتے' اس کے بعد جنگی طیاروں کے شور سے فضا گونجنے لگی تھی جنہیں پائلٹس نے بڑی مشاقی سے کنٹرول کیا ہوا تھا۔ شائقین کے لیے یہ مناظر بہت دلچسپ اور پُرجوش کردینے والے تھے۔ خوشگوار صبح کی نرم سی دھوپ اور کھلے آسمان پر نمودار ہوتے ان تمام چمکتے ہوئے سیاہ رنگ کے ہیلی کاپٹرز نے شائقین کی توجہ کھینچ لی تھی' ویڈیو ریکارڈنگ کرتے جبران کے کیمرے کا فوکس وہ ہیلی کاپٹر تھا جس پر سرخ رنگ بھی نمایاں تھا' دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہیلی کاپٹرز نے اس سیاہ و سرخ ہیلی کاپٹر کو گھیرے میں لے لیا تھا' اسی پوزیشن میں آگے بڑھتے ہوئے وہ سب دریا کی سطح سے اب

زیادہ فاصلے پر نہیں تھے پھر اچانک ان ہیلی کاپٹرز کے درمیان میں موجود سیاہ و سرخ رنگ کا ہیلی کاپٹر اس گھیرے سے نکلتا ایک جھٹکے سے دریا کے بہتے پانی کی سطح سے ٹکراتا‘ پانی پر چلتا چلا گیا تھا‘ باقی ہیلی کاپٹرز اسی سرکل پوزیشن میں پانی کی سطح سے اوپر تقلید میں رہے تھے‘ عرشے پر موجود شہرام سانس روکے بس اس سرخ و سیاہ رنگ کے ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے تھے جو بڑی مہارت سے پانی کی سطح پر پھسلتا دور تک گیا تھا اور پھر دوبارہ اڑان بھرتا باقی ہیلی کاپٹرز سے جا ملا تھا...... فضا میں شائقین کی پُرجوش آوازوں اور تالیوں کا شور جاری تھا کیونکہ وہ تمام ہیلی کاپٹرز بہت زبردست پوزیشن میں اب ایک ساتھ پانی پر چل رہے تھے۔

اس کھلے علاقے کی ریتیلی زمین پر ہیلی کاپٹرز نے لینڈ کیا تھا‘ کاک پٹ سے باہر آتا وہ تیز قدموں سے ان تینوں کی جانب بڑھنے لگا تھا جو اس کے ہی منتظر تھے...... ناراضگی کے باوجود شہرام اس پر سے اپنی نگاہ نہ ہٹا سکے تھے‘ اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے پودے کو پھلتے پھولتے دیکھنا ان کے لیے بھی باعث فخر اور خوشی تھا‘ بس انجانے خوف اور خدشات ان کو لاحق رہتے تھے‘ یہ وہی جانتے تھے کہ یہ دن دیکھنے کے لیے انہوں نے کتنی ریاضت کی تھی‘ جس کے لیے کبھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا بھی ناممکن تھا آج اس کے مضبوط قدموں سے زمین گونج رہی تھی‘ جس کی رفتار سمندروں کو‘ ہواؤں کو تسخیر کرنے والی تھی۔

خاکی یونیفارم اس کی دراز قامت پر سج رہا تھا‘ کشادہ پیشانی پر تیز ہوا سے شہد رنگ بال بکھر رہے تھے‘ سرخ و سفید چہرے پر خوشی سے بھرپور مسکراہٹ جگمگا رہی تھی آگے بڑھ کر جبران نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

”بھائی کو ابھی راضی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مان جاؤں گا تمہیں۔“ جبران نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے چیلنج کیا۔

”وہ یہاں تک آ گئے کیا یہ کامیابی کم ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”عرش...... سب سے پہلے میرا شکریہ ادا کرو‘ میری سپورٹ اور سفارش سے تم یہ کامیابی حاصل کر سکے ہو۔“ سحر چہکتے ہوئے انداز میں بولیں۔

”یہاں نہیں بھابی...... اوپر لے جا کر شکریہ ادا کروں گا آ جائیں‘ بس ایک فلائٹ۔“ اس کی اچانک دعوت پر سحر نے دہل کر چیختے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا تھا۔

”ہرگز نہیں‘ میرے بچوں کو ابھی میری ضرورت ہے۔“

”بھابی...... یہ بہت چالاک ہے‘ آپ کو اوپر ہی چھوڑ آئے گا اور بھائی کو راضی کرنے کے لیے دوسری بھابی لے آئے گا۔“ جبران نے مسکراہٹ چھپا کر ایک نظر شہرام کو بھی دیکھا جن کے تاثرات بدستور تنے ہوئے تھے۔

”تمہارے اور تمہارے بھائی کے ارمان یونہی دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔“ سحر نخوت سے بولیں۔

”بھائی یہ نہیں چھوڑیں گی آپ کی جان......“ عرش ہنستے ہوئے ان کے گلے سے لگا تھا جو خشمناک نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”ان کو کیا بتا رہے ہو‘ جانتے ہیں یہ بھی‘ تم بس ان کو یہ تسلی کروا دو کہ تم زندہ سلامت زمین پر آ چکے ہو۔“ سحر بولیں۔

”میں بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑا ہوں آپ کے سامنے بھائی...... مجھے پتہ ہے آج آپ مجھ سے بہت خوش ہوئے ہیں تو کیا ضروری ہے ناراضگی ظاہر کرنا؟“ مسکراتی نظروں سے شہرام کو دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

”ایڈونچر کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالتے ہو اور پھر میری ناراضگی پر سوال اٹھاتے ہو......“ شہرام اپنی ناراضگی میں اور بھی جانے کیا کہہ رہے تھے جبکہ وہ دور قطار میں کھڑے ہیلی کاپٹرز کو دیکھتا بس یہی سوچ رہا تھا کہ یہ سب

کوئی ایڈونچر نہیں ہے' یہ کسی کا خواب' کسی کی شدید خواہش ہے' جس کی چاہ میں وہ ایک عرصے تک زمین پر بھٹکتے بھٹکتے اب آسمان کو چھاننے کے لیے بھی کمربستہ ہے' زمین سے آسمان تک پھیلی خواہشوں اور خوابوں کی ان بھول بھلیوں میں ہی تو کہیں اسے ملنا ہے...... ایک اسی یقین کے سہارے تو وہ اب تک جانے کتنی بار خود کو سمیٹتا' جوڑتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

حالانکہ کمپنی کی گاڑی ہاسٹل کے گیٹ پر اسے ڈراپ کرتی گزرتی تھی مگر آج بھی وہ ہاسٹل سے ذرا فاصلے پر اتر گئی تھی' کبھی کبھی بے وجہ ہی چلتے رہنا اچھا لگتا ہے' آج کی شام بھی بہت سہانی تھی' ابر آلود آسمان' خوشگوار ہوائیں' عجلت میں اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں لوگ' کچھ دیر پہلے ہونے والی ہلکی پھوار نے ہاسٹل کی طرف جاتی سڑک کو بھی بھگو دیا تھا' فضا میں سوندھی مہک رچ بس گئی تھی' گہری سانس بھر کر اس نے سوندھی مہک کو اپنے اندر جذب کیا تھا' پتہ نہیں وہ اپنی زندگی سے واقعی مطمئن تھی یا اس نے سمجھوتا کرلیا تھا' وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کرپائی تھی اس معاملے میں۔

ہاسٹل سے چند قدم کے فاصلے پر موجود اخبار کے اسٹال پر معمول کی طرح رکتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سڑک کے دوسری جانب کھڑی گرے سوک کو دیکھا تھا' یہ گاڑی بہت عرصے سے اسے کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی تھی' اکثر تو یہیں جہاں وہ اس وقت موجود تھی' اب وہ عادی ہوچکی تھی' اتنا فاصلہ ہمیشہ ہوتا تھا کہ وہ کبھی یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ اس گاڑی میں ایسا کون فارغ انسان موجود ہے جو یقیناً اس کے ہی تعاقب میں ہے...... البتہ اسے بس یہ اندازہ ضرور تھا کہ گاڑی کے اندر جو بھی ہے' کوئی مرد ہی ہے...... اس خاموش تعاقب نے کبھی اس کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا تھا اس لیے وہ پہلے کی طرح اب ہراساں نہیں ہوتی تھی' اب تو یہ ہوتا تھا کہ دو دن اگر اسے وہ گاڑی کہیں نظر نہ آئے تو اسے بہت عجیب لگتا تھا۔ شام کا اخبار معمول کی طرح اس نے لیا تھا' اخبار کا رول بناتے ہوئے اس نے ایک آخری نگاہ گرے سوک پر ڈالی اور ہاسٹل کے گیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی...... گارڈن میں کافی لڑکیاں موسم انجوائے کرتیں خوش گپیوں میں مشغول تھیں' کچھ آوازوں نے اسے بھی متوجہ کیا تھا' جواباً وہ بھی ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو وش کرتی اخبار کی طرف متوجہ ہوگئی تھی' روم تک پہنچتے ہوئے کم از کم ہیڈ لائنز تو پڑھی جاسکتی تھیں۔ اپنے روم میں داخل ہوتے ہوئے اندر بکھری خوشبوؤں نے اسے حیران کردیا تھا' کاسنی رنگ کے دیدہ زیب لباس میں بڑی سج دھج کے ساتھ دراج قیامت بنی کھڑی تھی۔

''تم ابھی تک یہیں ہوگئی نہیں؟ یہ مجھے کیوں اتنے غصے میں گھور رہی ہو؟'' بیگ بیڈ پر رکھ کر چادر اتارتے ہوئے اس نے حیرت سے دراج کو دیکھا تھا جواب پہلو پر ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

''اپنے سست الوجود باس سے زیادہ سست تم ہو' اتنی دیر لگادی آنے میں' رات میں نے کہا بھی تھا کہ جلدی آنا مجھے ہیئر اسٹائل تم سے بنوانا تھا' تمہارے انتظار میں چائے بھی رہ گئی میری...... اب جلدی چینج کرکے آؤ میں چائے ریڈی کرتی ہوں' دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا میں نے......'' اس کے ہاتھ سے چادر لے کر تہہ لگاتی وہ عجلت میں بولی تھی۔

''سر کے آنے اور ان کے ساتھ جانے کی خوشی میں تم کھانا بھول گئیں تو یہ بھی میرا ہی قصور ہے...... ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سر یعنی زرکاش بھائی یعنی کہ تمہارے بوائے فرینڈ وغیرہ وغیرہ ابھی اپنے آفس میں ہی ہیں۔''

''کیا بول رہی ہو تم......'' دراج نے صدمے سے اسے دیکھا جو اپنی اور دراج کی مشترکہ وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالتی اس کے تاثرات پر ہنسی تھی۔

''اتنے دن بعد آج وہ اپنے آفس پہنچے تھے' ظاہر ہے پڑے ہوں گے کام پینڈنگ میں...... ورنہ بقول

تمہارے ہم سب ایمپلائز ہیں تو اپنا خون پسینہ بہا کر کمپنی چلانے کے لیے' باس تو سب ہر تین ماہ بعد نئی گاڑیاں بدلنے اور بینک بیلنس بڑھانے کے لیے ہیں.....'' مسکراتی نظروں سے دراج کے بیزار تاثرات دیکھتی وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

چائے اور سینڈوچز سائیڈ ٹیبل پر رکھتی دراج اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو کاٹن کے ڈھیلے ڈھالے سے لباس میں دوپٹے سے بھیگا چہرہ تھپتھپاتی اس کی طرف آ رہی تھی۔

''آ جاؤ پہلے بال بنوالو زرکاش بھائی پہنچ گئے ابھی تو مجھ پر لعنت بھیجتی ہوئی جاؤ گی۔''

''بس رہنے دو آ جاؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی' پہلے ہی اتنی تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔'' دراج کے خشمگین لہجے پر وہ مسکراتے ہوئے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

''یہ تم آج اتنی تیاریوں کے ساتھ گھر تو نہیں جا رہیں زرکاش بھائی کے ساتھ..... جلدی بتاؤ' کہاں لے جا رہے ہیں وہ تمہیں؟''

''ہائے مجھے تو حسرت ہی رہ گئی کہ وہ مجھے گھر کے سوا بھی کہیں اور لے جائیں..... مگر مجال ہے جو یہ شخص یکسانیت سے ذرا تنگ آ جائے.....'' دراج کے جلے کٹے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسی۔

''اتنے دن بعد وہ واپس آئے ہیں' سوچا تھوڑا بن سنور جاؤں' ان کی آنکھوں میں سمانے کی تھوڑی اور کوشش کروں..... یہ تو اٹل حقیقت ہے کہ تعریف میری وہ ہرگز نہیں کرنے والے' کتنے ہی سنگھار کر لو مگر ان پر ذرا اثر نہیں ہوتا۔''

''ہوگا اثر' ضرور ہوگا' صحیح وقت تو آنے دو..... ویسے مجھے پتہ ہے اثر تو اب بھی ہوتا ہوگا' اظہار تم سے نہیں کرتے وہ الگ بات ہے۔''

''تم تو چپ ہی کرو' ہمیشہ ان کی فیور میں ہی بولتی ہو' میرے دکھ نظر نہیں آتے تمہیں' اس پتھر کے پگھلنے کے انتظار میں آدھی ہو چکی ہوں۔'' دراج اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''یہ تم بھی جانتی ہو کہ تم ان کے بارے میں کافی مبالغے سے کام لے رہی ہو اس لیے مجھے مزید ہنسانے کی کوشش بے کار ہے اور اب مجھے گھورنا بند کرو' میں ان کی نمک حلال ہوں سو ان کے حق میں ہی بولوں گی۔''

''ہاں' پتہ ہے' ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتا تمہیں ضرورت ہی کیا ہے صبح سے شام تک خود کو تھکانے کی..... ڈپارٹ چلے گا نہیں جیسے تمہارے بغیر یا کمپنی بند ہو جائے گی۔'' دراج کو پھر موقع مل گیا تھا اس کی جاب سے بیزاری ظاہر کرنے کا۔

''ایسا تو بالکل نہیں ہے لیکن تم جانتی ہو کہ میں اپنی محنت سے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا چاہتی ہوں' تم پر یا زرکاش بھائی پر بوجھ بننا مجھے پہلے دن سے منظور نہیں تھا' تم دونوں نے مجھے اتنا سپورٹ کیا ہے کہ میں ساری زندگی بھی کوشش کرتی رہوں تو کبھی ان سب احسانوں کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ تمہاری وجہ سے مجھے بغیر کسی دقت کے اتنی اچھی جاب ملی ہے' اپنے ڈپارٹ کی انچارج ہوں' سب وہاں عزت کرتے ہیں' احترام دیتے ہیں' اتنے اچھے لوگوں کے درمیان کام کر کے مجھے بالکل تھکن نہیں ہوتی بلکہ اپنے اہم ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ میں کہیں بہت پیچھے نہیں رہ گئی۔ وقت اور دنیا کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں۔''

''زنائشہ..... آج تم جہاں ہو وہاں اپنی محنت کی وجہ سے ہو۔ کسی نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھ پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا ورنہ یہ ہاسٹل تو میرے لیے کسی عقوبت خانے سے کم نہ ہوتا' تمہاری وجہ سے میری تنہائی دور ہو گئی' زندگی کتنی آسان ہو گئی' تمہارے بغیر اتنا طویل عرصہ یہاں گزارنا میرے لیے ناممکن ہوتا' تمہاری وجہ سے میری زندگی میں بھی کوئی ہلچل ہے' میں بھی فخر سے کہہ سکتی ہوں کہ میرے پاس ایک بہت مخلص' ہم درد

غمگسار اور پیار کرنے والی دوست ہے۔'' دراج نے پوری سچائی سے کہا۔
''تم ہمیشہ ہی یہ سب کہتی ہو یہ تمہاری اچھی فطرت اور پیار ہے مگر میری نظر میں تم بہت خوش قسمت ہو میرے علاوہ بھی تمہارے پاس مخلص اور پیار کرنے والے لوگ ہیں' مگر کبھی کبھی میں دیکھتی ہوں کہ تم ان سب سے بدظن اور کچھ بیزار ہو جاتی ہو۔'' بغور اس کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے زنائشہ نے کہا۔
''جو رشتے قدرت کی طرف سے ہیں ان کی پاسداری اور قدر تو رکھنی پڑتی ہے...... سب کی اپنی اپنی زندگی ہے' مصروفیات ہیں' میں کسی سے بدظن یا بیزار نہیں ہوں' بس میں نے سب کو ان کے حال اور مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور خود کو بھی۔'' چائے کے سپ لیتی وہ کسی گہری سوچ کے درمیان بولی۔
''زرکاش بھائی کے بارے میں بھی تمہارے یہی نظریات ہیں؟'' زنائشہ نے پوچھا۔
''ان کے بارے میں بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے ان سے بے حد محبت ہے' ان کا جو مقام میرے دل اور زندگی میں ہے وہاں تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا...... باقی بہت سی چیزوں پر میں نے سمجھوتا کرلیا ہے۔'' اپنے ہاتھوں کو دیکھتی وہ سنجیدگی سے بولی اور پھر زنائشہ کو دیکھا۔
''تم نے اور میں نے اپنی اپنی زندگی میں سمجھوتے کیے زنائشہ تب ہی ہم اتنے مطمئن اس ہاسٹل کی چھت کے نیچے طویل عرصے سے موجود ہیں ورنہ واویلا مچانے کے لیے ہمارا ایک یہی درد مشترک ہے کہ ہم دونوں کا ہی کوئی گھر' کوئی آشیانہ نہیں۔'' دراج کے بے تاثر لہجے پر زنائشہ کے چہرے پر تاریک سایا لہرایا تھا۔
''زرکاش بھائی کا گھر بھی تو تمہارا ہی گھر ہے دراج...... وہاں کی سیاہ و سفید کی مالک صرف تم ہی تو ہو۔'' زنائشہ نے یاد دلایا۔
''یہ بات تو بجیا اور اسد بھائی بھی ہزاروں بار کہہ چکے ہیں کہ ان کا گھر میرا ہی گھر ہے...... مگر اس طرح کوئی گھر اپنا تھوڑا ہی ہو جاتا ہے۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
''زرکاش بھائی اپنا گھر عملی طور پر بھی تمہارے نام کریں گے تب تم مکمل طور پر اس کو اپنا گھر سمجھو گی......؟'' زنائشہ نے کریدا۔
''ہاں' حقیقت کتنی ہی عجیب ہو اس سے نگاہ نہیں چرائی جاسکتی' زرکاش پر بھروسہ اور بہت مان ہونے کے باوجود میں اس خدشے کو دل سے نہیں نکال سکتی کہ آج اگر میں ان کے گھر میں کھڑے ہو کر ان کی ماں' بہنوں اور بھائی کے خلاف بات کروں تو وہ منٹ نہیں لگائیں گے مجھے اپنے گھر سے باہر نکالنے میں......''
''وہ ایسا کبھی نہیں کرسکتے......''
''کرسکتے ہیں کیوں نہیں کرسکتے؟'' اس نے بھی زنائشہ کی بات کاٹ کر سوال کیا جس کا کوئی جواب زنائشہ کے پاس نہیں تھا۔
''زرکاش کی نظر میں میری اہمیت ان کے گھر والوں کے برابر تو ہوسکتی ہے مگر ان سے زیادہ نہیں' وہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر مجھے تو ایک طرف ہٹا سکتے ہیں مگر اپنے گھر والوں کو نہیں' ابھی بھی مجھے ایک طرف ہٹا کر اپنے اور میرے تعلق کو چھپا کر ہی تو رکھا ہوا ہے انہوں نے...... صرف اس لیے کہ ان کے گھر والوں کو دھچکہ اور اذیت نہ پہنچے...... ان کے گھر والوں کی نظر میں میری اوقات آج بھی بس اتنی ہے کہ میں ان کی دی گئی زکوٰۃ' خیرات پر گزارا کر رہی ہوں...... اور زرکاش نے کبھی یہ بات اپنے گھر والوں کے دماغ سے نکالنے کی کوشش نہیں کی' صرف اس لیے کہ سچ کہا تو ان کی ذات سے ان کے گھر والوں کو اذیت پہنچے گی' وہ سب ان سے بدگمان ہو جائیں گے' زرکاش بھی

میرے لیے اپنے گھر والوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔''
''تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیں؟''
''کبھی بھی نہیں۔'' جواب دینے میں دراج نے سیکنڈ کی دیر بھی نہیں کی۔
''تمہیں یہ لگتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی خاطر تمہیں چھوڑ سکتے ہیں؟''
''بس یہی تو دیکھنا ہے ایسی کوئی نوبت آنے تو دو پہلے...... میں نے ابھی کچھ کہا تو چھوٹا منہ بڑی بات ہوجائے گی' زرکاش پر بہت بھروسہ ہے مگر اس سے زیادہ یقین مجھے اپنے جذبوں پر ہے۔''
''یہ ہوئی نہ جی داری والی بات' یہی مثبت سوچ رکھنا' ذرا اچھی نہیں لگتی کڑھتے ہوئے۔'' زنائشہ نے خوشی سے کہا۔
''بس' بہت ہوگئی اب تم ان سے کہو شادی کے انتظامات کریں۔''
''میں یہ کیوں کہوں' یہ اب ان کا دردسر ہے' وہ بھی اب کہیں نہ کہیں سے شادی کا ذکر نکال کرلے آتے ہیں...... جب ان کو معلوم ہے کہ ان کو مجھ سے شادی سے پہلے اپنے گھر والوں کو راضی کرنے کا معرکہ سر کرنا ہے تو پھر مجھ سے اشاروں' کنایوں میں کیا جاننا چاہتے ہیں جبکہ پتہ بھی ہے کہ میں اتنے عرصے سے ان کے لیے ہی مری جارہی ہوں......'' دراج کے ناگوار انداز پر زنائشہ بے ساختہ ہنسی۔
''وہ یہ جاننا چاہتے ہوں گے کہ اب بھی مر رہی ہے یہ لڑکی میرے لیے یا نہیں۔'' زنائشہ ہنسی کے دوران ہی بولی۔
''اب بس کفن لپیٹنے کی ہی کسر رہ گئی ہے۔'' دراج کی بات پر زنائشہ مزید ہنسی۔
''کیوں ایسی خطرناک باتیں کررہی ہو' ابھی تو تم نے ان کے گھر کی مالکن بننا ہے' ان کو بتادو ابھی سے کہ حق مہر میں تم اپارٹمنٹ اپنے نام کرواؤ گی۔''
''ہاں' یہ بتا کر خود کو ان کی نظروں سے گرادوں...... اپنے مشورے ابھی سنبھال کر رکھو' بعد میں کام آنے والے ہیں......'' دراج شرارت سے بولی۔
''کیا مطلب ہے...... میں تو مذاق کررہی تھی' تم کیا واقعی ان سے گھر ہتھیانے کے چکر میں ہو......؟'' زنائشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
''بعد میں کام آنے والے ہیں تمہارے مشورے مگر میرے نہیں تمہارے لیے۔'' دراج نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔
''اپنی خوشی سے زرکاش مجھے کچھ بھی دے دیں...... بس زہر نہ دیں ورنہ وہ زہر میں ان کو ہی کھلا کر اگلے پچھلے سارے حساب بے باک کردوں گی۔'' وہ مزے سے بولی۔
''وہ ایسے احمق نہیں کہ تم جیسی حسین دلہن کو حق مہر میں زہر دیں گے۔'' زنائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ہو ہی نہ جاؤں کہیں میں ان کے لیے حسین وجمیل۔'' دراج بیزاری سے بولی۔
''توبہ...... کبھی ان میں خامیاں نکالنا مت بھولنا۔'' زنائشہ کے گھرکنے پر وہ کھلکھلائی۔
''وہ میری تعریف نہیں کرتے' مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کرتے' میرے ناز نخرے نہیں اٹھاتے تو میں اور کیا کروں گی' ان میں کیڑے ہی نکالوں گی......''
''اللہ کو مانو دراج...... میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری فرمائش پر رات کے دو بجے بھی ان کو آئسکریم' پزا وغیرہ یہاں پہنچاتے دیکھا ہے۔'' زنائشہ نے اسے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔
''تو احسان کیا ہے انہوں نے...... کیوں لی میری ذمہ داری انہوں نے؟ اب بھگتنے دو۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

''میرا خیال ہے تمہاری ذمہ داری ان کے سوا کوئی اور بندہ اٹھانے کی ہمت بھی نہیں کرسکتا......'' زنائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تب ہی دراج کے چنگھاڑتے فون نے دونوں کو چونکا دیا تھا' کال ریسیو کرتی وہ سرعت سے بیڈ سے اتری تھی۔
''یہ تو ہوا کے پروں پر آتے ہیں' تم نے بھی باتوں میں لگا دیا مجھے۔'' عجلت میں سینڈلز پہنتی دراج نے اسے گھورا جو ڈریسنگ سے برش اور کیچر اٹھا کر تیزی سے آ رہی تھی۔
''بڑی مہربانی......'' خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دراج نے برش اس سے لے کر بالوں میں پھیرا اور کیچر بالوں میں اٹکا لیا۔
''اتنے دن بعد زرکاش بھائی کے ہاتھ سے پکا کھانا کھانے کو ملے گا...... یاد سے لانا میرے لیے۔'' زنائشہ نے تاکید کی۔
''ضرور' یہ بھی کہنے والی بات ہے' مگر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آج میں زرکاش کے لیے کھانا پکاؤں گی......'' اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے دراج نے اس کی خوشی غارت کی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ زنائشہ کو زرکاش کی پکائی ہر ڈش بہت ذائقے دار لگتی ہے۔
''فکرمت کرو' چائنیز نہیں' آج چکن بریانی پکاؤں گی' تمہیں پسند بھی ہے۔ اب تم آرام کرو میں جلدی واپس آ جاؤں گی۔'' عجلت میں بات مکمل کرتی دراج بیگ سنبھالے باہر بھاگی تھی' مسکراتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور گیلری کی طرف آ گئی۔ گیٹ کے باہر جاتی دراج سے نظر ہٹا کر اس نے آسمان کا جائزہ لیا تھا' اڑتے پنچھیوں نے اپنے اپنے آشیانوں میں واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا' خالی ذہن اور خالی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتی وہ جانے کتنی دیر یونہی کھڑی رہی تھی' مغرب کی اذانیں بلند ہونے لگیں تو وہ بوجھل قدموں کے ساتھ پلٹ کر واپس روم میں چلی آئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ ایک ٹرسٹی ہاسپٹل تھا' جو بہت منظم طریقے سے خدمت خلق سرانجام دے رہا تھا' ہر شعبہ امراض میں مستحق مریضوں کے لیے مفت علاج کی بہترین سہولتیں موجود تھیں' مہنگے سے مہنگا ٹیسٹ' دواؤں سے لے کر ایک سرنج تک کے لیے مریضوں کو روپے خرچ نہیں کرنے پڑتے تھے' چوبیس گھنٹے ہاسپٹل کا اسٹاف مستعد رہتا تھا۔ ہمہ وقت کوالیفائیڈ ڈاکٹرز موجود رہتے' اکثریت ان ڈاکٹرز کی تھی جو کسی پرائیویٹ ہاسپٹل یا بڑے سرکاری ہاسپتال سے منسلک تھے مگر وہ سب اپنی مرضی سے ہفتے کے دو دن بلا معاوضہ یہاں اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے۔
اس ہاسپٹل میں نمبر کے حصول کے لیے لوگوں کی بڑی تعداد منہ اندھیرے ہی پہنچ جاتی تھی' اس وقت صبح کے نو بج چکے تھے' مریضوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ہر ڈاکٹر کے روم کے باہر مریضوں کا رش بڑھتا جا رہا تھا' ایسے ہی ایک روم کے باہر ایک نازک اندام لڑکی رش کو کنٹرول میں رکھنے اور باری باری انہیں ڈاکٹر کے روم میں بھیجنے کی ذمے داری نبھانے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ مریضوں میں عورتیں' مرد' بچے سب ہی شامل تھے' جب کوئی مرد چیک اپ کے لیے اندر جاتا تو اس کے ہمراہ ایک وارڈ بوائے ضرور ہوتا کیونکہ اندر لیڈی ڈاکٹر تھی۔
''آپ لوگ عقل سمجھ ہونے کے باوجود ان عطائیوں کے ہاتھوں اپنی درگت بنواتے ہیں' محنت کے پیسے الگ برباد کرتے ہیں' یہ دانت نکالنا ضروری تھا ہی نہیں' اس کی جڑیں مضبوط تھیں' اس ناتجربہ کار نے زبردستی اچھا خاصا دانت نکال لیا اور وہ بھی اس طرح کہ دانت کا ایک ٹکڑا اندر ہی رہ گیا' اب وہی تکلیف دے رہا ہے۔'' چمڑے کے بیڈ پر لیٹے درد سے کراہتے شخص کا چیک اپ کرنے کے بعد وہ اب اس کی بیوی پر برہم ہو رہی تھی۔ ''ہم یہاں آپ لوگوں کے لیے ہی بیٹھے ہیں مگر آپ لوگ خود اپنے دشمن بنے ہوئے ہیں۔'' واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھتی وہ پیپر' پین سنبھال چکی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! اس ہاسپٹل کا پہلے پتہ نہیں تھا' بس کم پیسوں کے چکر میں یہ اذیت لے لی' کل سے یہ درد سے تڑپ رہے ہیں' کھانا' پینا' سونا سب مشکل ہوگیا ہے' بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں' آپ وہ آدھا ٹکڑا ابھی دانت کا نکال دیں یا کوئی ایسی دوا دے دیں کہ درد کم ہوجائے۔'' پریشان حال عورت التجائی لہجے میں بولی۔

''ابھی جو گولی کھلائی ہے وہی فوری طور پر کام کرے گی......'' پیپر پر لکھتی وہ عورت سے مخاطب ہوئی۔

''آج صرف چیک اپ کا دن ہے' ان کو تکلیف اور سوجن بہت ہے' ایسی حالت میں دانت نہیں نکالا جاسکتا' درد ابھی کم ہونا شروع ہوجائے گا' آپ بھی ابھی یہیں رکیں تب تک' سب دوائیں یہیں سے ملیں گی' ایک ٹیبلیٹ میں اپنے پاس سے دے رہی ہوں۔'' بولتے ہوئے اس نے ٹیبل کی دراز سے ایک پیکٹ نکال کر عورت کے حوالے کیا۔ ''اس میں صرف دو ٹیبلیٹس ہیں ایک آج رات اور ایک کل رات اپنے شوہر کو کھلانا باقی دوائیں تینوں ٹائم دینی ہیں' یہ کارڈ سنبھال کر رکھنا' پرسوں ساتھ لے کر آنا اور کھانے میں صرف دلیہ' پتلی کھچڑی' جوس ہی دیجیے گا جو یہیں سے دواؤں کے ساتھ مریض کے لیے دیئے جاتے ہیں۔'' اس کی تاکید پر مشکور نظروں سے اسے دیکھتی عورت کارڈ' سلپ وغیرہ سنبھالتی اپنے شوہر کی طرف چلی گئی جبکہ وہ انتظار میں بیٹھی دوسری پیشنٹ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

شور کی آواز پر وہ ایک پیشنٹ کو چیک کرتی چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی' پیرا میڈکس اسٹاف کے ایک لڑکے کے ہمراہ بلند آواز میں ایک بابا جی بڑبڑاتے چلے آرہے تھے' سر پر صافہ لپیٹے' لمبے سے کرتے میں' جھکی کمر اور لاٹھی کے سہارے چلتے یہ بابا جی تین دن پہلے بھی اپنے پوتے کے ساتھ آئے تھے' بڑی مشکل سے انہوں نے بتیسی کا سائز دیا تھا آج کوئی ایک گھنٹہ پہلے ہی اس نے بابا جی کی رام کہانیاں سنتے ہوئے ان کے نئے دانت چیک کرکے' دانت اور بابا جی کو پیرا میڈکس اسٹاف کے حوالے کردیا تھا۔

''کیا ہوا...... دانت لگوا کر چیک کروالیے......کوئی مسئلہ......؟'' اس نے حیرت سے پوچھتے ہوئے بابا جی کو بھی دیکھا۔

''ان لوگوں نے میرے دانت بدل دیئے' یہ وہ والے دانت نہیں جو آپ نے دیئے تھے' مجھے اس پر شک ہے' اس نے میرے دانت کسی اور کو دیئے ہیں۔''

''اکبر...... کچھ کھلایا تھا ان کو' چبائیں گے تو ایڈجسٹ ہوں گے دانت۔'' مسکراہٹ چھپائے وہ استفسار کررہی تھی۔

''یہ بہت کچھ کھا بھی چکے ہیں' چبا بھی چکے ہیں مگر ایک گھنٹے سے تکرار کررہے ہیں' ماننے کو تیار ہیں نہ سمجھنے کو...... مجھے ان سے کوئی دشمنی ہے جو میں ان کے دانت بدل دوں گا۔''

''تو نے بدلے ہیں میرے دانت...... مجھے بوڑھا سمجھ کر احمق بنا رہا ہے' میں ابھی شکایت والے دفتر میں جاکر تیری شکایت کرتا ہوں۔''

گھر کی جنت

سباس گل

''دادی...... یہ آپ روز ایک دانہ گندم کا کیوں ڈال دیتی ہیں گلک میں؟ اور جمعہ کے جمعہ سات دانے چڑیوں کے آگے ڈال دیتی ہیں ایسا کیوں؟'' منال نے نسیمہ بیگم کو حسب معمول چڑیوں کو دانہ ڈالتے دیکھ کر پوچھا تو وہ اداس اور کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''میں روز ایک دانہ نہیں ڈالتی اس گلک میں بلکہ وہ دن ڈالتی ہوں اس میں جو تمہارے دادا کے بغیر گزارتی ہوں اور پھر جمعہ کو وہ سات دانے چڑیوں کو کھلا دیتی ہوں تمہارے دادا کے صدقے کے طور پر کہ چڑیاں کھا کے ان کی صحت وسلامتی کی دعا کریں گی۔''

''اور وہ جو ایک سکہ اس گلک میں ڈالتی ہیں وہ؟''

''وہ روز کا ایک روپیہ بھی تمہارے دادا کا صدقہ دیتی ہوں۔''

''اس جمعدارنی کو آئی مین کوڑے والی کو؟'' منال نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ کوڑے والی کہاں ہے وہ تو صفائی والی ہے کوڑے والے تو ہم ہیں جو کوڑا پھیلاتے ہیں اور وہ صفائی کرتی ہے۔ میں اسے وہ سات روپے دے دیتی ہوں جمعہ کے جمعہ وہ بھی ڈھیروں دعائیں دے جاتی ہے مجھے تمہارے دادا کو چند سکوں میں لاکھوں' کروڑوں کی دعائیں دے جاتی ہے نصیبن (جمعدارنی)۔''

''گندم کے دانے اور کرنسی کے سکے آپ دادا جی کے نام سے دیتی ہیں' اوہ مائی گاڈ...... دادی آپ اتنی زیادہ محبت کرتی ہیں دادا جان سے؟'' منال نے تحیر آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اس عمر میں محبت گہری ہو جاتی ہے' بچے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' یا اپنے بیوی بچوں میں مگن ہو جاتے ہیں بوڑھے ماں باپ کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں ہوتا نہ توجہ نہ فرصت نہ محبت۔ ہمارا اسلام ان دونوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ بوڑھے والدین بس ان کی نظروں میں فالتو شے کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اپنی مدت میعاد پوری کرتے سامان کی طرح۔ چونکہ وہ سانس لیتے ہیں اس لیے دو وقت کی روٹی دے کر وہ سمجھتے ہیں کہ اپنا فرض ادا کر دیا۔ ماں باپ کی ہر ضرورت پوری کر دی۔''

''اسی لیے آپ اور دادا پرندوں اور پودوں سے باتیں کرتے ہیں۔'' منال نے قدرے شرمندہ ہو کر کہا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

''اور کیا کریں ہم بڈھے؟ بات کرنے کے لیے بات کرنے والا نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ ہم بڈھا بڈھی آپس میں سو باتیں کر لیا کرتے تھے۔ پرانے قصے پرانی کہانیاں زندگی میں ساتھ گزرے لمحوں کی یادیں تازہ کرتے ہمارا وقت بھی اچھا گزر جاتا تھا اور ہمیں یہ احساس بھی ایک دوسرے کے اور قریب کر دیتا تھا کہ...... ہم نے زندگی کی دھوپ چھاؤں' سرد و گرم اور تلخی' تندی' نرمی' دکھ سکھ' خوشی غمی سب ایک ساتھ دیکھا اور جھیلا ہے' سب ایک دوسرے کی سنگت میں برتا ہے' ایک دوسرے کی ہمراہی میں سارا سفر طے کیا ہے۔ بس یہی احساس ہمیں خوشی سے دوچار کر دیتا تھا۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت مزید گہری کر دیتا تھا۔ حالات کیسے بھی ہوں اچھے یا برے آپ کا ہمسفر آپ کے ساتھ مضبوط چٹان بن کر کھڑا رہے اس سے بڑی کمائی کیا ہو سکتی ہے کسی بھی رشتے کی؟''

''دادی...... آپ دادا کو بہت یاد کرتی ہیں ناں؟'' منال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا' دادی کے چہرے پر اچھی یادوں کی دھنک اور جدائی کی کسک واضح نظر آئی اسے' وہ بے کل سی ہونے لگی۔

''نہیں تو......'' نسیمہ بیگم بولیں۔ ''وہ کبھی بھولتے ہی نہیں تو یاد کیوں کروں گی بھلا؟''

''یو آر گریٹ دادی جان۔'' منال نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''آپ اور دادا جان کی میرج لائف ہم جیسے ینگرز کے لیے مشعل راہ ہے اگر ہم سمجھیں تو...... بٹ سوسیڈ دادی جان، آپ کے تو اپنے بیٹوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ کردیا۔ زخم جدائی دے دیا' کتنی تکلیف دہ بات ہے ناں دادی۔ ماں باپ اپنی دس اولادیں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خوشی خوشی محبت سے پال لیتے ہیں خود بھوکا رہ کر اولاد کا پیٹ بھرتے ہیں' خود بے آرام رہ کر اولاد کے آرام کا بندوبست کرتے ہیں لیکن اولاد ماں باپ کو ایک ساتھ نہیں پال سکتی' ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ مہنگائی بہت ہے' گھر میں ماں باپ کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اخراجات بہت زیادہ ہیں اور نہیں تو ماں باپ کی مختلف عادات کو بہانہ بنا کر اپنے روزمرہ امور میں دخل اندازی' نصیحت' مشورہ یا بات تک اولاد کو ناگوار گزرنے لگتی ہے اور یہی چیزیں بنیاد بنا کر ماں باپ کا بھی بٹوارہ کردیا جاتا ہے' انہیں ایک دوسرے سے جدا کردیا جاتا ہے افسوس صد افسوس۔'' منال نے تاسف بھرے لہجے میں سنجیدگی سے کہا تو نسیمہ بیگم کو اپنی بائیس سالہ پوتی پر بہت حیرت ہوئی' انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بارے میں اتنی حساس ہے حقیقت اور حالات کا ادراک رکھتی ہے۔

''ہاں بیٹی' افسوس ہی کیا جاسکتا ہے اس سب پر احساس کیا جاتا تو یہ سب نہ ہوتا ہم بڈھا' بڈھی کے ساتھ۔'' نسیمہ بیگم گہرا سانس لے کر کرب آمیز لہجے میں بولیں۔

''تمہارے دادا کی پنشن میں ہم دونوں 'جی' گزارہ کرلیتے' دو وقت کی روٹی ہی تو کھاتے' بیٹے کے گھر سے ایک کمرے میں ہم دونوں پڑے رہتے۔ اتنے کون سے خرچے تھے ہمارے کہ کوئی بیٹا ہم دونوں کو ایک ساتھ اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں تھا۔ سال ہونے کو آیا اس جدائی کو ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے مہینوں ہماری ملاقات

نہیں ہو پاتی۔ ان کی (دادا) صحت دن بدن گرتی جارہی ہے۔ نوفل (پوتا) بتارہا تھا کہ دادا تو کھانا بھی کبھی کھاتے ہیں کبھی سارا دن بھوکے رہتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ بیٹی! اس بڑھاپے میں وہ کھانا نہیں کھائیں گے‘ بھوکے رہیں گے تو کمزوری اور بیماری نہیں آن گھیرے گی انہیں؟‘‘

’’ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔‘‘ منال نے سر ہلا کر کہا۔

’’نہ میں ان کے پاس جاکے رہ سکتی ہوں کہ ان کا خیال رکھ لوں کیونکہ بہو بیٹا ناراض ہوں گے‘ برا منائیں گے کہ کیا ہم ابا جی کا خیال نہیں رکھتے‘ آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے۔ نہ ہی تمہارے دادا یہاں آسکتے ہیں کہ یہاں بھی بہو بیٹے کو اعتراض ہوگا باپ کے لیے جگہ اور خرچہ نہیں ہے ان کے گھر میں۔ سو دونوں چپ سادھے اپنی اپنی مقرر کردہ حدود میں قید ہیں۔‘‘ نسیمہ بیگم نے پُرنم لہجے میں کہا ان کا دل بہت دکھی ہورہا تھا۔ جبھی آج پوتی کے ایک سوال پر دل میں سلگتی دکھ کی بھڑاس اس کے سامنے نکال دی۔ منال نے دل سے ان کا دکھ درد اور کرب محسوس کیا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہورہا تھا کہ دادا دادی کے ساتھ کتنا غلط ہورہا ہے‘ دادی کے چہرے پر دکھ‘ اذیت اور بے بسی کی جھریاں کتنی گہری ہوگئی تھیں یہ اسے آج نظر آیا تھا۔ ان کے کمزور دل کو شریک حیات کی جدائی اپنی زندگی میں ہی سہنا پڑرہی تھی۔ اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہوسکتا تھا ان کے لیے؟‘‘ منال کی آنکھوں میں دکھ سے آنسو آگئے وہ ایک دم سے دادی کے گلے سے لگ گئی۔

’’دادی جان...... آپ دکھی مت ہوں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا اور میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی‘ آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا پاپا تایا نے میں بات کروں گی ان سے۔‘‘

’’نہ بیٹی تم ایسا کچھ نہیں کروگی۔ خاموش جھیل میں کنکر پھینکوگی تو طوفان آجائے گا اور اب ہم بوڑھوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ کسی طوفان کا سامنا کرسکیں۔ دم نکلنے سے پہلے ہی دم نکلنے کی اذیت تو ہم دونوں ہی سہہ رہے ہیں۔ مزید کوئی بار پڑا تو چاروں شانے چت ہوجائیں گے اور تم بیٹھ کے روتی رہنا۔‘‘ نسیمہ بیگم نے اسے فوراً منع کرتے ہوئے اذیت ناک لہجے میں کہا۔

’’روئیں ہمارے دشمن‘ یہ سب مزید ایسے نہیں چلے گا دادی۔‘‘ منال نے پُرسوچ انداز میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ نسیمہ بیگم کو تشویش لاحق ہونے لگی کہ نجانے وہ کیا کرنے والی ہے؟

O......O......O

وحید حسین اور نسیمہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ نسیمہ بیگم اپنے وقتوں کی میٹرک پاس تھیں اور ایک مڈل اسکول میں شوقیہ پڑھایا کرتی تھیں۔ وحید حسین ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ڈبل ایم اے کرنے کے بعد انہیں کالج میں ملازمت مل گئی تھی اور وہ طلباء کو نفسیات پڑھایا کرتے تھے۔ وحید حسین سے شادی کے بعد نسیمہ بیگم نے اسکول کی ملازمت چھوڑ دی تھی اور اپنی ساری توجہ اپنے گھر‘ شوہر اور سسرال پر مرکوز کردی تھی۔ شادی کے پہلے سال انہیں اللہ تعالیٰ نے خوب صورت اور صحت مند بیٹے سے نوازا۔ جس کا نام انہوں نے اپنے والدین کی مرضی سے ولید حسن رکھا۔ ڈیڑھ برس بعد نسیمہ بیگم کو اللہ نے نوید کی صورت میں ایک اور بیٹا عطا کیا۔ ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ ان کی فیملی مکمل ہوگئی تھی۔ نسیمہ بیگم کو بیٹی کی خواہش تھی‘ وحید حسین انہیں سمجھایا کرتے کہ بیٹوں کی شادیاں ہوں گی تو گھر میں بہوئیں آجائیں گی انہیں اپنی بیٹی مان لیجیے گا۔ نسیمہ بیگم بھی اسی خیال سے خوش ہوجایا کرتیں۔ وقت گزرتا گیا‘ وحید حسین اور نسیمہ بیگم نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں کبھی غفلت نہیں برتی‘ بیٹوں کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت اور خواہش کو پورا کیا۔ انہیں اعلیٰ اسکول‘ بہترین کالج اور شاندار یونیورسٹی میں تعلیم دلوائی۔ وحید حسین نے ٹیوشن بھی پڑھائی تاکہ ان کے بیٹے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اعلیٰ عہدوں اور اونچے مقام پر فائز ہوں اور ان کے ساتھ ساتھ ملک کے لیے فخر کا باعث بنیں۔ ولید اور نوید انجینئر اور چارٹرز اکاؤنٹنٹ بن گئے۔ ان کی شادی بھی ان کی پسند کی لڑکیوں سے کرائی گئیں کہ

وحید حسین اور نسیمہ بیگم کو اپنے بیٹوں کی ہر خوشی اور خواہش عزیز تھی۔ جب تک وحید حسین کالج میں جاب کرتے رہے گھر کے اخراجات وہی چلاتے رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ولید اور نوید گھر کا خرچہ چلانے لگے تو آئے روز گھر میں جھگڑا ہونے لگا۔ کبھی بجلی کا بل زیادہ آنے پر ایک دوسرے کو الزام دیا جاتا تو کبھی پسند کا کھانا نہ پکنے پر طعنے دیئے جاتے۔ گاڑی ایک تھی اس پر بھی جھگڑا رہتا کہ ولید کو ضروری جانا تھا کہیں تو نوید گاڑی لے کر چلا گیا۔ کھانے کی میز پر ایک دوسرے سے گلے شکوے کیے جانے لگے۔ روز کوئی نہ کوئی بنا کھانا کھائے میز سے اٹھ کر چلا جاتا اور نسیمہ بیگم اور وحید حسین دل مسوس کر رہ جاتے۔ ولید اور افشاں کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا نوفل جوان دنوں انجینئرنگ یونیورسٹی میں آخری سال کی تعلیم جاری رکھے ہوئے تھا اور انس جو ایف سی کا طالب علم تھا۔ نوید اور فریال کے دو بچے تھے بڑی بیٹی منال جو ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کر رہی تھی اور اس سے تین سال چھوٹا حمزہ تھا جو فرسٹ ایئر پری میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا۔ بچے بڑے ہوئے تو اخراجات میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ تعلیمی اخراجات کافی زیادہ تھے۔ اب تک نوید اور ولید گھر کے اخراجات سے بے فکر تھے اپنی تنخواہ اپنے ہی بینک اکاؤنٹ میں جمع کر رہے تھے یا اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔ بجلی، گیس، ٹیلی فون کے تمام بلز، مکان کا ٹیکس گاڑی کا پیٹرول اور مہینے بھر کا راشن گھر کا خرچہ سب کا سب وحید حسین ہی اٹھا رہے تھے۔ مگر اب جب سے بیٹوں نے یہ بار اٹھایا تھا تب سے ہر چیز کا بیڑا ہی غرق ہوگیا تھا۔

ایک دن جھگڑا اتنا بڑھا کہ ولید اور اس کی بیوی افشاں نے الگ گھر لینے کا شوشا چھوڑ دیا۔

''الگ گھر......'' وحید حسین اور نسیمہ بیگم یہ سن کر سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے کتنے پیار سے یہ گھر بنایا تھا تاکہ سب یہاں ایک چھت کے نیچے مل جل کر ہنسی خوشی زندگی بسر کریں...... مگر یہاں تو زندگی ہی تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ کا خیال ہی اب تو خام دکھائی دے رہا تھا۔

''جی ہاں، ہم الگ رہیں یہی ہم سب کے لیے بہتر ہوگا نوید اپنی فیملی کا خرچہ اٹھائے میں اپنی فیملی کو دیکھوں گا یوں یہ روز روز کا جھگڑا اور ہر وقت کی کل کل بھی ختم ہو جائے گی۔'' ولید نے بے دھڑک ہو کر کہا۔

''ہاں یہی بہتر ہے میں اپنے بیوی بچوں کا خرچ اٹھانے کا ذمے دار ہوں کتنا کہاں خرچ کرنا ہے کیسے استعمال کرنا ہے یہ الگ رہیں گے تو سمجھ میں آ جائے گا۔'' نوید نے بھی بھائی کی تائید میں زبان کو حرکت دی تھی۔

''اور ہم میاں بیوی کہاں جائیں گے، ہم نے سوچا تھا کہ ہمارے بچے اور ان کے بچے اس گھر میں رہیں گے اکٹھے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ ہوں گے۔'' وحید حسین دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

''ابا جی...... اب یہ ممکن نہیں رہا، ہر روز خرچے پر جھگڑے ہوں اس سے اچھا ہے کہ ہم یہ گھر بیچ کر الگ الگ گھر خرید لیں۔'' ولید نے کہا تو وہ دکھ سے بولے۔

''کیا......! تم یہ گھر بیچ کر اپنا الگ گھر بنانا چاہتے ہو؟''

''ظاہر ہے ابا جی، ہمارے پاس تو اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ ہم اپنے لیے الگ گھر خرید سکیں، آپ یہ گھر بیچ کر ہمیں ہمارا حصہ دے دیں تاکہ ہم اپنا الگ بندوبست کر لیں۔'' نوید نے تیزی اور رکھائی سے کہا تو نسیمہ بیگم دکھی لہجے میں بولیں۔

''اور ہم دونوں کہاں جائیں گے؟''

''آپ دونوں ہمارے ساتھ ہی جائیں گے کیوں ولید بھائی؟'' نوید نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات کی تصحیح چاہی۔

''ہاں...... آپ دونوں ہمارے ساتھ رہیے گا کچھ دن میرے گھر، کچھ دن نوید کے گھر۔''

''میں یہ گھر نہیں بکنے دوں گی۔'' نسیمہ بیگم نے کہا۔

''امی...... یہ گھر آپ دونوں نے اپنے بچوں کے لیے ہی بنوایا تھا ناں تو اپنے بچوں کے لیے بیچنے میں کیا

پرابلم ہے؟''

''تمہارے ابا اکیلے آج تک تم سب کے اخراجات ضروریات اور خواہشات پوری کرتے آئے ہیں' انہوں نے تو کبھی ہاتھ نہیں کھینچا اپنی ذمے داریوں سے۔ ہمیشہ دوگنی محنت کی ہے تم سب کو آرام پہنچانے کے لیے۔ آج تم دونوں بھائی مل کر بھی ایک گھر نہیں چلا سکتے۔ کیا فائدہ اتنی اچھی پوسٹ پر ہونے کا آج تک اپنی تنخواہ اپنے پاس ہی رکھی ہے تم نے تو اس میں اتنا بھی نہیں جوڑ سکے کہ اپنا الگ مکان خرید سکو۔ کمال ہے بیٹا شاباش ہے۔''

''امی لیکچر سے مسائل حل نہیں ہوں گے آپ یہ گھر بیچ کر ہمیں ہمارا حصہ دیں بس۔'' ولید نے بدتمیزی کرتے ہوئے کہا سب بچے یہ سب دیکھ اور سن رہے تھے اور چپ سادھے ہوئے بیٹھے تھے۔

''تمہارا حصہ..... کون سا حصہ ہے تمہارا؟ کیا تم نے اس مکان کی تعمیر میں کوئی حصہ ڈالا تھا۔ کوئی پیسہ خرچ کیا تھا تم نے اس گھر کی تزئین و آرائش میں' جو حصہ مانگ رہے ہو؟ یہ تمہارے باپ کی دن رات کی محنت کی کمائی سے بنایا گیا گھر ہے' تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوا کر یہاں تک پہنچایا آج تک تمہارے بیوی بچوں کا خرچ اٹھایا اس کے بعد بھی تمہیں حصہ چاہیے۔ شرم آنی چاہیے تمہیں' پتا نہیں کیا کمی رہ گئی ہے ہماری تربیت میں' یہ دن بھی دیکھنا تھا ہمیں۔'' نسیمہ بیگم نے روتے ہوئے کہا ان سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔

''باپ کی جائیداد پر اولاد کا ہی حق ہوتا ہے ہم نے کون سی دنیا سے نرالی بات کی ہے اور ہم کہہ رہے ہیں ناں ہم آپ دونوں کو اپنے ساتھ رکھیں گے بالکل ویسے ہی جیسے آپ نے آج تک ہمارا خیال رکھا' ہم آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھیں گے' لیکن اگر ہم یونہی ایک گھر میں رہے تو خرچے پہ جھگڑے ہوتے رہیں گے اور رشتے نہیں بچیں گے۔'' ولید نے تیز لہجے میں کہا تو وحید حسین اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے شکست خوردہ اور آزردہ لہجے میں بولے۔

''ٹھیک ہے کوئی خریدار ڈھونڈ لو جو گھر خرید لے اور تمہاری ضرورت پوری ہوسکے۔''

''ٹھیک ہے ابا جی' میں ابھی پراپرٹی ڈیلر کو فون کرتا ہوں' میرا جاننے والا ہے ایک' وہ اس گھر کا اچھا ریٹ لگوا دے گا۔'' ولید خوش ہوکر بولا۔

''گھر کو نظر لگ جائے تو ریٹ کیسے اچھا لگ سکتا ہے۔'' وحید حسین نے دکھ سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئے۔

اور پھر 'وحید ولا' سوا کروڑ میں فروخت ہوگیا۔ نوید اور ولید نے الگ گھر خرید لیے' اکلوتی گاڑی بھی بیچ دی گئی اور نوید ولید نے اپنے اپنے موٹر سائیکل بیچ کر اور گاڑی سے ملنے والی رقم برابر تقسیم کرکے اپنے لیے الگ الگ چھوٹی گاڑیاں خرید لیں لیکن چند روز بعد ہی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا کہ نوید اور ولید ماں باپ کو اکٹھا اپنے گھر نہیں رکھ سکتے' کچھ عرصہ تو وہ آپس میں الجھتے رہے پھر وحید حسین اور نسیمہ بیگم سے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ دونوں میں سے ایک ولید کے گھر رہے گا اور ایک نوید کے گھر کیونکہ وہ دونوں ایک ساتھ ان کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتے۔ ناچار انہیں یہ کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑا اور یوں نسیمہ بیگم چھوٹے بیٹے نوید کے گھر آگئیں اور وحید حسین بڑے بیٹے ولید کے گھر بھیج دیے گئے۔ ان کے دلوں پر جو بیت رہی تھی یہ وہی جانتے تھے مگر اپنی اولاد کی آسانیوں کے لیے مسکراتے رہے تھے دونوں زندگی میں کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں گئے تھے۔ دو چار دن سے زیادہ وہ ایک دوسرے سے دور نہیں رہے تھے تب بھی ان کا رابطہ رہتا تھا' مگر اب تو رابطہ بھی مشکل سے ہو پاتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پاتے تھے کہ ملاقات کا وقت ختم ہو جاتا تھا اور وہ دونوں بظاہر سب اچھا ہے کا احساس دلاتے تھے۔ ایک دوسرے کو اور کبھی کبھار کی سب کے بیچ ہونے والی اس ادھوری اور سرسری سی ملاقات سے رخصت لیتے تھے۔ مگر دونوں بڑھاپے میں اس ہجر کے غم میں گھل رہے تھے' تنہائی اور اکیلے پن کی تکلیف سہہ

رہے تھے اس کا احساس ان کے اپنے سگے بیٹوں کو ہی نہیں تھا تو وہ کسی اور سے کیا گلہ کرتے؟

○......○......○

منال نے آج دادی کی حالت زار کا احوال جو سنا اسے محسوس بھی شدت سے کیا تھا اور کچھ سوچ کر اس نے اپنے کزن نوفل کو فون کیا۔

''زہے نصیب مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم نے مجھے خود سے کال کی۔'' نوفل اس کی آواز سنتے ہی چہکا تھا کیونکہ منال کو دل سے چاہتا تھا مگر کبھی اس احساس کا اظہار نہیں کیا تھا' اس کے سامنے' اس کے خیال میں ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا حال دل سنانے کا۔

''مجھ سے فوراً ملو آکر۔'' منال نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''رئیلی......! کب' کہاں؟'' نوفل خوش ہوکر بولا۔

''گھر کے سامنے جو پارک ہے وہاں آجاؤ' میں بھی دس منٹ میں وہاں پہنچتی ہوں۔''

''اوکے' میں آرہا ہوں۔'' نوفل خوشی سے کہتا اس کی جانب سے رابطہ منقطع ہوتے ہی باہر بھاگا۔

منال ایک خوب صورت اور ذہین لڑکی تھی۔ سرخ وسپید رنگت' مناسب قد وقامت' دلکش نین نقش کی مالک سلجھی ہوئی' بچوں کی تربیت اور پرورش میں دادا' دادی کا بڑا ہاتھ تھا۔ اسی لیے بچے سدھرے اور سلجھے ہوئے تھے مگر بڑوں کے جھگڑے میں بولنے کی جرأت کسی نے نہیں کی تھی اس خیال سے کہ دادا' دادی کو مزید باتیں نہ سننا پڑ جائیں۔ ورنہ دادی دادا کے ساتھ ہونے والے اس ناروا سلوک پر سب ہی افسردہ تھے۔ منال پارک میں بے تابی سے ٹہل رہی تھی۔ نوفل بائیک پر وہاں پہنچا۔ اسے یوں ٹہلتے دیکھا تو اس کے پاس آکر شوخ وشریر لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''اتنی بے تابی سے میرا انتظار کررہی ہو تم۔ مجھے اپنی قسمت پر رشک آرہا ہے۔''

''کیوں؟'' منال نے ناسمجھی کے عالم میں

اسے دیکھا۔
"تم نے مجھے خود کال کرکے پارک میں ملنے کے لیے بلایا...... لگتا ہے میرے دل کی آواز تم تک پہنچ گئی۔"
"بکومت۔" وہ ناراضگی سے بولی۔
"میں نے یہاں اپنی اور تمہاری باتیں کرنے کے لیے نہیں بلایا۔ کسی اور کے دل کی آواز مجھ تک پہنچ گئی ہے اس لیے بلایا ہے۔" منال اس کی شوخی نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے بولی۔
"ہوں' اندازہ تھا مجھے' میں تو یونہی خوش فہم ہو رہا تھا۔ خیر کہو کیا بات ہے؟" نوفل نے منہ بنا کر کہا۔
"دادا جان کیسے ہیں؟"
"بہت لونگ ہیں بٹ......"
"بٹ کیا؟"
"بہت لونلی فیل کرتے ہیں' بہت اداس اور سیڈ رہتے ہیں۔" نوفل نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اس نے پوچھا۔
"کیوں؟"
"آئی تھنک' انہیں دادی یاد آتی ہیں وہ کبھی ان سے الگ رہے بھی تو نہیں ناں۔" نوفل سنجیدگی سے بولا۔
"اور تم نے دادا جان کی اداسی اور تنہائی دور کرنے کے لیے کبھی کچھ سوچا نہیں؟" منال نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے استفسار کیا۔
"میں کیا سوچوں گا؟" نوفل نے کندھے اچکائے۔
"کوڑھ مغز ہو تم۔" منال نے اسے گھورا۔
"دادا' دادی نے ہمیں ہمارے ماں باپ بن کر پالا' ہمارا ہر طرح سے خیال رکھا اور آج وہ اس تکلیف میں ہیں لیکن ہم بے حس بنے ہوئے ہیں۔ آج جیسے دادا' دادی سفر کررہے ہیں اردو انگریزی دونوں والا' کل کو ہمارے بچے بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے' بڑھاپے میں جب ہمیں ایک دوسرے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی ہمیں بھی علیحدہ کردیا جائے گا محض ذرا سا روپیہ پیسہ بچانے کے لیے جو کہ برائے نام ہوگا جیسے ہمارے دادا دادی کا ہے۔ ہم لوگ کتنی عیاشی کرتے ہیں۔ فضول خرچی کرتے ہیں مگر دادا' دادی کی ضروریات بھی ہمارے مما پاپا کو فضول خرچی اور بوجھ لگتی ہے وہ ان دونوں کو ایک ساتھ ایک گھر میں نہیں رکھ سکتے۔" منال سنجیدگی سے مگر تیز و تلخ لہجے میں بولتی چلی گئی۔
"ہاں ہے تو۔" نوفل نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے ناں کہ دادی' دادا چھ ماہ ہمارے گھر میں رہیں' چھ ماہ تمہارے گھر رہیں اس طرح وہ دونوں ایک دوجے کے ساتھ تو ہوں گے ناں۔"
"بالکل صحیح کہہ رہی ہو تم۔" نوفل نے سنجیدگی سے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔
"کتنا دکھ دیا ہے ہمارے پیرنٹس نے دادا' دادی کو انہیں عمر کے اس حصے میں ایک دوسرے سے علیحدہ کرکے۔"
"ذرا سوچو نوفل' کل کو ہم جب اس اسٹیج پر ہوں گے تو ہمارے بچوں نے اگر ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا تو کیا ہم زندہ رہ پائیں گے ایک دوجے کے بن' خوش رہ پائیں گے ہم؟" منال نے بے دھیانی میں اس کے سامنے اپنے اور اس کے رشتے کا مستقبل پیش کردیا تھا گویا اس سے محبت' اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا خواب دیکھا دیا تھا۔ یعنی وہ بھی اس کے لیے دل میں سوفٹ کارنر اور محبت بھرے جذبات رکھتی تھی یہ انکشاف اور یہ احساس نوفل کو ساتویں آسمان پر لے گیا تھا۔
"ہرگز نہیں منال' مجھے تو یہ خیال ہی خوف ناک لگتا ہے۔" وہ اس کے صبیح چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے بولا۔
"تو ہم دادا' دادی پر یہ ظلم ہوتے کیسے دیکھ رہے ہیں نوفل۔"
"تم بتاؤ' کیا کیا جائے؟" نوفل نے پوچھا۔
"دادا' دادی کو ایک کرنا ہے' مطلب انہیں ایک ساتھ رکھنا ہے' ہمیں' اللہ نے ان کا ساتھ اس طویل عمری تک لکھا ہے تو ہم لوگ کون ہوتے ہیں انہیں ایک دوجے سے جدا کرنے والے؟"

''ہوں' ٹھیک کہتی ہو' کرتے ہیں کچھ۔'' نوفل نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''پینتالیس برس کی رفاقت ہے دادا' دادی کی اور ہمارے بڑوں نے ان کے سگے بیٹوں نے انہیں ہجر کے دکھ سے دو چار کر رکھا ہے ایسی ہوتی ہے اچھی اور نیک اولاد؟'' منال نے تلخ اور تاسف بھرے لہجے میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہوں درست۔''

''کیا درست؟''

''یہی جو تم نے کہا کہ کل کو ہمارے ساتھ ہمارے بچے بھی یہی سلوک کریں گے تو کیا ہم زندہ رہ پائیں گے ایک دوسرے کے بن؟''

''تو کیا غلط کہا؟'' منال کو اب بھی اپنی بات کی گہرائی کا ادراک نہیں ہوا تھا' سادگی میں دل کا راز عیاں کر دیا تھا نوفل پر وہ بے انتہا خوش ہو رہا تھا اور خوشی سے کہنے لگا۔

''تمہیں بالکل درست کہا تم نے' دل خوش کر دیا میرا تم نے یہ بتا کر کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو' میرے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھتی ہو۔ ہمیں اور ہمارے کا صیغہ استعمال کر کے تم نے مجھے اپنے ساتھ جوڑ لیا ناں۔ ہم واقعی ایک دوجے کے بنا نہیں رہ سکیں گے منال۔''

''اُفوہ...... تم بھی ناں...... احمق ہو ایک دم میں تمہیں سمجھانے اور احساس دلانے کی غرض سے مثال دے رہی تھی۔''

''اور ہمیں اچھی لگی آپ کی مثال اور ان شاء اللہ ہم ایک مثال بنیں گے محبت کی مثال اور ایک مثالی میرج لائف گزاریں گے آئی پرامس یو منال۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے جذبوں اور ارادوں کے بھید کھولتا منال کو حیا سے دوچار کر گیا۔

''نوفل......!'' وہ زچ ہوئی۔

''منال......'' وہ اسی کے انداز میں بولا تو وہ ہنس دی۔

O......O......O

نوفل' انس' ولید حسین اور افشاں رات کے کھانے پر سب ہی میز پر موجود تھے۔ وحید حسین کو ان کے کمرے میں ہی کھانا بھجوا دیا گیا تھا۔

''ممی...... دادی جان کو یہاں لے آئیں ناں دادا جان اکیلے ہو گئے ہیں ان کے بغیر۔'' انس نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بات چھیڑی' نوفل نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا۔

''اکیلے کیسے ہو گئے؟'' افشاں نے تندی سے کہا۔

''ہم سب بھی اسی گھر میں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔''

''ان کے ساتھ ہی تو نہیں رہتے ہم۔'' انس بولا۔

''اور ویسے بھی اباجی کے کمرے میں دو افراد کے رہنے کی جگہ نہیں ہے اور تیسرا فالتو کمرہ نہیں ہے ہمارے ہاں۔'' افشان نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔

''کمرہ تو خیر وہ بھی نہیں ہے جس میں آپ نے دادا جان کو رکھا ہے وہ تو اسٹور روم تھا جس میں گھر کا فالتو سامان رکھا جاتا ہے۔ آپ نے دادا جان کو فالتو سامان سمجھ کر وہاں پھینک دیا ہے۔''

''انس یہ کیا طریقہ ہے ماں سے بات کرنے کا خاموشی سے کھانا کھاؤ۔'' ولید نے انس کو گھر کا۔

''ڈیڈی...... یہ طریقہ ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے آپ بھی تو اپنی ماں سے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ روڈ لہجے میں بات کرتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر میں رکھنے کے روادار نہیں ہیں مہینوں ان کی خیریت تک نہیں پوچھتے آپ' ان کی ضروریات تک کا خیال نہیں رکھتے اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں ماں سے کیسے بات کر رہا ہوں۔ انس سو فنی ڈیڈ۔'' انس نے طنزیہ کہا تھا انہیں آئینہ دکھایا تھا وہ سٹپٹا کے رہ گئے۔ افشاں نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

''شٹ اپ......'' ولید حسین غصے سے بولے۔

''اوکم آن ڈیڈی' شٹ اپ کہنے سے سچ نہیں بدلتا۔'' انس مسکراتے ہوئے کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

''انس...... خاموشی سے کھانا کھاؤ' یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے دادا' دادی سے ہمدردی کیوں ہونے لگی؟'' افشاں نے انس کو ڈانٹتے ہوئے جرح کی۔

''بس ممی! آج ضمیر نے مجھے میری بے حسی اور بے پروائی پر بہت لعن طعن کیا ہے جبھی زبان چوک گئی ورنہ جو کچھ ہوا اس پر دل افسردہ تو ہمیشہ سے تھا۔'' انس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا ہوا' کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟'' افشاں لڑنے والے انداز میں بولیں تو ولید نے انہیں روکا۔

''تم کیوں اپنا جی جلا رہی ہو کھانا کھاؤ آرام سے۔''

''آپ کے ماں باپ مجھے کبھی آرام سے رہنے دیں گے بھلا۔''

''دیکھا آپ نے پھر دادا دادی کو برا کہہ رہی ہیں ان کے دیئے ہوئے پیسوں سے یہ گھر خریدا تھا آپ نے اور ان ہی کو برا کہتی ہیں انہی کے لیے آپ کے گھر میں کمرہ نہیں ہے چہ چہ چہ۔'' انس نے تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میری ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے کے بعد جاب لگ جائے گی میں بڑا سا گھر بنواؤں گا ان شاء اللہ۔'' نوفل نے کھانا کھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو افشاں مسکرا کر بولیں۔

''میرے لیے بھی بڑا سا کمرہ بنوانا تم۔''

''آپ کے لیے بڑا سا کمرہ؟'' نوفل نے انہیں ایسے دیکھا جیسے انہوں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔

''تو کیا آپ میرے ساتھ رہیں گی؟''

''کیا مطلب؟'' افشاں نے حیرانگی سے نوفل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے تو اور کہاں رہیں گے؟''

''ممی! دادی تو ہمارے ساتھ نہیں رہتیں ناں تو آپ بھی میرے ساتھ نہیں رہیں گی۔ انس اگر آپ کو رکھنا چاہے گا تو آپ انس کے ساتھ رہیے گا۔ ہاں ڈیڈ جب ریٹائر ہوجائیں گے تو میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا جیسے آپ نے دادا جان کو اسٹور نما کمرے میں رکھا ہے ایسا ہی ایک کمرہ میں ڈیڈ کے لیے بنوا دوں گا لیکن آپ تو ممی! انس کے ساتھ رہیے گا۔'' نوفل نے نہایت سفاکی اور سنجیدگی سے کہا۔

''سوری! میں ممی کو اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا یہ تو دادی جان سے ہر وقت بلاوجہ جھگڑتی تھیں پھر میری بیوی کے ساتھ بھی جھگڑا کریں گی لہٰذا میں ممی کو اولڈ ہوم میں داخل کرادوں گا' کیوں ٹھیک ہے ناں ممی؟'' انس نے اطمینان سے کہتے ہوئے افشاں کا اطمینان ختم کرتے ہوئے ان کی صورت کو دیکھا جہاں حیرت اور صدمے سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں ولید حسین الگ چور بنے بیٹھے تھے۔

''کیا...... کہا؟ تم مجھے اولڈ ہوم میں داخل کراؤ گے' بڑھاپے میں مجھے لاوارثوں کی طرح چھوڑ دو گے' تم یہ سلوک کرو گے اپنے ماں باپ کے ساتھ۔'' افشاں نے غصے اور صدمے سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے کندھے اور بھنویں اچکا کر گویا انہیں ہاں میں جواب دیا۔ افشاں نے تڑپ کر شوہر کی طرف دیکھا اور غصے سے کہا۔

''سن رہے ہیں آپ' ہماری محبت' چاہت اور تعلیم و تربیت کا یہ صلہ دیں گے ہمارے بیٹے ہمیں۔''

''ممی! اس میں نیا کیا ہے؟ آپ نے اور ڈیڈ نے بھی تو دادا' دادی کو ان کی محبت و چاہت کا' تعلیم و تربیت کا یہی صلہ دیا ہے بڑھاپے میں ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا گناہ کیا ہے۔ وہ آپ کو بوجھ لگتے ہیں ناں' آپ کے کسی کام کے نہیں رہے ناں! پیسہ کما کر آپ کو نہیں دے سکتے اب پہلے کی طرح' آپ کی خواہشیں اور فرمائشیں پوری نہیں کرسکتے۔ لہٰذا آپ کے لیے وہ بیکار اور فالتو ہیں اب' ہے ناں ڈیڈ۔'' نوفل نے نہایت سنجیدگی سے مگر تلخ لہجے میں انہیں حقیقت کا آئینہ دکھایا تو ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے بیٹا' اسی دن کے لیے ہم نے تمہیں پڑھایا لکھایا اور یہ تعلیم دی۔'' ولید حسین کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

''جی ڈیڈی! آپ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے' ہم نے

آپ دونوں کو یہی کرتے دیکھا ہے آپ نے ہمیں جو اپنے رویے اور عمل سے کر کے دکھایا ہے ہم نے وہی سیکھا ہے تو ہم بھی تو وہی کریں گے ناں۔ اولڈ ہوم میں آپ دونوں اکٹھے رہیے گا کم از کم جدائی کی اذیت سے تو آپ دونوں بچ جائیں گے۔'' نوفل نے سنجیدگی سے انہیں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سنا آپ نے یہ بیٹا جس کی پیدائش پر ہم نے مٹھائیاں تقسیم کی تھیں، خوشیاں منائی تھیں، جسے اتنے لاڈ پیار سے پالا تھا یہ ہمیں اولڈ ہوم بھیجنے کا مژدہ سنا رہا ہے۔'' افشاں نے روہانسی ہو کر ولید حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نوفل اور انس نے ایک دوسرے کو دیکھا، نوفل نے انس کو آنکھ ماری اور دونوں مسکراتے ہوئے کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔

''یہ تو ہونا ہی تھا افشاں بیگم یہ دنیا مکافات عمل ہے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے، جیسا سلوک ہم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے، وہی سلوک کل ہماری اولاد ہمارے ساتھ کرے گی۔ شکر کرو کہ قدرت نے ہمیں بروقت آئینہ دکھا دیا ہمیں ہمارا کل، خوف ناک اذیت ناک، عبرت ناک انجام دکھا کر ہمیں متنبہ کر دیا ہے ابھی بھی دیر نہیں ہوئی افشاں، ہم چاہیں تو اپنا کل، سہل کر سکتے ہیں۔ انجام سے پہلے توبہ، معافی اور التجا کے دروازے پر دستک دے کر ہم اپنا بڑھاپا محفوظ اور باعزت بنا سکتے ہیں ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔'' ولید حسین نے سنجیدگی سے اپنی شکست، اپنا قصور اور اپنی بے حسی تسلیم کرتے ہوئے کہا تو افشاں کے دل کو ان کی بات بالکل سچ محسوس ہوئی وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''شاید نہیں میں یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں، ہمارے بچوں نے ہمیں حقیقت کا آئینہ نہیں دکھایا بلکہ ہمارا آنے والا کل، ہمارا انجام ہمیں دکھایا ہے۔''

''ہوں......'' افشاں شوہر کی بات پر پُرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے مستقبل کی فکر میں غلطاں تھیں، ولید حسین کا دماغ بھی سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

O......O......O

ادھر نوید حسین اینڈ فیملی کھانے کی میز پر موجود تھی، فریال نے میز پر روٹیوں والا ہاٹ پاٹ رکھا اور نوید کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ نسیمہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں حسب معمول۔

''واؤ کوفتے، میرے فیورٹ۔'' حمزہ نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹایا تو کوفتے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا۔

''تمہیں تو گوشت میں پکی ہر چیز پسند ہے۔''

''خیر ہر چیز تو نہیں، صرف حلال چیز پسند ہے۔'' حمزہ نے مسکراتے ہوئے منال کی بات کی درستگی کرتے ہوئے کہا۔

''واہ......واہ کیا کہنے میرا بھائی تو بہت دانش مندی کی باتیں کر رہا ہے حلال، حرام کا فرق معلوم ہے میرے بھائی کو۔'' منال نے حمزہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے سراہا۔

''جی ہاں آپی، حلال، حرام اور صحیح غلط کا فرق ہی تو ہماری تعلیم ہمیں سکھاتی ہے۔'' حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کھانا شروع کرو ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''مما، دادی جان ہمارے ساتھ ٹیبل پر کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟'' حمزہ نے سالن پلیٹ میں نکالتے ہوئے پوچھا۔

''انہیں اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھ کر کھانا پسند ہے۔'' فریال نے بات بنائی اور نوید نے انہیں چونک کر دیکھا۔

''نہیں مما، مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم دادا، دادی کے گھر میں سب اکٹھے رہتے تھے تو دادی سب کے ساتھ کھانا کھاتی تھیں۔ جب تک سب ٹیبل پر نہیں آ جاتے تھے دادی کھانا نہیں کھاتی تھیں، کتنے شوق سے وہ ہم سب کے لیے کھانا پکاتی تھیں اور ہم سب فرمائشیں کر کے دادی جان سے کھانا پکواتے تھے۔'' حمزہ نے سنجیدگی سے کہا تو

منال پھراس کی بات سے بات نکالتی ہوئی بولی۔
''ہوں صحیح کہہ رہے ہو تم اور آج دو جوان' کماؤ پوت اعلیٰ عہدوں پر فائز بیٹوں کے ہوتے ہوئے دادا' دادی کو بچا کچا کھانا بھی احسان کی طرح جتا کر دیا جاتا ہے ایک چھوٹے سے کمرے میں انہیں محدود کر دیا گیا ہے۔''
''منال...... خاموشی سے کھانا کھاؤ سمجھیں۔'' فریال نے غصے سے منال کو ڈپٹا۔
''آپ کو پتا ہے مما آپ کا بیٹا بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے گا۔ حمزہ کہہ رہا تھا کہ میں اگر اپنا گھر نہ بنوا سکا تو یہ گھر تو میرا ہی ہوگا ناں کیونکہ میں مما پاپا کا اکلوتا بیٹا ہوں' تو میں بھی مما کو اسی کمرے میں رکھوں گا جس کمرے میں مما پاپا نے دادی کو رکھا ہوا ہے۔''
''کیا؟ حمزہ' یہ کیا سن رہی ہوں میں' تم ہمارے ساتھ یہ سلوک کرو گے؟ تم اپنی ماں کو اس ڈربے میں رکھو گے۔'' فریال تو غصے سے برس پڑیں اس پر وہ بوکھلا کر بولا۔
''مما...... آپ کو وہ ڈربہ لگتا ہے تو آپ نے دادی کو وہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟ دادی کوئی مرغی تھوڑی ہیں۔''
''حمزہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' نوید غصے سے چلائے۔
''سوری پاپا' مما کو ڈربے میں رہنا پسند نہیں ہے تو آپ دونوں اولڈ ہوم میں رہ لیجیے گا' ویسے یہاں پاپا کے لیے تو جگہ ہوگی نہیں...... اور منال آپی تو لڑکی ہیں ان کی شادی ہو جائے گی یہ اپنے سسرال چلی جائیں گی' بیٹی کے سسرال میں تو اس کے ماں باپ نہیں رہ سکتے ناں۔''
''حمزہ شرم کرو اپنی ماں سے بدتمیزی کر رہے ہو یہ سوچ ہے تمہاری' تم ہمیں اولڈ ہوم میں داخل کراؤ گے۔ یہ سکھایا' پڑھایا ہے ہم نے تمہیں؟'' نوید غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ سہم سا گیا کن انکھیوں سے منال کی جانب دیکھا تو وہ فوراً بات سنبھالتے ہوئے بولی۔
''پاپا...... بچے وہ نہیں کرتے جو انہیں ماں باپ سکھاتے ہیں بلکہ بچے وہ کرتے ہیں جو وہ اپنے ماں باپ کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں' والدین کا عمل اور رویہ اپناتے ہیں بچے۔ جیسا آپ نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے ویسا ہی آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ کرے گا تو اس میں حیرت کیسی پاپا؟ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے بچپن سے ہم سنتے' پڑھتے آرہے ہیں۔''
''بس بہت ہوگئی بکواس دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' نوید نے غصے سے کہا تو حمزہ نے منہ بسور کر منال کو دیکھا۔
''ارے کیا ہوا' کیوں چیخ رہے ہو نوید بیٹا؟'' نسیمہ بیگم ان کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔
''کچھ نہیں دادی جان...... آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔'' منال نے مسکرا کر سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔
''یہ آپ ہی کی صحبت کا اثر ہے امی جان' نجانے کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں میری اولاد کو جو آج یہ دونوں ہمارے سامنے زبان چلا رہے ہیں۔'' فریال نے ساس کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا تو منال تیزی سے بولی۔
''مما پلیز' دادی جان کو کچھ مت کہیے ورنہ کل اسی جگہ آپ کی بہو کھڑی ہوگی اور دادی جان کی جگہ آپ کھڑی ہوں گی اور آپ کی بہو ایسی ہی باتیں آپ کو سنا رہی ہوگی۔''
''منال بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے ماں سے جاؤ اپنے کمرے میں۔'' نسیمہ بیگم نے منال کو نرمی سے کہا۔
''جی دادی' آؤ حمزہ۔'' منال اور حمزہ اپنی اپنی پلیٹ اور چپاتی لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نوید اور فریال بھی کھانے کی میز سے اٹھ کر چلے گئے۔ نسیمہ بیگم نم آنکھیں لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔
رات میں سونے کے لیے لیٹے تو نوید حسین اور فریال کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ دونوں ہی حمزہ اور منال کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ فریال نے گردن گھما کر برابر میں لیٹے اپنے شوہر کو دیکھا وہ جاگ رہے تھے' فریال نے کہا۔
''آپ سوئے نہیں ابھی تک۔''
''تم بھی تو جاگ رہی ہو۔'' نوید حسین نے سامنے دیوار پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی۔'' فریال نے جواب دیا۔
''مجھے بھی۔''
''تو کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں۔''
''تم کیا سوچ رہی ہو؟'' نوید حسین نے فریال کا چہرہ دیکھا۔
''کھانے کی میز پر حمزہ نے جو کچھ کہا آپ کو لگتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا ہمارے ساتھ؟''
''بھئی اگر حمزہ اس عمر میں اتنی بڑی بات کہہ سکتا ہے تو کمانے اور گھر بسانے کی عمر کو پہنچنے تک تو وہ اس سے بھی برا کرسکتا ہے ہمارے ساتھ۔ بات بھی ٹھیک ہے اس کی جیسا ہم نے ہمارے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے وہی سلوک ہماری اولاد ہمارے ساتھ کرے گی اور شاید اس سے کہیں زیادہ برا کرے گی۔'' نوید حسین نے سنجیدگی سے کہا تو فریال بے کل ہوکر بولیں۔
''یعنی ہمارا بڑھاپا خوار ہوکر گزرے گا' میں یہ سب برداشت نہیں کرسکوں گی۔''
''امی جان بھی تو برداشت کررہی ہیں ناں' بنا کسی حرف شکایت کے۔'' نوید حسین نے انہیں احساس دلانے کے لیے کہا تو وہ خجالت سے نظریں چرا کر بولیں۔
''اس میں اکیلی میں قصوروار نہیں ہوں اور ہمیں اپنے کل کے لیے کچھ سوچنا ہوگا۔ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی نوید کچھ کریں مجھے تو حمزہ اور منال کی باتوں نے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔''
''ہوں' کرتے ہیں کچھ' سوچتے ہیں کیا کرنا ہے ابھی تو سوجاؤ۔'' نوید حسین نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔
''ایسی سچویشن میں بھلا نیند آسکتی ہے کیا؟'' فریال نے چڑ کر کہا نوید حسین نے کوئی جواب نہیں دیا اور آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگے مگر آنکھوں کے پردوں پر زندگی کے تمام ادوار والدین کی توجہ' محبت خیال اور احساس کے سب ہی منظر ایک ایک کرکے آتے چلے گئے اور یہ رات ان کی زندگی کی پریشان کن اور بے کل رات تھی۔
''شام میں تیار رہنا ولید بھائی کی طرف چلیں گے۔'' صبح بینک جاتے ہوئے نوید نے فریال سے کہا تو انہوں نے بھی بنا سوال کیے ٹھیک ہے کہہ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

O......O......O

شام کو جب وہ ولید حسین اور افشاں کے گھر جارہے تھے تو حمزہ بھی زبردستی ان کے ساتھ ہولیا اور ولید حسین کے گھر پہنچتے ہی وحید حسین (دادا جان) سے ملنے چلا گیا وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے' وہ بھی حمزہ کو دیکھ کر خوش ہوگئے۔
''کیا حال ہے دادا جان؟'' حمزہ ان سے بغل گیر ہوا۔
''اللہ کا شکر ہے جو وقت بھی گزر جائے اس کا کرم ہے تم سناؤ آج کیسے رستہ بھول گئے ادھر کا' دادا کی یاد بھی نہیں آتی تمہیں؟'' وحید حسین نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے مان بھرا گلہ کیا تو وہ ان سے الگ ہوکر انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔
''مجھے آپ کی یاد ویسے ہی آتی ہے جیسے آپ کو میری یاد آتی ہے۔''
''بہت سیانے ہوگئے ہو میاں؟'' وہ مسکرا دیئے۔
''ایک بات پوچھوں دادا جان۔'' حمزہ ان کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''پوچھو صاحبزادے' تمہیں کچھ پوچھنے کے لیے اجازت کی ضرورت کب سے ہونے لگی؟''
''نہیں بس یونہی بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' حمزہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ ہم جیسا سلوک اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتے ہیں ہمارے بچے بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں' ہمارے بڑھاپے میں کیا یہ سچ ہے؟''
''ہاں سنا' پڑھا تو ہم نے بھی یہی ہے آج تک۔'' وحید حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا' ان کے چہرے پر سفید داڑھی' رنگت میں ہلکی سی پیلاہٹ گھلی تھی وہ آج بھی گریس فل تھے' بس کمزور ہوگئے تھے۔ تنہائی نے رنگ'

ترنگ امنگ سب ختم کردیئے تھے جیسے۔

''مطلب' آپ نے بھی اپنے ماں باپ کو ایسے ہی رکھا تھا جیسے آج آپ اور دادی جان رہ رہے ہیں ایک دوسرے سے جدا۔'' حمزہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بےکلی سے بولے۔

''ہرگز نہیں' میرے ماں باپ میرے ساتھ رہتے تھے' مرتے دم تک وہ ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہے۔ میں نے اور تمہاری دادی نے ان کی بہت خدمت کی تھی اور مرتے دم تک ہم دونوں کو دعائیں دیتے رہے' بہت خوش تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے' کیونکہ انہیں یہ خوشی تھی کہ ان کی اولاد نے ان کی دل سے خدمت کی ہے۔''

''آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سعید دادا کے گھر نہیں بھیجا دادا' دادی کو۔'' حمزہ نے دلچسپی سے سوال کیا۔ ولید' انشاں' نوید اور فریال بھی دروازے سے لگے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''نہیں' جب ان کی مرضی ہوتی وہ آتے جاتے رہتے تھے ایک دوسرے سے ملنے' میں بڑا بیٹا تھا اور مجھے احساس تھا کہ میرے والدین نے مجھے کس محبت سے پالا ہے' پیار سے پرورش کی ہے میری' تو میرا بھی فرض بنتا تھا کہ میں ان کے بڑھاپے میں ان کی خدمت کرتا' میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے اپنے والدین کی خدمت کا موقع ملا۔'' وحید حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہوں...... لیکن آپ کے بیٹوں نے تو آپ کے ساتھ ویسا کچھ بھی نہیں کیا الٹا آپ اور دادی کو ایک دوسرے سے الگ کردیا۔'' حمزہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے بولے۔

''ہاں بیٹا' والدین کی خدمت کا شرف ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے اگر کوئی سمجھے تو۔''

''پھر بھی آپ اس حال میں خوش ہیں؟''

''خوش تو نہیں ہوں۔'' وحید حسین نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''ہاں مطمئن ضرور ہوں کہ میں نے اپنا فرض اور ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کی کبھی اپنے سکھ کے لیے اپنی اولاد کا سکھ قربان نہیں ہونے دیا۔''

''یس آئی نو گرینڈپا' لیکن آپ کے بیٹوں اور میرے والدین کو اس خودغرضی کی سزا ضرور ملے گی۔'' حمزہ نے غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''حمزہ...... بہت بری بات ہے' اپنے ماں باپ کے لیے ایسا نہیں سوچتے اور کہتے ہوئے بھی تمہیں شرم آنی چاہیے' وہ تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کرتے۔'' وحید حسین نے اسے ڈانٹا۔

''انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا دادا؟''

''یہ میرا اور ان کا مسئلہ ہے۔''

''ہاں تو یہ میرا اور میرے ماں باپ کا مسئلہ ہے۔'' حمزہ نے بھی ان کی ہی بات کو انہیں لوٹایا' انہوں نے اس کی آنکھوں میں بغاوت کے رنگ دیکھے تو لرز گئے۔

''اگر میری محبت اور تربیت تمہارے لیے کچھ معنی رکھتی ہے تو تم اپنے والدین کا احترام کرو گے ان کی خدمت کرو گے' ان کا ہر طرح سے خیال رکھو گے اور جب اپنا گھر بنانے کے قابل ہوجاؤ تو سب سے پہلے اپنے ماں باپ کے لیے سب سے بڑا کشادہ سا کمرہ ضرور بنوانا جہاں انہیں اپنی ضرورت کی ہر چیز میسر ہو۔ ویسے ہی ان کی ضروریات کا خیال رکھنا' جیسے آج وہ تمہاری ضروریات اور خواہشات کا خیال رکھتے ہیں۔ جانتے ہو میاں' یہ جو بوڑھے ہوتے ہیں ناں' یہ بالکل بچے ہوتے ہیں' ان کا خیال جوان اولاد کو بالکل اسی طرح رکھنا چاہیے جس طرح انہوں نے اپنی جوانی میں اپنی اولاد کا خیال رکھا تھا۔ ماں باپ کی خدمتوں' محبتوں' ریاضتوں کا حق ہم چاہیں بھی تو ادا نہیں کرسکتے۔ اس لیے میرے بچے' اپنے ماں باپ کو کبھی ناراض مت کرنا' ان کی خدمت کرکے تم اپنے لیے جنت کما سکتے ہو۔''

''یہ باتیں کیا آپ کے بیٹوں کو نہیں معلوم۔'' حمزہ نے چبھتا ہوا سوال کیا تو وہ مجروح سی مسکراہٹ لبوں پر

لا کر بولے۔
''علم سے نہیں...... عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔''
''ہوں' کتنی بری بات ہے ناں داداجان' جب ہم ماں باپ کے گھر میں رہتے ہیں' ہم خوش اور مطمئن رہتے ہیں' بے فکر رہتے ہیں اور جب اسی گھر میں والدین ہمارے ساتھ رہنے لگیں تو ہمیں اچھا نہیں لگتا' ان کا وجود ہمیں کانٹے کی طرح چبھتا ہے ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم انہیں نکال باہر کریں گھر سے۔ ایسے لوگوں کو جنت نہیں ملا کرتی بلکہ جہنم ان کی راہ تکتی ہے وہ بھی بڑی شدت و بے صبری سے۔'' حمزہ نے نہایت تلخ و سنجیدہ لہجے میں کہا تو وحید حسین نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا وہ انہیں ایک دم سے بہت بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے ان کی تنہائی کا احساس تھا یہ جان کر انہیں اس پر بے حد پیار آیا۔

O......O......O

''یقین نہیں ہوتا یہ ہمارے بیٹے ہیں' ایسے باپ کے سامنے بیٹھ کر کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ ہمیں اولڈ ہوم میں بھیج دیں گے ہمیں' ہماری محنتوں اور محبتوں کا یہ صلہ دیں گے ہمارے بیٹے۔'' ولید حسین بیوی کے سامنے برس رہے تھے۔ وہ سنجیدہ سی چوربنی بیٹھی تھیں۔ ان کی بات سن کر کہنے لگیں۔
''یوں غصہ کر کے اپنا بی پی بڑھانے سے کیا فائدہ؟ کوئی حل سوچیں اس مسئلے کا' جیسے نوید اور فریال کہہ رہے تھے۔''
''مذاق سمجھا ہے انہوں نے زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے کہ ان کی من مرضی سے گزاری جائے گی۔ دن رات محنت کرتا ہوں میں کس کے لیے اپنے بچوں کے لیے ناں' ان کو ایک سے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے میں تعلیم دلوا رہا ہوں ان کی ہر خوشی' ضرورت خواہش پوری کرتا ہوں کیا اس دن کے لیے کہ کل جب یہ خود کمانے' گھر بنانے کے قابل ہو جائیں تو باپ کو کسی اسٹور روم یا اولڈ ہوم میں پھینک دیں۔'' ولید حسین کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔
افشاں بھی تلخ لہجے میں بولیں۔
''آپ نے بھی تو یہی کیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ۔ انہوں نے بھی تو آپ کو ایک سے ایک اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائی تھی' ٹیوشنز پڑھا کر آپ دونوں بھائیوں کو زندگی کی ہر سہولت' ضرورت مہیا کی' کبھی آپ کی کسی فرمائش' کسی مطالبے کو رد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اپنا گھر تک بیچ دیا آپ دونوں بھائیوں کی ضد اور خوشی پوری کرنے کے لیے اور آپ بھائیوں نے کیا کیا......؟ اپنے ماں باپ کو گھر کا فالتو بیکار سامان سمجھ کر اسٹور روم میں پھینک دیا۔ روی' کچرا سمجھ کر کوڑے دان میں ڈال دیا۔ ان کی پسند ناپسند تو چھوڑیں' ان کی ضروریات تک کا خیال نہیں کیا کبھی' گھر میں زندہ وجود ہیں لہٰذا کھانا پکتا ہے تو ان کو بھی دے دیا جاتا ہے جیسے گھر کے کسی ملازم کو دیا جاتا ہو۔''
''تو اس میں بھی میرا قصور ہے؟'' ولید حسین غصے سے دھاڑے۔
''تمہیں اگر اتنا ہی خیال ہے ان کا تو کیوں انہیں اس ابتر حالت میں رکھا ہوا ہے؟ اور یہ تم کہہ رہی ہو...... بھول گئیں تم نے ہی مجھے مجبور کیا تھا اباجی سے گھر بیچنے کی بات کرنے کے لیے...... اور افشاں بیگم یہ تمہارا اور فریال کا ہی مطالبہ تھا کہ تمہیں الگ گھر لے کر دیا جائے۔ اب سارا الزام میرے سر مت دھرو۔''
''ٹھیک ہے ہمارا مطالبہ تھا مگر آپ تو مرد تھے کماتے تھے آپ کے والدین نے کیسے آپ کو پالا تھا' پیار دیا تھا کیا میں نے بھلانے کے لیے مجبور کیا تھا؟ آپ چاہتے تو تحمل اور بردباری سے سمجھداری سے اس معاملے کو سلجھا سکتے تھے مگر آپ دونوں بھائیوں نے اپنے امی ابا کے سامنے طبل جنگ بجانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے چارے بوڑھے اور کمزور ماں باپ اولاد کی محبت میں گندھے وہ بھلا کیا لڑتے' آپ جوان بھائیوں سے سو ہار مان گئے۔ آپ کا گھر بیچنے کا مطالبہ بھی انہوں نے پورا کر دیا۔ لیکن آپ بھائیوں نے اپنے ماں باپ کو مجبوری لاچاری شرمندگی اور

تنہائی کی زندگی کے حوالے کردیا۔'' افشاں نے تیز لہجے میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے سارا ملبہ ولید حسین کے سر ڈال دیا۔

''واہ افشاں بیگم واہ' اپنا مستقبل ڈربے نما کمرے اور اسٹور روم' اولڈ ہوم جیسی جگہوں پر خوار ہوتا نظر آرہا ہے تو کیسے تم نے پینترا بدل لیا۔ تم دونوں عورتوں نے فساد پھیلا کر گھر بکوا کر اب اپنا جرم ہمارے سر ڈال دیا ہے بہت خوب...... ٹھیک کہتے تھے بزرگ' عورت کی زبان میں ان کے گھر کا بسنا اور اجڑنا پوشیدہ ہوتا ہے۔'' ولید حسین نے حیرت اور تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے تلخ وطنزیہ لہجے میں کہا تو وہ چوروں کی طرح نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

''ہاں ٹھیک ہے سارا قصور میرا اور فریال کا ہی ہے بس اب اس مسئلے کو حل کرنے کا سوچیں ورنہ مرتے دم نہ ہمارے منہ میں پانی ڈالنے والا کوئی ہوگا نہ ہی ہمارے جنازے کو کندھا دینے والا کوئی ملے گا۔''

''اب ایسا بھیانک نقشہ بھی مت کھینچو ایسا کون سا گناہ کردیا ہم نے۔'' ولید حسین تلملا کر بولے۔

''والدین کو دکھ دینے سے بڑا گناہ ہے کوئی؟''

''تو یہ سبق تمہیں اب کیوں یاد آرہا ہے؟ کل تک تو تم یہ سب کرنے میں حق بجانب تھیں آج اپنے انجام سے خوف زدہ ہوئیں تو تمہیں قرآن' حدیث سب یاد آنے لگیں۔'' ولید حسین نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ بولیں۔

''وہ کہتے ہیں نا' جب جاگو جبھی سویرا۔ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ توبہ کا دروازہ بھی بند نہیں ہوتا' معافی کا وقت تب تک رہتا ہے جب تک سانس چلتی رہتی ہے۔ امی' ابا جی سے معافی مانگ لیتے ہیں ہم۔''

''معافی مانگ لینے سے سب پہلے جیسا ہوجائے گا کیا؟''

''وہ ماں باپ ہیں جب ہماری خاطر اپنا گھر بیچ سکتے ہیں تو ہمیں معاف بھی کرسکتے ہیں اور وہ معاف بھی کردیں گے مگر یہ سب ہوجانے سے سب ٹھیک نہیں ہوگا کیونکہ امی ابا تو اب بھی کسی سے کچھ نہیں کہتے۔''

''یہ تو اور بھی برا ہے ہمارے حق میں اللہ ہمیں معاف نہیں کرے گا کہ وہ ماں باپ جو ہمارے منہ سے نکلی ہر فرمائش اور خواہش پوری کیا کرتے تھے' وہ ہماری ناراضگی اور غصے کے ڈر سے ہم سے اپنی ضرورت اور تکلیف بھی بیان نہیں کرتے' پلیز کچھ کریں میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔'' افشاں سنجیدہ اور خدشوں سے پُر لہجے میں بولیں۔

''اچھا اب بس کرو' ایک کپ اچھی سی چائے پلا دو میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' ولید حسین نے بیزاری سے اور جھنجلاہٹ میں کہا۔

''اچھا لاتی ہوں چائے۔'' افشاں اٹھ کر ان کے لیے چائے پکانے چلی گئی اور ولید حسین اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچوں میں گم ٹہلنے لگے۔

O......O......O

ادھر منال دادی' دادا کے لیے افسردہ ہورہی تھی اور اسے خود پر بھی غصہ آرہا تھا کہ وہ' نوفل' حمزہ اور انس اب تک چپ کیوں تھے؟ جب دادا' دادی کا بٹوارا ہورہا تھا ان کے برسوں کے ساتھ کا بٹوارہ ہورہا تھا تو وہ سب بالغ اور باشعور ہوتے ہوئے بھی کیوں خاموش رہے؟ کیا انہیں علیحدہ رہنے میں اپنا اپنا فائدہ نظر آرہا تھا؟ جو بھی تھا ان چاروں کا بھی قصور تھا کہ وہ بے پروا' بے حس اور بے نیاز بنے ہوئے تھے اب تک۔

''یہ جو بوڑھے ہوتے ہیں ناں ہمارے گھر میں یہ مہمان کی طرح ہوتے ہیں' جیسے جب ہمارے گھر میں مہمان آتے ہیں تو ہم ان کے لیے بہت اچھے اچھے کھانے پکاتے ہیں ان کے لیے گھر کا سب سے صاف ستھرا کمرہ منتخب کرتے ہیں اچھا سا بستر بچھاتے ہیں ان کے لیے اور ان کے آرام کا پورا خیال کرتے ہیں یہ دھیان رکھتے ہیں کہ کہیں وہ بے آرام نہ ہوں' ان کی نیند میں خلل نہ پڑے' ایسا ہی ہے ناں۔'' نسیمہ بیگم حمزہ سے مخاطب تھیں' اچانک اپنی بات کے آخر میں پوچھنے لگیں تو حمزہ

نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"جی بالکل صحیح کہا دادی آپ نے ایسا ہی ہوتا ہے۔"
"ہاں تو بس بیٹا' ہم نے بھی اسی طرح اپنے بوڑھے ماں' باپ اور ساس سسر کا خیال رکھا' جس طرح مہمان کو رحمت کہا جاتا ہے ناں بالکل اسی طرح بوڑھے والدین بھی رحمت و نعمت ہوتے ہیں ان کے دم سے گھر میں برکت رہتی ہے اس لیے گھر کے بوڑھوں کا بھی ایسے ہی خیال رکھنا چاہیے جیسے گھر میں آئے مہمانوں کا خیال رکھا جاتا ہے' مہمان بھی چند دن کے لیے آپ کے گھر آتے ہیں اور بوڑھے ماں باپ بھی مہمان ہوتے ہیں اس لیے ان کی خدمت کرکے' ان کا خیال رکھ کے اولاد اپنے لیے اپنی آخرت سنوار سکتی ہے' جنت تک جانے کے راستے ہموار کرسکتی ہے' ہماری ماں نے ہمیں یہی کہانی سنائی تھی اور عملاً بھی انہوں نے ہمیں ایسا ہی کرکے دکھایا اور الحمدللہ ہم نے بھی اپنے ماں باپ کی دل سے خدمت کی اور انہوں نے ہمیں دل سے دعائیں دیں۔" نسیمہ بیگم نے بہت رسان سے کہا۔
"لیکن آپ کی اولاد نے آپ کے ساتھ ایسا کیوں نہیں کیا؟" حمزہ نے بہت چبھتا ہوا دل دکھانے والا سوال کیا۔ فریال' کچن میں سبزی کاٹتے ہوئے ان کی باتوں کی طرف کان لگائے کھڑی سب سن رہی تھیں۔
"بیٹا' یہ تو سمجھنے اور احساس کرنے کی بات ہے بعض اوقات انسان سمجھنے' احساس کرنے میں بہت دیر کردیتا ہے' اتنی دیر کہ تب نہ وقت اس کے ہاتھ میں رہتا ہے اور نہ ہی والدین...... بس پچھتاوا باقی بچتا ہے' جو انسان کو ساری زندگی بے سکون رکھتا ہے۔" نسیمہ بیگم نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا تو کچن میں کام کرتی فریال کے ہاتھ تیز تیز چلنے لگے پتا نہیں کیسی پریشانی تھی' شرمندگی تھی' بے چینی و بے کلی تھی بس وہ تیزی سے سوچوں کے جال بن رہی تھیں۔
کئی دن' ہفتے یونہی کشمکش میں گزر گئے' اچانک دونوں گھروں میں مکان خالی کرنے کا شور اٹھا۔
"منال' تم اپنی دادی کا سامان پیک کرادو تین دن میں یہ گھر خالی کرنا ہے ہمیں۔" فریال نے نسیمہ بیگم کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتی منال کو مخاطب کرکے کہا تو ان دونوں نے چونک کر فریال کی طرف دیکھا۔
"گھر خالی کرنا ہے مگر کیوں بہو؟" نسیمہ بیگم نے حیرانی' پریشانی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بولیں۔
"پتا نہیں' آپ کے بیٹے کو پیسوں کی ضرورت تھی سو انہوں نے یہ گھر بیچ دیا۔"
"پھر سے گھر بیچ دیا یہ بار بار گھر بیچنا اچھی بات نہیں ہے بیٹا اب ہم کہاں جائیں گے؟" نسیمہ بیگم نے تشویش سے پُر لہجے میں کہا۔
"کبھی کبھی گھر بچانے کے لیے گھر بیچنا بھی پڑ جاتا ہے امی جی آپ پلیز اپنا سامان اکٹھا کرلیں۔" فریال سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کرکے وہاں سے چلی گئیں۔ نسیمہ بیگم نے حیرت سے منال کی طرف دیکھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کرنے والے انداز میں اپنے کندھے اچکادیئے۔

O......O......O

"دادا جان آپ نے اور دادی جان نے کبھی اپنی سالگرہ منائی ہے؟" نوفل انہیں کوٹ پہناتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں بیٹا' ایک بار منائی تھی تمہاری دادی کی سالگرہ وہ بھی اس وقت جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی تب اس کے بعد اپنے بچوں اور ان کے بچوں کی سالگرہ ہی منائی ہے آج تک اور شکر ہے اللہ کا کہ اس نے ہمیں اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے سالگرہ کا دن دیکھنے اور منانے کی نعمت سے نوازا اور نہ ہم گنہگار اتنی رحمتوں اور عنایتوں کے قابل کہاں تھے یہ سب اس کا کرم ہے۔" وحید حسین نے مسکرا کر دھیمے پن سے جواب دیا۔
"ہوں' چلیں دادا جان آپ ریڈی ہیں اور ماشاء اللہ بہت گریس فل دکھائی دے رہے ہیں۔" نوفل نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے سراہا۔

"میاں صاحبزادے یہ اتنی مہنگائی میں اتنا مکھن کس خوشی میں لگایا جارہا ہے؟" وہ ہنس کر بولے۔
"گھر چھوڑنے کی خوشی میں۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہم یہ گھر چھوڑ رہے ہیں کسی اور جگہ شفٹ ہوں گے اب ہم مجھے یہ گھر ویسے بھی پسند نہیں تھا کتنے چھوٹے کمرے ہیں ناں اس کے؟" نوفل اپنی رو میں بول رہا تھا اور وحید حسین ہکابکا کھڑے اس کا منہ تک رہے تھے۔

O......O......O

"اچھا دادا جان یہ بتائیں کہ اگر آپ دادی جان کو سالگرہ کا تحفہ دیتے تو کیا دیتے؟"
"اپنا آپ دیتے...... بھلا ہم سے قیمتی اور اچھا تحفہ ان کے لیے کوئی ہوسکتا ہے کیا؟" وحید حسین شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے بولے۔
"ہوں یہ تو آپ نے درست فرمایا دادا جان اینڈ ویری رومینٹک ٹو۔" نوفل شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ شرما کر ہنس دیے۔ نوفل نے دیکھا ان کے سفید چہرے میں ہلکی سی سرخی ابھر آئی تھی۔ وہ بھی مسکرادیا۔
"چلیں دادا جان میں آپ کو اپنے دوست کی سالگرہ میں لے جارہا ہوں۔" نوفل نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
"ارے صاحبزادے میں آپ کے دوست کی سالگرہ میں جا کر کیا کروں گا؟"
"وہی جو باقی سب کریں گے۔"
"نہیں بھئی ہم نہیں جارہے آپ جایئے۔"
"سوچ لیں دادا جان آپ نہیں جائیں گے تو میں ناراض ہوجاؤں گا آپ سے۔" نوفل نے روٹھا روٹھا سا انداز اپناتے ہوئے انہیں دھمکایا تو مان بھرا انداز تھا وحید حسین فوراً ہی موم ہوگئے۔
"ارے بھئی ناراض مت ہو چلو چلتے ہیں بچوں کی تقریب میں ویسے بوڑھوں کا کوئی کام بنتا نہیں ہے۔"
"آپ ہی تو کہتے ہیں کہ بچے اور بوڑھے ایک سے ہوتے ہیں۔ ایک ہی نیچر کے ہوتے ہیں۔" نوفل نے انہیں یاد دلایا۔
"ہاں بھئی آپ تو بات پکڑ لیتے ہیں اور ہم ہی پر چڑھائی شروع کردیتے ہیں۔ چلیے ہمیں بھی بہت عرصہ ہوگیا گھر سے نکلے ہوئے اسی بہانے ہم بھی رونقیں دیکھ لیں گے دنیا کی۔" وحید حسین نے تیزی سے کہا اور باہر کی جانب بڑھ گئے نوفل بھی ان کے پیچھے ہولیا۔
"ساری زندگی محنت کرتے لوگوں کے بچوں کو پڑھاتے سکھاتے اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے پڑھاتے ان کی خوشیاں پوری کرتے گزر گئی جب آرام کا وقت آیا بچوں کی خوشیاں دیکھنے ان سے خدمت کرانے کا وقت آیا تو بچے بدل گئے ہم تمام عمر ساری جوانی اپنی اولاد کے لیے کوشاں رہے بچوں کے بارے میں اپنے بچوں کے سنہرے مستقبل کے بارے میں سوچتے رہے مگر جب ہمارا وقت آیا تو بچوں نے ہمارے بارے میں ہمارے مستقبل کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں جن بچوں کے لیے ہم کل اپنا آرام بھول جاتے تھے وہ بچے آج بھی ہمارے آرام کا خیال نہیں رکھتے۔ سوچا تھا جب سب بچے اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹ ہوجائیں گے تو میاں بیوی بھی گھومنے پھرنے سیر کرنے جائیں گے عمرہ کرنے جائیں گے لیکن شومئی قسمت کے ہم میاں بیوی تو ایک ساتھ ایک چھت تلے رہ بھی نہیں سکتے۔ عمر بھر کی محنت نے اتنا نہیں تھکایا جتنا سال بھر کی اس جدائی تنہائی اور آبلہ پائی نے تھکا ڈالا ہے۔ شریک زندگی ہی زندگی کے لمحوں میں اب شریک نہیں تو کیسی خوشی کیسی زندگی؟ بس وقت گزاری کے مشغلے ہیں سب۔" وحید حسین سوچوں میں مگن بیٹھے تھے فرنٹ سیٹ پر نوفل ان کی خاموشی سے بہت کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ پھول لینے کے لیے رکا تو وحید حسین نے دو تازہ گجرے بھی خرید لیے۔
"یہ کس کے لیے؟" نوفل نے گجرے دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''تمہاری دادی کو بہت پسند ہیں گجرے' عمر بھر کی واحد فرمائش ان کی یہی ہوتی تھی اور میں بھی ہر روز شام کو ٹیوشن یا عصر کی نماز سے واپسی پر ان کے لیے گجرے لایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں پہناتا تھا اور وہ نیک بخت ایسے خوش ہوتی تھی جیسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو اور میں اسے خوش دیکھ کر مسکراتا اور اپنی ساری تھکن بھول جایا کرتا تھا۔''
وحید حسین پرانی یادوں کے سفر پر نکل رہے تھے اور نوفل ان کی کیفیت' حالت اور بے بسی محسوس کرتے ہوئے بے کل ہو رہا تھا۔

''لیکن ابھی تو ہم دادی کے گھر نہیں جا رہے۔''

''تو کیا ہوا؟ ان کی یادوں کی مہک تو ہمارے ساتھ ساتھ ہے ناں' ان گجروں کو دیکھ کر' سونگھ کر ہم انہیں اپنے قریب محسوس کریں گے۔ چلو تمہارا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ کیک کٹ کر بٹ بھی جائے اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں۔ میں کہے دیتا ہوں کیک کھائے بغیر نہیں آؤں گا وہاں سے۔'' وحید حسین نے اپنا موڈ خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

''او کے گرینڈ پا' چلیے۔'' نوفل ہنس دیا اور گاڑی میں بیٹھ کر انہیں بٹھا کر گاڑی پھر سے اسٹارٹ کر دی۔

مناہل دادی کو اپنی دوست کی سالگرہ میں لے جانے کے لیے تیار کرتی انہیں ایک حویلی نما مکان میں لے آئی تھی اور گھر دکھانے کے بہانے وہ شدت سے نوفل کا بھی انتظار کر رہی تھی۔

''ارے بیٹی' کسی کے گھر میں ہم کیوں یوں دندناتے پھر رہے ہیں یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے اور چوکیدار نے ہمیں مہمان سمجھ کر اندر آنے دیا ہوگا اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہم پورے گھر میں گھومتے پھریں۔ چلو بس واپس گھر چلو تم تو کسی سالگرہ میں لے جا رہی تھیں مجھے اور یہاں لے آئیں۔''

''ہاں تو یہاں ہی تو ہے سالگرہ آپ آئیں تو میرے ساتھ۔'' منال نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں ہم پہنچ گئے ہیں' ایک ساتھ اینٹری دینی ہے ریڈی رہو۔'' منال نے نوفل کو موبائل پر کال کر کے اسی دوران کہا تھا نسیمہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں یا پوچھتیں ہال کے اندر سے کافی ساری آوازوں کے ایک سنگم میں گنتی گنی جانے لگی۔

''فور' تھری' ٹو' ون۔'' اور ون کی آواز کے ساتھ ہی منال' نسیمہ بیگم کا اور دوسرے دروازے سے نوفل وحید حسین کا ہاتھ تھامے ایک ساتھ ہال میں داخل ہوئے اور ان پر پھولوں اور چمکیلی پنیوں کی برسات ہونے لگی اور ساتھ ہی ہیپی ویڈنگ اینیورسری کا نغمہ سب کی آواز میں سریلی لے کے ساتھ گایا جانے لگا۔

وحید حسین' نسیمہ بیگم اس انہونی پر حیرت زدہ اور ششدر رہ گئے۔ ان کے دونوں بیٹے' دونوں بہوئیں اور پوتے' پوتی سب وہاں موجود تھے اور ان کی شادی کی 43 ویں سالگرہ پر انہیں خوشدلی سے مبارک باد دے رہے تھے۔ حیرت و مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

نسیمہ بیگم اور وحید حسین ایک دوسرے کو کتنے مہینوں بعد دیکھ رہے تھے' آنکھوں میں کتنی پیاس و بے چینی تھی اور یوں اچانک سے مل جانے کی انوکھی خوشی تھی جو بیان سے باہر تھی۔ منال اور نوفل ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے اور ان کے ہاتھ جو انہوں نے اب تک پکڑ رکھے تھے وہ دادا' دادی کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

''ایسا اکثر ہماری فلموں میں ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت میں ہو رہا ہے آج ہم حقیقی زندگی کے ہیرو اور ہیروئن کو ایک سال کی جدائی کے بعد پھر سے ملا رہے ہیں اب انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا' ہم سب میں سے کوئی دادا' دادی کو اب الگ نہیں کر سکتا۔ تالیاں۔'' نوفل نے بہت اسٹائل سے کہا تو سب نے پُر جوش انداز میں تالیاں بجا کر اس کی بات کی تائید کی۔

نسیمہ بیگم اور وحید حسین اپنے بیٹوں کی اس کایا پلٹ پر حیران و شادمان تھے۔ ان کی آنکھیں خوشی کے موتی لٹا

رہے تھے۔

"دادا جان، دادی جان...... اب آپ بالکل نہیں روئیں گے اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے ایک گھر میں، ایک چھت کے نیچے، وہ جو سب سے بڑا کمرہ آپ کو دکھایا تھا ہم نے آپ کو پسند بھی آیا وہ کمرہ آپ دونوں کا ہے۔" منال نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو خوشی سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دوسرے کو حیرت سے تکنے لگے۔

"کیا مطلب یہ گھر تم لوگوں نے خرید لیا ہے کیا؟" وحید حسین نے لہجے میں حیرت سموئے ان سب کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی ابا جی...... یہ گھر ہم نے خرید لیا ہے اور اپنے وہ گھر ہم نے فروخت کر کے یہ گھر خریدا ہے اب ہم سب پہلے کی طرح ایک ساتھ رہیں گے اس گھر میں۔" ولید حسین نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"سچ بیٹا؟" نسیمہ بیگم نے تحیر سے آنکھیں پھیلائیں۔

"جی امی جان۔ اس گھر کے اوپر والے پورشن میں نوید اپنی فیملی کے ساتھ رہے گا اور نیچے والے پورشن میں ہم سب رہیں گے اور سب ایک ہی میز پر کھانا کھائیں گے ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہتے تھے۔" ولید حسین نے مزید کہا تو وہ کہنے لگیں۔

"پہلے کی طرح جھگڑو گے تو نہیں تم دونوں؟"

"ارے نہیں دادی جان مجال ہے جو یہ اب جھگڑیں گے۔ بجلی، گیس کے کنکشن علیحدہ علیحدہ ہیں دونوں پورشنز کے اور سب اپنا خرچ مطلب اپنی فیملی کا خود ہی اٹھائیں گے کچن بھی دو ہیں دونوں جگہ کھانا الگ پکایا جائے گا لیکن سب کے ساتھ ایک ہی میز پر کھایا جائے گا اور آپ اور دادا جان ہم سب کی مشترکہ فرض اور ذمے داری ہیں ہم سب آپ دونوں کا خیال رکھیں گے اگر آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بنا شرمائے، گھبرائے اور بلا جھجک ہمیں حکم دیجیے گا۔" منال نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان دونوں کی زبان سے ایک ساتھ کلمہ شکر ادا ہوا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

"ابا جی، امی جی ہمیں معاف کر دیں، ہم سب آپ دونوں سے بہت شرمندہ ہیں ہم نے آپ دونوں کی محبتوں اور عنایتوں کی قدر نہیں کی، لیکن اب ہمیں احساس ہو گیا ہے کہ ہم بہت خود غرض اور بے حس ہو گئے تھے ان شاءاللہ آئندہ آپ دونوں کو ہم سے شکایت نہیں ہو گی۔" افشاں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو نوفل نے آنکھوں کے اشارے سے منال کی توجہ دلائی، دراصل وہ اسے اپنی کارکردگی دکھانا چاہ رہا تھا جس کی وجہ سے آج افشاں بیگم اپنے ساس، سسر کے سامنے اپنی غلطیوں اور خود غرضیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ منال نے بھی اسے انگوٹھے کے اشارے سے گڈ کا اشارہ دیا، وہ اور بھی کھل کر مسکرانے لگا تھا۔

"بیٹی، شکایت تو ہم نے تم لوگوں سے پہلے بھی کبھی نہیں کی تھی، وہ تو تم سب کو ہم دونوں سے شکایت رہنے لگی تھی۔" وحید حسین نے رسانیت سے کہا تو وہ چاروں شرمندہ ہو گئے۔

"سوری ابا جی۔" فریال نے دبی دبی آواز میں کہا تو حمزہ وحید حسین کے کان کے قریب اپنا منہ کر کے آہستگی سے بولا۔

"دادا جان، جلدی سے معاف کر دیں، ایسا نہ ہو صبح کے بھولے پھر سے گھر کا رستہ بھول جائیں۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" وحید حسین اپنی بھاری آواز میں بولے۔ تو ولید حسین، نوید حسین، فریال اور افشاں نے ٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

"جی۔" فریال کے منہ سے نکلا۔

"کچھ نہیں میں حمزہ کی بات کا جواب دے رہا تھا اور رہی بات معافی کی تو اگر آپ سب کو احساس ہو گیا ہے تو معافی کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی آپ سب خوش رہیں، آباد رہیں اور ہماری نظروں کے سامنے اکٹھے رہیں اور ہمیں کیا چاہیے۔" وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سب خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔

"ہاں اور بچو...... تم سب وہ سب مت کرنا جو تمہارے ماں باپ نے کیا۔ زندگی چند روزہ ہے اسے محبتوں اور خوشیوں کے ساتھ گزارنا چاہیے نہ کہ جھگڑوں اور جدائیوں میں ضائع کرنا چاہیے۔" نسیمہ بیگم نے نوفل' منال' حمزہ اور انس کو دیکھتے ہوئے نصیحت کی تو وہ سب ایک آواز ہوکر بولے۔

"جی دادی جان۔"

"امی جان...... آپ انہیں کیا سمجھا رہی ہیں یہ چاروں تو خود عقل کے بادشاہ ہیں۔" ولید حسین نے کہا تو فریال بھی کہنے لگیں۔

"ہاں بالکل ہمیں ہماری غلطیوں کا احساس ان چاروں نے ہی تو دلایا ہے۔"

"اور کیا' یہ سب ان چاروں کے دماغ کی پلاننگ تھی کہ ہم ایسا گھر خرید سکے اور یہ سب اہتمام بھی ان کی ہی محبتوں اور صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ ہم سے تو ہمارے بچے ہی اچھے نکلے۔" نوید حسین نے مزید انکشاف کیا تو وہ چاروں خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور وحید حسین اور نسیمہ بیگم انہیں حیرت و مسرت سے دیکھ رہے تھے۔

"جیتے رہو میرے بچو...... اللہ تمہیں زندگی کا ہر سکھ اور کامیابی اور نیک نامی نصیب کرے' صحت و تندرستی والی زندگی جیو' آمین۔" نسیمہ بیگم نے ان چاروں کو پیار کرتے ہوئے دعا دی۔

"آمین۔" وحید حسین نے کہا۔

"دادا جان' دادی کو گجرے تو پہنا دیں جو آپ نے ان کے لیے خریدے تھے۔" نوفل نے شوخ لہجے میں کہا تو نسیمہ بیگم جھینپ سی گئیں۔

"ہاں میاں خوب یاد دلایا تم نے گجرے یہ رہے۔" وحید حسین نے چونکتے ہوئے کہا اور اپنے کوٹ کی جیب سے گجرے نکال لیے۔

"آئیں ابا جی' امی جی' کیک کاٹیں۔" ولید حسین انہیں پکڑ کر میز کے قریب لے آئے' میز پر بڑا سا کیک سجا ہوا تھا جس پر شادی کی 43 ویں سالگرہ مبارک لکھا

ہوا تھا اور کھانے پینے کے بہت سے لوازمات بھی میز پر موجود تھے۔
''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔''
وحید حسین نے بسم اللہ پڑھی اور چھری پکڑ کر کیک پر رکھی اور نسیمہ بیگم نے بھی ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کے ساتھ کیک کاٹا۔ سب نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں انہیں مبارک باد دی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے ان سب کو کیک کھلایا' سب کی طرف سے انہیں تحائف بھی پیش کیے جارہے تھے۔ نوفل اپنی پلیٹ میں کیک اور پیزا لیے سائیڈ پر کھڑی منال کے پاس چلا آیا۔
منال نے ہلکے گلابی رنگ کی لونگ فراک اور چوڑی دار پجامہ پہن رکھا تھا دوپٹے اور فراک پر بہت نفیس کام کیا گیا تھا۔ ہلکے میک اپ اور ہلکی سی گلابی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگائے' پاؤں میں گلابی اسٹائلش جوتے پہنے' خوشبو سے مہکتی وہ سیدھی اس کے دل میں اتری جارہی تھی۔
''کتنے خوش ہیں دادا دادی۔'' نوفل نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی ان پر ہی نظریں جمائے مسکراتی بولی۔
''ہاں اور شکر ہے کہ ہم یہ کرسکے' گھر واقعی پیار سے بنتے ہیں' اعتبار سے قائم رہتے ہیں' پیسے سے تو صرف مکان بنتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں' بٹوارے ہوجاتے ہیں' گھروں کے بھی اور رشتوں کے بھی۔''
''ٹھیک کہتی ہو منال' ہم اپنے بچوں کی تربیت بہت اچھی کریں گے انہیں والدین کے حقوق' بزرگوں کا احترام کرنا' ان کا خیال رکھنے کی تربیت دیں گے اپنی ذمے داریاں نبھانے کا سبق سکھائیں گے انہیں اپنے عمل سے سکھائیں گے ماں باپ کی خدمت کرنا کتنے ثواب کا کام ہے اور ان پر فرض بھی ہے کہ اپنے والدین کا اسی طرح ان کے بڑھاپے میں خیال رکھیں جس طرح انہوں نے ان کے بچپن اور جوانی میں ان کا خیال رکھا تھا۔'' نوفل نے کیک کھاتے ہوئے کہا۔
''ان شاء اللہ' ہمارے بچے ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں کریں گے جو ہمارے پیرنٹس نے اپنے پیرنٹس کے ساتھ کیا اور ہم بھی ایسے تو نہیں ہیں نوفل ہم اپنے پیرنٹس کے ساتھ یہ سب نہیں کریں گے۔'' منال نے اس کو دیکھ کر نرم اور مدھم لہجے میں کہا باقی سب کھانے پینے اور شور مچانے میں مگن تھے۔
''ہاں منال' لیکن ہمارے تمہارے والد صاحبان کی تربیت بھی تو گرینڈ پا اور گرینڈ ماں نے کی تھی پھر وہ ایسے کیوں ہوگئے؟'' نوفل نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''اپنی بیویوں کی وجہ سے ہوگئے کیونکہ ان کی تربیت دادا' دادی نے نہیں کی تھی۔ دادا' دادی کی بہوؤں نے انہیں اپنے رنگ میں رنگنا شروع کردیا' انہیں اپنے ماں' باپ سے بدگمان اور بدظن کرنا شروع کردیا اور بالآخر انہیں ان سے الگ کر بھی دیا لیکن صد شکر کہ ہم نے عقل سے کام لے کر یہ معاملہ آج ختم کرادیا بہتر حل نکال لیا ہم نے۔'' منال نے سنجیدہ مگر مدھم لہجے میں کہا تو تائید کرتا ہوا کہنے لگا۔
''سچ ہی کہتے ہیں کہ ایک عورت کی اچھی تعلیم و تربیت پورے خاندان کو سنوارتی' بناتی اور سجاتی ہے گھر کی بہتری کا باعث ہوتی ہے اور اگر تربیت صحیح خطوط پر نہ کی جائے تو وہی عورت پورے خاندان کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے ہر وقت فتنہ فساد بپا کیے رکھتی ہے گھر میں۔''
''ہوں۔'' منال نے جوس کا سپ لیا۔
''ویسے ہم نے مما' پاپا' دادا' دادی بننے تک کی پلاننگ تو ڈس کس کرلی ہے اب تھوڑا سا شرما بھی لو۔''
''کیوں؟'' نوفل کے شوخ و شریر انداز پر منال نے اسے بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔
''بھئی لڑکیوں کو شرمانا چاہیے ایسی باتیں سن کر۔''
''اور لڑکوں کو شرم آنی چاہئے ایسی باتیں لڑکیوں سے کرتے ہوئے۔'' منال نے فٹ سے جواب دیا تو وہ ہنسنے لگا۔
''ادھر آؤ تم دونوں۔'' افشاں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا تو دونوں تیزی سے ان

کے قریب آ گئے تب افشاں ان دونوں کو وحید حسین کے قریب لے آئیں۔
وحید حسین مسکرائے خوشی سے ان کی آواز میں بھی کھنک سی آ گئی۔
''بیٹا تم دونوں نے، ہمیں آج ہماری شادی کی سالگرہ کے دن ملن کا تحفہ دیا ہے تو ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم بھی تم دونوں کو ملن کا تحفہ دے کر تمہارا شکریہ ادا کریں۔'' وحید حسین نے نوفل اور منال کو اپنے دائیں بائیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر مسکراتے ہوئے کہا سب ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔
''وہ کیسے دادا جان؟'' منال نے ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''بھئی نوید، ولید، افشاں اور فریال بیٹی اگر میں تمہارے بچوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' وحید حسین نے ان چاروں کی جانب نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں ابا جی...... یہ آپ کے بھی تو بچے ہیں آپ کو پورا حق ہے ان کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے کا۔'' ولید حسین بولے تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر کہنے لگے۔
''جیتے رہو بیٹا، میں نے اور تمہاری ماں نے سوچا ہے کہ کیوں ناں نوفل اور منال کی منگنی کر دی جائے۔''
''ہاں بھئی نوفل، منگنی کر دیں تمہاری منال کے ساتھ؟''
''نیکی اور پوچھ پوچھ، دادا جان مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اس منگنی پر انگوٹھی آپ مجھے پہنائیں گے یا منال؟'' نوفل خوشی اور شوخی سے بولا تو سب کو ہنسی آ گئی۔ منال اس اچانک اعلان پر ٹپٹا گئی تھی۔
''لیجیے یہ تو بے تاب ہوئے جا رہے ہیں منگنی کی انگوٹھی پہننے کے لیے۔'' وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''تو ابا جی، بسم اللہ کیجیے یہ لیں انگوٹھی اور پہنائیں ہماری بہو کو۔'' افشاں نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے سونے کی انگوٹھی اتار کر وحید حسین کی طرف بڑھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔
''بیٹی انگوٹھی تو تم ہی پہناؤ منال بیٹی کو۔'' وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''منال سے بھی تو کوئی پوچھے اس کو نوفل اپنے منگیتر اور مستقبل کے شوہر کے طور پر قبول ہے کہ نہیں؟'' افشاں نے منال کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا تو منال نے اپنے مما پاپا کی طرف دیکھا مدد طلب نظروں سے۔
''منال بیٹی کو ہم بڑوں کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بھابی آپ انگوٹھی پہنائیں۔'' نوید حسین نے اپنی بیٹی کا جواب اس کی آنکھوں میں پڑھتے ہوئے افشاں سے کہا۔
''یہ......'' بچہ پارٹی نے خوشی سے شور مچایا۔ افشاں نے منال کے بائیں ہاتھ کی مخروطی انگلی میں انگوٹھی پہنادی۔ دادا، دادی نے انہیں مبارک باد اور دعا دی۔ نوفل کی خوشی دیدنی تھی، منال شرمیلے پن سے مسکرا رہی تھی۔ حمزہ تصویریں بنا رہا تھا۔
''ویسے یہ چیٹنگ ہے دادا جان...... یہ سب تو ٹیم ورک تھا اور ملن کا تحفہ، صرف نوفل اور منال کے لیے......'' انس نے اپنا سر کھجاتے ہوئے اس انداز سے کہا کہ سب بے اختیار ہنستے چلے گئے۔ دادا، دادی کی سالگرہ کا شادی کی سالگرہ کا یہ دن ان سب کے لیے بہت یادگار اور خوشگوار بن آیا تھا اور آنے والے دنوں کی خوشیوں اور محبتوں کی بنیاد بھی۔ سب کے چہروں پر حقیقی خوشی کے دھنک رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

جیون ایک خواب سفر

سمیرا غزل صدیقی

ماجد علی عرف مجو کی شادی خانہ آبادی اس کی تین عدد خرانٹ شادی شدہ بہنوں اور ایک عدد کنواری مگر سب پر بھاری بہن نے اپنی مشترکہ پسند نادیہ سلیم سے بڑی ہی دھوم دھام سے کروائی تھی یوں بھی وہ اپنی اماں کا اکلوتا اور کماؤ پوت بیٹا تھا۔ جس کی کریانہ کی دکان سے ہی اس کی بہنوں اور گھر کا خرچ چلتا تھا ویسے تو مجو بڑا ہی نیک اور ہوشیار تھا مگر بلا کا سیدھا تھا مجال تھی جو اماں اور بہنوں کے آگے اس کی زبان ان کی مخالفت میں ہل جائے۔

بچپن سے ہی اس نے صرف ایک لفظ سیکھا تھا ''ہاں'' اور اس کے علاوہ اس نے گھر میں کوئی لفظ بولنا سیکھا ہی نہیں۔ عمر نے اٹھائیس کا ہندسہ پار کیا تو اماں کو اب بہو کی ضرورت محسوس ہونے لگی البتہ ان کی کوشش یہی تھی کہ کنواری نند مدیحہ کی بھی شادی ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ شادی کے بعد بیٹا ماتھے پر آنکھیں رکھ لے اسی لیے شروع سے ہی دکان کا سارا خرچ و آمدنی اماں نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا تھا یہ نہ ہو کہ بیٹا شادی کے بعد پیسوں کو ترسا دے اور تو اور لڑکی کے انتخاب میں بھی بہنوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لڑکی کے آگے پیچھے کوئی اسٹینڈ لینے والا نہ ہو اور وہ اسے خوب دبا کر رکھ سکیں۔

بن باپ کی سب سے بڑی ذمہ دار چھبیس سالہ نادیہ اپنی پلکوں پر ڈھیروں خواب لیے ماجد کے سنگ رخصت ہو کر اس کے چھوٹے سے آشیانے میں چلی آئی مگر اس کے سہانے محبت بھرے خواب شادی کی پہلی رات ہی بری طرح چکنا چور ہو گئے تھے جب مجو نے دبے دبے لفظوں میں اسے باور کرایا تھا۔

''دیکھو نادیہ...... میں نے کبھی اپنی ماں کو کوئی تکلیف نہیں دی' بڑی امیدیں ہیں انہیں مجھ سے اور تم سے بھی۔ کبھی ان کا دل نہ دکھانا ان کے آگے کبھی نا مت بولنا۔'' یہ کیسا دلہا تھا جو شادی کی اولین رات ہی اسے اچھی بہو بننے کے گر سکھا رہا تھا جبکہ یہ رات تو ان دونوں کے وصل کی محبت کی رات تھی۔ نادیہ نے بھی جھٹ پلکیں جھکا دیں' مبادا سرتاج ناراض ہی نہ ہو جائیں۔

شادی کے دوسرے روز ہی نادیہ کو اندازہ ہو گیا کہ مجو صرف اپنی اماں اور بہنوں کی سنتا ہے۔ سارا دن مجو کی اماں ساجدہ نادیہ کو گھر کے کاموں میں ہلکان کیے رکھتیں' کبھی نند کی فرمائش تو کبھی ساس کی وہ بے چاری منع بھی نہ کر پاتی جو کبھی لب کھولنے کا سوچتی بھی تو ساس کی قہر آلود نگاہیں اس کے لب ہلنے سے پہلے ہی خاموش کرا دیتیں۔ ان سے کچھ کہنے کا مطلب اسے ناراض کرنا ہی تھا کبھی جو وہ میکے جانے کا سوچتی تو ساس صاحبہ چپ کرا دیتیں۔

''بیوی اپنے گھر میں شوہر کی دیکھ بھال کرتی اچھی لگتی ہے نہ کہ میکے میں سیر سپاٹے کرتی اور جو بیویاں اپنے شوہروں کو چھوڑ کے میکے جا بیٹھتی ہیں ان کے شوہر بھی کہیں اور ہی دل لگی کا سامان تلاش کرتے ہیں۔'' ساس کی منطق کے آگے وہ چپ ہو جاتی پھر کبھی میکے جانے کا نام نہ لیتی اور جو کبھی اس کی اماں اور بہنیں اس سے ملنے آ جاتیں تو ساس اور نندا نہیں اس کے پاس کبھی اکیلا ہی نہ چھوڑتیں جو وہ کوئی حال دل کہہ سکے ہاں اتنا ضرور سوچتی تھی کہ اس کی شادی شدہ نندیں کیوں ہر دوسرے دن میکے میں دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں کیوں ساس منع نہیں کرتیں اور ان سوالوں کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ وہ بہو تھی اور وہ بیٹیاں۔

❁......❁......❁

اس روز نادیہ نے مشین لگائی ہوئی تھی صبح سے وہ کوئی درجن بھر سے زائد کپڑے دھو کے ہلکان ہو چکی تھی۔ آگ اگلتا سورج صحن میں کپڑے دھوتی نادیہ پر مسلسل اپنا قہر برسا رہا تھا اور وہ پسینے میں شرابور اپنی خراب قسمت کو کوس رہی تھی۔ ابھی وہ کپڑے پھیلانے کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اسے منہ بھر کے قے آئی اور وہ فوراً واش روم

بھاگی تھی، ساس صاحبہ کو اس کے انداز ذرا کھٹکنے تھے۔ وہ فوراً نادیہ کو قریبی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں اور جو خوش خبری انہیں ڈاکٹر نے سنائی تو وہ نہال ہوگئی تھیں۔ نانی بننے کے بعد دادی بننے کی خوشی کسی اعزاز سے کم نہ تھی۔ شام تک یہ خبر اس کی تمام نندوں تک پہنچ چکی تھی سو وہ اپنے بچوں سمیت میکے میں آن دھمکی تھیں۔ شام کو جو گھر آیا تو شرمائی لجائی سی نادیہ اسے بہت بھائی تھی۔ باپ بننا اس کے لیے بھی کسی خوش نصیبی سے کم نہ تھا' آج تو چھوٹی نند صاحبہ بھی نادیہ کے ساتھ کچن میں مدد کروا رہی تھیں ظاہر ہے ایسی حالت میں اتنی بڑی پلٹن کی اکیلے خاطر تواضع اس کے لیے کسی قدر بھی مناسب نہ تھا۔ ساس صاحبہ تینوں شادی شدہ نندوں کے ساتھ بند کمرے میں گول میز کانفرنس میں مصروف تھیں اور بچے شرارتیں کرتے نادیہ کی جان ہلکان کیے رکھتے تھے۔ نادیہ ہمیشہ یہی سوچتی تھی کہ آخر بند کمرے میں یہ لوگ کیا راز و نیاز کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔

''بات تو خوشی کی ہے امی مگر سر پر مت چڑھا لیے گا اپنی بہو کو یہ نہ ہو کہ مہارانی بنالیں آپ اور پھر آپ کے قابو ہی نہ آئے۔'' نادیہ کی سب سے بڑی نند عالیہ نے اپنی گول آنکھیں گھمائیں۔

''اور کیا امی آپ تو ہیں ہی معصوم' ارے ایک مہینہ لگا ہے بھابی کو دبا کے رکھنے میں۔ اب پوتے کی خوشی میں ساری محنت نہ برباد کردیجیے گا یہ نہ ہو کہ بھائی جورو کے غلام بن جائیں۔ بھئی ہم نے بھی تو بچے پیدا کیے ہیں کیا ہم نے گھر کے کام نہیں کیے۔ آپ نے تو پہلے ہی دن بے چاری مدیحہ کی ڈیوٹی بھابی کے ساتھ کچن میں لگادی' حد کرتی ہیں آپ۔'' عالیہ سے چھوٹی نجمہ نے اماں کو گھورا۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو اب دیکھنا کیسی لگام کس کے رکھتی ہوں۔'' ساس صاحبہ کی آنکھوں میں بڑی کمینی سی چمک آئی اور پھر تینوں بہنوں کا بڑا ہی بے ہنگم قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

❀......❀......❀

بیٹیوں کے کہنے میں آ کے ساس صاحبہ نے اگلے دن سے ہی ماتھے پر آنکھیں رکھ لی تھیں سارا کام اکیلی نادیہ کے سپرد کردیا تھا اور وہ بے چاری حیران پریشان سی کھڑی سوچتی رہ گئی کہ کل تک تو ساس نے مدیحہ کو اس کے ساتھ مل کر ہر کام کرنے کو کہا تھا پھر آج ایسا کیا ہوگیا جو آنکھیں بدل لیں۔

''مدیحہ بیٹا تم دوپہر میں چلنا میرے ساتھ رضیہ آپا کے گھر' تمہیں سلائی سیکھنی ہے خیر سے اب تمہارا بیاہ بھی کرنا ہے۔'' سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت ساس صاحبہ نے نادیہ کے سامنے مدیحہ سے کہا۔ سلائی سینٹر بھیجنے کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ مدیحہ نادیہ کی مدد نہ کرسکے اور ماجد کے سامنے بہانہ بھی بن جائے کہ وہ بے چاری گھر پر ہوتی ہی کب ہے رہ گئی ساس تو وہ کہاں اس عمر میں کام کریں گی۔

''جی امی جیسے آپ کہیں۔'' مدیحہ نے مسکراتے

ہوئے نادیہ کو دیکھا' جیسے کہ اس کی بے بسی پر ہنس رہی ہو اور وہ بے چاری تو اتنا بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ امی ابھی کچھ مہینے رک جائیں۔ اب مدیحہ ہر وقت اپنی سلائی کے کاموں میں مصروف رہتی اور نادیہ گھر کے کاموں میں کپڑے دھوتی تو تھوڑے تھوڑے کپڑے بالٹی میں بھر کے اوپر پہنچا آتی' کسی کو ترس نہ آتا کہ وزن اٹھانے سے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔ ڈھیروں برتن دھوتی جب کچن میں جاتی برتن منہ چڑا رہے ہوتے۔ نند یا ساس کو اتنی توفیق نہ ہوتی کہ کم از کم برتن دھو کر رکھ دیں۔

دوپہر کو الگ ہنڈیا پکاتی رات کو الگ کہ باسی سالن یا روٹی کسی کو کھانے کی عادت نہ تھی۔ مجو گھر آتا تو نڈھال نڈھال سی نادیہ کو دیکھ کے تھوڑا پریشان ہو جاتا اکثر وہ الٹیاں کر کر کے نڈھال ہو جاتی تو ساس بڑی ہی بے فکری سے کہتیں۔

''بھئی الٹیاں تو ایسے میں ہو ہی جاتی ہیں' مجھے تو پورے نو مہینے تک ہوتی تھیں مگر مجال ہے جو گھر کا کام رکا ہو۔'' اور وہ بے چاری پھر سے کام میں جت جاتی' اس روز گھر پر کوئی نہ تھا مدیحہ سینٹر گئی ہوئی تھی تو ساس صاحبہ اپنی کسی سہیلی کے گھر حال احوال پوچھنے کی غرض سے روانہ ہو گئی تھیں۔ نادیہ کو بڑی دیر سے چکر آ رہے تھے اس نے بڑی مشکل سے لیموں پانی بنایا تھا مگر یہ اس کی خراب قسمت تھی کہ اس سے پہلے کہ وہ گلاس منہ سے لگاتی ایک زوردار چکر اسے زمین بوس کر گیا تھا اور گلاس کی کرچیاں پورے کچن میں بکھر گئی تھیں۔ اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو ہسپتال میں پایا اس نے آنکھیں کھولیں تو ماجد اس کے برابر بیٹھا تھا اس نے حیران ہو کر ماجد کو دیکھا۔

''گھبراؤ مت تمہیں چکر آ گئے تھے وہ تو اچھا ہوا کہ میں کسی ضروری کام سے گھر آ گیا تھا اور چابی بھی میرے پاس تھی ورنہ تو آج نجانے کیا ہو جاتا۔ تم نے اماں کو جانے کیوں دیا؟'' ماجد اس کے لیے فکر مند تھا' نادیہ کا دل پرسکون ہوا۔

''اب یہ ٹھیک ہیں لیکن آپ کو ان کا دھیان رکھنا ہوگا' یہ بہت کمزور ہیں ان کی خوراک کا خیال رکھیں کچھ دن انہیں ریسٹ کرنے دیں اور ہلکا پھلکا کام کرائیں۔ یہ نہیں کہ سب کام ان پر لاد دیں' اسی وجہ سے ان کا یہ حال ہوا ہے آپ بات سمجھیں' بچے پر اثر پڑے گا۔'' ڈاکٹر نے رسانیت سے ماجد کو سمجھایا' وہ خود کافی ٹائم سے دیکھ رہا تھا کہ نادیہ ایسی حالت میں بھی سارا کام خود کر رہی ہے مگر اماں سے کچھ کہنے کی اس کی ہمت نہ تھی مگر اب سوال اس کے بچے کی صحت و سلامتی کا تھا وہ گھر آیا تھا تو اماں پہلے سے تنی بیٹھی تھیں۔

''ارے او مجو...... باؤلا ہو گیا ہے کیا ایسی حالت میں بہو کو لے کر کہاں چلا گیا تھا' میرے آنے کا انتظار تو کیا ہوتا اور بہو سارا گھر ایسے ہی گندا چھوڑ کے تم گھومنے چلی گئیں۔'' اماں نے بہو بیٹے کو گھورا۔

''اماں...... سوچنا تو تجھے چاہیے تھا نہ مدیحہ گھر پر تھی تو ایسی حالت میں نادیہ کو چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں۔ بے ہوش ہو گئی تھی یہ' اگر میں نہیں آتا تو پتا نہیں کیا ہوتا اور ڈاکٹر نے اسے آرام کا کہا ہے تم خود کر لو کام' پہلے بھی تو کرتی تھی ناں۔'' زندگی میں پہلی بار ماجد نے اپنی زبان اماں کے آگے کھولی تھی' اماں تو اماں نادیہ بھی ٹک ٹک ماجد کا یہ روپ دیکھتی رہ گئی تھی۔ اماں تو ابھی تک شاک میں تھیں' ماجد نادیہ کو کمرے میں چھوڑ آیا تھا پھر اماں کی ہمت نہ پڑی' نادیہ کو بلانے کی اگلے دن اماں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو فون کر کے بلا لیا۔

''دیکھا اماں...... میں نہ کہتی تھی کہ لگام کس کے رکھ' آج دیکھ لیا ناں اولاد کی وجہ سے وہ کل کی آئی لڑکی جیت گئی۔ کیسا ڈرامہ کر کے بھائی کو اپنی طرف کر لیا۔'' بڑی نند نے بڑی ہی چالاکی سے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی واقعی طبیعت خراب ہو گئی ہو میرے پوتے کو کچھ نہ ہو جائے۔'' اماں آخر تھیں تو ماں ہی ناں' بہو سے دلچسپی نہ ہو پوتے کا شوق تو بہرحال انہیں تھا۔

''لو اماں پگلا گئی ہو کیا' اب یہی تو ڈرامے ہوتے ہیں آرام کرنے کے تو بھی بہو کے ڈرامے میں آ گئی۔'' بڑی سے چھوٹی نند نجمہ نے اماں کو آنکھیں دکھائیں۔ وہ اپنی باتوں میں مگن تھیں اور باہر اماں کو بلانے کے لیے آیا ہوا ماجد اپنی ماں اور بہنوں کا یہ روپ دیکھ کے سخت صدمے میں تھا' لمحے میں اس نے فیصلہ کیا اور وہ دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا' اماں سمیت باقی بہنیں ایک دم ہی اچھلی تھیں' مبادا اس نے سب سن نہ لیا ہو۔

''واہ اماں واہ' تم اپنی بیٹیوں کی باتوں میں آ کر اپنے ہنستے بستے گھر کو آگ لگا رہی ہو۔ تم خود ہی بیاہ کر لائی تھی ناں اسے میں تو نہیں لایا تھا نہ پھر یہ فرق کیوں۔ ذرا دیکھ جا کے اسے کبھی اس نے تمہاری بے عزتی کی' تمہارے آگے زبان چلائی' تمہاری نافرمانی کی' نہیں نہ یہاں تک کے تم نے اسے کبھی میکے رکنے نہ دیا۔ وہ اس پر بھی سر جھکا گئی' تمہاری بیٹیاں تو روز آتی ہیں ناں وہ کیا سوچتی ہوگی۔ ماں کھولو اپنی آنکھیں یہ نہ ہو کہ دیر ہو جائے' یہ سب تو اپنے گھر چلی جائیں گی' تمہاری اصلی بیٹی تو وہ ہے ناں تمہارے دکھ درد کی ساجھی۔'' اماں بیٹے کو دیکھتی رہ گئیں' لمحہ لگا تھا انہیں بھی سب سمجھنے میں' غلطی ان کی تھی جو وہ بہو کو بہو ہی سمجھ رہی تھیں اور ایسا کرنے میں ان کی بیٹیوں کا ہی ہاتھ تھا۔

''بھائی ہمیں غلط نہ سمجھ۔'' عالیہ فوراً بولی۔

''باجی پلیز آپ نہ بولو آپ لوگ اپنی زندگی میں خوش ہو ناں پھر آپ کو اس سے کیا مسئلہ ہے اور اماں تم جانتی ہو ناں میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں جیسے ہم پہلے سب ہنسی خوشی رہتے تھے کیا اب نہیں رہ سکتے' ضروری ہے رنجشیں پالنا۔ میں تمہارا ہوں تمہارا ہی رہوں گا بس اس گھر کو ہنستا بستا کر دو۔'' ماجد اماں کے گلے لگ گیا' ماجد کے پیچھے آتی نادیہ نے تشکر آمیز نظروں سے ماجد کو دیکھا وہ تو سمجھتی تھی کہ ماجد صرف ماں بہنوں کے کہنے میں رہتا ہے لیکن وہ اب جان پائی کہ ماجد صرف فرماں بردار ہے اس کا اخلاق اچھا ہے اور اسے یقین تھا کہ اس سے بہتر ہمسفر اسے نہیں مل سکتا تھا۔ اماں اور بہنیں الگ شرمندہ تھیں یوں کے جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

❀......❀......❀

رات بھر شدید تکلیف میں گزارنے کے بعد اس نے فجر کے وقت ایک بہت ہی خوب صورت سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔

''یا اللہ تیرا شکر' تو نے مجھے چاند سا پوتا دیا۔'' اس کی ساس حمیدہ نے گود میں لیتے ہوئے کہا۔ رات بھر وہ تسبیح اور اللہ سے دعا کرنے میں مصروف رہی تھیں۔

''ہاں اماں دیکھ میرے جیسا ہے ناں بالکل۔'' ماجد نے اماں کے کندھے پر سر رکھا۔

''جی نہیں صرف تیرے جیسا نہیں بلکہ میرے بیٹی نادیہ جیسا بھی۔'' اماں نے جھک کے نادیہ کی پیشانی پر پیار کیا اور ننھے منے کو نادیہ کے برابر میں لٹا دیا۔ نادیہ نے محبت سے اپنے مکمل گھر کو اور اس خوب صورت منظر کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ ہر لڑکی پر سسرال میں شروع کا وقت مشکل ہوتا ہے جسے اپنی سمجھ داری اور خوش اخلاقی وصبر سے گزارنا ہوتا ہے اور نادیہ نے بھی اپنی ماں سے یہی سیکھا تھا جس کی بدولت آج اس کی ساس بھی اس کی تھیں اور ماجد تو تھا ہی اس کا' جیون ایک خواب سفر لگنے لگا تھا۔

حصہ 9

ڈھل گیا ہجر کا دن

نادیہ احمد

گزشتہ قسط کا خلاصہ

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل، خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہوجاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ و دو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلانے رہے ہوتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آجاتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ ایک ڈاکٹر ہوتی ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کر کے آئی ہوتی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن ہسپتال میں ان کی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کرلیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو، الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیر تعلیم ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کردیتی ہے لیکن حواس باختہ ہوکر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکرا جاتی ہے پر سمیر وقت پر بریک لگا تا پر علینہ بے ہوش ہوجاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں پھر اپنے پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہیں۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ اس کی شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری کا مارا ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے۔ بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی ہے جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالوں کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی جاتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں ہوتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے لاپروا جوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ بے رحمی سے ماری گئی عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کردیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ جاتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو بے نقط سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان دھما کے دار جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہوتی ہے یا ایسا صرف کشمالہ سمجھتی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں آکر اسے مونس کے حوالے سے ڈراتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے لیکن وہ خاور سے مدد لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پا کر وہ ٹھٹھک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سائے کو دیکھ کر علینہ بے

اختیار چیخ مارتی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر اپنی طرف سے سفینہ کو خود پہ ہوتے ظلم سہنے سے باز رکھتا ہے پر سفینہ کے اندر دبی عزتِ نفس کو نہ تو ڈاکٹر کی کاؤنسلنگ جگا پاتی نہ ہی فاطمہ کا شکوہ۔ آسیہ کی بیماری اور آپریشن کی خبر جہاں شاکرہ کو پریشان کرتی ہے وہیں علینہ کی ناراضی میں دراڑ بھی ڈال دیتی ہے۔ وہ بے چین ہو جاتی ہے پر وہ ناہیں جانا چاہتی اور شاکرہ اسے اکیلے گھر میں چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتیں ایسے میں فریحہ کی خواہش پر اور بیگم انصاری کی ذمہ داری پہ وہ علینہ کو انصاری ہاؤس چھوڑ کر دوہا چلی جاتی ہے۔ علینہ کو انصاری ہاؤس میں بہت محبت سے رکھا جاتا ہے۔ شہباز ایک بار پھر مار پیٹ کر سفینہ سے فاطمہ کی داخلہ فیس کے پیسے لے کر تو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ فاطمہ گھبرا کر زخمی ماں کی مدد کے لیے زبیر کو بلا لاتی ہے۔ خاور کو آسیہ کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو دکھ اور پچھتاوا اسے آ گھیرتا ہے۔ سمیر لاہور سے واپس آ رہا ہوتا ہے جہاں راستے میں اس کی گفتگو کشمالہ سے ہوتی ہے۔ علینہ خواب میں بری طرح ڈر کر چیخ مارتی ہے گھر کے تمام افراد بھاگ کر اس کے کمرے تک پہنچتے ہیں جہاں سمیر گن تھامے پہلے سے موجود ہوتا ہے چند پل کو وہ شک کے دائرے میں آتا ہے مگر اندر جا کر ساری بات کھل جاتی ہے سمیر شدید سیخ پا۔ اس ذلت پہ کڑھتا ہے۔ دفتر میں سمیر کا پہلا دن اور مصروف زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ آسیہ اپنی والدہ کو علینہ کی ذہنی کیفیت کے متعلق بتاتی ہے۔ عامر کا نازیبا رویہ اور علینہ کی مشکلات کا سن کر شاکرہ بری طرح پریشان ہو جاتی ہیں اور فیصلہ کرتی ہیں جلد از جلد پاکستان واپس جا کر علینہ کی شادی کر دیں گی۔ فریحہ فارس کی وجہ سے اندر ہی اندر گھل رہی ہوتی ہے تو دوسری طرف فارس گھٹا گھٹا اور پریشان رہتا ہے پر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ فاطمہ کے آخری امتحان والے دن ڈاکٹر زبیر اس سے ملنے آتا ہے اس کا انداز سرسری مگر فکر مندانہ ہوتا ہے۔ فاطمہ کو زبیر کی فطرت، سیرت اور سوچ متاثر کرتی ہے وہ اس کے لیے عقیدت کا جذبہ رکھتی ہے۔ شہباز کا دوست عارف اپنی مکارانہ فطرت کا استعمال کرتے شہباز کو جوئے اور قرض میں بری طرح جکڑ دیتا ہے اور جوئے کی آخری بازی کھیلتے شہباز اپنی ہی بیٹی کو جوئے میں ہار دیتا ہے۔ عارف سے نکاح کی خبر سن کر فاطمہ سن رہ جاتی ہے جبکہ سفینہ جیتے جی مر جاتی ہے۔ حالات کی ماری سفینہ بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر مجبور ہو کر ڈاکٹر زبیر سے مدد مانگتی ہے۔ زبیر سے فاطمہ کے نکاح کے بعد وہ راتوں رات اسے لے کر اپنے گھر چلا جاتا ہے پیچھے سے شہباز سفینہ کو بہت بری طرح مارتا ہے۔ علینہ بغیر بتائے انصاری ہاؤس سے اپنے گھر کی طرف نکل پڑتی ہے۔ مطلوبہ چیزیں لے کر واپس آتے ہوئے راستے میں اس کا سامنا مونس سے ہو جاتا ہے۔ سمیر بروقت پہنچ کر علینہ کو سمیر سے بچاتا ہے۔ مونس کو پولیس کے حوالے کر کے وہ علینہ کو خوب سناتا ہے مگر اپنی والدہ سے کچھ نہیں کہتا۔ علینہ کچھ پریشان اور شرمندہ ہوتی ہے جب سمیر اس سے مونس کے متعلق بات چیت کرتا ہے۔ وہ اسے ماضی کے متعلق بتاتی ہے سمیر اسے سمجھاتا ہے کہ اب اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ زبیر انصاری نور فاطمہ کو باعزت طریقے سے اپنا کر اپنے گھر میں اس کا جائز مقام دیتا ہے یہی نہیں شادی کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے میڈیسن کا انتخاب کرتی ہے۔ سفینہ کی موت اور ٹیپو کی گمشدگی کا غم اپنی جگہ پر ڈاکٹر نور فاطمہ پہ قسمت مہربان ہو جاتی ہے جس کا سارا کریڈٹ ایک قدر کرنے والے اچھے شوہر کی بدولت تھا۔ گھر میں زبیر انصاری کی بہن نگہت آپا کا بیٹا عمیر لندن آتا ہے۔ سب کی طرح وہ علینہ سے بھی گھلنے ملنے کی کوشش کرتا ہے جس پہ سمیر کچھ معیوب محسوس کرتا ہے۔ انصاری ہاؤس میں سمیر کی بطور ڈی سی پرموشن کی خوشی میں ہونے والے ڈنر میں اس وقت انتہائی مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے جب کشمالہ علینہ کو ملازمہ سمجھ کر اس کی بے عزتی کرتی ہے۔ سمیر جواباً کشمالہ کی طبیعت صاف کرتا ہے پر علینہ سے معذرت کرنے جانے پہ وہاں پہلے سے عمیر کی موجودگی اسے سیخ پا کر دیتی ہے۔ مونس جیل سے پلٹ کر

خاور کے سامنے علینہ کے کردار اور یمیر کے حوالے سے بہتان تراشی کرتا ہے جس پہ خاور ہرگز یقین نہیں کرتا لیکن مونس اس یقین سے جھوٹ بولتا ہے کہ خاور کو ہلکا سا شک ہوتا ہے۔ ادھر علینہ' فریحہ اور عمیر کے ساتھ کے ڈنر پہ نہ جانے کی بجائے گھر پہ رکتی ہے جہاں یمیر سے اس کی ہلکی سی نوک جھونک ہوتی ہے۔ ڈنر پہ عمیر' فریحہ کو اپنی آمد کا مقصد بتا کر حیران کردیتا ہے۔ وہ اچانک گھبرا جاتی ہے اور عمیر کے کریدنے پہ اسے سچائی بتانے کا ارادہ کرتی ہے۔

اب پڑھیے آگے

☆☆......☆......☆☆

کہیں بے کنار سے رتجگے
کہیں زرنگار سے خواب دے!
ترا کیا اصول ہے زندگی؟
مجھے کون اس کا حساب دے
جو بچھا سکوں ترے واسطے
جو سجا سکوں ترے راستے
مری دسترس میں ستارے رکھ
مری مٹھیوں کو گلاب دے
یہ جو خواہشوں کا پرندہ ہے
اسے موسموں سے غرض نہیں
یہ اڑے گا اپنی ہی موج میں
اسے آب دے کہ سراب دے!
تجھے چھولیا تو بھڑک اٹھے
مرے جسم و جاں میں چراغ کبھی یوں بھی ہو ترے روبرو
میں نظر ملا کے یہ کہہ سکوں
مری حسرتوں کو شمار کر
مری خواہشوں کا حساب دے
تری اک نگاہ کے فیض سے
مری کشتِ حرف چمک اٹھے
مرا لفظ لفظ ہو کہکشاں
مجھے ایک ایسی کتاب دے!

ریسٹورنٹ کے خواب ناک ماحول میں ان دونوں کے درمیان ایک طویل اور گہری خاموشی کا پردہ حائل تھا۔ فریحہ اس پل اپنے اندر چل رہی ایک تکلیف دہ جنگ سے نبرد آزما تھی۔ عمیر اس کی بے چینی کو واضح محسوس کررہا تھا کیونکہ اس سے پہلے جس فریحہ سے اس کا سامنا ہوا تھا وہ ہنستی' مسکراتی' زندگی کو زندگی کی طرح جینے والی ایک بے ساختہ اور بے تکلف لڑکی تھی۔ عمیر کا عام سا سوال اسے انتہائی مشکل میں ڈال کر اتنا الجھا دے گا' یہ تو خود اس نے بھی نہیں سوچا تھا اور سوچا تو فریحہ نے بھی نہیں تھا کہ اچانک کبھی زندگی میں اس سے یہ پوچھا جائے گا۔ دو چار دن کا ساتھ ہوتا تو وہ سر جھٹک کر فارس سے ملاقات کو ایک اتفاق یا حادثہ سمجھ کر آگے بڑھ جاتی پر یہ سفر تو سالوں پہ محیط تھا۔ دل نے اسے اس وقت چنا تھا جب محبت کے درست معنی بھی نہیں جانتا تھا تو کیسے اس کی سوچ اس کے خیال' اس کی محبت کو بس کھرچ کر نکال دے۔ اور اگر کھرچ بھی ڈالا تو زخم اتنا گہرا ہوگا کہ بھرتے بھرتے عمر گزر جائے گی۔ ادھوری محبت ایسا سانحہ نہیں جسے وقت کے ساتھ فراموش کردیا جائے۔ اجڑی ہوئی بستیاں' دوبارہ بس بھی جائیں تو گزری ہوئی تباہ کاری کے اثرات آنکھوں کی وحشت سے جھلکتے ہیں۔ مکان آباد ہوجاتے ہیں پر سناٹا نہیں جاتا۔

''فریحہ یار اپنا کزن نہ سہی دوست سمجھ لو۔ میری شکل بری لگتی ہے۔ کوئی عادت پسند نہیں یا پھر کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو۔'' عمیر کا انداز وہی بے تکلفی لیے ہوئے تھا پر اس کی آخری بات نے فریحہ کے دل تک رسائی حاصل کرلی تھی۔ کتنی آسانی سے وہ نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

''دل میں جو بھی ہے صاف صاف بتادو مجھے۔ آئی پرامس آئی کین لو وِد اِٹ۔ (میں وعدہ کرتا ہوں میں اس سچ کو قبول کرلوں گا)'' ایک پل کو تو دل میں خیال گزرا کہ سب کچھ سچ بتادے۔ ہے کوئی جس کی محبت کا آسیب اس وجود پہ حاوی ہے اور ابھی تک ایسا کوئی اِسم' کوئی تعویز یا ٹوٹکا ایجاد نہیں ہوا جو دل والوں کو آسیبِ محبت سے نجات دلا دے پر مصلحت نے زباں کو روک لیا۔ کس بنیاد پہ وہ یہ جنگ لڑنے جارہی تھی جس میں اس کے اپنے ہی مہرے

نے اس کی شکست کا سامان کر دیا تھا۔ فارس کی طرف سے جو چپ سادھ لی گئی تھی' اس کا دل دکھانے والا رویہ اور تکلیف دہ باتیں سننے کے بعد بھی اب کیا باقی بچتا تھا۔ ایک بات تو طے تھی اور فریحہ اس سچ کو قبول کر چکی تھی کہ جس طرح وہ فارس سے بے لوث اور سچی محبت کرتی ہے وہ اس سے نہیں کرتا تو کیوں کسی کا خلوص سے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک کر اپنے راستے کی تکالیف میں اضافہ کرے۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ بس وہ آپ نے اس طرح اچانک پوچھا تو میں گھبرا گئی۔ اس سے پہلے اس ٹاپک پہ کسی نے ذکر نہیں کیا اور نہ ہی میرے گمان میں تھا تو میں......'' وہ بہت سوچ سمجھ کر بولی۔ یہ بات فقط عمیر تک محدود نہیں تھی۔ ظاہر ہے اس رشتے میں عمیر کے ساتھ ساتھ اس کی ماں کی بھی پسندیدگی شامل تھی اور پھر پھوپو سے یہ بات ممی اور ڈیڈ تک پہنچتی تو وہ کون سا اس رشتے کو ریجیکٹ کریں گے۔ یہ اس کی زندگی کا راز تھا اسے اس انداز میں تو کھولنا نہیں تھا کہ بدنامی کے جھنڈے پورے خاندان میں نصب ہو جاتے وہ بھی اس صورت جب زبیر انصاری کی فیملی سب کے لیے ایک آئیڈیل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس نے دل کی بات نہ سنتے ہوئے دماغ سے فیصلہ کیا تھا۔ خود کو سنبھال کر محبت کے سراب میں بھٹکنے کی بجائے اپنی سمجھداری سے اپنے ماں باپ کی عزت اور اپنا بھرم دونوں قائم رکھا تھا۔

''تھینک گاڈ۔ یار تم نے تو واقعی ڈرا ہی دیا تھا۔ میں تو سمجھا لے بھئی عمیر' تیری گاڑی لیٹ ہوگئی۔ لیکن شکر ابھی چانس ہے۔'' عمیر کے سینے سے بوجھ سرکا' جب ہی ایک ٹھہرا پُرسکون سانس خارج ہوا۔ بظاہر وہ جتنا نارمل اور خوش مزاج ایکٹ آؤٹ کر رہا تھا اندر سے اتنا ہی شدید اسٹریس میں تھا۔ جب کوئی دل کو اچھا لگتا ہے تو آپ اسے ہر قیمت پہ پانے کی خواہش کرتے ہیں اور اس مرحلے کے آغاز میں ہی ناکامی روگ بن جاتی ہے۔ صد شکر یہ روگ عمیر کے حصے میں نہیں آیا تھا۔

''تو پھر اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو میں مام کو سگنل دے دوں؟'' اس نے ایک نظر فریحہ کے سنجیدہ چہرے کا جائزہ لیتے اشارے سے ویٹر کو بل لانے کا کہا۔ دل ہی دل میں خود کو کوستی فریحہ نے اپنے اندر کی بے چینی اور تپش کو کم کرنے کی خاطر پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے محض سر ہلایا۔ فارس سے جھگڑے کے بعد یہ اس کی زندگی کا دوسرا بدترین دن تھا۔ کاش وہ آج عمیر کے ساتھ ڈنر پہ نہ آئی ہوتی...... کاش۔

☆☆......☆......☆☆

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اندھوں کی طرح ٹٹولتا بمشکل خود کو گھسیٹتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اندھا اس لیے کیونکہ اتنی دیر سے وہ جس چہرے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا اسے بس ایک وہی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پندرہ منٹ' ہاں صرف پندرہ منٹ پہلے ہی تو وہ اس کے ساتھ' اس کی انگلی تھامے چل رہا تھا۔ بس ایک لمحے کی ہی تو خطا ہوئی تھی جب وہ دکان میں کچھ دیکھنے کے لیے اندر گیا اور اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ اگلے لمحے اس کا دھیان جب پلٹا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ بجلی کی سی تیزی سے وہ دکان سے باہر نکلا اور اردگرد کی تقریباً سب دکانوں کو چیک کر لیا تھا پر وہ اسے نہیں ملا۔ بے بسی سے اس نے ساتھ چلتے اپنے بڑے بیٹے کی طرف دیکھا' وہ بہت بڑا نہ تھا مگر عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اس پریشانی کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس کے چہرے پہ تشویش نمایاں تھی جس نے خود اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا حارث آخر ایک پل میں چلا کہاں گیا۔ دل کو ایک بات کی تسلی تھی کہ مال مکمل سیکیور تھا' بچہ گم ہو سکتا تھا کہیں غائب نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ تو محض ایک تسلی ہی تھی۔ کئی کلومیٹر پہ پھیلے دو ہال کے اس تین منزلہ عالی شان شاپنگ مال کے ڈھیروں دروازے تھے۔ تین بیسمنٹ کار پارکنگ اور متعدد لفٹیں تھیں۔ سات آٹھ سال کا بچہ اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ ایسی بھول بھلیوں میں درست راستہ نکال لے۔

''پاپا حارث مل تو جائے گا ناں؟'' رامس کے سوال نے اس کے دل کو عجیب انداز میں مٹھی میں جکڑا تھا۔ وہ

بس ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ جواب دینے کی ہمت اس پل عامر کے پاس نہیں تھی۔ ہاں کہنا چاہتا تھا پر پندرہ منٹ پندرہ صدیوں سے زیادہ جان گسل تھے کہ اپنی اولاد سے دوری کا احساس جسم سے جان نکال رہا تھا۔ نا کہنے کی اذیت تو سوچ کر ہی مار ڈالتی تھی۔ کتنے دن سے بچے آسیہ کی وجہ سے اپ سیٹ تھے۔ وہ خود ابھی باہر نہیں جاسکتی تھی تو عامر سے کہہ دیا انہیں کہیں گھمانے لے جائے۔ ان دونوں کے اصرار پہ ہی وہ انہیں مقامی مال میں موجود پلے لینڈ لایا تھا جہاں بچے آ کر بہت خوش ہوگئے تھے اور اب واپس جاتے ہوئے اس وسیع و عریض مال میں ونڈو شاپنگ کو انجوائے کرتا عامر اچانک حارث کو کھو بیٹھا تھا۔ ویک اینڈ کی وجہ سے لوگوں کی بھیڑ بھی بے تحاشہ تھی۔ یہ بھی تسلی تھی ہر جگہ سی سی ٹی وی کیمرے ہیں پر خود کار دروازے جو بس سینسر سے کھل جاتے ہیں ان سے نکل کر بچہ باہر چلا جائے تو وہاں ڈھونڈنا ایک عذاب ہے اور اگر باہر نہیں بھی جاتا تو اتنے بڑے ایریا میں باپ اور بھائی کو ڈھونڈتا وہ بیچارہ کتنا ہلکان ہوگا۔ عامر کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ اسے تو سوچ کر ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اگر اس بات کی بھنک بھی آسیہ کو پڑ گئی تو اللہ جانے اپنا کیا حال کرلے گی لیکن ابھی تو خود اس کی اپنی حالت غیر تھی۔

''کیا وہ بھی علینہ آپا کی طرح ہم سے دور چلا گیا ہے؟'' چلتے ہوئے رامس نے ایک اور سوال کیا جو عامر کے وجود پہ کوڑے کی طرح لگا تھا۔ وہ معصوم بچہ اسے اس وقت وہ آئینہ دکھا رہا تھا جسے عامر نے سالوں سے ضمیر کے تابوت میں چھپا کر دفن کر دیا تھا۔ آج اس پل جب اپنی سگی اولاد خود سے دور ہوئی تو آسیہ کے درد کا احساس ہونے لگا تھا۔ کس طرح وہ اتنے عرصے سے لب سیئے صبر سے اپنی اولاد کی جدائی برداشت کررہی تھی۔

''وہ کہیں نہیں گیا ابھی مل جائے گا۔'' وہ بے اختیار چلایا کہ اردگرد چلتے لوگوں نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہم اسے ڈھونڈ لیں گے رامس وہ یہیں کہیں ہوگا۔'' اس بار لہجہ شکست خوردہ تھا بے اختیار لوگوں کو پرے دھکیلتے اس نے رامس کا ہاتھ تھامے تیز تیز چلنا شروع کردیا۔ نگاہ اب بھی حارث کی تلاش میں تھی لیکن اچانک منظر بدل گیا تھا۔ وہاں موجود ہر چہرہ اس پل علینہ کا چہرہ تھا۔ سہا ہوا سسکتا شکوہ کناں ہر سمت اسے علینہ نظر آ رہی تھی۔

''تو کیا یہ مکافاتِ عمل ہے؟'' اس نے خوف سے سوچا۔ احساسِ جرم اعتراف جرم سے زیادہ خوف ناک ہوتا ہے اور اس وقت یہ احساس اسے موت سے بدتر لگ رہا تھا۔ بڑے خوف ناک انداز میں اسے اس کے گناہ کا احساس دلایا تھا قدرت نے کہ اب تو ہاتھ اپنی اولاد کے صحیح سلامت ملنے کی دعا مانگنے کو بھی نہیں اٹھا پارہا تھا۔ انکوائری کاؤنٹر پہ کھڑے سیکیورٹی گارڈ کو حارث کا حلیہ بتاتے ہوئے اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ سیکورٹی گارڈ نے اسے تسلی دی اور مال کی دیگر سیکورٹی کو پیغام بھیج دیا تھا پر اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ نا جانے کیوں اب اسے یقین ہوگیا تھا حارث کی گمشدگی اس کے جرم کی سزا ہے جو اللہ نے اسے دی ہے۔ کسی معصوم کے دل سے نکلی آہ جو آج پوری ہو رہی ہو۔

''نہیں اللہ نہیں' میں جانتا ہوں میں گناہ گار ہوں پر اس کی ماں کو دوسری بار اولاد سے بچھڑنے کا دکھ مت دینا۔'' خود کلامی کے سے انداز میں فریاد کرتے اسے احساس ہی نہیں ہوا آنسو کب اس کی آنکھوں سے رواں ہوئے تھے۔ مال کی سرزمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اس وقت وہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رونے لگا تھا۔ شاید اپنے اندر کے احساسِ ندامت کو آنسوؤں کے سیلاب میں بہانا چاہتا تھا پر روح کچھ اور بوجھل ہو رہی تھی۔ پاس کھڑا رامس سہم کر اس سے لپٹ گیا تھا۔ اردگرد لوگ بھی رک کر اسے تسلی دے رہے تھے۔ حارث کے مل جانے کی دعا کررہے تھے مگر یہ فقط عامر جانتا تھا وہ حارث کے لیے نہیں بلکہ اپنی کی ہوئی زیادتیوں کے لیے رو رہا تھا۔ اپنے گناہوں پہ نادم ہو کر آنسو بہا رہا تھا۔ علینہ کے لیے رو رہا تھا آسیہ کے دکھ میں رو رہا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

"تو یہاں یہ سب چل رہا ہے۔" وہ بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہوئی تھی اور اس طرح اچانک اپنا بیلنس قائم نہیں رکھ پائی۔ اس سے پہلے کہ وہ پیچھے لڑھکتی سمیر نے اسے سنبھال لیا لیکن اپنے عقب سے آتی تیز اور غصیلی آواز پہ وہ دونوں ہی چونک کر دور ہوئے تھے۔ خاور کی آنکھوں کی لالی اس کے اندر کا غضب بن کے اگل رہی تھی کہ علینہ کا پورا جسم خوف کی زد میں آ گیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی خاور کے چہرے پہ اتنی سختی اور آنکھوں میں اپنے لیے اس قدر نفرت نہیں دیکھی تھی۔ وہ قدم قدم آگے چلتا اب بالکل ان دونوں کے قریب آ چکا تھا۔ سمیر اس غیر شناسا اور انجان شخص کو ایسے تیوروں کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھ کر کچھ حیران ہوا لیکن اسی وقت خاور کی نگاہوں کے تعاقب میں اس نے علینہ کا چہرہ دیکھا۔ خاور کی شعلہ بار نگاہیں علینہ کے چہرے پہ گڑی تھیں جہاں اس وقت موت سا سکوت اور شرمندگی ہی شرمندگی تھی حالانکہ اس کا اور سمیر کا تو جھگڑا چل رہا تھا پر جس آکورڈ حالت میں خاور نے ان دونوں کو دیکھا تھا علینہ کو یہ سوچ ہی زمین میں گاڑنے کے لیے کافی تھی۔ سمیر کو کسی حد تک علینہ کے تاثرات سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ شخص کون ہو سکتا ہے اس پہ حیران کن حد تک اس کے نقوش علینہ سے ملتے تھے۔

"وہ مونس ٹھیک کہہ رہا تھا' گھر میں مہمان رکھنے کے بہانے یہ گھٹیا انسان تمہارے ساتھ چکر چلا رہا ہے۔" وہ بولا نہیں پھنکارا تھا اور اس کے جملے نے علینہ کے پیروں تلے زمین نکالی تھی تو سمیر خود حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں لگانے لگا اور پھر بھی ایک منٹ لگا تھا اسے ساری سچویشن سمجھنے میں کہ یقیناً یہ اس واہیات لڑکے کی چال ہے۔ ویسے تو اسے تھانے میں بند کرا کر سمیر نے پلٹ کر اس کی خیر خبر نہیں لی تھی نہ ہی اس کے ذہن میں مونس کا خیال آیا تھا مگر اسے اندازہ تھا آج کل میں یقیناً ایس ایچ او نے اسے چھوڑ دیا ہوگا۔ علینہ سن سی کھڑی ناقابلِ یقین نگاہوں سے خاور کو دیکھتی رہی۔

"بابا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ بمشکل کچھ کہہ پائی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس کا باپ ایک غیر کے جھوٹ پہ یقین کر کے اپنی سگی اولاد کو مجرم قرار دے گا۔ تو کیا خون پانی سے بھی ہلکا ہو چکا تھا' رشتے اتنے ہی بے اعتبار اور ناقص ہو چلے کہ ریت کی طرح مٹھی سے نکل کر بکھر جائیں۔

"وہی جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔ علینہ کا دل چاہا کہ اب کوئی آئے اور اس کی بے گناہی کا ثبوت دے۔ کیوں ہر بار اس کی ذات اس کے اپنوں کی بدولت گالی بن جاتی ہے۔ کیا اسے عزت سے رہنے کا کوئی حق نہیں۔ کتنی آسانی سے اس کے کردار کے بخیے ادھیڑ دیئے جاتے ہیں پھر بھلے وہ اس کا سوتیلا باپ ہو یا سگا۔ اس سے تعلق رکھنے والا ہر مرد کتنی آسانی سے اس کی عزتِ نفس مجروح کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بے اختیار آنسو علینہ کی آنکھوں سے چھلکتے رخساروں کو بھگو گئے تھے۔ اس سے پہلے کے وہ اپنی صفائی دینے کی کوشش کرتی سمیر یک دم اسے پرے دھکیلتا اس کے اور خاور کے درمیان چلا آیا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا' آپ کی بیٹی سے چکر چلا رہا ہوں میں۔" علینہ کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ سمیر نے بے حد کمپوز اور پورے اعتماد سے بولتے نا صرف علینہ کو حیران کیا بلکہ سامنے کھڑے خاور کے چہرے کا اشتعال حیرانی میں بدلا تھا۔ علینہ جتنی پریشان تھی سمیر اس کے برعکس اتنا ہی پُرسکون۔ خاور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ جیسے اسے چیلنج کر رہا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" علینہ خائف سی اس کے عقب میں کھڑی بے یقینی سے بولی پر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ مجال ہے جو اس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق آیا ہو بلکہ نہایت سنجیدگی سے علینہ کو دیکھتے اس نے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

"چپ کرو تم...... میرے ہوتے خوامخواہ تمہیں ایک ایسے انسان سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے جو تین میں نا تیرہ میں۔" دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے اس نے خاور کی

طرف دیکھتے چیلنج کیا۔ علینہ کا دل چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے۔ عجیب احمق انسان ہے بجائے اپنا اور اس کا دفاع کرنے کے الٹا ایک بہتان کو مزے سے قبول کررہا ہے وہ بھی اس کے باپ کے سامنے۔

''باپ ہوں میں اس کا۔'' خاور کے لہجے میں سختی تھی۔ علینہ کو لگا کہیں وہ سمیر کو کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دے۔ گھر میں کوئی تھا بھی تو نہیں جو اس بگڑی ہوئی چویشن کو سنبھال پاتا۔ ایک دم اسے چوکیدار کا خیال آیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ بات بگڑے اسے بھاگ کر چوکیدار کو بلا لینا چاہیے۔ کم سے کم ان دونوں کے بیچ کوئی بڑا جھگڑا تو نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ذہن میں منڈلاتی سوچوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہاں سے ہٹتی سمیر کے طنزیہ سوال نے اس کے قدموں کو روک دیا۔

''اوہ رئیلی؟'' وہ ابرو اٹھائے چبھتے لہجے میں بولا تو خاور اور علینہ دونوں ہی حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''آپ باپ ہیں اس کے۔ پھر بھی اپنی بیٹی کی ذمہ داری اٹھانے کے بجائے اسے یہاں وہاں کہیں بھی چھوڑ رکھا ہے؟'' اس کا لہجہ جتنا تحمل لیے تھا اس کے الفاظ میں اتنی ہی تذلیل اور کاٹ تھی کہ خاور تو خاور خود علینہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ خاور اپنی طرف سے کوئی بھی صفائی دینے کی کوشش کرتا سمیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔

''باپ ایسے ہی تو ہوتے ہیں ناں کوئی بھی منہ اٹھا کر ان کی بیٹیوں کے متعلق الٹا سیدھا بول دے اور وہ سچ جاننے کے بجائے بیٹی کے کردار کی دھجیاں بکھیرنے چلے آئیں۔'' خاور کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ علینہ یک ٹک اپنے جوتوں پہ نگاہ ٹکائے لب کاٹ رہی تھی۔

''باپ ہوتے تو منہ توڑ دیتے اس گھٹیا انسان کا جس نے آپ کی بیٹی پہ ایسا فحش الزام لگایا۔'' سمیر دانت پیستے ہوئے بولا۔

''اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے تمہیں......'' اس بار خاور کے لہجے میں نہ وہ اشتعال تھا نہ ملامت۔ دھیمی آواز میں کہتے وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا۔

''کیا دیکھا ہے آپ نے ہاں بتائیں مجھے یہاں ایسا کیا دیکھا آپ نے جو آپ کو اپنی بیٹی کے کردار میں جھول دکھا اور میری آوارگی کا یقین آ گیا؟'' سمیر غصے میں تھا نا ہی اس کے لہجے میں بے ادبی کی جھلک تھی لیکن اس کا انداز دو ٹوک ضرور تھا۔ ایک مرد ہو کر اس نے آج تک اپنے کردار پہ کسی کو انگلی نہیں اٹھانے دی تھی کجا اس سے منسوب کرکے ایک معصوم لڑکی کی کردار کشی ہو۔

''ایک بار بھی اس سے پوچھا اسے کوئی پریشانی تو نہیں؟'' اس سب کے بعد وہ علینہ کی ذہنی حالت کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا تھا۔ وہ کس ٹراما سے گزرتی رہی ہے اور کیوں؟ خاور سے ملنے کے بعد اسے بخوبی پتا چل گیا تھا۔ ایسے ہی حالات سے گزر کر تو وہ آج بے اعتباری اور بدگمانی کے پہاڑ پہ کھڑی کسی بھی انسان کے خلوص کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی تھی۔ ٹوٹے ہوئے خاندان نے اس کی شخصیت کو بھی توڑ کر رکھ دیا تھا۔

''کوئی تکلیف تو نہیں؟'' علینہ نے نگاہ اٹھا کر سمیر کی طرف دیکھا پر وہ اس کی بجائے خاور کی طرف متوجہ تھا جو گردن جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں بمشکل کھڑا تھا۔

''کتنے دن ہو چکے ہیں اسے ہمارے گھر رہتے۔ اس سے پہلے تو آپ کو خیال نہیں آیا اپنی بیٹی کی خیریت پوچھنے کا۔ وہ کس حال میں ہے؟ کہیں اسے یہاں کوئی تنگ تو نہیں کررہا۔'' اس بار اس کا لہجہ کچھ دھیما تھا اور علینہ کا وجود ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

''ارے آپ تو یہ بھی نہیں جانتے آپ کی ناک کے نیچے مونس اس کا جینا حرام کررہا ہے۔ سرِ عام اس کی بے عزتی کرتا ہے۔'' سمیر کی بات پہ خاور نے پہلی بار سر اٹھا کر حیرت سے پہلے اسے اور پھر علینہ کو دیکھا پر شاید یہ اس کی برداشت کی حد تھی۔

''بس کردیں سمیر...... آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میرے بابا کے ساتھ اس انداز میں بات کرنے کا اور نا ہی میں نے آپ کو اپنے ذاتی مسائل کی تشہیر کی اجازت دی ہے۔ آپ نے میری مدد کی مونس سے میری جان بچائی۔

اس کے لیے میں آپ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں لیکن اس سے آگے پلیز میرے لیے مسائل مت کھڑے کریں۔'' ہتھیلی کی پشت سے بے دردی سے آنکھیں رگڑتے اس نے تقریباً چیخ کر کہا تھا۔ سمیر کو حیرت ہوئی تھی نہ ہی غصہ آیا تھا کیونکہ وہ سمجھ سکتا تھا علینہ بہت ڈسٹرب ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔ گو سمیر نے اس کا دفاع ہی کیا تھا پر جس اسٹریس سے وہ گزر رہی تھی ایسے میں یہ رویہ انتہائی نارمل تھا اور اس کے لیے اس نے برا منائے بغیر علینہ کی بات کو درگزر کر دیا تھا۔

''یہ چند دن جو آپ کے گھر پناہ گزینوں کی طرح گزرے ہیں مجھ پہ احسان رہیں گے۔'' آنسو اپنے اندر اتارتے وہ ٹوٹے لہجے میں بولی۔ سمیر نے خود پہ ضبط کرتے بے ساختہ آنکھیں بند کیں تھیں۔ یہاں وہ غلط تھی کیونکہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔

''یو جسٹ مائینڈ یور اون بزنس۔'' سنجیدگی سے ایک گہری نظر اس نے علینہ کے سرخ اور بھیگے چہرے پہ ڈالی اور پھر بے اختیار گردن نیچے جھکالی۔ وہ اب اپنے جوتے کی ایڑھی سے گھاس کو مسل رہا تھا۔ وہ اس وقت علینہ کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جتنا کر دیا تھا اس کے حساب سے بہت تھا لہٰذا اب سب سے اچھی تھی خاموشی۔

''اور آپ......'' وہ اب خاور کی طرف متوجہ ہوئی جو اپنے ہی ہاتھوں کھودے ذلت کے گڑھے میں بہت دیر سے خاموش کھڑا تھا۔

''علینہ بیٹا......'' اس نے کچھ کہنا چاہا پر علینہ نے اسے بولنے نہیں دیا۔

''بس کردیں بابا پلیز اب بس کردیں۔ میں جانتی ہوں آپ کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں۔ مجھے تو آپ میری ماں کے ساتھ بیس سال پہلے اپنی زندگی اور گھر دونوں سے نکال ہی چکے ہیں پھر بھی ایک امید تھی کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں......'' یہ شکایت تو برسوں سے دل میں چھپی تھی آج خاور ہی کی بدولت زبان پہ چلی آئی ورنہ وہ تو اتنے سالوں سے اپنا بھرم قائم رکھے اس سے ہمیشہ ہی لاتعلق رہی تھی۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں علینہ میری بچی۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''جھوٹ مت بولیں۔ آپ جیسا شخص فقط اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ اپنی ذات کے لیے سوچتا ہے۔ آپ مجھ سے محبت کیسے کرسکتے ہیں آپ نے تو میری ماں سے محبت نہیں کی جس نے آپ کے سوا کسی کو اتنی شدت سے نہیں چاہا۔'' دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سمیر نے بے اختیار نچلا لب کاٹا پر وہ اس وقت ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان دخل نہیں دینا چاہتا تھا۔ علینہ اگر اس وقت خاور سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ گھٹ گھٹ کر جی کر آج وہ اس مقام پہ پہنچی تھی کہ اسے نارمل ہونے کے لیے اپنے اندر کا غبار باہر نکالنا ضروری ہوگیا تھا۔

''ایسے مت کہو علینہ۔ میں پہلے ہی اپنے کیے پہ بہت شرمندہ ہوں۔ ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ بہت دل دکھایا ہے میں نے آسیہ کا اور تمہارے ساتھ تو انجانے میں بڑا ظلم کردیا میں نے۔'' خاور التجائیہ لہجے میں بولتے دو قدم آگے بڑھا پر علینہ تیزی سے پیچھے ہٹی۔

''نہیں ملے گی معافی، کبھی نہیں ملے گی معافی۔ جب تک میں اور میری ماما آپ کو معاف نہیں کردیتے اللہ بھی آپ کو معاف نہیں کرے گا۔'' وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی تو خاور نے بے اختیار گہری سانس لی۔ وہ نہ بھی کہتی تو وہ جانتا تھا کہ کانٹے بو کر پھول نہیں ملا کرتے۔

''آپ کی بدولت پہلے بھی سالوں سے سر اٹھا کر نہیں چل سکی آج بھی آپ نے میرے کردار کی دھجیاں بکھیر کر مجھے ان لوگوں سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا جو غیر ہونے کے باوجود میرے اپنوں سے لاکھوں گنا بہتر ہیں۔'' روتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ پتا نہیں آج کے بعد وہ اب سمیر کا سامنا کیسے کرپائے گی اور کیا اس بار سمیر اتنی بڑی بات، خود پہ لگا اتنا بڑا الزام اپنے گھر والوں سے چھپا پائے گا۔ انہیں پتا چلے گا تو وہ سب کیا سوچیں

گے اور خود علینہ ان کی نظروں کو کیسے جھیل پائے گی۔
"علینہ میری بچی مجھے معاف کردو۔ میں تمہارا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔" خاور نے آگے بڑھ کر علینہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا پر علینہ نے بےدردی سے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک دیئے۔
"چلے جائیں یہاں سے۔ اللہ کا واسطہ بابا چلیں جائیں۔ میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔" تیز قدموں سے چلتی وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ پیچھے خاور اور سمیر خاموش کھڑے تھے۔ خاور نے ایک نگاہ گھر کو دیکھا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے علینہ بھاگتی ہوئی گئی تھی اور پھر معذرتی نظر سمیر پہ ڈالی جو لاتعلق سا سرد نگاہوں سے اس کو دیکھ رہا تھا اور پھر وہ قدموں کو گھسیٹتا مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔
☆☆☆......☆......☆☆☆
خاور کے نکلتے ہی سمیر علینہ کے پیچھے اندر آیا۔ وہ وہیں لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی تھی اور سمیر کے لیے باعث حیرت تھا کہ وہ اب رو نہیں رہی تھی ہاں مگر سنجیدہ اور خاموش تھی جیسے گہری سوچ میں ہو۔ کچھ سوچ کر سمیر نپے تلے قدموں سے چلتا اس کے پاس چلا آیا۔ علینہ جس صوفہ پہ رخ موڑے بیٹھی تھی اسی صوفہ پہ ذرا فاصلے پہ سمیر بھی بالکل اس کے سامنے ہو کر بیٹھ گیا۔ علینہ نے اس بار بھی سر نہیں اٹھایا۔ کچھ پل خاموشی کے گزرے اور پھر سمیر نے ایک گہری سانس لے کر کچھ سوچتے ہوئے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔
"آئی ایم سوری علینہ۔ آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ہرٹ یو اور نا ہی میرا ارادہ تمہارے والد کی انسلٹ کا تھا۔ انہوں نے بات ہی اتنی غیر مناسب کی......" وہ بہت دھیمے اور دوستانہ انداز میں اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔ جانتا تھا کچھ زیادہ کہہ چکا ہے پر اس وقت سچویشن بھی تو ایسی ہی تھی اگر خاموش رہتا تو مجرم قرار پاتا۔
"سوری تو مجھے آپ سے کہنا ہے۔ میری وجہ سے بابا نے آپ کی کردار کشی کرنی چاہی۔" علینہ نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی تھی۔ اس کے لہجے میں تاسف اور چہرے پہ واضح شرمندگی تھی۔ سمیر نے جھٹکنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔
"آئی کین انڈرسٹینڈ' یہ سب اس لڑکے کی غلط بیانی کی وجہ سے ہوا۔ ان کی نیت غلط نہیں تھی۔ مجھے بس اس بات کا افسوس ہے انہیں تم پہ ٹرسٹ کرنا چاہیے تھا۔" سمیر نے تحمل سے کہا۔ علینہ خاموش بیٹھی اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ وہ دونوں اب مونس کے متعلق بات کر رہے تھے کہ یقیناً اس نے خاور سے بہت بڑا اور گھناؤنا جھوٹ بولا ہے اسی لیے تو وہ اتنا طیش میں تھا۔ اسی وقت صدر دروازے سے نور فاطمہ اور زبیر انصاری اندر داخل ہوئے۔ اپنے دھیان میں مگن ان دونوں نے ہی توجہ نہ دی تھی پر سمیر اور علینہ کی ادھوری گفتگو وہ دونوں میاں بیوی اندر داخل ہوتے سن چکے تھے۔ رہی سہی تفصیل علینہ کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں بیان کر گئی تھیں۔ مجبوراً ان کے زور دینے پہ سمیر کو انہیں پوری بات بتانی ہی پڑی۔ مونس کی گرفتاری سے لے کر ابھی کچھ دیر پہلے تک کا سارا قصہ سننے کے بعد وہ دونوں ہی بے حد پریشان ہو گئے تھے۔
"یہ تم نے کیا کیا سمیر؟" نور فاطمہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔
"ممی میں نے انہیں سچ بتایا ہے۔" وہ تنک کر بولا۔
"سچ بتانے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔" زبیر انصاری نے ٹوکا۔
"کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی' وہ گھر سے مائنڈ بنا کر چلے تھے انہیں دوٹوک انداز میں نہ سب کچھ کہتا تو وہ مجھے ہی مجرم بنا دیتے۔" سمیر نے اپنی طرف سے صفائی دی جبکہ علینہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔
"یار تم ہمیں کال کر دیتے ہم بات کر لیتے علینہ کے والد سے۔" زبیر انصاری زچ ہو کر بولے۔
"اور تمہیں کیا ضرورت تھی اس لڑکے کو تھانے میں بند کرانے کی' ایسے ہی تو دشمن بنتے ہیں۔ اوپر سے تم دونوں نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" نور انصاری نے شکوہ کناں نگاہوں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔
"میرا خیال ہے ممی یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے۔" سمیر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"مسئلہ تو اب شروع ہوا ہے۔ سوچا ہے آنٹی شاکرہ کو کال کر کے بتا دیا انہوں نے تو وہاں کیا طوفان مچے گا۔" ان کے لہجے میں واضح پریشانی تھی۔

"بابا نانی کو کچھ نہیں بتائیں گے آنٹی۔" علینہ نے پہلی بار اس گفتگو میں اپنی رائے دی۔ اس کے لہجے سے جھلکتی ندامت پہ نور انصاری کچھ اور اپ سیٹ ہوگئیں۔ انہوں نے محبت سے اس سے گلے لگتے ہوئے تسلی دی۔

"میری جان انہیں نہ بھی بتائیں، پھر بھی سمیر کو ان سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ ہمارے گھر مہمان تھے۔ تمہارے والد ہیں وہ بچے۔ کیا سوچتے ہوں گے ہمارے لیے کہ کیسے کم ظرف لوگ ہیں جو گھر آئے مہمان کی انسلٹ کردی۔" وہ بے چینی سے کہتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اب شاکی نظروں سے کبھی اپنے شوہر اور کبھی سمیر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"ایسا کرتے ہیں، ہم ان کے گھر چلے جاتے ہیں۔ معذرت بھی کرلیں گے اور تفصیلی بات بھی کلئیر ہوجائے گی۔" زبیر انصاری نے اپنی بیوی کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ نور نے تائیدی انداز میں سر ہلایا جبکہ سمیر نے اپنا سر پکڑلیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، ہم دونوں وہاں چلتے ہیں ابھی تاکہ ساری غلط فہمی دور ہوجائے۔" وہ فوراً تیار ہوگئیں۔ زبیر انصاری اپنی جگہ سے اٹھے پر سمیر نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"آپ رہنے دیں بابا! آپ کا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ میں ممی کے ساتھ چلا جاتا ہوں۔ غلطی میری ہے تو معذرت بھی مجھے ہی کرنے جانا چاہیے۔" اس کا بس چلتا تو نور انصاری کو بھی روک دیتا پر جانتا تھا وہ راضی نہیں ہوں گی۔ اب اگر معذرت کرنی ہی تھی تو اس کا ضمیر یہ کیسے گوارہ کرتا کہ اس کی طرف سے اس کے ماں باپ معافی مانگنے جائیں۔ نور فاطمہ کو یہ بات معقول لگی۔ اگلے چند منٹوں میں وہ دونوں گھر سے خاور کی طرف نکلے جبکہ پیچھے زبیر انصاری علینہ کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش میں اس سے باتیں کرنے لگے تھے۔

☆☆......☆......☆☆☆

گھر پہنچتے ہی وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں گھس گیا تھا۔ دونوں بچے باہر لاؤنج میں آسیہ اور شاکرہ کو اپنی سیر کا احوال سنانے لگے۔ کہاں سے کھانا کھایا، کتنا کھیلا، کون سے نئے کھلونے خریدے۔ پچھلے چند گھنٹوں کی ننھی سی داستان اور اپنے ایڈونچر شوق سے نانی کو سناتے وہ بے تحاشہ ایکسائیٹڈ تھے۔ آسیہ نے ایک نگاہ ان کے پھول چہروں کو دیکھا اور پھر بیڈروم کے بند دروازے پہ نظر ڈالی۔ اسے عامر کا رویہ بے حد عجیب لگا تھا۔ وہ ایک منٹ بھی وہاں نہیں رکا تھا پر ان لمحوں میں ہی آسیہ اس کے چہرے کی اڑی رنگت اور اس کے چہرے پہ رقم وحشت کی داستان پڑھ چکی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ کسی انہونی کا خوف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں لہر بن کر دوڑا تھا۔ بچے نانی کے ساتھ باتوں میں مگن تھے جب خاموشی سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرے کے اندر پہنچ کر اسے جھٹکا لگا۔ سامنے جائے نماز بچھائے عامر حالتِ سجدہ میں تھا۔ آسیہ دھیمے قدموں سے چلتی کمرے کے اندر آگئی اور پھر دھیرے سے اس نے بیڈروم کا دروازہ بند کردیا۔ عامر نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پھر تشہد کے بعد سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس پل وہ آسیہ کی کمرے میں موجودگی سے یکسر لاعلم تھا۔ دوسری طرف آسیہ اسے یوں بے وقت نماز پڑھتے دیکھ کر مخمصے میں تھی تو دعا مانگتے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے اسے پریشان کردیا تھا۔ بے شک رب جب دلوں کو بدلنے لگے تو بس لمحہ لگتا ہے۔ انسان تو بس اس کے "کن" کا محتاج ہے۔ جب وہ کہہ دیتا ہے تو وہ بھی ہوجاتا ہے جس کا گمان نہیں ہوتا یہ تو آسیہ کی برسوں پرانی حسرت تھی کہ عامر پابندی سے نماز ادا کرے جبکہ وہ تو جمعہ کی نماز بھی مشکل سے پڑھتا تھا۔ لیکن آخر ایسا کیا ہوا جو وہ اس وقت اتنی آہ وزاری سے دعا مانگ رہا تھا آسیہ کا صبر جواب دے گیا۔ خاموشی سے قدم اٹھاتی وہ اس کی جائے نماز کے پاس چلی آئی۔ وہ اس کے پاس جائے نماز کے کونے پہ بناء کوئی آواز

کیسے بیٹھ گئی۔ عامر نے اب بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے لب بے آواز ہل رہے تھے اور آنسو مسلسل چہرے کو بھگو رہے تھے اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آسیہ کو سامنے دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔

''سب ٹھیک ہے ناں عامر؟'' اس کا صبر جواب دے گیا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

''مجھے میری اوقات پتا چل گئی ہے آسیہ۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولا۔ آسیہ نے آج سے پہلے اسے کبھی اتنا اپ سیٹ نہیں دیکھا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟'' اس نے پریشانی سے سوال کیا۔ آن کی آن میں ایسا کیا ہو گیا تھا جو ایک توانا مرد بکھیر کر رہ گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی آگہی سے بڑا طوفان اور کچھ نہیں ہوتا۔ آگہی جب دلوں پہ دستک دینے لگے تو تکبر خاک میں مل جایا کرتے ہیں۔ وجود ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

''اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگ چکا ہوں اور مانگتا رہوں گا مگر پلیز تم بھی مجھے معاف کر دو۔'' دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے عامر نے التجائیہ انداز میں کہا۔ آسیہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''ایسے مت کہیں۔'' مرد چاہے جیسا بھی ہو عورت کو اس کا مان اس کا بھرم بہت عزیز ہوتا ہے۔ ایک اچھی بیوی کبھی یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر اس کے سامنے جھک جائے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے اس سے ہار جائے کیونکہ اس کی ہار عورت کی جیت کبھی نہیں بن سکتی۔ ایک بیوی کی جیت تو بس یہی ہے کہ اس کا شوہر اس کے وجود کو دل سے تسلیم کرے اسے مان اور محبت دے۔ بھوک روٹی کی تو برداشت کی جاسکتی ہے پر عزت اور چاہت کی بھوک کوئی بھی بیوی برداشت نہیں کر پاتی۔ جس دن اسے اس رشتے سے عزت اور محبت ملنے لگتی ہے وہ یہ کھیل شہہ مات سے جیت جاتی ہے۔ جنہیں یہ نہیں مل پاتا ان کی ہر جیت نقطہ مات ہوتی ہے۔''

''کہنے دو پلیز...... کہنے دو۔ اپنے گناہ کو تسلیم کرنا بڑی ہمت کا کام ہے اور ایسی ہمت روز روز پیدا نہیں ہوتی۔'' عامر کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی جیسے آنسوؤں کے سیلاب کو بڑی مشکل سے اپنے اندر روک رکھا ہو۔

''چھوڑیں عامر۔ میں نے معاف کیا' میرے اللہ بھی آپ کو معاف کرے۔'' آسیہ نے سر جھٹکتے دھیمے لہجے میں کہا۔

''پتا ہے آسیہ' صرف ایک گھنٹے کے لیے اپنی اولاد سے دور ہو کر اندازہ ہوا ہے مجھے کہ تم پہ اتنے سالوں سے کتنا ظلم کرتا رہا ہوں میں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر یہ بیٹھے بٹھائے عامر کو ہو کیا گیا پر اب جو اصل وجہ سامنے آئی تو اسے بھی پیروں کے نیچے سے زمین ہلتی محسوس ہوئی۔

''ذرا سا اختیار کیا مل گیا' خود کو کل سمجھ بیٹھا اور یہ بھول گیا اللہ نے تو بڑے بڑوں کا تختہ الٹ کر انہیں دربدر کر دیا پھر میں عاجز انسان کیا چیز ہوں۔'' عامر نے مختصر الفاظ میں حارث کی گمشدگی کا واقعہ بتایا۔ کس طرح وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہا تھا' کیسے علینہ کا خیال اسے شرمندہ کر رہا تھا اور پھر جب وہ اپنے جرم کا سوچ کر حارث کے ملنے کی امید چھوڑ چکا تھا' اپنے کرتوتوں کی سزا پہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکا تھا تو اچانک حارث ایک سیکورٹی گارڈ کے ساتھ سامنے سے آتا دکھائی دیا تھا۔ عامر نے دھندلی آنکھوں سے اپنے بچے کو تیزی سے خود تک آتے دیکھا اور پھر بے اختیار بانہیں پھیلا دیں۔ حارث بھاگ کر اس کے گلے لگ گیا۔ کمال حیرت وہ نا رو رہا تھا نا ہی پریشان تھا۔ وہ ڈرا سہا نہیں بلکہ انتہائی پُرسکون اور نارمل تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' آسیہ کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔ صد شکر بچہ جلد ہی مل گیا ورنہ ننھی سی جان کتنا پریشان ہو جاتا۔ وہ تو سوچ کر ہی کانپ گئی تھی جو اگر اس وقت جان جاتی تو شاید مر ہی جاتی۔

''ہاں آسیہ' حارث کو کھو کر احساس ہوا مجھے اولاد جب ایک پل کے لیے بھی ماں باپ کی نظروں سے اوجھل ہو تو کیسے دل تڑپ اٹھتا ہے۔ میں باپ ہو کر خود پہ قابو نہیں رکھ پایا تم تو ماں ہو' جس کی محبت بیان کرتے میرا رب اپنی مثال دیتا ہے۔'' وہ سر جھکائے ندامت سے بولا۔

"پریشان مت ہوں۔ شکر ہے اللہ کا وہ مل گیا۔" آسیہ خود بھی اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھی لیکن عامر اتنا بے حال تھا اسے ہرگز مناسب نہ لگا وہ اپنی پریشانی بھی اس پہ لاد دے اور پھر وہ تو خود سے اتنا شرمندہ تھا کہ آسیہ سے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کر پارہا تھا۔ یہی سوچ کر اس نے خود کو مضبوط کرتے عام سے لہجے میں تسلی دی۔ عامر چند پل اس کی شکل دیکھتا رہا آسیہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ جب سے علینہ گئی تھی اس نے اسے کم ہی ہنستے مسکراتے یا کوئی ردِعمل دیتے دیکھا تھا۔ مصلحت کے تقاضا کو مدنظر رکھ کر اس نے جذبات کو ایک طرف رکھ کر حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ تو بس یہی سمجھوتہ اس نے حارث اور رامس کی خاطر کرلیا تھا۔

"آج کے بعد میری طرف سے تمہیں علینہ سے ملنے یا بات کرنے پہ کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" وہ ایک تامل کے بعد بولا۔ آسیہ نے ناقابلِ یقین حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے جو کچھ اس نے اپنے کانوں سے سنا اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہو۔

"تم چاہو تو اسے اپنے پاس رکھ لو۔ ابھی امی کے جانے میں کچھ دن باقی ہیں جانا چاہو تو علینہ سے ملنے چلی جاؤ۔ وہ بھی تو پریشان ہوگی تمہارے لیے۔" عامر نے اس کے ہاتھ کی پشت تھپتھپاتے یقین دلایا۔

"عامر سچ کیا میں علینہ سے ملنے جاسکتی ہوں؟" اسے اب بھی یقین نہیں آیا تھا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے سوال کیا۔ وہ جو ممتا کی تڑپ پہ بند باندھے اتنے سال سے نا صرف اس کی جدائی سہتی رہی بلکہ اس کی ناراضی بھی جھیل رہی تھی اب اچانک اس کرم پہ اتنی الجھ سی گئی کہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرپارہی تھی۔ عامر نے سر ہلا کر مسکراتے ہوئے اسے یقین دلایا تو وہ مسکراتے ہوئے رو دی۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو صبر کرنا سیکھ لیتا ہے وہ پھر منزل پالیتا ہے۔ اللہ ان کے راستے آسان کردیتا ہے جو صبر کرنا جانتے ہیں۔

"اور بے شک اللہ ہی سب سے بہترین مددگار ہے۔"

☆☆......☆......☆☆

بہت سال پہلے وہ شہباز سے نظر بچا کر ایک رات بھاگ آیا تھا۔ پچھلے چند سالوں میں زندگی اتنی تلخ اور اذیت بھری تھی کہ اب اسے رات کا اندھیرا خوف زدہ نہ کرتا تھا۔ شہباز کے ظلم نے اس کی شخصیت مجروح کردی تھی۔ وہ معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے قابل رہا تھا نہ ہی رشتے بنانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ آسیہ کے ساتھ اس کی شادی برا خواب ثابت ہوئی تھی اور اس سے زیادہ تکلیف آسیہ نے سہی تھی پر جس کی بدولت اس کی زندگی جہنم سے بدتر بنی تھی وہ اپنے بھیانک انجام کے ساتھ ابھی اس زمین پہ موجود تھا۔ کیونکہ قدرت کا فیصلہ ابھی ہونا باقی تھا اور ظالم اپنے انجام تک نہیں پہنچا تھا۔ یہ مکافاتِ عمل ہے اور سب کو اپنی کرنی کا پھل اسی دنیا میں مل کر رہتا ہے تو وہ کیسے بچ سکتا تھا اللہ کے انصاف سے' سفینہ کی دستِ فریاد سے اور نور فاطمہ کی سسکیوں سے۔

"میرے اندر بڑی بے سکونی ہے مولوی صاحب۔" وہ آج پھر ہمت کرکے مسجد چلا آیا تھا۔ جماعت ہونے تک وہ باہر چبوترے پہ بیٹھا رہا۔ ایک ایک کرکے سب نمازی مسجد سے نکل چکے تھے۔ سب سے آخر میں امام صاحب مسجد سے نکل رہے تھے جب وہ ان کا راستہ روک کے کھڑا ہوگیا۔ وہ آج سے پہلے کبھی مسجد نہیں آیا تھا پر امام صاحب اسے جانتے تھے۔ اس چھوٹے سے محلے میں تقریباً سب ہی ایک دوسرے سے واقف تھے۔ وہ خاموشی سے اس کے پاس ہی چبوترے پہ بیٹھ گئے۔ کچھ دیر وہ سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھا بس یہی سوچتا رہا کہ بات شروع کہاں سے کرے اور پھر بلآخر اس نے سلسلہِ کلام شروع کیا آواز دھیمی اور لہجہ پشیمان تھا۔

"بڑا آسان سا نسخہ ہے میرے بچے لوگوں میں آسانیاں تقسیم کرو سکون اپنے آپ مل جائے گا۔ لوگوں کے راستے کے خار صاف کرو اللہ اپنے آپ تمہاری راہ کے کانٹے ہٹاتا جائے گا۔" امام صاحب نے سادگی سے جواب دیا۔ خاور نے نگاہ اٹھا کر ان کے حلیم چہرے کو دیکھا جو ہر طرح کے ریا سے پاک تھا۔ ان کی سفید داڑھی اور

جھریوں سے بھرا چہرہ طویل سفر کی داستان سنا رہا تھا پر وہاں سکون تھا۔ اور یہ سکون کبھی خاور کے حصے میں نہیں آیا تھا۔

''میری نگہداشت سپ گندل کی مانند زہر پہ ہوئی ہے۔ دنیا نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ سب کے رویوں نے جو زہر میرے اندر اتارا ہے میں اسے دوسروں تک منتقل کرنے سے کیسے روکوں؟'' وہ استہزائیہ لہجے میں کہتا پھیکی ہنسی ہنسا۔ لہجے کی شکست خوردگی اس کے اندر کی اذیت بیان کررہی تھی۔

''یہ دنیا جائے امتحان ہے اور اللہ کے بڑے خاص لوگ ہوتے ہیں وہ جنہیں آزمائش ملتی ہے لیکن سب اس آزمائش سے نکل نہیں پاتے اور جو اس امتحان میں پاس ہوجائے وہ ہوتا ہے کامل انسان۔ ہمارا تو دین ہی انسانیت کی زندہ جاوید مثال ہے۔ کیا تیری تکالیف میرے آقا ﷺ کی تکلیفوں سے بڑھ کر تھیں۔ کیا انہوں نے صبر نہیں کیا۔ پتھر مارنے والوں کو بھی دعائیں دیں۔ راستے میں کانٹے بچھانے والوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا۔'' وہ دھیما سا مسکرائے۔

''میں تو ایک معمولی انسان ہوں اور وہ کائنات کی شان۔ ان جیسا اعلیٰ ارفع مقام تو کسی کو حاصل نہیں۔ وہ تو انسانیت کی معراج ہیں۔'' خاور نے اپنا دفاع کرتے ہوئے وہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہا جو ہمارا شعار بن چکا ہے۔ اپنی کوتاہیوں پہ پردہ ڈالتے ہوئے بس ایک یہی توجیہہ ہمارے دامن میں باقی رہ جاتی ہے۔ جن کے نام پہ مر مٹنے کے دعوے کرتے ہیں ان کے طرزِ عمل پہ زندگی گزارتے ہمیں اپنے بشر ہونے کا عذر نظر آجاتا ہے۔

''اسی لیے ان کے ہر عمل کی پیروی کا حکم ہے۔ ان کا طریقہ اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ کہہ کر جان مت چھڑا کہ ان جیسا نہیں بن سکتا بلکہ ان جیسا ہی تو کرنے کا حکم ہے۔ ان جیسا صبر' ان کی طرح شکر' ایثار و قربانی۔'' امام صاحب کی بات پہ اس نے بے اختیار نچلا لب کاٹا۔ کتنی آسانی سے انہوں نے آئینہ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''جو کانٹا چبھنے کی تکلیف سے واقف ہوتا ہے نا خاور وہ کسی دوسرے کے درد کا موجب نہیں بنتا۔ تو اس درد سے واقف تھا تجھے کیکر نہیں بننا چاہیے تھا۔'' ایک توقف کے بعد انہوں نے پھر کہا۔ وہ آسیہ اور خاور کی علیحدگی کے قصے سے باخبر تھے۔ خاور کی حالیہ زندگی کے متعلق جانتے تھے۔

''صحرا میں تشنہ و بے آب رہ کر انسان کیکر ہی بن جاتا ہے مولوی صاحب۔'' خاور ان کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔ بے بسی سے کہتے اس نے امام صاحب کی طرف دیکھا کہ شاید اب وہ اس کی حالت کو سمجھ کر اسے اپنے کیے میں حق بجانب کہہ دیں۔ شاید اسی طرح اسے کچھ سکون مل جائے کہ کوئی تو اسے بری الذمہ کردے۔ وہ ضمیر کی عدالت میں چل رہے مقدمے کی سزا سے باعزت بری ہوجائے۔

''کنول بھی تو ہوسکتا تھا جو گندے جوہڑ اور کیچڑ میں بھی پھول ہی رہتا ہے۔'' امام صاحب کے سنجیدگی سے کہے جملے نے اس کی امیدوں پہ خاک ڈال دی۔

''ساری عمر ماں' بہن کی گالی کھائی ہے میں نے۔ میرا باپ کہتا تھا میری ماں بدکردار تھی اس نے میری بہن کو اس کے آشنا کے ساتھ بھگا دیا اس لیے میرے باپ نے اسے مار ڈالا۔ لیکن اس سب میں میرا کیا قصور تھا۔ سزا مجھ اکیلے کو کیوں ملی؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''تو اللہ نہیں اس کا بندہ ہے' خدائی فیصلے مت کر۔ سزا جزا کا اختیار رب سوہنے پہ چھوڑ دے وہ تجھ سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے ورنہ اس کی پکڑ میں آجائے گا اور یونہی بے چین ہوکر مارا مارا پھرتا رہے گا۔'' اس بار ان کے لہجے میں سختی تھی۔

''پر جو ہوگیا اسے کیسے سدھاروں۔ جو غلطیاں کر چکا ہوں انہیں بدل نہیں سکتا۔'' تیر کمان سے نکل جائے تو کبھی پلٹ کر واپس نہیں آتا' تمام عمر روح کو چھلنی کرتے اس کے زخم نہیں بھر پائے تھے' کیسے سوچ لیتا جو زخم وہ آسیہ کو دے چکا ہے ان کی تشفی ہو پائے گی۔

''توبہ کر توبہ۔ توبہ میں بڑا سکون ہے۔ اپنی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ ادا کر۔ معافی مانگ اس رب سے جس کے بندوں کو تو نے ستایا۔ معافی مانگ ان سب سے جن

کی تو نے دل آزاری کی اور معاف کردے انہیں جو تجھے تکلیف پہنچاتے رہے ہیں۔ بدلہ کبھی سکون نہیں دے سکتا۔ سکون معاف کرنے سے ملتا ہے خاور۔'' امام صاحب کی بات نے اسے سکون دیا تھا۔ وہ جیسے اس دن ہر غم سے نجات کی کنجی پا گیا تھا۔ ان کی بات اتنی دل کو لگی کہ اس دن سے خاور نے بس توبہ کا دامن تھام لیا تھا۔ وہ باقاعدگی سے مسجد آنے لگا امام صاحب سے باتیں کرکے دل کو سکون ملتا۔ انہی کی بدولت اس نے قرآن پڑھنا سیکھا نماز میں باقاعدگی اختیار کی۔ راتوں کو جاگ کر وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا پر ایک بوجھ تھا جو آج بھی اسے بے چین کرتا تھا۔ اور پھر وہ ایک دن شاکرہ کے پاس چلا گیا۔ ان دنوں آسیہ کی شادی ہوچکی تھی اور وہ علینہ کے ساتھ دوہا چلی گئی تھی۔ شاکرہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے اس نے اس پل خود کو اتنا ہی بے بس محسوس کیا تھا جتنی کبھی آسیہ اس کے گھر ہوا کرتی تھی پر شاکرہ نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کرتے اسے معاف کردیا تھا۔ ویسے بھی آسیہ کی اچھی جگہ شادی ہوچکی تھی پھر وہ امید سے بھی تھی اور اب اسے خاور سے ویسا گلا تھا بس اس نے خاور کو علینہ اور آسیہ سے دور رہنے کی تنبیہہ کی تھی جسے خاور نے من وعن تسلیم کرلیا تھا۔ امام صاحب کی خواہش تھی وہ دوسری شادی کرکے زندگی کو نئے سرے سے جینا شروع کرے اور اس بار وہ غلطیاں نہ دہرائے جو پہلی بار کرچکا ہے۔ وہ چاہتا تو کسی غیر شادی شدہ لڑکی سے بھی شادی کرسکتا تھا پر اس نے رخشندہ کا انتخاب کیا۔ وہ اس کی طلاق کی وجہ نہیں جانتا تھا پر رخشندہ کے ساتھ زندگی گزارنا اب اس کا امتحان تھا۔ خاور نے حتیٰ الامکان خود کو بدلتے ہوئے رخشندہ کے معاملات میں نرمی اختیار کی تھی۔ مونس کی پیدائش کے بعد رخشندہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی اور اسی وجہ سے چڑچڑی ہوگئی تھی پر خاور نے اسے بھی اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کیا اور کبھی اسے اس کی کمی کا احساس نہیں دلایا تھا۔ دوسری شادی کے بعد خاور کا کاروبار پھر سے تیزی پکڑنے لگا تھا۔ حالات بدلتے بدلتے اتنے بہتر ہوئے کہ اس نے شہر میں اپنی ورکشاپ اور ذاتی مکان بنالیا۔ رخشندہ کو کبھی مالی تنگی کا سامنا نہیں کرنے دیا۔ علینہ واپس پاکستان آئی تو خاور نے شاکرہ سے ریکوئسٹ کرکے اس کے اخراجات سنبھال لیے پر علینہ کو اپنے گھر رکھنے سے رخشندہ نے منع کردیا تھا۔ اس نے رخشندہ کو کوئی دکھ نہ دینے کا عہد کیا تھا تو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ ویسے بھی علینہ کسی صورت اس کے پاس نہ رہتی۔

☆☆......☆......☆☆

اس دن وہ اپنی ورکشاپ کے لیے کچھ سامان لے کر قریبی شہر سے لوٹ رہا تھا۔ راستے میں بس کا پہیہ پنکچر ہونے سے انہیں سڑک کے بیچوں بیچ رکنا پڑا۔ سب مسافر بس سے اتر کر اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا سڑک پہ سوائے ایک چھوٹے سے چائے خانے کے انہیں کوئی دکان دکھائی نہ دی۔ خاور بھی وقت گزاری کی خاطر چائے پینے اسی چھپر ہوٹل میں جا گھسا۔ دکان کے چھوٹے نے چائے کی پیالی اس کے سامنے دھری تھی اسی وقت پیوند لگے کپڑوں اور پھٹے ہوئے بوسیدہ کمبل کو اوڑھے ایک بوڑھا فقیر ہوٹل میں داخل ہوا۔ چائے والے نے پہلے تو اسے دھتکارہ پر جب وہ مستقل فریاد کرتا رہا تو اس نے باسی ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے اس کی سمت اچھالے۔ فقیر بے ساختہ بھوکے کتے کی طرح ان ٹکڑوں پہ لپکا اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگا۔ خاور کا دھیان خود بہ خود اس کی طرف گیا۔ اس کے بے تحاشہ بڑھے ہوئے بال اور الجھی ہوئی سفید داڑھی میں سے جھانکتا ضعیف اور جھریوں بھرا چہرہ خاور کو کچھ جانا پہچانا لگا تھا۔ پھٹی آستین سے دکھائی دیتی کلائیوں پہ جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے جو ناسور بن چکے تھے۔ منہ کے ایک کونے سے رال بہہ رہی تھی پر وہ جانوروں کی طرح ان باسی ٹکڑوں کو کھانے میں مصروف تھا۔ خاور کو اسے دیکھ کر ایک جھرجھری سی آئی تھی۔ وہ اب وہاں سے اٹھ جانا چاہتا تھا پر اسی وقت وہ بوڑھا فقیر اونچی آواز میں پانی پانی چلاتا خاور کے ساتھ والی میز کی طرف بڑھا اور لوہے کے جگ کو منہ لگالیا۔ خاور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اس آواز کو تو وہ مر کر بھی

فراموش نہ کرسکتا تھا جس کی گونج آج بھی اسے سوتے میں جگادیتی تھی۔ وہ گالیاں بھلائے نہ بھولتی تھیں۔ ہاں وہ شہباز ہی تھا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خوف اس کی ماں کا قاتل اس کے بچپن کو نگل جانے والا اژدھا اس کا سگا باپ۔

خاور پہ آج بھی شہباز کا خوف اس حد تک حاوی تھا کہ وہ اس ہوٹل سے بے اختیار بھاگا اور پھر بس کے پاس پہنچ کر پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اس نے خوف سے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ کہیں شہباز اس کے تعاقب میں تو نہیں۔ وہ بھول چکا تھا اتنے سالوں بعد شہباز اسے کیسے پہچان پائے گا۔ اس رات گھر واپسی تک خاور خوف کے مارے بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس رات اذیت کا ہر وہ لمحہ ایک بار پھر زندہ ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا جسے بھلانے میں خاور نے اپنا آپ برباد کرلیا تھا۔

"پہچان کر بھی وہیں چھوڑ آیا پگلے وہ تیرا باپ تھا۔" اگلے دن مسجد میں نماز کے بعد امام صاحب سے ملاقات کے دوران اس نے انہیں شہباز کے متعلق بتایا تھا۔

"وہ شخص میری ماں اور ہم سب کی خوشیوں کا قاتل ہے امام صاحب۔" وہ بے اختیار چلایا۔

"نہیں بدل سکا ناں اب تک خود کو۔ آج بھی وہیں کا وہیں ہے۔ بدلہ لینے کی خواہش ختم نہیں ہوئی تیرے اندر سے حالانکہ میں نے سمجھایا بھی تھا معاف کردے۔" وہ طنزیہ ہنسی ہنستے دھیمے قدموں سے مسجد کے دروازے کی طرف بڑھے۔ خاور بھی ان کے ساتھ چلتا مسجد سے باہر نکل آیا۔

"اتنا ظرف کہاں سے لاؤں؟ جسے ایک نگاہ دیکھ کر ماضی کا ہر خوف واپس لوٹ آیا ہو اسے گلے کیسے لگالیتا۔ ساری رات میری ماں کا خون میں لتھڑہ وجود اپنے قاتل کو پکارتا رہا ہے۔" ان کے ساتھ چبوترے پہ بیٹھتے وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ اس کی آواز میں چھپی اذیت امام صاحب سے بھی پوشیدہ نہ تھی۔

"کملے جو ظرف تجھ میں نہیں اسے اوروں میں کیونکر ڈھونڈتا ہے؟" ان کی بات اسے لاجواب کرگئی تھی۔

"چاہتا ہے جسے تو نے دکھ دیا وہ تجھے معاف کردے اللہ معاف کردے اور اپنی دفعہ تیرا ظرف کم پڑ گیا۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے بے اختیار ہنسے۔

"میں کسی کا قاتل تو نہیں ہوں امام صاحب۔ ابا کی طرح کسی کی زندگی برباد تو نہیں کی میں نے؟" اور اپنے ہی سوال کے اختتام تک خاور کا لہجہ مدہم ہوگیا تھا۔ امام صاحب نے نگاہ اٹھا کر گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے پاس سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"قتل صرف جان سے مار کر تو نہیں کیا جاتا جیتے جی کسی کو زندگی کی خوشیوں سے محروم کردینا بھی قتل ہی ہوتا ہے۔ پوچھتا ہے میں نے کسی کی زندگی کی برباد نہیں کی۔ اب یہ تو اپنے ضمیر سے پوچھ جو تجھے میرے پاس لے آیا ہے۔" خاور چپ چاپ وہیں چبوترے پہ بیٹھا رہا امام صاحب خود کلامی کے سے انداز میں کہتے دھیمے قدموں سے چلتے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ وہ سر جھکائے ان کی باتوں کا مفہوم سوچتا رہا۔ ایک احساس جرم تھا جو صبح سے اس کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے شہباز کو اس ابتر حالت میں دردر بھٹکنے چھوڑ آنا چاہیے تھا یا نہیں اس سوال نے اسے شدید اذیت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اپنا یہی احساس جرم کم کرنے وہ امام صاحب کے پاس چلا آیا تھا پر ان کی آواز ضمیر کی آواز کے مشابہہ تھی۔ خاور اس دن وہیں سے واپس پلٹ گیا تھا۔ اس قصبے کے چھپر ہوٹل پہنچ کر اس نے کل والے بوڑھے فقیر کے متعلق سوال کیا۔ ہوٹل کے مالک نے اسے اس مست بابے کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا جو مختلف اقسام کے نشے کرنے کا عادی ہے اور نا جانے کتنے ہی موذی امراض کا شکار ہوچکا ہے۔ اسی قصبے میں لوگوں سے بھیک مانگتا پھرتا ہے اور جب کہیں سے کچھ نہ ملے تو اس چائے خانے پہ چلا آتا ہے اور اکثر اسی ہوٹل کی دیوار سے ٹیک لگائے سوجاتا ہے۔ دکان والے چھوٹے کے ساتھ مل کر اس دن خاور نے شہباز کا کھوج لگالیا تھا اور پھر وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ ماضی بھولنا آسان نہیں تھا پر خاور نے شہباز کی خدمت میں کمی نہیں آنے دی۔ اس

کا ہر کام اپنے ذمہ رکھا یہاں تک کہ ملازمین پہ بھی کم سے کم انحصار کیا۔ وہ ایڈز کا مریض تھا اور لاعلاج تھا پھر بھی اپنے طور پہ اس کا وقتی علاج کرواتا رہا جو بہرحال اس کی موت کو نہیں ٹال سکا تھا۔

☆☆......☆......☆☆☆

جب سے گھر لوٹا تھا خود کو کوس رہا تھا۔ علینہ کا روتا سسکتا شرمندہ چہرہ بھلائے نہ بھول رہا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں کر پایا تھا اس کے لیے اور آج اس کے کردار پہ انگلی اٹھا کر اسے بیٹی کہنے کا حق بھی گنوا چکا تھا۔ وہ خود کو نہ کوستا تو اور کیا کرتا۔ اپنے طور سب کوشش کرنے کے باوجود وہ اپنی اولاد کے حق میں اچھا باپ نہیں بن سکا تھا ورنہ کبھی مونس اور رخشندہ کی باتوں میں آ کر علینہ کے ساتھ یہ زیادتی نہ کرتا۔ لیکن گھر پہنچ کر اس نے مونس کو بھی خوب سنائی۔ وہ جو رخشندہ کے ساتھ اس کا منتظر تھا خاور کا سرخ چہرہ دیکھ کر پہلے تو یہی سمجھا وہ علینہ سے خائف ہو کر لوٹا ہے پر جو کچھ اس نے مونس کو کہا اور اس کے حق میں بولنے پہ رخشندہ کی طبیعت صاف کی تو مونس چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا تھا۔ البتہ خاور کی باتوں سے خفا رخشندہ اب کمرہ بند کیے بیٹھی جھوٹے آنسو بہا رہی تھی اور یہ پہلی بار تھا خاور کو اس کی چنداں پروا نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے۔'' نور فاطمہ نے اپنے ساتھ بیٹھے سمیر کی طرف دیکھتے مدہم لہجے میں کہا اور پھر اپنے سامنے والے صوفے پہ براجمان سر جھکائے خاموش بیٹھے خاور کو دیکھا جو اس وقت ان دونوں سے نگاہ بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ سمیر نے خائف نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ حالانکہ وہ ساتھ اسی مقصد کے لیے آیا تھا کہ انہیں معذرت نہ کرنی پڑے لیکن انہوں نے خاور کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اسے سختی سے خاموش رہنے کا کہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں اندر کیا حالات ہوں اور بات کیا رخ اختیار کر جائے۔ ایسے میں سمیر کو ہر حال میں خاموش رہنا ہے وہ خود سنبھال لیں گی۔ گھر میں داخل ہونے تک وہ خود خاصی کنفیوز تھیں اس پہ خاور کی خاموشی اور سنجیدگی سے وہ کوئی بھی نتیجہ اخذ نہ کر پائی تھیں۔

''یقین جانیں علینہ مجھے بالکل میری اولاد کی طرح عزیز ہے اور میں نے پوری ذمہ داری سے اسے اپنے گھر پہ رکھا ہوا ہے۔'' اسے خاموش پا کر انہوں نے مزید کہا۔ خاور نے نگاہ اٹھا کر پہلی بار ان کو دیکھا اور پھر ادب سے نگاہیں جھکا لیں۔

''معذرت چاہتا ہوں غلطی میری ہی تھی۔'' وہ شرمندگی سے بولا تو انہوں نے لب کاٹتے سمیر کی طرف دیکھا۔ کتنا معیوب لگتا ہے جب والدین معافی مانگیں۔

''معذرت تو ہمیں کرنی ہے' سمیر کو آپ سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جذباتی ہو کر اس نے الٹا سیدھا کہہ دیا آپ علینہ کے والد ہیں اور اس رشتے سے آپ کا احترام لازم ہے۔'' نور انصاری کو خاور کا یہ دل گرفتہ انداز تکلیف دہ محسوس ہوا۔

''اس نے کچھ غلط تو نہیں کہا ڈاکٹرنی صاحبہ' مجھ جیسا انسان جو اپنی ہی اولاد پہ انگلی اٹھائے کسی طرح بھی باپ کہلائے جانے کا حق دار نہیں۔'' اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو تکتے وہ بھیگے لہجے میں بولا۔

''ایسے مت کہیں۔ والدین سے بڑھ کر نعمت تو شاید ہی اللہ نے اس زمین پہ کوئی اتاری ہو۔'' نور فاطمہ نے روا داری سے کہا۔ وہ تو ازالے کا سوچ کر آئی تھیں پر یہاں خاور کا رویہ اتنا شکست خوردہ تھا کہ وہ بیچاری خوانخواہ ہی شرمندہ ہو رہی تھیں۔ سمیر بھی اندر ہی اندر گلٹ کا شکار ہوتے سوچ رہا تھا علینہ بلاوجہ ہی اپنے والد سے خائف ہے یہ بیچارہ شریف انسان تو سر بھی نہیں اٹھا رہا شرمندگی کے مارے۔ اسی وقت گھریلو ملازم پریشان صورت لیے کمرے کے اندر داخل ہوا اور آتے ہی خاور کو مخاطب کیا۔

''صاحب جلدی چلیں۔ بڑے صاحب کو کچھ ہو گیا ہے۔'' خاور ایک دم اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سمیر اور نور انصاری بھی اس کی تقلید میں کھڑے ہوئے۔

''کیا ہوا ابا جی کو؟'' اس کے لہجے میں واضح پریشانی تھی۔

''ان کی جی سانس اکھڑ رہی ہے۔'' ملازم نے گھبرا کر

بتایا۔ جتنا وقت خاور اس کے کمرے میں موجود نہ ہوتا یہی ملازم شہباز کی دیکھ بھال پہ معمور تھا۔

''کیا ہوا آپ کے والد کو؟'' نور انصاری نے تشویش سے پوچھا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ کچھ دن سے کھانا پینا بھی چھوڑ رکھا ہے۔'' نور فاطمہ کو جلدی جلدی بتا کر وہ اب وہاں سے جانا چاہتا تھا کہ ان کی بات پہ اس کے اٹھے قدم رک گئے۔

''آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں چل کر معائنہ کرلوں ان کا؟'' نور فاطمہ نے رسانیت سے پوچھا۔ بحیثیت ڈاکٹر یہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا اور اتنا تو اپنے دشمن کے لیے بھی کر ہی سکتی تھیں۔ وہ خود کو روک نہیں پائیں۔

''آپ کا احسان ہوگا ڈاکٹرنی صاحبہ۔'' خاور کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ بے اختیار وہ عاجزانہ لہجے میں بولا۔ نور انصاری نے ایک نگاہ سمیر کو دیکھا جس کا چہرہ بے تاثر تھا اور پھر خاور کی تقلید میں گھر کے اس حصے کی طرف قدم بڑھادیے جہاں سے کچھ دیر پہلے ملازم آیا تھا۔ ملازم بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ سمیر نے ایک لمحہ سوچا اور پھر خود بھی اس کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اندر کا منظر باآسانی دیکھ سکتا تھا۔ کمرہ وسیع وکشادہ تھا' اندر بڑے سے بستر پہ ایک ضعیف العمر شخص تیز تیز سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا لباس اور صورت صاف ستھرے تھے جیسے اس کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کی جارہی ہو پر عمر اور بیماری کے باعث اس کا وجود بہت کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ بستر کے پاس کھڑی نور فاطمہ نے اس کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولنی چاہی۔ خاور تشویش سے باپ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ نور فاطمہ چند سیکنڈ نبض محسوس کرنے کے بعد اب اس کی آنکھوں کا معائنہ کرنے اس پر جھکیں۔ ان کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا تھا۔ سفید داڑھی اور جھریوں نے شناخت معدوم کرنے کی کوشش کی تھی پر کچھ چہرے آپ کبھی نہیں بھول پاتے' پھر بھلے وہ عمر کے کسی بھی حصے میں اور کیسی ہی بگڑی ہوئی حالت میں سامنے کیوں نا آجائیں۔ نور فاطمہ ایک ٹک اس چہرے کو دیکھتی رہیں جس کا خوف آج بھی انہیں سیاہ راتوں میں بے چین کردیتا تھا۔ اچانک شہباز نے آنکھیں کھول دیں۔

''ابا......'' نور فاطمہ کرنٹ کھا کر پیچھے پلٹی تھیں۔ جیسے انہوں نے کوئی عفریت دیکھ لیا ہو۔ خاور ان کا زیرلب بڑبڑانا نہ سن سکا تھا پر وہ حیران ہوا۔

''ممی آر یو آل رائیٹ؟'' سمیر نے تیزی سے آگے بڑھ کر ماں کو تھام لیا۔

''ہمم......'' پسینے کے قطرے ان کی پیشانی پہ چمک رہے تھے اور چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اس بات کی غماز تھی کہ وہ شدید اضطرابی کیفیت کا شکار ہیں۔ دھیمی آواز میں سمیر کو تسلی دیتے انہوں نے ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے خود سے پرے کیا اور پھر خود کو کمپوز کرتے خاور کی طرف پُرامید نظروں سے دیکھا۔

''یہ آپ کے والد ہیں؟'' ان کی آواز میں لرزش تھی۔

جواب میں خاور نے بس سر ہلایا۔ وہ گرنے کے سے انداز میں بستر کے کونے پہ بیٹھ گئیں کیونکہ اب اپنے قدموں پر کھڑے رہنا بے حد مشکل ہورہا تھا۔ لگتا تھا ابھی جسم سے جان نکل جائے گی۔ شہباز پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے کمرے میں موجود اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا سینے پہ دھرا ہاتھ تیز چلتی سانس کی بدولت ہل رہا تھا۔ نور فاطمہ کچھ پل اسے دیکھتی رہیں اور پھر بے اختیار انہوں نے شہباز کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اب اس جھریوں بھرے کمزور ہاتھ کی پشت پہ اپنا ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ اس وقت وہ خود بھی نہیں جانتی تھیں اس ہاتھ کو چھوتے وہ دراصل کیا محسوس کررہی ہیں۔ یہ ہاتھ کئی بار ان کے سامنے ان کی ماں پہ اٹھا تھا' اسی ہاتھ سے شہباز نے سفینہ کو مارا ہوگا' یہ ہاتھ جو کبھی نور فاطمہ کے لیے شفقت نہ بن سکا تھا' سایہ نہ بن سکا تھا' تحفظ نہ بن سکا تھا۔

''ابا کا یہ حال کب سے ہے......ٹیپو؟'' پیچھے دیکھے بغیر انہوں نے سوال کیا۔ کمرے میں کھڑے ان تین لوگوں میں

سے اس سوال کا مفہوم بس ایک شخص جانتا تھا۔ وہ جو شہباز کے پیروں کے پاس کھڑا نور فاطمہ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس ایک نام پہ اس کی آنکھیں ناقابلِ یقین حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ نور فاطمہ نے پلٹ کر خاور کی طرف دیکھا۔ آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ گزرے ماہ و سال کے دکھوں کی داستان اس پل بن کہے ان کے چہرے پہ رقم تھی۔

''آپ......؟'' وہ دو قدم آگے بڑھا...... نور فاطمہ نے سر ہلایا۔

''تمہاری آپا۔'' وہ ان کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ نور فاطمہ نے روتے ہوئے ان دو لفظوں میں کئی دہائیوں کی داستان کہہ سنائی تھی۔ پیچھے سمیر خاموش تماشائی سا کھڑا ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ کسی پزل کے ٹکڑے ایک ساتھ پڑے کسی فریم شدہ تصویر کی طرح مکمل تھے۔

''کہاں چلے گئے تھے تم ٹیپو کتنا ڈھونڈا تمہیں ہم نے......'' سسکتے ہوئے انہوں نے خاور کے سر کو چھوا۔ خاور کی آنکھوں میں اجنبیت در آئی تھی۔ چہرے پہ شکوؤں کی نئی داستان دکھائی دینے لگی پر اسی وقت شہباز کے حلق سے کراہ نکلی۔ وہ دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''ابا میں نور فاطمہ...... آپ کی بیٹی۔'' شہباز کا ہاتھ تھامے وہ روتے ہوئے بولی تھیں۔ شہباز کی آنکھوں میں شناسائی کا تاثر ابھرا۔ اس وقت ایک مرتے ہوئے شخص کی بے بسی اور تڑپ نے نور فاطمہ کو گزرا ہوا ہر دکھ بھلا دیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ سامنے بسترِ مرگ پہ تڑپتا یہ شخص ان کا باپ ہے۔ خاور اور وہ دونوں شہباز پہ جھکے اس کے گرد بیٹھے تھے۔ خاور اپنے ہاتھ سے اس کی ہتھیلی کو مسل رہا تھا جبکہ نور فاطمہ نے اس کے خشک لبوں کو تر کرنے کے لیے چمچے سے پانی پلایا۔ شہباز نے خاور کے ہاتھ سے اپنا لاغر ہاتھ چھڑایا اور پھر بمشکل اپنا دوسرا ہاتھ اٹھا کر فضا میں بلند کرتے ان دونوں ہاتھوں کو پوری قوت سے جوڑا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار خاور سے معافی مانگ چکا تھا۔ آج وقتِ رخصت قدرت نے اسے نور فاطمہ سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کا موقع دے دیا تھا۔ نور فاطمہ نے بے اختیار نفی میں سر ہلاتے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔

''ایسے مت کریں ابا۔'' وہ شدتِ غم سے ایک بار پھر رونے لگی تھیں۔ سمیر بھی اب ان کے پاس چلا آیا اور ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دینے لگا۔ کچھ نہ جان کر بھی وہ جیسے کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔

''یہ تمہارے نانا ہیں سمیر۔'' سمیر کا ہاتھ تھامے وہ بھیگے لہجے میں بولیں۔ جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے سمیر نے فقط ماں کی پیشانی کو چومتے دلاسہ دیا۔ اس لمحے کرب میں جب سامنے والا اپنی آخری سانسیں لے رہا ہو کوئی کتنا ہی مضبوط انسان کیوں نا ہو خاموش ہو جاتا ہے۔

''معافی......'' شہباز حلق کے بل چلایا۔ کرب اس کی آنکھوں سے صاف جھانک رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے نور فاطمہ خود بھی جانتی تھیں کہ موت اس کے سر پہ کھڑی ہے۔ ہر گزرتا لمحہ اس کی تکلیف میں اضافہ کر رہا ہے۔ خاور نے امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا جیسے پوچھتا ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نور فاطمہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

''معاف کیا ابا۔ ہر ظلم معاف کیا اور میری دعا ہے امی بھی آپ کو معاف کر دیں تاکہ اللہ آپ کا حساب آسان کر دے۔'' ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھوں کی نمی پونچھتے وہ سنجیدگی سے بولیں۔ ایک مرتے ہوئے انسان کے لیے اس سے بڑھ کر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆......☆......☆☆

آج شہباز نے مرنے سے پہلے خاور کا ہاتھ نور فاطمہ کو تھما کر جیسے اس کی برسوں کی تلاش کو ختم کر دیا تھا۔ اس کے زخموں پہ پھاہا رکھ دیا تھا۔ شہباز کی دردناک موت کے ساتھ زندگی کا ایک اور باب دم توڑ گیا تھا پر زندگی ابھی باقی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

خواب پچھلی شب کا

ثناء ناز

خواہشات کا کوئی مول ہوتا ہے نہ نعم البدل۔ ذرا سی بس ذرا سی شدت آجائے تو خواہشیں محض خواہشیں نہیں رہتی بلکہ خواب بن جاتی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، جاگتے سوتے دیکھا جانے والا ایک حسین خواب اور جب وہ خواب جنون بن جائے تو پوری دنیا سے ٹکراؤ بھی معمولی لگنے لگتا ہے۔ میرا خواب' جنون اور میری چاہ تو بس ایک ہی تھی۔ کتابوں کی تحریروں میں اپنا نام اور اپنی ذات کو امر کروانے کی اور پھر میں نے اپنے خواب کی تعبیر کے حصول کے لیے کوششیں کرنا شروع کردیں۔

''اجی سنتے ہیں یہ پارسل تو ذرا ٹی سی ایس کروا دیجیے گا۔'' میں شادی کے دسویں روز ایک نفیس کا پیکٹ میاں صاحب کے ناشتے کی پلیٹ کے ساتھ دھرتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے ایک سرسری سی نظر لفافے پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''وہ آنچل کی برتھ ڈے آنے والی ہے ناں تو اسی سلسلے میں' میں نے اپنے پیارے آنچل کے لیے ایک خوب صورت سی تحریر لکھی ہے۔''

''کیا......؟'' چائے کا مگ ان کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''تحریر اور وہ بھی تم...... جانے دو۔'' انہوں نے ٹوس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں آپ کے خیال میں' میں کوئی تحریر نہیں لکھ سکتی کیا؟ اتنا ہی ایویں سمجھ لیا ہے آپ نے مجھے۔'' میں نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

''ہم بھی تو دیکھیں ذرا آخر لکھا کیا ہے محترمہ نے۔'' کہتے ہی انہوں نے چائے کا مگ میز پر رکھا اور لفافے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

''خبردار جو آپ نے میری تحریر کو ہاتھ بھی لگایا۔ جب آنچل میں لگے گی نہ تو مارکیٹ جائیے گا اور ڈائجسٹ خرید کر پڑھ لیجیے گا۔ تب ہوگی آپ کو میری تحریروں اور میرے صلاحیتوں کی قدر۔'' چائے کا مگ پھر سے ہاتھ میں لیتے ہوئے انہوں نے گھور کر میری جانب دیکھا۔

''ارے...... ارے...... ایسے کیا دیکھ رہے ہیں اب بس بھی کیجیے تفتیش کرنا۔ آفس جاتے وقت کوریئر لازمی کروا دیجیے گا۔ سامنے مین روڈ پر ہی نیا آفس کھلا ہے ٹی سی ایس والوں کا۔'' میں نے الہڑ دوشیزاؤں کی مانند اٹھلا کر کہا۔

''اپنا آپ تو سنبھالا نہیں جاتا اور چلی ہیں محترمہ ادیبہ بننے۔ میڈیم آپ کی ضرورت ڈائجسٹ کو نہیں۔ ہمارے کچن کو ہے، ایسے فضول کارنامے آپ میکے میں ہی رہنے دیتی تو کیا ہی بھلا تھا۔'' ان کے ظالم تندوں والے انداز پر میں اپنا کامنی سا دل تھام کر بیٹھ گئی۔

اصل میں عالیان کے روایتی شوہروں والے لہجے نے میرا جوش ہی ختم کردیا تھا۔ اب میں انہیں کیا بتاتی کہ میکے میں تو ایسے خواب دیکھنا بھی ممنوع تھا ابا حضور کی قاتلانہ نگاہوں کی زد سے چھپتے چھپاتے پیارے حجاب و آنچل کو بھی اکثر کتابوں کی آڑ میں پڑھا جاتا تھا۔ لکھنا تو پھر پرائی بات تھی۔ سوچا شوہر سپورٹ کرے گا جی بھر کے سارے ارمان پورے کروں گی۔ جیسا کہ عموماً افسانوں میں پڑھا اور ڈراموں میں دیکھا جاتا ہے۔ پر نہیں شاید میری وال یہاں بھی گلنے والی نہیں تھی۔

''اوکے میں چلتا ہوں آفس کا ٹائم ہوگیا ہے۔'' انہوں نے اپنی کلائی پر بندھی بیش قیمت گھڑی دیکھتے ہوئے کہا اور میں ان کی بے مروتی دیکھ کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ آہ جانے وہ بیویاں کون سی خوش قسمت مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں جن کے شوہر مجھے ہے حکم اذان کے

سائیڈ ہیرو عباس عرف ساحر کے جیسے عظیم اور کو آپڑ ٹیو ہوتے ہیں۔

"سنو شام میں ڈنر اچھا سا تیار کرنا میرے کچھ دوست آرہے ہیں۔ کسی قسم کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے تو ضرورت کا سارا سامان کچن میں موجود ہے لیکن اگر پھر بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو رحمان بابا کے ساتھ جاکر مارکیٹ سے لے آنا۔ پیسے میری وارڈروب میں رکھے ہیں۔" وہ لفافہ ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرا ناول......" میں ہچکچائی۔

"دیکھو اگر لکھنا ہی تمہارا پیشن ہے تو دل کھول کر لکھو۔ تمہاری سب ہی جائز خواہشات میرے لیے باعثِ احترام ہیں۔"

"سچی۔" میں کسی چھلاوے کی مانند اچھلی اس ایک پل میں میرے شوہر مجھے فواد خان لگے تھے۔

"مچی۔" وہ مسکرائے۔

"لکھنا ہی ہے تو میرے لیے لکھو۔ میں پڑھوں گا تمہیں، کسی ڈائجسٹ وغیرہ میں پبلش کروانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" ایک لمحے میں فواد خان اللہ جانے جابر خان کیسے بن گئے تھے۔

"وہ کوئی عام ڈائجسٹ نہیں ہے۔ جس میں میں لکھنا چاہ رہی ہوں وہ آنچل ہے، آنچل ڈائجسٹ۔ نام تو سنا ہوگا آپ نے۔" میں نے ان پر ذرا رعب ڈالنا چاہا تھا۔ "سمیرا شریف طور جن کا ڈرامہ یہ چاہتیں یہ شدتیں، بڑے شوق سے دیکھتے ہیں آپ وہ بھی تو اسی ڈائجسٹ کی شان ہے اور اقبال بانو آپا بھی ہمارے آنچل کا حصہ ہیں۔ جن کا کوئی بھی ڈرامہ آپ مس نہیں کرتے۔" میں نے انہیں امپریس کرنے کے ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا بلیک میل بھی کیا۔

"جو بھی ہے اگر تم لکھنا چاہتی ہو تو صرف میرے لیے ہی لکھو گی۔ میں بھی تو ذرا چیک کروں کتنے پانی میں ہیں محترمہ۔"

"آپ چیک کریں گے پر آپ کے تو اردو میں نمبر مشکل سے ۳۳ تھے اور اے لیول میں بھی آپ رٹا لگا کر اردو میں پاس ہوئے تھے۔" میری زبان سے اچانک پھسلا۔

وہ خاموش رہے لیکن ان کی غضب ناک نگاہیں کسی ہٹلر ولن کی نگاہوں کی مانند مجھے کئی لمحوں تک مسلسل گھورتی ہی رہیں۔

"مارے گئے......" میں نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

اور وہ بنا کچھ کہے کرسی کی پشت پر لٹکا اپنا کوٹ اور میز پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھا کر چل دیے۔ میں انہیں سی آف کرنے کے لیے مرے مرے اٹھاتے ہوئے قدموں سے دروازے تک آگئی۔

اور پچھلی شب میں نے ایک خواب دیکھا۔

یہ خواب ننھے بچوں کے پریوں کے اور زرق برق کھلونوں کے خوابوں جیسا عام نہیں تھا۔ نہ ہی اس

خواب میں میرے کسی ملک یا ریاست کی رانی صاحبہ بننے کی منادی کرائی گئی تھی۔ اس خواب میں پاکستانی عوام کے خوابوں کی طرح بجلی کا بحران ختم ہوا تھا نہ مہنگائی سے چنگل سے آزادی کی نوید ملی تھی اور نہ ہی سالہ سال سے جاری کشمیر کی آزادی کے لیے کی جانے والے جدوجہد کوئی خاص رنگ لائی تھی۔ یہ خواب الہڑ مٹیاریوں کے نین کٹوروں میں بسے کسی حسین شہزادے کی آمد کے خواب سا بھی نہیں تھا اور نہ ہی حکمرانوں کی نظر سے دیکھے جانے والے مہنگے اور اعلیٰ ترین خوابوں جیسا بیش قیمت۔ یہ خواب خاص تھا کہ عام مہنگا تھا یا سستا' بہتر تھا یا بہترین میں نہیں جانتی لیکن اس ایک خواب میں میرے لیے پوری زندگی کا سامان موجود تھا۔ خوشی' ہنسی' کھلکھلاتے ہوئے قہقہے اور ان سب سے ماورا محبت...... محبت کی برسات...... میرے لیے یہ خواب بیش قیمت تھا۔ انمول بلکہ بے حد انمول تھا۔ میرے روم روم مہک اٹھا۔ میرے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ بالکل ویسی ہی خوشی جیسی خوشی کسی ماں کو صدیوں سے پردیس میں مقیم اپنے اکلوتے لاڈلے کو واپس پلٹا دیکھ کر ہوتی ہے۔ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمارے پرانے محلے میں گلی کے نکڑ میں واقع ایک ٹوٹے ہوئے کمرے کے واحد مکین ایم اے پاس ناصر علی کی آنکھیں اچانک نوکری اور اچھی رہائش کی خبر سن کر چندھیائی تھیں۔ میں کھل گئی' نہال ہوگئی۔ خوشی کی پھوار اس قدر تھی کہ میری آنکھوں سے دو ننھے آنسو ٹپک پڑے کب اور کیسے یہ میں نہیں جانتی۔

''پاگل عورت۔'' شوہر کے منہ سے ٹپکنے والے شیریں الفاظ نے ایک لمحے میں میرے حسین خوابوں کی دنیا میں تہس نہس مچایا۔ میں مرجھائی' بالکل ویسے ہی جیسے ساون کی سخت گرمی میں دوپہر کے وقت کوئی کھلی ہوئی کلی مرجھا جاتی ہے۔

''جج جی......'' میں دوپٹہ کندھوں پر پھیلاتے ہوئے ہڑبڑائی۔

''تم رو رہی تھی۔'' انہوں نے پوچھا تھا یا پھر مجھے بتایا تھا۔ میں کسی بھی قسم کا اندازہ لگانے سے قاصر رہی۔

''نن...... نہیں تو۔'' میں پل بھر میں ہڑبڑائی۔

''تو یہ آنسو؟'' انہوں نے اپنی نرم گداز انگلیوں سے میرے تر گال کو چھوا۔

''یہ آنسو...... پتہ نہیں...... بس یونہی...... شاید بے دھیانی میں......'' مجھ سے بات نہ بنی۔

''پاگل عورت۔'' وہ مسکرائے۔

''بغیر کسی وجہ کے ہی رونے بیٹھ جاتی ہو۔''

''پہلے ایک بار یہ خطاب دے تو چکے ہیں آپ مجھے اب بار بار یاد دلا کر عزت افزائی کرنا زیادہ ضروری ہے کیا؟'' میں جل ککڑی بنی۔

''اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ماہ بدولت کے یہ آنسو رونے والے آنسو نہیں تھے بلکہ خوشی کے آنسو تھے جو بے انتہا خوشی کی کیفیت میں آپ کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے آپ ہی آپ چلے آتے ہیں۔'' میں نے کچھ جتانے والے انداز میں انہیں سمجھایا۔

''ہم اوکے۔'' وہ ذرا پیچھے ہوکر اپنے موبائل پر جھکے تو میں نے بجلی کی سی رفتار سے نم گالوں کو صاف کیا جو تقریباً خشک ہونے ہی والے تھے۔

''بائے دے وے یہ رونے والے آنسو کون سے ہوتے ہیں۔'' انہوں نے میری ننھی ناک کو پکڑتے ہوئے چوٹ کی تو میں مصنوعی غصہ چہرے پر سجاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب کیا ہوا۔'' وہ حیران سے دست سوال ہوئے۔

''کچھ نہیں آپ کے لیے کون سے کپڑے نکالوں۔'' میں نے اپنے ریشمی بال کیچر میں قید کرتے الماری کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''جو آپ کی مرضی ہماری مجال کہ ہم ملکہ عالیہ کی پسند

ناپسند کر جائیں۔" ان کی بات پر میرے دل کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوگی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" میں نے بلیک چیک دار شرٹ نکالتے ہوئے ان کے سامنے لہرائی۔

"آج میرا ایزی ڈریس پہننے کا موڈ ہے ایسا کرو میری آف وائٹ شلوار قمیص نکال دو۔"

"آپ کی اسکائپ میٹنگ ہے کسی فارن کلائنٹ سے اور جہاں تک میرا خیال ہے اگر میں غلط نہیں ہوں تو آپ میٹنگ کے دوران کبھی شلوار قمیص نہیں پہنتے۔" میں ان کی اچانک فرمائش پر چونکی۔

"نہیں پہنتے تو کیا ہوا آج پہن لیں گے اپنا کلچر زندہ باد ہے بھئی۔" انہوں نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"جب کرنی ہی اپنی مرضی تھی تو اتنا فلمی سین کریٹ کرکے مجھے خوامخواہ امپریس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" میں نے کپڑے ہینگر سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"تم تو آل ریڈی امپریس ہو جان عالیان۔" انہوں نے شوخ انداز میں کہا اور میں نے مزید خفگی سے آنکھیں پھیلا کر انہیں گھورا۔

"مت دیکھا کرو ایسے۔"

"کیوں؟"

"تم پہ فدا ہونے لگتا ہوں۔"

"باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔"

"جی بالکل باتیں بنانا کوئی مجھ سے سیکھے..... بیگم صاحبہ! آپ کی آنکھیں قدرت نے پہلے ہی اتنی بڑی بنا رکھی ہیں کہ ان کی جانب دیکھنے سے ڈر لگتا ہے اوپر سے جب آپ انہیں غصے سے مزید پھیلا لیتی ہیں تو میرے ذہن میں ریپانزل مووی کی ولن چڑیل کا عکس ابھر آتا ہے۔ اس لیے برائے مہربانی اپنی آنکھوں کو مزید پھیلانے یا سکیڑ کر خوفناک کرنے کے بجائے انہیں اپنی پوزیشن پر ہی رہنے دیا کریں تاکہ بندہ ناچیز

خوف سے محفوظ رہ سکے۔'' انہوں نے میری جانب دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر کہا۔

اور میں کچھ کہے بنا ان کے کپڑے ہینگ کرنے کے لیے واش روم میں چلی گئی۔ میرا چپ رہنا ناراضگی کے اظہار کی پہلی علامت تھی۔

کپڑے ہینگ کرنے کے بعد میں نے واش روم میں رکھی چیزوں کا جائزہ لیا۔ شیونگ کٹ سے لے کر ناول تک سب اپنی جگہ پر موجود تھے اور مطمئن سی ہو کر باہر نکل آئی۔ وہ ابھی بھی موبائل پر جھکے ہوئے تھے۔ گویا کینڈی کرش کا نیکسٹ لیول اسٹارٹ ہو چکا تھا۔

''ہم سے تو گیم ہی پیارا ہے۔ جس کی فکر میں جناب آفس سے لیٹ ہونا بھی گوارا کر سکتے ہیں۔'' میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے سوچا اور کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

''آہم...... کوئی جیلس ہو رہا ہے۔'' انہوں نے میری جانب بیڈ کشن اچھالتے ہوئے شوخی سے کہا۔ اور میں اپنے نام کی ڈھیٹ خفگی ناک پہ سجائے کام کرنے میں مگن رہی۔

''اس پوز میں تم بالکل کرنانی لگ رہی ہو۔'' اس بار انہوں نے میری تیکھی ناک کو ہدف بنایا۔

''بس کر لیا میری ذات پہ تبصرہ، ہو گئی تسلی یا ابھی بھی کچھ باقی ہے۔'' میں غصہ میں تھی اپنے لہجے کو سرد بنانے میں ناکام رہی۔

''جی ہو گئی تسلی...... مل گیا سکون۔'' وہ اب موبائل کو چارجنگ پہ لگا رہے تھے۔

''اب مہاراج کا موڈ ہو تو بندی ناشتہ بنانے کا اہتمام کرے۔'' ان سے میں زیادہ سے زیادہ دو پل ہی خفا رہ سکتی تھی۔

''ہاں بالکل میں تب تک فریش ہو جاؤں۔'' وہ واش روم میں گھس گئے تو میں نے افسردہ دل کے ساتھ کچن کی جانب قدم بڑھائے۔

''کم سے کم ایک بار غلطی سے ہی پوچھ لیتے کہ آخر ایسی کون سی خوشی ہے جس کی وجہ سے میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے ہیں پر نہیں یہ تو ہیں ہی صدا کے بے مروت۔'' وہ آفس چلے گئے اور میں پورا دن اسی غم میں مبتلا رہی۔ پرانی ہیروئنوں کی طرح کسی کونے کھدرے میں بیٹھ کر دل ہی دل میں سسکتی رہی۔ ایک وہ ہیں جنہیں میری خوشی عزیز ہے نہ بہتے آنسوؤں کی قدر اور ایک میں ہوں جو قدم قدم پر ان کے آگے بچھی جاتی ہوں۔ اور پچھلی شب میں نے ایک خواب دیکھا۔

''وہ خوشی کے آنسو کس خوشی میں بہائے جا رہے تھے۔'' آفس سے واپسی پر ڈنر کرتے ہوئے ان کے سوال پر میں نے سسپنس مووی کے ایکٹر کی طرح جواب دیا۔

''خواب...... کہیں خواب میں تم ہمالیہ تو نہیں گئی یا پھر فیری میڈوز۔'' انہوں نے میری ڈریم پلیسز کا نام لیتے ہوئے کہا۔ میں ایک پل کے لیے رکی، سرد آہ بھری اور پھر چاول باول میں نکالتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''ترکی کا ویزہ مل گیا ہوگا پھر۔'' وہ جانتے تھے نمرہ احمد کا ناول جنت کے پتے پڑھنے سے لے کر اب تک میں کئی بار خوابوں کی دنیا میں ترکی کی سیر کر چکی ہوں۔ میجر جہان سکندر تو جیسے میرے دل و دماغ میں بسے ہوئے تھے اور بہارے گل کی معصومیت لیکن عظیم صحیتوں نے مجھ جیسی ماڈرنزم کی گرویدہ لڑکی کی آنکھیں کھول کر رکھ دی تھی۔ تب سے جنت کے پتے تھامے تھے اللہ کے فضل سے آج بھی انہیں تھامے ہوئے ہوں۔

''ترکی کا ویزہ، ہاں وہ بھی باعث مسرت ہو سکتا ہے مگر اب کی بار وجہ کچھ اور ہے۔''

''کوئی اور وجہ......؟'' انہوں نے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''یقیناً تم خواب میں انڈیا گئی ہو گی اپنی فیورٹ اور ہر دل عزیز نیٹ فرینڈ شبنم علی راجپوت سے ملنے۔''

''شبو آپا...... آہ...... عرصہ ہوا ان سے کوئی کانٹیکٹ نہیں رہا۔ ان کا فیس بک اکاؤنٹ پچھلے تین ماہ سے ڈی ایکٹویٹ ہے اور واٹس ایپ پر بھی وہ ری پلائے نہیں کرتیں۔'' میں زمانے بھر کی افسردگی اپنے نازک لہجے میں سمولائی تھی۔

''پھر تو میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں تمہیں خواب میں وہی ملی ہوں گی۔''

''ارے نہیں بھئی نہیں ملی مجھے ان کی فرینڈ لسٹ میں جب سے نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، سباس گل، عشنا کوثر سردار اور صائمہ اکرم چوہدری، حمیرا ندیم نفیس اور فیم انجم جیسی مایہ ناز اور مشہور رائٹرز آئی ہیں وہ تو جیسے مجھے بھول ہی گئی ہیں۔'' انہوں نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو میں نے سلاد کی پلیٹ ان کے سامنے رکھتے مزید سوگواری سے کہا۔

''چلیں اب آپ ہی بتادیں ایسا کیا دیکھ لیا خواب میں جس کے زیر اثر آپ صبح پورے دو گھنٹے روبوٹ بنے بیٹھی رہیں۔''

''خوب صورت سا سرورق' دور تک پھیلے ریڈ کارپٹ اور اس ریڈ کارپٹ کے ایک سرے میں موجود نفیس و نازک سی دوشیزہ۔ بہتے جھرنے کی مانند جس کی مسکان آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر ہلچل مچانے لگی تھی۔'' میں نے خواب کی سی کیفیت میں بیان کیا۔

''کیا مطلب......؟'' عالیان نے ناسمجھی کے عالم میں مجھے گھورا۔

''مطلب یہ کہ میں خواب میں آنچل ڈائجسٹ لیے بیٹھی تھی اور نہ صرف لیے بیٹھی تھی بلکہ آنچل کی فہرست میں میرے ناول کا نام بھی شامل تھا۔ اسی ناول کا جو میں نے آپ کو پوسٹ کروانے کے لیے دیا تھا اور آپ نے میرا وہ ناول کہاں گم کیا یہ میں بھی نہیں جانتی۔ اچھا بھلا میں اپنا ناول پڑھنے ہی والی تھی کہ آپ کے موبائل پر بجنے والے آلارم نے میری آنکھ کھول دی۔'' میں خواب بھولے بھٹکے سے ہی دیکھتی تھی اور جب بھی دیکھ ہی لیتی

شگفتہ قمر

ہم کو شگفتہ قمر کہتے ہیں۔ 17 اگست کو ضلع چکوال کے خوب صورت سے گاؤں ڈھیری جابہ میں آنکھ کھولی۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں' میں اکلوتی بہن ہوں اور اکثر موقعوں پر بہن کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ بی اے کی طالبہ ہوں' اسٹار لیو ہے' سادہ لباس پسند ہے۔ فیورٹ کلرز پنک اور بلیو ہے' پسندیدہ شخصیت میں انکل نوشہ وان اور مس پروین شامل ہیں۔ فیورٹ سنگرز میں عاطف اسلم اور راحت فتح علی خان ہیں' پسندیدہ شاعر فراز احمد' محسن نقوی اور نازیہ کنول نازی ہیں۔ فیورٹ رائٹرز کی لسٹ میں نازیہ کنول نازی' ام مریم' فاخرہ گل' سباس گل' اشفاق احمد اور عمیرا احمد ہیں۔ مجھے بھی کوکنگ کرنے کا بہت شوق ہے۔ ناولز میں ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے' خدا اور محبت' عبداللہ اور پیر کامل'' پسند ہے۔ دوستی کا رشتہ بہت اچھا لگتا ہے' دوستوں میں جویریہ طالب' اقراء کائنات' باجی حمیرا' زوبیہ نوشہ وان' سائرہ تصدق' عروج سلیم' نبیلہ امداد' غزا امجد اور میری کزن ام حبیبہ' مافیہ اور ماریہ شامل ہیں اور ایک آپی راحیلہ بھی فرینڈ ہیں۔ اپنے ابو بہت زیادہ یاد آتے ہیں کیونکہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ سب مومنین مومنات کے ساتھ ان کے درجات بلند فرمائے' آمین' تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا اس ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کیونکہ دعائیں زندگی بدل دیتی ہیں' رب راکھا۔

تھی تو انہیں یاد رکھنا میرے لیے ایک مشکل مرحلہ ہوتا تھا۔ جب ہی رک رک کر ذہن پہ زور دیتے ہوئے میں انہیں پچھلی شب کی روداد سنا رہی تھی۔

''اوہ تو یہ خواب دیکھا تھا محترمہ نے پر مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی؟'' انہوں نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

’’وہ کیا؟‘‘
’’آپ نے جو آنسو بہائے تھے وہ ماہنامہ آنچل کی فہرست میں اپنے ناول کی شرکت کی خوشی میں بہائے تھے یا پھر میرا آلارم بجنے کی وجہ سے ناول نہ پڑھنے کے غم میں۔‘‘ انہوں نے میرا کان پکڑ کر چھیڑتے ہوئے کہا۔
’’ایسا نہ کیا کریں مجھے الجھن ہوتی ہے۔‘‘
’’اوہ مجھے آج پتا چلا کہ میری گڑیا کو بھی کسی چیز سے الجھن ہوتی ہے۔‘‘ انہوں نے لاڈ سے کہا۔
’’چھوڑیں میرا کان‘ میں لاسٹ ٹائم منع کر رہی ہوں آپ کو اگر آپ اب بھی باز نہ آئے تو میں تائی اماں سے شکایت کردوں گی۔‘‘ میں اپنا کان چھڑاتے ہوئے بمشکل انہیں کہہ پائی۔
’’اچھا بابا چھوڑ دیتا ہوں۔ میرے دو تین سوٹ بیگ میں رکھ دینا آفس کے کسی کام کے سلسلے میں‘ میں نے صبح کراچی جانا ہے۔‘‘ وہ یک دم سنجیدہ ہوئے۔
’’اجی اچھا۔‘‘ میں نے مختصراً کہا۔ وہ اپنا موبائل آن کر کے ایک بار پھر کینڈی کرش کی جانب متوجہ ہوگئے اور میں خاموشی سے برتن سمیٹنے لگی۔
وہ اپریل کی ایک ٹھنڈی صبح تھی۔
’’روحی...... دروازہ کھولو۔‘‘ عالیان ابھی کچھ دیر پہلے سودا سلف لینے کی غرض سے باہر گئے تھے۔ میں ڈور لاک کر کے چڑیوں کو باجرہ ڈالنے کے بعد لان میں رکھے کاوچ پر آکر بیٹھی ہی تھی کہ ان کی تیز آواز پر حیران و پریشان سی بھاگم بھاگ دروازے تک پہنچی۔ یااللہ خیر ڈرتے ہوئے لاک کھول وہ اندر آئے۔
’’کیا ہوا...... سب...... ٹھیک...... تو...... ہے ناں؟‘‘ میں نے اپنی اکھڑی اکھڑی سانسوں کو درست کرتے ہوئے بمشکل کہا۔
’’ہاں سب خیرت ہے تم یہاں بیٹھو۔‘‘ انہوں نے مجھے کاندھوں سے تھام کر فلور کشن پر بیٹھایا۔
’’کیا ہوا ہے آپ اتنا ایکسائٹڈ کیوں ہیں؟ جلدی بتائیں پلیز بے چینی کے مارے میرا تو دل حلق میں آرہا ہے‘ کیا خبر بی پی بھی لو ہوگیا ہو؟‘‘
’’تمہارا خواب پورا ہوگیا......‘‘
’’کون سا خواب......؟‘‘ میں انجان تھی۔
’’بوجھو تو جانوں۔‘‘
’’ترکی کا ویزہ لگ گیا کیا؟‘‘ وہ کئی دن سے میری اس خواہش کو عملی روپ دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔
’’اس میں تھوڑا وقت لگے گا۔‘‘
’’آپ اس بار ہالیڈیز میں مجھے فیری میڈوز تو نہیں لے کر جارہے؟‘‘
’’اونہوں......‘‘ انہوں نے پھر نفی میں سر ہلایا۔
’’کہیں شبو آپا تو پاکستان نہیں آگئیں؟‘‘
’’نہیں...... بابا...... نہیں۔‘‘
’’تو پھر کون سا خواب پورا ہوا؟‘‘ میں نے روہانسی ہوکر پوچھا۔
’’لو خود دیکھ لو۔‘‘ انہوں نے وائٹ لفافے میں لپٹا خوب صورت سا پارسل میرے حوالے کیا۔ میں نے نہ سمجھی کے عالم میں جھٹ سے لفافہ کھولا۔ لفافے میں آنچل ڈائجسٹ کی جانب سے بالکل ویسا ہی ڈائجسٹ موجود تھا جسے پچھلے مہینے کی پچھلی شب میں نے خواب میں دیکھا تھا۔
میں ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں کھڑی ہوئی۔
’’میرا خواب پورا ہوگیا؟‘‘ میں نے تصدیق چاہنے والے انداز میں عالیان سے پوچھا۔
’’جی بالکل۔‘‘ انہوں نے مسکراتے ہوئے تصدیق کی مہر ثبت کی۔
’’یہ...... یہ میرا ہی نام ہے ناں......؟‘‘ جانے کیوں پر مجھے یقین کرنے میں تھوڑی دقت ہورہی تھی۔
’’نہیں یہ زوجہ عالیان کا نام ہے۔‘‘ انہوں نے میرے جانب دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔
’’اور...... اور......‘‘ میں ایکٹنگ کرنے والے

انداز میں ایک بار پھر شاک کی سی کیفیت میں زمین پر ڈھے گی۔

''آر یو اوکے؟'' وہ بوکھلائے۔

''نو......'' میں نے نفی میں سر ہلا کر بمشکل کہا۔

دو ننھے موتی ایک بار پھر میری آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرے۔

''پاگل عورت۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خوشی کے آنسو۔'' میں نے انہیں یاد دہانی کروائی۔

''اچھا جی......تم بیٹھو اور سکون سے اپنا آنچل پڑھو اب میرے موبائل کا آلارم تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ آج رات ڈنر پہ تمہارے لیے ایک بہت بڑا سرپرائز ہے۔ تب تک میں ذرا مارکیٹ سے ہو آؤں۔'' وہ اٹھ کر چلنے ہی والے تھے کہ میں انہیں ایک منٹ رکنے کا کہہ کر بیڈروم کی جانب بھاگی۔

''ارے تم کہاں جا رہی ہو؟'' انہوں نے مجھے ہینڈ بیگ اٹھائے دیکھ کر کہا۔

''بہت دنوں سے شاپنگ نہیں کی آج آنچل میں ناول لگنے کی خوشی میں شاپنگ تو بنتی ہے ناں۔''

''اُفف تم خواتین بھی ناں......'' انہوں نے معصوم سے انداز میں کہا اور میں مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ ہولی۔

اور پچھلی شب میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔

اور آج اس خواب کی تعبیر میرے سامنے کھڑی تھی۔ سب ویسا ہی تھا جیسا پچھلے مہینے کی پچھلی شب میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہی کہانیاں وہی نام۔ سب کسی حسین بے حد حسین خواب کے جیسا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا اب کی بار موبائل پر بجنے والے الارم نے میرا خواب نہیں توڑا تھا۔ اب کی بار میں آنچل مکمل پڑھ کے اٹھی تھی۔

''مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔'' ڈنر کرتے ہوئے میں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون سی بات؟'' انہوں نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

''آپ تو میری تحریر کسی ڈائجسٹ میں پبلش کروانے کے حق میں نہیں تھے پھر اچانک کیا ہوا' آپ نے میرا ناول کیوں پوسٹ کر دیا؟''

''کیا کرتا مجبور تھا تم نے حوالے ہی ان رائیٹرز کے دے دیے تھے' جن کا میں بچپن سے فین ہوں۔'' انہوں نے میرے چہرے پر بکھرے بالوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے وارفتگی سے کہا۔

''جیو بانو اینڈ اقرأ آپی۔'' میں نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔

''مبارک ہو تمہارا ایک اور خواب بھی پورا ہوا۔'' ڈنر سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے عالیان نے نوید سنائی۔

''کون سا؟'' میں نے سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے کہا۔

انہوں نے جیب میں رکھی دو ترکی کی ٹکٹس نکال کر میرے ہاتھ میں تھمائیں۔

''سچ......'' میں دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خوشی بلکہ دوہری خوشی سے چلائی۔ ''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں اپنے سوہنے رب کی بے پناہ نعمتوں کا شکر ادا کیا اور آنکھیں بند کرکے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

حجاب نگری

ماورا طلحہ

"ٹھک...... ٹھک...... ٹھک......" سنہری دھات سے بنے دروازے پہ کب سے دستک ہو رہی تھی۔ صبح سویرے کی یہ خبردار دستک روز کا معمول تھی۔ ساری رات رت جگے کے مزے لینے والی آنکھیں اس وقت مشکل سے ہی کھلتی تھیں۔ جب سے جان کو روگ لگا ہے رات کی نیند تو خواب و خیال ہی بن گئی ہے اور جو تھوڑا سکون تھا وہ منہ والی کتاب کھا گئی۔ اوہو......! آپ لوگ بھی پریشان ہو گئے ہوں گے کہ یہ کون سی عمر و عیار کی داستان شروع ہو گئی، اس سے پہلے کہ آپ لوگ بھاگ جائیں میں آپ کو تفصیل سے بتا دیتی ہوں۔ سب سے پہلے دستک کی بات بتاؤں یا رات کی ادھوری نیند کا قصہ......؟ چلیں سب چھوڑیں میں "الف" سے ہی شروع کرتی ہوں "ے" تک آپ سب خود ہی پہنچ جائیں گے۔

میں ایک چھوٹی، ننھی منی سی لکھاری ہوں۔ افف......بھئی عمر کی تو میں تیس بہاریں دیکھ چکی ہوں مگر لکھنے کے میدان میں ابھی بچہ پارٹی کا حصہ ہوں۔ لو جی' آپ سب لوگ پریشان ہو گئے کہ میں نے اصل عمر بتا دی، تو سنگی ساتھیوں آپ اپنے ہوش سلامت رکھیں میں "میرا" بالکل بھی نہیں ہوں جو اپنی عمر چھپاتی پھروں اور آج میں نے صرف اپنی عمر نہیں بتائی بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کے راز فاش کروں گی۔ وہ نہ آج پھا پھا کٹنی بننے کا دل کر رہا ہے۔ (ہی ہی ہی...... ہاہاہاہا)

عمر تو بتا دی مگر مسئلہ تو وہی ہے ناں کہ میں رات بھر جاگتی کیوں ہوں؟ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں بڑی پُرسکون زندگی گزار رہی تھی، صبح سویرے اٹھنا، نہر کنارے یا چھت پہ جا کر ٹھنڈی خوشگوار ہوا کے مزے لینے، دن میں کام کرنے۔ کزنز کے ساتھ تماشے کرنے (کزنز کے کارنامے پھر کبھی سہی) اور رات میں سب کے ساتھ مل کر چھت پہ جانا، سارے محلے کو تنگ کرنا اور رات میں خواب خرگوش کے مزے لینا۔ آپ لوگ یقین نہیں کریں گے لوگ گھوڑے گدھے بیچ کے سوتے ہیں مگر میں سارا کچھ خرید لیتی تھی (ہاہاہا)

ناولز، ڈائجسٹ کی لت تو بہت پرانی تھی۔ بچپن میں تعلیم و تربیت اور پیغام ڈائجسٹ پڑھتے تھے۔ تھوڑے بڑے ہوئے تو اخبار جہاں کا چسکا لگ گیا۔ پھر ڈائجسٹ ہاتھ لگے اور ایسے ہاتھ لگے کہ اوڑھنا بچھونا بن گئے۔ صفائی کرتے اخبار کا ایک ٹکڑا بھی مل گیا تو ہم مست ہو کر کوڑے کے ڈھیر پہ ہی بیٹھ گئے۔ کوئی کھپتا رہے میری بلا سے۔ کلاس میں لیکچر ہو رہے ہیں اور ماہ بدولت کتاب میں سر دیے ناول پڑھنے میں مست ہیں۔ ہائے......اس بات سے کیا خوب صورت واقعہ یاد آ گیا۔

"آنچل میں اور کچھ خواب قسط وار ناول آ رہا تھا، اب سین کچھ یوں ہے کہ معارج تغلق پاگلوں کی طرح انائیا تغلق کو ڈھونڈ رہے ہیں اور آخر کار تغلق پیلس کی چھت پہ ہیلی کاپٹر لینڈ کرتا ہے جس میں معارج صاحب بیچاری انائیا کو گھسیٹتے ہوئے اتارتے ہیں (ظالم نہ ہو تو) میرا میتھ کا پیریڈ اور سر بھی رج کے کھڑوس، جیومیٹری کا ٹیسٹ کب ہوگا؟

"ہائے اللہ......! یہ معارج اس کے ساتھ کیا کرے گا؟"

"ویسے میرا دل ہے پہلے الجبرا ہو جائے۔"

"اوہ تیری......" (یہ اوہ تیری معارج کے انائیا کو لانے پہ تھا)

پوری کلاس کے سر میری طرف اور سر کی نظریں میری گود کی طرف' میں ہمیشہ پہلے رول نمبرز میں آتی

تھی مگر ناولز کے لیے سب سے آخر کی لڑکی کو اپنی سیٹ پہ بٹھا کے ہم پیچھے ہجرت کر جاتے تھے۔

سر ایک کھڑوس اور اوپر سے کزن۔ ماشاء اللہ اسکول کے ساتھ ساتھ پورے گاؤں میں تعریف ہوئی۔ خیر اب آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ ہمارے ساتھ کیا کیا ظلم روا نہ رکھے گئے تھے۔ پھر نہ جانے کس کی نظر لگ گئی اور میں پڑھنا چھوڑ کے لکھنے لگی، اسی اثنا میں موبائل ملا اور میں بھائی کے نام سے آئی ڈی بنا کے منہ والی کتاب (فیس بک) میں دھرنا دینے داخل ہوگئی۔ ایسے میں میری نظر مبارک آنچل گروپ پہ پڑی تو میں دیوانی، مستانی، بیگانی اور پتا نہیں کیا کیا بن گئی۔

''اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'' رائٹرز کی بھرمار دیکھ کر ہم ہوش وخرد سے بیگانے ہوگئے۔ دل کے معصوم جذبات لیے کبھی کسی رائیٹر کے انباکس پہ دھاکہ کر دیتے اور کبھی کسی رائٹر کو ریکویسٹ بھیج بھیج کر اس کا جینا دشوار کرتے رہے۔ ہائے شومئی قسمت کہ آئی ڈی پر نام لڑکوں والا۔ قسم سے دن یاد آرہے ہیں وہ اور جی بھر کے رونا بھی۔ جس کے دربار میں حاضری دیں وہ ہماری شناخت کے پیچھے پڑ جائے، ہک ہاہ کیا زمانہ تھا کہ ہمیں اپنے فی میل ہونے کے لیے ثبوت پیش کرنے پڑتے تھے۔ ایسے حالات میں ہم صبا ایشل نامی جلاد عورت سے ٹکرا گئے، یہ محترمہ آنچل کے آفیشل گروپ کی ہیڈ ایڈمن تھی۔ آنچل گروپ کے لیے نئے ایڈمنز کی تلاش تھی، ہم بیچارے بھی معصوم صورت لیے چلے گئے۔ جی پھر ہماری وہ تفتیش شروع ہوئی کہ کیا بتاؤں، ایسے تو کبھی چھوٹو گینگ کی نہ ہوئی ہوگی، ایسے تو سپریم کورٹ نے پاناما کی نہ کی۔ ایسی تو طالبان کی ایف آئی اے والوں نے نہیں کی اور ایسی تو بلاول کی اردو پہ کبھی عوام نے نہیں کی۔

خیر پھر ہم پہ نظر کرم ہوئی اور ہم حجاب نگری میں داخل ہوگئے۔ اب سب سے پہلے تو عمر کا حساب کتاب بتا دوں، طاہر بھائی کی صحیح عمر کا اندازہ مجھے بھی نہیں کیوں کہ ان کی آواز میرے چھوٹے بھائی جیسی اور شکل سے میرے بڑے بھائی لگتے ہیں (سمجھ تو گئے ہوں گے ناں)

اگر نہیں سمجھے تو ایک واقعہ سنا دیتے ہیں، میں نے ایک کہانی بھیجی، پہلی کہانی اپنے بچوں جیسی عزیز ہوتی ہے۔ میں نے آفس کال کی تو آواز سن کے اندازہ لگایا کوئی نوجوان آپریٹر ہوگا، دھک دھک کرتے دل سے اپنی کہانی کے متعلق پوچھا۔

''آپ کی کہانی منتخب ہے ماورا۔'' دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔

ہائے یہ جواب تھا اثر تھا یا کوئی مدھر سریلی دھن جو میرے کانوں کو سرور بخش گئی، اب میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایسے چیخنا کودنا شروع کیا کہ الاماں...... فون کے دوسری طرف سے مدھم ہنسی سنائی دی تھی۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ کافی عرصے تک میں اسی غلط فہمی میں رہی کہ طاہر بھائی نہیں کوئی آپریٹر ہے، جب معلوم ہوا تو اففففف شرمندگی (ہی ہی ہی کھسیانی ہنسی)

سعیدہ آپا کی عمر کی چھوڑیں اگر ان کی شفقت دیکھیں تو وہ دادی امی لگتی ہیں، اگر ہنسی مذاق دیکھیں تو بڑی بہن اور دوست جیسی۔ مشکل وقت میں بات کریں تو ان سے اچھا سامع نہیں مل سکتا، کوئی مشورہ چاہیے ہو تو اپنا عہدہ بالائے طاق رکھ کر ماں سی ممتا اپنے لہجے میں سمو لیتی ہیں۔ مجھے شاید کبھی موقع نہ ملے، اس لیے میں اس تحریر کے ذریعے خراج عقیدت پیش کروں گی۔

سارے دل تھام لو، گردے پکڑ لو اور آنکھیں بند ہونے کا سوال نہیں بنتا۔ صبا ایشل نامی عورت...... او ہو لڑکی سے کون واقف نہیں، محترمہ لکھاری بھی ہیں مگر فیس بک پہ ان کی پہچان ہاسٹل کی وارڈن سی

ہے۔حجاب نگری کی کرتا دھرتا اور سب کی سانسیں خشک کرنے میں انہیں کمال حاصل ہے، کوئی مرتا مر جائے یہ اپنی سپنس کی پٹاری سے کبھی بات باہر نہیں نکالتیں۔ان کی عمر چالیس سال ہے۔ہائے سارے بے ہوش ہو گئے ابھی تو اور ڈھیر سی باتیں باقی ہے۔ چلو جو ایک آدھ باقی ہیں وہ بھی سن لیں۔

حنا اشرف جو کبھی حنا مہر بھی بن جاتی ہیں، بہت ہونہار لکھاری اور معصوم بچی ہے۔حجاب نگری کا اہم حصہ ہے اور صبح صبح حجاب محلے میں نیکی کا حکم دیتی پائی جاتی ہیں۔ میرے ساتھ زمین اور عصر بھی تھیں، حجاب نگری کو اپنی محبت اور محنت سے بہت آگے لے کر گئی، عصر خان تو پیا دیس ایسی سدھاری کہ پیچھے ہمیں بھول ہی گئی مگر زمین ہمیں اور حجاب نگری کو یاد رکھے ہوئے ہے۔ ویسے سب کہتے ہیں میں بہت بولتی ہوں، میں بولنا شروع ہو جاؤں تو روکنا مشکل ہے اور یقیناً اس بات کا اندازہ آپ لوگوں کو بخوبی ہو رہا ہو گا۔ میں اتنا زیادہ بھی نہیں بولتی مگر چونکہ بات ہمارے پیارے، راج دلارے حجاب کے بارے میں ہے تو مجھے چپ کروانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

آنچل کو آپ سب نے اتنا پیار دیا کہ اگر واقعی آنچل کا آنچل ہوتا تو اب تک بھر گیا ہوتا مگر آنچل سب لکھاری بہنوں کو جلدی جگہ دینے میں ناکام ہو رہا تھا، سب کے مشورے اور آراء سے آنچل کی سہیلی، البیلی حجاب کا اجرا کیا گیا۔آپ سب نے حجاب کو بھی دلی محبت سے اوڑھ لیا اور اس کے رنگوں میں رنگ گئے۔جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا تو حجاب کو دو سال ہو چکے ہوں گے تو اب آپ سمجھ گئے ہوں گئے کہ یہ تحریر کس مقصد کے تحت ہے۔ میرے الفاظ آج صرف حجاب کے لیے ہیں۔

ہماری آنچل نگری، حجاب نگری اور افق نگری اکھٹی ہے، مگر میں صرف اور صرف عمر کی دو بہاریں دیکھنے والے حجاب کے متعلق بات کروں گی جو ہر نئے لکھنے والے کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے، لفظوں کی سیاہی کو اپنے صفحوں پہ بکھیر لیتا ہے۔آپ سب کی محبتوں کو خود میں سما لیتا ہے۔حجاب نگری میں کیا ہوتا ہے، اس کے باسی کس طرح رہتے ہیں، اس نگری کے طور اطوار کیا ہیں۔ اس سب کے متعلق میں بتاؤں گی۔

''ٹھک...... ٹھک...... ٹھک......'' حجاب نگری کے سنہرے دروازے پہ صبح سویرے دستک ہوئی۔

میں نے مندی مندی اور سوجھی آنکھوں سے دروازہ کھولا، کیوں کہ رات میں دروازہ بند کرنے کی ذمہ داری میری ہوتی ہے۔صبح دروازہ بھی اس لیے کھل جاتا ہے کہ میں نیند میں ہی کئی کام کرنے کی عادی ہوں۔

حجاب نگری کی چیف ایڈمن صبا ایشل محترمہ دروازہ کھلتے ہی اندر داخل ہوتی ہیں، تین سنہری کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھ کر سب کو حاضری کا حکم جاری کرتی ہیں، اکثر یہ کام راؤ رفاقت علی بھائی بھی کر دیتے ہیں۔

''با ادب، با ملاحظہ صبا ایشل تشریف لے آئی ہیں، سب شامت اعمال کو دعوت دینے کے لیے حاضر ہو جائیں۔'' راؤ بھائی دادا ابو جیسی آواز سے سب کو بلا رہے ہوتے ہیں، وہ الگ بات ہے کہ ٹانگیں اپنی کانپ رہی ہوتی ہیں۔ سارے سوئے جاگے، گرتے پڑتے اپنی ڈیوٹیاں لینے کے لیے سر جھکائے آن کھڑے ہوتے ہیں۔

''حنا...... تم اچھی بچی ہو، اس لیے تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم حجاب نگری کو نیکی کا درس دو اگر کوئی نماز پڑھے بغیر داخل ہو تو......'' اس کے آگے بس تو ہی رہتا ہے اور حنا بیچاری بھی چپ چاپ دس من کا سر ہلائے جاتی ہے پر قسم سے میرے دل سے آوازیں آ رہی ہوتی ہیں اگر کوئی نماز نہ پڑھے تو حنا

اس کے حصے کی نماز تم پڑھ لینا (ہاہاہاہا)

''ماورا...... تم اپنا ایف ایم ریڈیو گھر ہی چھوڑا کرو اور کام کی طرف دھیان دو، کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔'' ہائے اللہ یہ کچھ زیادہ ہی نہیں ہوگئی ''ہنہہ''

''حجاب نگری کی سوئی عوام میں ہلچل پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔''

''جو نہ اٹھیں ان پہ ٹھنڈا پانی ڈال دوں۔'' میں نے جھٹ سے مشورہ دیا۔ اللہ معاف کرے جواباً چیف ایڈمن نے اپنی آنکھیں اتنی بڑی کرلیں کہ میں آرام سے جاکے آنکھوں میں بیٹھ سکتی تھی۔ خیر میں منہ بند کرتی ہوں اور کام پہ لگ جاتی ہوں۔

کبھی تبصرہ پوسٹ کررہی ہوتی ہوں، جس سے حجاب نگری کی عوام مفت میں تحفے تحائف وصول رہے ہوتے ہیں اور کبھی ''مسٹر بین'' بن کر سب کو مفت میں ہنسا رہی ہوتی ہوں۔ (آپ سب سوچ رہے ہوں گے ساری اپنی ہی تعریفیں کررہی ہیں مگر جب اگلے شمارے میں میرے الفاظ کی تعریف ہوگی تو آپ سب کو خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ میں کتنی فیمس ہستی ہوں)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ طاہر بھائی اور سعیدہ آپا کیا کرتے ہیں۔ آدھا مہینہ طاہر بھائی اور سعیدہ آپا چودھویں کے چاند کی طرح غائب رہتے ہیں۔ آخر کار شمس وقمر حجاب نگری میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ہماری ہٹلر چیف ایڈمن ان کی ڈیوٹی لیے آن پہنچتی ہیں۔

''طاہر بھائی' آپ کی ذمہ داری ہے کہ روزانہ دن میں ایک بار دعاؤں کا خزانہ کھولنا ہے، بے بہا دعاؤں کی مالا سب کے گلے میں پہنانی ہے۔'' اور پھر حجاب نگری کا ہر فرد گواہ ہے کہ ایسی ایسی دعا ملتی ہے کہ شاید ہی کوئی دیتا ہو۔ ہم بات مشرق کی کریں طاہر بھائی دعا دیں گئے۔ ہم بات مغرب کی کریں دعا ملے گی اور دیکھنے میں آیا ہے بڑی بڑی رائٹرز عقیدت مندی سے آمین کا ورد کررہی ہوتی ہیں۔ (اللہ جی ردی کی ٹوکری سے بچائیے گا)

ہر ماہ میں تین دفعہ حجاب نگری میں میلہ لگتا ہے، ساری سوئی عوام سونا بھول کر حاضری دینے آن پہنچتی ہے، مگر اب سونے یا جاگنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میلے کی ذمہ داری سعیدہ آپا اور صبا ایشل کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ عوام ٹھنڈی آہیں بھرے یا تڑپ تڑپ جائے، یہ دونوں خواتین جیمز بانڈ ۰۰۷ کا خواتین ورژن بنی گھوم رہی ہوتی ہیں۔ جیسے ہی ٹائیٹلز کا میلہ لگتا ہے یہ معزز خواتین جاسوسی و سسپنس کے سارے کرداروں کو مات دے دیتی ہیں۔

پیارے معزز قارئین یہ تھی ہماری حجاب نگری۔ یقیناً آپ لوگوں کو مزا آیا ہوگا مگر اصل بات تو ابھی باقی ہے۔ ہمارے حجاب کی سالگرہ ہے تو ہمیں بھی طاہر بھائی کی طرح بے شمار دعائیں حجاب کو نوازنی چاہیں۔

میری طرف سے یہ چند خوب صورت الفاظ پیش خدمت ہیں۔

مبارک ہو تم کو یہ سالگرہ تمہاری
صدا خوش رہو تم دعا ہے ہماری
تمہارے قدم چومے یہ دنیا ساری
صدا خوش رہو تم دعا ہے ہماری (کاپی کیا ہے)

اچھا...... اچھا...... بس! اب میں چپ ہوں، آپ لوگ کہیں مت جائیں، میں ہی اپنے ریڈیو سمیت آپ کو اللہ حافظ کہتی ہوں۔ ہمیشہ خوش رہیں، ہنستے مسکراتے رہیں' آمین۔

مظلوم مسلمان

ماہم نور انصاری

ظلم کی انتہا
انتہا کیسی انتہا
سسکتی آہیں، جلتے لوگ، جلتے گھر
انسانیت سرِعام وہاں ہے برہنہ
زندگی بے کار ہی ہے ہماری
گر اب بھی ہم نے کچھ نہ کہا
گر اب بھی تم نے کچھ نہ کہا......

ایک پل کو تصور کریں کہ آپ جس جگہ رہ رہی ہیں وہاں آگ ہی آگ ہو، دور دور تک بھڑکتے شعلے، بارود کی بو، گولیوں کی گونج، چیختے چلاتے آہ و زاری کرتے، بچے، بوڑھے اور جوان۔

کہیں بہت قریب سے ایک نسوانی آواز بھی ابھر رہی ہے، وقار نسوانیت کو کیسی درندگی سے مٹایا جارہا ہے معلوم نہیں۔ تصور میں ذرا غور کریں کہ ایک ماں کے سامنے اس کا لخت جگر کو آگ کی تپش سے جھلسایا جارہا ہے اور ماں بھی وہ جسے خود بے پناہ اذیت دی جارہی ہو اور کسے پتا ہے کہ وہ اذیت کیسی ہے؟ آہ ظلم اذیت درد ہولناک منظر......

یہ تصور اگر آپ کے سامنے حقیقت بن کر رونما ہوجائے تو کیا روح انسانی کانپ نہیں اٹھے گی؟ سینے میں قید دل تھرا نہیں اٹھے گا؟ نمرود فرعون کے پیروکاروں کی ظلم کی کہانی کیا آنکھیں اشک بار نہیں کررہی؟ اگر ہاں...... تو ہم خاموش کیوں ہیں؟

میانمار (برما) میں روہنگیا کے مسلمانوں پر پچھلے کئی ماہ سے مسلسل ظلم و بربریت جاری ہے، بت پرستوں کی بے ضمیری نے وہاں دس ہزار مسلمانوں کو موت کی نیند سلادیا ہے جبکہ چھبیس ہزار سے زائد گھروں کو نذر آتش کردیا گیا ہے۔ انسانی وقار کو برما کی حکومت و افواج کس بے دردی سے ختم کررہی ہے اس کا بہترین عکس الیکٹرونک و پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا پر نظر آرہا ہے۔ آن کی آن میں وہاں کی افواج سینکڑوں لوگوں کی گردنیں تن سے جدا کررہی ہے، عیدالاضحی پر دیے جانے والے ذبیحوں سے لطف اندوز ہوتے وقت ہم نے ایک بار بھی یہ تصور نہیں کیا ہوگا کہ کہیں نہایت سفاکی سے زندہ جسموں کو بھی ذبح کیا جارہا ہے۔ گھر دہکائے جارہے ہیں، مسلمان جلائے جارہے ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ یہ ہے برما کے مسلمانوں کی داستان، جسے پڑھیں تو آنکھوں میں آنسو تھمیں نہیں۔

لکھنے کو یہ چند لائنز جنہیں لکھنے میں مجھے منٹ نہ لگے اور نہ ہی آپ کو انہیں پڑھنے میں لیکن حقیقتاً اسے محسوس کرنے کے لیے ان کے درد کو سمجھنے کے لیے ایک حقیقی دل چاہیے۔ سوال اب یہ اٹھتا ہے کہ کیا ہمارے پاس وہ دل نہیں، ہمارے ضمیر یہ سب ظلم دیکھتے ہوئے بھی خاموش ہیں، نہیں ہماری زندگی اب سوالیہ نشان ہے؟ بہت بڑا نشان کیونکہ آج اس وقت دور سرحدوں کے پار انسانیت کو برہنہ کیا جارہا ہے ہمارے بھائی، بزرگ، ماؤں، بہنوں کو سرِعام بہیمانہ تشدد کے بعد اذیت ناک موت دی جارہی ہے اور ہم خاموش ہیں صرف اس لیے کہ ہم اکیلے کیا کرسکتے ہیں؟ ٹھیک ہے ہم اکیلے کچھ نہیں کرسکتے کیونکہ ہمیشہ کی طرح ہم نے دیر تو کردی ہے، بارہ سال سے جاری کے بعد بکرے ظلم کو ہم روک نہیں سکتے۔ لیکن اپنی ضروریات کی عدم ادائیگی پر سڑکوں پر نکلنے والے ہم مسلمان برما میں مقیم اپنے روہنگیا بھائیوں کے لیے آواز حق بھی بلند نہیں کرسکتے۔

امت پر بہت کڑا وقت آن پڑا ہے، مسلمانوں کی آزمائش کا دن آٹھہرا۔ جاگو فلاں جاگو...... جاگو فلاں جاگو کا نعرہ لگانے کے بجائے صرف ایک نعرہ لگاؤ ”جاگو مسلمان جاگو“ کیونکہ ظلم کی داستان جو برما میں رقم کی جارہی ہے اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

آپ تمام لوگوں سے التماس ہے کہ برما کے ظلم پر خاموشی اختیار نہ کریں کیونکہ اس ظلم پر خاموشی صرف مسلمانیت ہی پر نہیں بلکہ ہماری انسانیت پر سوالیہ نشان ہے کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مسلمان آپس میں ایک جسم کی مانند ہیں، جسم کے ایک حصے کو چوٹ لگے تو درد تمام جسم کو ہوتا ہے“ یہاں بات تو ابھی مسلمانوں کی ہے اگر غیر مسلموں پر یہ ظلم کیا جارہا ہوتا تو ہم وہ بھی برداشت نہیں کرتے کیونکہ مرد و عورت کی تفریق کے بغیر اسلام انسانیت کا درس دیتا ہے۔

بے شک اللہ ان کا محافظ ہے اور ہمیں ان کا مددگار بننا ہے اور یقیناً اب سب سے بڑی مدد اللہ کے حضور دعا ہے۔

جو ظلم روا ہے تم پر
جو جسم جلا ہے وہاں
جو ماں کا آنچل لہو سے ہے
جو وجود زن پر نشاں ہی نشاں
خدا کی قسم ہر اک اعضاء پر
جو ستم کر رہے وہاں
جنت کی ہے کیفیت فاقت پر
وہ زخم نشاں ہوں گے بے نشاں
تیرے لخت جگر کو جو درد ملے
تیری تڑپتی ماتا کو سلام اے ماں
خدا تمہارا حامی و ناصر ہے
اے برما کے مظلوم مسلماں...... آمین۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

پروین کو میں نے پہلی نظر میں ہی اس کی شاعری سے مختلف پایا تھا نظموں نے جو بھی کہا اور غزلوں میں جس عشق و محبت کا انکشاف ہوا وہ اپنی پریکٹیکل لائف میں اس سے کہوں دور کھڑی تھی کئی جگہوں اور حالات میں وہ اپنی شاعری میں زندگی کے تجربات و مشاہدات سے مایوس اور رنجیدہ نظر نہیں آتی اور نہ ہی بیزار ہے نہ اسے کسی کی پرواہ ہے اسے اپنی زندگی سے بے پناہ لگاؤ ہے اور محبتوں اور امیدوں کے سائے میں پرواز کرنے کا تہیہ کر چکی ہے، یہ روپ اس کی شاعری میں نظر آتا ہے حالانکہ بذات خود حساس ہونے کی وجہ سے بے پرواہ ہرگز نہیں تھی دوسروں کی کڑوی کسیلی باتیں اس کے دل کو تڑپا دیا کرتی تھیں اور چہرے پر گہری دبیز چھاپ سے اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہ رہتا تھا جب سے پروین قادر نے اسے اپنی سرپرستی میں لیا تھا تب سے وہ خود کو تنہا محسوس نہیں کرتی تھی اس کی شاعری پر تنقید کی جائے تعریف کی جائے یا ان اشعار کی بدولت الزام تراشیاں کی جائیں، اب اسے دکھ نہ ہوتا تھا اور بھی بے شمار سچے اور کھرے دوست اس کے ہمراہ تھے مگر پروین آپا اور آغا صاحب جیسا کوئی نہ تھا۔

بے شک دشمنوں کی بھی کمی نہ تھی جنہوں نے رستے میں کانٹے بھی بکھیرے روڑے بھی اٹکائے، لیکن رب العزت نے اسے چلنے کی قوت بخشی اور اسے خود کفیل ہونے کا ادراک بھی عنایت کیا وہ اپنے سفر پر گامزن رہی ہمت نہ ہاری اور شعر کی زبان سے اپنے مقصد کے حصول پر ڈٹی رہی۔

دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ایک خوب صورت غزل

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا
ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگ جاں میں اتر جائے گا
وہ ہواؤں کی طرح خانہ بجاں پھرتا ہے
ایک جھونکا ہے جو آئے گا گزر جائے گا
وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کے لیے
موسم گل میرے آنگن میں ٹھہر جائے گا
آخرش وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے اتر جائے گا
مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا
(خوشبو)

اس غزل کی مدح سرائی میں بھی میں نے بہت کچھ بے شمار لوگوں سے سنا اور بہت فخر محسوس کیا کہ اس مردانہ معاشرے میں پروین شاکر نے جذبات کی جس دور کی نمائندگی کی ہے اس کا جواب نہیں، اس کی غزلیں اور نظمیں تقریباً ہر کالج کی جواں نسل میں محو گردش رہی ہیں، اس لیے پروین جواں دھڑکتے دلوں اور گرمائش خون کی رومانی اور جذباتی شاعرہ سمجھی جاتی ہے یہی اس کی مقبولیت کا راز ہے۔

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

کہیں پہ تنہائی میں کٹنے والے شب و روز سچائی اور حقیقت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں، انسان تنہائی اور اکیلے پن کو مٹانے کے لیے بنایا گیا ہے مگر پروین اپنی تنہائیوں کو ختم نہ کر سکی، اکیلے پن کا احساس اتنا ہمہ گیر ہے کہ جو چھپائے نہیں چھپتا، اس کے اثرات اس کی ہر ادا اور ہر حرکت میں واضح طور پر نظر آنے لگے تھے۔

تم نے تو تھک کر دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

اشعار ٹوٹے ہوئے مایوس کن دلوں سے رِسنے والے خون سے پروان چڑھ کر صفحہ قرطاس پر زبان بن جاتے ہیں جنہیں کبھی موت لاحق نہیں ہوتی شاعر چلا جاتا ہے مگر اس کے احساسات و جذبات و محسوسات کا عمل ازل سے ابد تک زندہ رہتا ہے۔

پاکستانی قوم کو پروین شاکر کی شاعری اور شخصیت پر بے پناہ فخر ہے ان کی عقیدت و پسندیدگی کی غمازی پروین کے شعری مجموعوں کی مانگ سے ہوتی ہے جن میں کمی نہیں بلکہ روز بروز مجموعوں کی تعداد اضافی صورت اختیار کر گئی ہے۔

ایک بار ٹی وی انٹرویو میں یہ فقرہ کہا تھا کہ "زندگی نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔" اس کے درد کو میں آج بھی محسوس کر کے اداس ہو جاتی ہوں، اس ایک فقرے میں اس کی

تمام زندگی کی سرگزشت تھی حالانکہ زندگی نے اسے بہت کچھ دیا تھا اور معاشرے نے اس سے بہت کچھ چھینا تھا نیز آج اس کی کمی کو اسی معاشرے نے محسوس کیا ہے، یہ ایک فطری امر ہے کہ زندگی میں اچھائیوں، خوبیوں اور نیکیوں کا کبھی پرچار نہیں ہوتا ان کو اہمیت نہیں دی جاتی، فقط برائیوں اور خامیوں کا بول بالا رہتا ہے آج پروین ہم میں نہیں تو اس کی یادوں اور اس کی شخصیت میں پوشیدہ بے حساب خوبیوں کا ورد کیا جارہا ہے زندگی میں اس کے برعکس وہ اپنے تلخ اور شیریں تجربات و مشاہدات کے شوخ دھنک اور پھیکے رنگوں میں ڈوبے لفظوں کی بوچھاڑ سے اپنی شخصیت کے ہر پہلو کی زبان بنتی رہی بہار، خزاں، گرمی اور سردی میں تنہائی اور امید وبیم کی سرگزشت خوشبو کے فسوں میں صد برگ بن کر اپنی ہی سوچوں کے بھنور میں الجھی ہوئی خود کلامی سے ہمکنار ہوئی انکار پر اکتفا کر گئی آخری انکار کیا تھا؟ انکار سانسوں کے سر سہرا سجانے اور اس ظالم سماج کی ہر ریت ورواج سے انکار ہمارے ہاتھ میں تھما گئی انکار میں مجھے پھول بہت کم کانٹے بے حساب ملے۔

خوش بو کی زبان

زبان غیر میں لکھا ہے تو نے خط مجھ کو\
بہت عجیب عبارت، بڑی ادق تحریر\
یہ سارے حرف مری حد فہم سے باہر\
میں ایک لفظ بھی محسوس کر نہیں سکتی\
میں ہفت خواں تو کبھی بھی نہ تھی مگر اس وقت\
یہ صوت ورنگ یہ آہنگ اجنبی ہی سہی\
مجھے یہ لگتا ہے جیسے میں جانتی ہوں انہیں\
(ازل سے میری سماعت ہے آشنا ان سے)\
کہ تیری سوچ کی قربت نصیب ہے ان کو\
یہ وہ زباں ہے جسے تیرا لمس حاصل ہے\
ترے قلم نے بڑے پیار سے لکھا ہے انہیں\
رچی ہوئی ہے ہر اک لفظ میں تری خوشبو\
تری وفا کی مہک تیرے پیار کی خوشبو\
زبان کوئی بھی ہو خوش بو کی وہ بھلی ہو گی\
(خوشبو)

سنتے ہیں قیمت تمہاری لگ رہی ہے آج کل\
سب سے اچھے دام کس کے ہیں یہ بتلانا ہمیں\
تاکہ اس خوش بخت تاجر کو مبارک باد دیں

(اور اس کے بعد دل کو بھی ہے سمجھانا ہمیں)\
(خوشبو)

میں وہ لڑکی ہوں\
جس کو پہلی رات\
کوئی گھونگھٹ اٹھا کے یہ کہہ دے\
میرا سب کچھ تیرا ہے دل کے سوا\
(خوشبو)

تیری ہم رقص کے نام\
رقص کرتے ہوئے\
جس کے شانوں پہ تو نے ابھی سر رکھا ہے\
کبھی میں بھی اس کی پناہوں میں تھی\
فرق یہ ہے کہ میں\
رات سے قبل تنہا ہوئی\
اور تو صبح تک\
اس فریب تحفظ میں کھوئی رہے گی

(خوشبو)

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

صابرہ احمد......کراچی

افضل ہے کل جہاں سے گھرانہ حسینؓ کا
نبیوں کا تاجدار ہے نانا حسینؓ کا
اک پل کی تھی بس حکومت یزید کی
صدیاں حسینؓ کی ہیں زمانہ حسینؓ کا

فاخرہ ملک......ڈیرہ غازی خان

فطرت سے ہوں مجبور میں دھوکہ نہیں دیتا
ہر بار مگر خلوص بہت مہنگا پڑا مجھے

ایمان راجا......لاہور

اگر تجھے نیند آئے تو سو بھی لیا کر ساغر
راتوں کو جاگنے سے بچھڑے لوٹا نہیں کرتے

نادیہ گل......پشاور

تمہیں دیکھوں تو مجھے پیار بہت آتا ہے
زندگی اتنی حسیں پہلے تو نہیں لگتی تھی

میمونہ وقار......منڈی بہاؤ الدین

خوشی ملی تو کئی درد مجھ سے روٹھ گئے
دعا کرو کے میں پھر سے اداس ہوجاؤں

فاطمہ......کراچی

عجب ہنر ہے میرے ہاتھ میں شعر لکھنے کا
میں اپنی بربادیاں لکھتا ہوں لوگ واہ واہ کرتے ہیں

حرا قریشی......ملتان

بن کے اپنا فریب دیتا ہے
بے بہا جس پہ مان ہوجائے
حیرت سے تک رہا ہے جہان وفا مجھے
تم نے بنا دیا ہے محبت میں کیا مجھے

سحرش رفیق......کہروڑپکا

غم مجھے، حسرت مجھے، وحشت مجھے، سودا مجھے
ایک دل دے کر خدا نے دے دیا کیا کیا مجھے

سمیرا قمر......ڈسکہ

جڑتے ہوئے دیکھا نہیں ٹوٹے ہوئے دل کو
گر جائیں جو آنسو تو اٹھائے نہیں جاتے

حنا ملک......ملتان

سوز فراق یار میں مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

نبیلہ......لاہور

میری محبتیں بھی عجیب تھیں میرا فیض بھی تھا کمال پر
کبھی سب کچھ ملا بنا طلب کبھی کچھ نہ ملا سوال پر

نائلہ شمسی......ڈگری

بکھری کتابیں، بھیگے اوراق اور تنہائی پسند سا دل
یقین مانو محبت نے میری عمر پر بھی ترس نہیں کھایا

ملیحہ کاشف......کراچی

آؤ چپ کی زبان میں ناصر
اتنی باتیں کریں کہ تھک جائیں

روبین نظامی......سیہون شریف

کتنے انجان ہیں کیا سادگی سے پوچھتے ہیں
کہیے کیا میری کسی بات پر رونا آیا

شبینہ مرزا......کنری

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

اقصیٰ......ٹنڈوالہیار

اس کو چاہا بھی اظہار نہ کرنا آیا
عمر کٹ گئی ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی تو جدائی مانگی
اور ہم تھے کہ ہمیں انکار نہ کرنا آیا

رافعہ صابر......جھڈو

سرکشی نے کردیے ہیں دھندلے نقوش زندگی
آؤ سجدے میں گریں اور لوح جبیں تازہ کریں

فاطمہ راشد......کراچی

خود کو چنتے ہوئے دن سارا نکل جاتا ہے

پھر ہوا شام کی چلتی ہے بکھر جاتا ہوں
ماہ نور شاہ...... حیدرآباد
یوں فضا مہکی کہ بدلا میرے ہمراز کا رنگ
یوں سجا چاند کہ جھلکا تیرے انداز کا رنگ
سیما چوہدری...... گجرات
مکمل چاند ہو بہو تم جیسا تھا محسن
وہی حسن، وہی غرور، وہی دوری
ایمان فاطمہ...... میرپورخاص
ہماری بے خودی کا حال وہ پوچھے اگر
تو کہنا ہوش بس اتنا ہے کہ تم کو یاد کرتے ہیں
نادیہ عمران...... کندھ کوٹ
تمام جذبوں سے معتبر ہے
اداس آنکھوں سے مسکرانا
ثمرین رانا...... سجاول
حیرت سے تک رہا ہے جہان وفا مجھے
تم نے بنا دیا ہے محبت میں کیا مجھے
مہک نور...... راولپنڈی
تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے
کنول نایاب...... جامشورو
وہ بچھڑا تو پھر کبھی صبح نہ ہوئی
رات ہی ہوتی گئی ہر رات کے بعد
اقرا قمر...... حیدرآباد
آندھیوں نے توڑ دی ہیں درختوں کی ٹہنیاں
کیسے کٹے گی رات پرندے اداس ہیں
شرمین وقار...... شہداد پور
وہ تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پہ بھی لازم ہے میر
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر
ام ہانی...... قائدآباد، کراچی
مجھ سا کوئی جہان میں نادان بھی نہ ہو
کر کے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو
عروسہ شہوار...... گجرات

روٹھ جانے کی ادا ہم کو بھی آتی ہے
کاش ہوتا کوئی ہم کو بھی منانے والا
امبر طارق...... کہروڑپکا
خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
نازش راؤ...... شہدادکوٹ
یہی درس دیتا ہے ہمیں ہر شام کا سورج
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے
نسیمہ سحر...... ڈھرکی
شامل ہوں کھیل میں تیری تفریح کے لیے
بازی تو کتنی دیر سے ہارا ہوا ہوں میں
شبانہ ناز...... کراچی
اب خود سے ملنے کا دل کرتا ہے
لوگوں سے سنا ہے بہت برا ہوں میں
نمرہ عزیز...... گجرات
اس کے عروج کی تھی بہت آرزو ہمیں
جس کے عروج میں ہی ہمارا زوال تھا
دیا آفریں...... شاہدرہ
یاد آئے جو میرے بعد سنورنا اس کو
اے شب ہجر اسے چاند کا جھومر دینا
صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد
ہم نے شکست کھا کر بھی ذکر وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا۔ خود کو فدا نہیں کیا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

جیلی شاہی ٹکڑے

اجزاء:

بڑی ڈبل روٹی	ایک عدد
جیلی	ایک پیکٹ
بادام پستے	دو کھانے کے چمچ
گاڑھا دودھ	آدھا کپ
کریم	آدھا کپ
چینی	چار کھانے کے چمچ
گھی	تلنے کے لیے

ترکیب:

ڈبل روٹی کے سلائس کاٹ کر گھی میں تل لیں اور ایک الگ پلیٹ میں رکھ لیں جیلی کو دو کپ پانی ڈال کر پکالیں اور کسی پیالے میں جما کر سلائس کی طرح کاٹ لیں کنڈینسڈ ملک (جو کہ باآسانی دکانوں پر دستیاب ہے) سلائس پر لگائیں پھر جیلی رکھیں دوسرا کنڈینسڈ ملک لگا کر سلائس اس کے اوپر رکھیں پھر کریم لگائیں اور اس کے اوپر بادام پستے چھڑک دیں۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

مکھنڈی کا حلوہ

اجزاء:

سوجی	دو کپ
چینی	ڈیڑھ کپ
سبز الائچی	چار سے پانچ عدد
گھی یا آئل	ایک کپ
خشک میوہ جات	تقریباً ایک کپ
پانی	تین کپ
دیسی گھی	چار سے پانچ چمچ

ترکیب:

سب سے پہلے پانی میں سوجی بھگو کر آدھا گھنٹے کے لیے رکھ لیں اب اس کے بعد ایک کڑاہی لیں اس میں گھی یا آئل ساتھ ہی دیسی گھی ڈالیں گھی جب گرم ہونے لگے تو اس میں چینی شامل کردیں چینی گھلنا شروع ہو تو مسلسل لکڑی کے چمچ سے ہلاتے رہیں جب رنگ بدلنے لگے چینی تو الائچی شامل کر کے چمچ ہلاتے رہیں چینی جب مکمل کر شیرہ کی شکل اختیار کر لے اور رنگ تبدیل کرنے لگے تو ڈارک براؤن کلر ہونے پر سوجی سے زائد پانی گرادیں اور اسے چینی والے مکسچر میں شامل کریں دھیان رہے کہ چولہا ہلکی آنچ پر ہو بڑی احتیاط کے ساتھ اب اس آمیزہ کو یکجا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گھٹلیاں جو سوجی کی بنی ہیں ان کو چمچ سے ختم کریں مسلسل چمچ کی مدد سے مکس اور ری مکس کرتے جائیں یہاں تک کہ چینی مکمل طور پر سوجی کے ساتھ یکجا ہوجائے اور گھی چھوڑنے لگے تو سمجھیں حلوہ تیار ہے اب پیش کرنے سے پہلے خشک میوہ جات سے سجا کر پیش کریں معلوم ہے آپ کو کہ یہ بیسٹ ریسپی ہے بازو کی ورزش کے لیے سو ورزش کی ورزش اور سواد کا سواد۔

سلمٰی عنایت حیا...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

کسٹرڈ سویاں

اجزاء:

مینگو کسٹرڈ پاؤڈر	تین چائے کے چمچ
دودھ	آدھا لیٹر
سویاں	ایک سو پچیس گرام
کیلے	دو عدد
خوبانی	چھ عدد
سیب	ایک عدد
چینی	پانچ سو گرام

ترکیب:

سب سے پہلے سویوں کے ایک ایک انچ کے ٹکڑے کر کے بغیر گھی کے بھون لیں دودھ گرم کرنے کے لیے رکھ دیں تمام پھل باریک کاٹ لیں اس کے بعد دودھ میں چلاتی رہیں۔ گاڑھا ہونے لگے تو چینی اور سویاں ڈال دیں جب گاڑھا ہوجائے تو اتار لیں ڈش میں پھلوں کی تہہ بچھائیں، اوپر سویوں کا کسٹرڈ ڈال کر ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں بادام، پستے سے گارنش کرلیں اور ٹھنڈا ہونے پر سرو کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

چاکلیٹ لیئر کیک

اجزاء:

انڈے	چار عدد

آئسنگ شوگر	تین سو پچاس گرام
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
چاکلیٹ	دو کپ
چینی (سفوف)	ایک کپ
مکھن	ایک کپ
میدہ	ڈیڑھ کپ
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب:۔
پون کپ مکھن میں پسی ہوئی چینی ملا کر اسے اچھی طرح مکس کریں پھر انڈے پھینٹ کر اس میں شامل کر دیں اور اس آمیزہ کو خوب پھینٹیں۔ اب اس میں نصف کپ چاکلیٹ ملا کر اچھی طرح مکس کر کے یکجان کرلیں میدہ اور بیکنگ پاؤڈر ملا دیں اور اسے خوب مکس کریں اب کیک کا سانچہ لے کر یہ مرکب اس میں انڈیل دیں اور اسے اوون میں رکھ دیں، انتہائی لذیذ کیک تیار ہوگا ٹھنڈا ہونے پر سرو کریں۔

صبا ایشل...... بھاگووال

ٹرکش سینڈوچ

اجزاء:۔

میدہ	ایک اونس
مکھن	ایک اونس
یخنی	چار اونس (آدھا کپ)
چکن کے ریشے	چھ اونس
کریم	چار اونس
کش شدہ پیاز	ایک چائے کا چمچ
بریڈ سلائسز	تین عدد
مکھن	تھوڑا سا

ترکیب:۔
مکھن گرم کر کے میدہ بھونیں (ایک کھانے کا چمچ میدہ) پھر آنچ سے ہٹا کر یخنی ملا دیں اور خوب چمچ چلاتے ہوئے ملائم کرلیں اور پھر کریم ملا دیں، آنچ پر رکھیں، قدرے گاڑھا ہونے پر چکن کے ریشے، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور پیاز ملا دیں سلائز کو ٹوسٹ کر کے مکھن لگائیں اور پھر مکھن والی سائیڈ پر یہ مرکب لگا دیں، ہر سینڈوچ پر کھیرے کا قتلہ اور پودینے کی پتی سجا دیں ٹرکش سینڈوچز تیار ہیں، اپنے ملک میں بیٹھ کر ترکی کی ڈش کا مزہ لیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

الٹے پلٹے کا سالن

اجزاء:۔

انڈے	چھ عدد
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز (باریک چوپ کرلیں)	ایک عدد بڑی
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں)	چار سے چھ عدد
تیل	حسب ضرورت

گریوی کے لیے

اجزاء:۔

پیاز (پسی ہوئی)	تین عدد
ہلدی (پاؤڈر)	آدھا چائے کا چمچ
ادرک، لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	آدھی گٹھی
سرخ مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
پیاز (باریک سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد
ٹماٹر (پسے ہوئے)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔
پیالے میں انڈوں کو اچھی طرح پھینٹ کر نمک، سرخ مرچ پاؤڈر، ادرک لہسن پیسٹ،، زیرہ، پیاز اور ہری مرچیں ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈالیں اور انڈے کے آمیزے کا ایک بڑا چمچ بھر کر پھیلا دیں ہلکا سا پک جائے تو فولڈ کرلیں اور دونوں طرف سے سینک لیں براؤن کلر آ جائے تو پلیٹ میں نکال لیں اور ٹھنڈا ہونے پر حسب پسند ٹکڑے کاٹ لیں۔
گریوی کے لیے:۔
دیگچی میں تیل گرم کر کے سلائس کی ہوئی پیاز ڈال کر براؤن کرلیں اس میں پسی ہوئی پیاز، پسے ہوئے ٹماٹر، نمک، سرخ

مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ پانی خشک ہوجائے تو اچھی طرح بھون لیں تیل اوپر آجائے تو حسب پسند گریوی بنا کر انڈے کے تیار شدہ کٹلس احتیاط سے اس میں شامل کریں اوپر سے گرم مسالا ڈال کر پانچ منٹ دم پر رکھیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ہرے دھنیے سے گارنش کرکے نان کے ساتھ پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

مونگ کی دال کا حلوہ

اجزاء:۔

مونگ کی دال (دو گھنٹے بھگودیں) — ایک کلو
بناسپتی گھی — آدھا کلو
بادام پستہ — ایک چھٹانک
کھویا — ایک پاؤ
الائچی — پانچ دانے
شکر — چھ سو گرام
پانی — آدھا لیٹر

ترکیب:۔

مونگ کی دال کو گرائنڈر میں پیس لیں، اب ایک کڑاہی میں بناسپتی گھی اور دال ڈال کر فل آنچ پر پکائیں اور برابر چمچ ہلاتی رہیں تاکہ دال کڑاہی میں چپک نہ جائے، اب ایک کڑاہی میں پانی شکر ہلکا پیلا رنگ (چٹکی بھر) اور الائچی کوٹ کر چولہے پر رکھ کر ابال لیں اب اسی پانی کو دال میں ملادیں اور درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ اس کا پانی خشک ہوجائے لیکن چمچ کو برابر چلاتی رہیں۔ پھر اس میں کھویا ڈال دیں اور پانچ منٹ تک پکائیں اور ڈش میں نکال لیں، بادام پستے سے سجا کر پیش کریں۔

حنا مہر......کوٹ ادو

میٹھی ٹکیاں

اجزاء:۔

میدہ — سوا دو کپ
نمک — ایک چٹکی
مکھن — دو کھانے کے چمچ
دودھ — ایک کپ
کھانے کا سوڈا — ایک چوتھائی چائے کا چمچ
آئسنگ شوگر — ڈیڑھ کپ
کشمش بادام (پسے ہوئے) — ڈیڑھ کپ
انڈے — دو عدد

ترکیب:۔

میدے میں نمک اور شکر ملا کر چھان لیں اس میں مکھن شامل کرکے اس طرح مکس کریں کہ آمیزے کا چورا سا بن جائے پھر اس میں کشمش اور بادام ملا کر مکس کرلیں۔ ایک دوسرے باؤل میں انڈے کھانے کا سوڈا اور دودھ پھینٹ لیں اب میدے والے آمیزے میں انڈوں والا آمیزہ ملادیں اور نرم آٹا گوندھ لیں آٹے کو آدھے گھنٹے تک گیلے کپڑے سے ڈھانپ کر رکھیں۔ پھر اس کی روٹی بیل کر کٹر کی مدد سے گول پیس کاٹ لیں اور تیل سے چکنی کی ہوئی بیکنگ ڈش میں رکھ کر پہلے سے گرم اوون میں 180cc پر رکھیں اور پندرہ سے بیس منٹ تک بیک کریں، گولڈن براؤن ہوجائے تو نکال لیں مکھن کے ساتھ ٹھنڈا کرکے سرو کریں۔

فوزیہ سلیم......چیچہ وطنی

کوکونٹ پڈنگ

اجزاء:۔

ناریل (پسا ہوا) — ایک کپ
مکھن — آدھا چائے کا چمچ
کریم — آدھا کپ
سوجی — ایک چائے کا چمچ
پستہ بادام (کٹے ہوئے) — دو کھانے کے چمچ
دودھ — آدھا کپ
انڈے — دو عدد
کنڈینسڈ ملک — ایک چھوٹا کین
الائچی پاؤڈر — آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

پتیلی میں مکھن گرم کرکے اس میں سوجی ڈال کر بھونیں، دودھ اور پسا ناریل اس میں شامل کریں اور پانچ منٹ پکائیں ذرا سا گاڑھا ہونے دیں، اب چولہے سے اتار کر پھینٹے ہوئے انڈے، الائچی پاؤڈر، کنڈینسڈ ملک اور کریم مکس کریں اس طرح کے یکجان ہوجائے اوپر سے پستہ بادام چھڑک دیں، اوون کو پہلے سے 180c پر گرم کریں اور آدھے گھنٹے بیک کرکے سرو کریں۔

ماورا طلحہ......گجرات

آرائش حسن

حدیقہ احمد

شادی کے میک اپ کے حوالے سے دس عام غلطیاں

بہت زیادہ میک اپ:۔

اس میں شک نہیں کہ شادی ایک بڑا اور اہم پروگرام ہوتا ہے مگر اس کی مناسبت اور اہمیت کے پیش نظر اپنے چہرے پر زیادہ لیپا پوتی نہ کریں جس قدر کم میک اپ ہوگا اسی قدر اچھا لگے گا۔

جو موجودہ رجحان ہے اس کو پیش نظر رکھیں، یہ ٹھیک ہے کہ پانچ سال پہلے چمک دمک والے میک اپ کا زور تھا مگر اب آپ ذرا ان تصاویر کو ایک بار پھر دیکھیں تو آپ وہ گئے دنوں کی پھیکی پھیکی تصاویر لگیں گی چہرے پر چمک دمک کم سے کم رکھیں اور جس قدر ممکن ہو چہرے کو نیوٹرل رکھیں۔

میک اپ یہ نہیں ہے کہ چہرے کو ہر رنگ سے سجا لیا جائے بلکہ میک اپ یہ ہے کہ آپ میک اپ کرنے میں اعتدال پسندی کا مظاہرہ کریں اور میک اپ کرنے کے بعد آپ کے چہرے سے تازگی کا احساس ملے۔

وہ وقت گیا جب دلہن کسی بڑے سے سجے سجائے کیک کی مانند نظر آتی تھی آپ انفرادیت کو اپنایئے اور وہی کچھ پہنیے جو آپ پر سوٹ کرتا ہے اگر لباس پر پل ہے تو ضروری نہیں کہ آنکھوں کا میک اپ بھی پر پل ہو، اس کے علاوہ بھی شیڈز ہیں تجربات کر کے دیکھیں جو سوٹ کرے اسے لگالیں۔

کوشش کر کے آپ اپنا میک اپ خود کرنے کی کوشش کریں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بیوٹیشن سے کہیں کہ وہ آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کریں، میک اپ کو نیوٹرل رکھیں اور بہت سارے رنگوں کے استعمال سے گریز کریں۔

اکثر دلہنیں فیشل کرانے بھاگتی ہیں ساتھ میں گوری رنگت کو تھوڑا سانولا پن بھی دیتی ہیں اور دانتوں کو بھی چمکاتی ہیں اور یہ سب وہ ایک ہفتہ قبل کرتی ہیں مگر وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ عین شادی والے دن جلد اکھڑ سکتی ہے۔ مسوڑھے سرخ ہوسکتے ہیں اور سانولا پن کسی وال پیپر کی طرح الگ ہوسکتا ہے آپ اپنی روٹین کو محض اس وجہ سے نہ چھوڑیں کہ آپ کی شادی ہو رہی ہے اپنی روٹین پر چلتی رہیں باقاعدہ اسکن کیئر پر توجہ دیں کھانا معمول کے مطابق کھائیں ورزش کریں ڈھیر سارا پانی پئیں گہری نیند لیں اور کافی اور چائے سے دور رہیں۔

ماہرین حسن اگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا میک اپ کردیں گے کہ پھر آپ کو پارٹی کے دوران ٹچنگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی تو آپ سمجھ لیں کہ وہ خواب فروخت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ کو بلوٹنگ پیپر کی ضرورت رہے گی تاکہ آپ چہرے کی چمک پر قابو پاسکیں اور ایسا فوٹو بنوانے سے قبل ضرور کریں لپ اسٹک کو بھی ٹچنگ کی ضرورت رہتی ہے رونے دھونے کے دوران آئی لائنر اور آئی شیڈ اور پھر مسکارا بھی ٹچ کرنے کی ضرورت لازمی پیش آتی ہے۔

اکثر لڑکیاں میگزین سے تصاویر الگ کر کے ایسے لک کی درخواست کرتی ہیں جو ان پر قطعی سوٹ نہیں کرتا ہے آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے لک کو موقع کی مناسبت سے ہم آہنگ کریں اور وہی کچھ کریں جو آپ کے چہرے پر سوٹ کرتا ہے۔

ہر دلہن کو ایسے گال چاہیں جن میں چمک ہو مگر ان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس حالت میں جب فوٹوز بنتے ہیں تو چہرہ ایسا لگتا ہے جیسے اس پر گریس مل دیا گیا ہو، آنکھوں اور گالوں پر ہلکا میک اپ کریں، بے شک دوسرے حصے پر چمک لگالیں۔

ہونٹوں پر گلوسنگ نہ کریں کیونکہ شادی کے موقع پر بھاری لباس اور برقی قمقموں میں گرمی بہت لگتی ہے اور حرارت کی وجہ سے لپ اسٹک اور گلوسنگ پگھلنے لگتی ہے اس لیے مٹیالے رنگ کے گلوس ٹھیک رہیں گے۔

ہاتھوں کا میک اپ

آپ کے خوب صورت ہاتھ آپ کی دلکشی اور جاذبیت میں چار چاند لگاتے ہیں لیکن آپ کے ہاتھ کس طرح خوبصورت بنائے جائیں، اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے

۱۔ گھریلو کام کاج یعنی سبزی کاٹنے، برتن اور کپڑے دھوتے وقت ربڑ کے باریک دستانے پہننے نہ بھولیں۔

۲۔ جتنی بار اپنے ہاتھ دھوئیں اتنی ہی بار اپنے ہاتھوں پر کریم یا لوشن لگائیں۔

۳۔ اپنے پاس نیل فائل (ناخنوں کی ریتی) ضرور رکھیں، ہر روز اپنے ناخن صاف کریں۔

۴۔ ہر روز چند لمحوں کے لیے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائیں اور انگلیوں کی نوک سے ہتھیلی کی طرف ہاتھوں پر مساج کریں۔

۵۔ اگر کام کاج کی وجہ سے آپ کے ہاتھ سخت ہوگئے ہیں تو رات کو سونے سے پہلے اپنے ہاتھ صابن اور نیم گرم پانی سے دھوئیں۔ ہاتھوں پر کولڈ کریم ملیں اور بعد میں سوتی دستانے پہن کر سو جائیں۔ صبح اٹھ کر آپ کو اس عمل کے بہترین نتائج کا علم ہوجائے گا۔

۶۔ اگر آپ کے ہاتھوں کی جلد سیاہ پڑگئی ہے تو رات کو سونے سے پہلے ہاتھوں پر لیموں ملیں۔ ہاتھوں کو گورا کرنے کے لیے لیموں کا رس اکسیر ہے۔ ہاتھوں کی جلد کے بعد ناخنوں پر خاص توجہ دینی چاہیے، ناخنوں کا پرانا پالش اتار دیں اور ایمری بورڈ سے ناخن بنائیں، نیل فائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فائل کو ناخن کی اطراف سے مرکز کی طرف حرکت دیں۔ اگر فائل کو آرے کی طرح آگے پیچھے چلایا جائے تو ناخن ہموار ہوجاتے ہیں، ناخنوں کے گرد سفید جھلی سی بن جاتی ہے، ناخنوں کی صفائی اور میک اپ کے لیے اس جھلی کو دور کرنا ضروری ہے۔ اسے کیوٹیکل لوشن یا کریم سے دور کیا جاتا ہے۔ کیوٹیکل لوشن کو روئی کے پھاہے کے ساتھ ناخنوں کے اردگرد لگائیں تاکہ جلد نرم ہوجائے، کسی لکڑی کے تنکے کے اردگرد روئی لپیٹیں، اسے کیوٹیکل ریموور یا لوشن میں بھگوئیں اور جھلی صاف کردیں، اب اپنے ہاتھ صابن والے نیم گرم پانی میں بھگودیں۔ اس کے بعد ہاتھ تولیے یا ٹشو پیپر سے خشک کریں۔ ناخنوں کے اردگرد کی جلد اچھی طرح صاف کریں، اپنے ہاتھوں پر ہینڈ لوشن لگائیں۔ مساج کریں ناخنوں کی فالتو چکناہٹ کو نیل پالش ریموور سے اچھی طرح صاف کردیں۔ ذرا سی چکناہٹ بھی نہ رہ جائے، مساج ہلکے ہاتھوں سے کرنا چاہیے، بہتر ہے کہ نیل پالش لگانے سے پہلے آپ ناخنوں پر بیس کوٹ لگائیں، اس سے ناخنوں کی حفاظت ہوتی ہیں اور وہ مضبوط ہوتے ہیں، اب پالش لگانا شروع کریں۔ پالش لگاتے وقت برش کو تین چار جنبشیں دیں، یعنی ایک بار درمیان میں نیل پالش لگائیں اور بعد میں دونوں طرف لگائیں۔ نیل پالش کو سوکھنے دیں، اب دوسرا کوٹ کریں۔ نیل پالش لگانے کا بہترین وقت رات کا ہے۔ سونے سے پہلے نیل پالش لگائیں تو وہ صبح تک اچھی طرح سیٹ ہوجاتی ہے۔

ہالہ سلیم ......اورنگی ٹاؤن کراچی

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

چہرۂ الفت

نیلی جھیل سی گہری آنکھیں
ان آنکھوں میں خون جما ہے
خواب کسی میت کے جیسے
تیر رہے ہیں پتے بن کر
رخساروں پر جیسے شعلے
دیپ کی صورت دہک رہے ہیں
نرم گلاب سے ہونٹ ہیں جن پر
خاموشی کا قفل پڑا ہے
ہاتھوں میں زنجیر بندھی ہے
پیشانی پر لفظ "محبت"
کوئی لکھ کر بھول گیا ہے

شاعر: فیض محمد شیخ
انتخاب: نادر اطلحہ...... گجرات

غزل

اے مری دوست میرے دل کی دعا
ہو مبارک تجھے یہ سالگرہ
چھو نہ پائے تمہیں یہ گرم ہوا
ہو مبارک تجھے یہ سالگرہ
نقش تیرا ہو منزلوں کا پتا
ہو مبارک تجھے یہ سالگرہ
صدق سے واری ہو تجھ پہ بادِ صبا
ہو مبارک تجھے یہ سالگرہ

شاعر: وسیم عباس
انتخاب: نادیہ ظفر

ہماری سالگرہ پر

یہ چاند اور یہ ابر رواں گذرتا ہے
جمالِ شام تہہ آسماں گزرتا ہے
بھرا ہے تری خوشبو سے تیرا صحنِ چمن
بس ایک موسمِ عنبر فشاں گزرتا ہے
ساعتیں ترے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا ہے
خدا کرے تری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیار وقت سے تو شادماں گزرتا ہے
میں تجھ کو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملال نہیں
کہیں بھی ہو تو ستارہ نشاں گزرتا ہے
میں مانگتی ہوں تری زندگی قیامت تک
ہوا کی طرح سے تو جاوداں گزرتا ہے
مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے
فلک سے تیرا خطِ کہکشاں گزرتا ہے
میں تیری چھاؤں میں کچھ دیر بیٹھ لوں
اور پھر تمام راستہ بے سائباں گزرتا ہے
یہ آگ مجھ کو ہمیشہ کیے رہے روشن
مرے وجود سے تو شعلہ ساں گزرتا ہے
میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک سماں گزرتا ہے
ہمارا نام کہیں تو لکھا ہوا ہوگا
مہ و نجوم سے یہ خاکداں گزرتا ہے
میں تیرا ساتھ نہ دے پاؤں پھر بھی تیرا سفر
گلاب و خواب کے ہی درمیاں گزرتا ہے
میں تیرے سینے پہ سر رکھ کے وقت بھول گئی
خیال تیز روِ عمر رواں گزرتا ہے

شاعرہ: پروین شاکر...... کفِ آئینہ
انتخاب: ریحانہ اعجاز

برتھ ڈے نظم

تمہاری برتھ ڈے جب بھی آئے
تمہارے لیے بس خوشیاں لائے
تمہارے چہرے پر ہنسی کھلائے
تمہاری برتھ ڈے جب بھی آئے
تم سے بچھڑے ہوں کو ملائے
تم روؤ تو تمہیں ہنسائے
تم سوؤ تو تمہیں جگائے
تم روٹھو تو تمہیں منائے
تمہاری برتھ ڈے جب بھی آئے
تمہارے اپنوں کو تم سے ملائے
دل کے ارماں پورے کرائے

دل کی دعائیں پوری کرائے
تمہاری برتھ ڈے جب بھی آئے
تمہارے لیے بس خوشیاں لائے

شاعرہ: دعا علی خان

انتخاب: ثانیہ الطاف ......راولپنڈی

نئے برس کا پہلا لمحہ

اے میرے ہم نشین
نئے برس کا پہلا لمحہ دل آنگن میں اتر رہا ہے
میرے ہاتھ میں گزرے برس کی کچھ یادیں تھمی ہیں
اور ان یادوں میں میرے اچھے برے کئی پل ہیں
اور ان لمحوں میں
میرے ان گنت وہم جو دھڑکن کی صورت دھڑک رہے ہیں
میرے ان گنت اندیشے جو یہاں وہاں بکھرے ہوئے ہیں
شب کی تیسرے پہر مانگی ہوئی بیشمار دعائیں ہیں
میری بے شمار امیدیں جو دلاسا بن کر ساتھ رہی ہیں
اور......اور......
میری ڈھیر ساری تمنائیں جو بیقرار کرتی رہی ہیں
ان سب سے جڑا ایک نام ہے
وہ نام تمہارا ہے
جو میرا سہارا ہے
سنو
میرے ہم نشین
میں نے
گزرے برس کو وہ سارے گزرے پل واپس کردیے ہیں
بس ان سے جڑا تمہارا نام پاس رکھ لیا ہے
یہ سوچ کر دعا کے پلو سے باندھ لیا ہے
کہ
ہم نئے برس گزرے برس سے اچھی یادیں بنائیں گے

ڈاکٹر نگہت نسیم

انتخاب: ہانیہ احمد

عورت

کبھی ہوس کا نشانہ بننا
کبھی غیرت کے نام پر مرنا
کبھی روایات کی بھینٹ چڑھنا
اس ہر روز کی تذلیل سے اچھا ہے
ایک بار ختم ہوجانا
زندہ دفن ہوجانا
جل کر بھسم ہوجانا
یہ تمہارا سماج ہے
اس پر تمہارا راج ہے
یہ سچ ہے
پر مجھے سچ کہنے کا کہاں حق ہے
اس جرم میں مجھ کو
سولی پر چڑھاؤ
گردن پر چھری چلاؤ
یا کسی گمنام جنگل میں نعش لٹکاؤ
ہر فیصلے پر تمہارا حق ہے
یہ سچ ہے
پر مجھے سچ کہنے کا کہاں حق ہے

آمنہ نثار: اسلام آباد

انتخاب: صبا ایشل

غزل

آپ جن کے قریب ہوتے ہیں
وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں
جب طبیعت کسی پر آتی ہے
موت کے دن قریب ہوتے ہیں
مجھ سے ملنا پھر آپ کا ملنا
آپ کس کو نصیب ہوتے ہیں
ظلم سہہ کر جو اف نہیں کرتے
ان کے دل بھی عجیب ہوتے ہیں
عشق میں اور کچھ نہیں ملتا
سیکڑوں غم نصیب ہوتے ہیں
نوح کی قدر کوئی کیا جانے
کہیں ایسے ادیب ہوتے ہیں

شاعر: نوح ناروی

انتخاب: راؤ رفاقت علی دنیاپور

میرے خواب

آؤ تم کو بتاتی ہوں
میں اک پاگل سی لڑکی ہوں
اک انجانی سی لڑکی ہوں

اک دیوانی سی لڑکی ہوں
میرے کچھ خواب تھے ایسے
جن کو پانے کی چاہ میں
میں گھنٹوں بیٹھی سوچتی تھی
میری آنکھوں میں
ہزاروں سپنے سجتے تھے
کہ میں اک دریا کے کنارے
اور وہ میرا ہاتھ تھامے
خزاں کے موسم میں
سوکھے پتوں پر سرِشام چلے
میں خزاں کے موسم کی دیوانی تھی
اور
بہار کے موسم میں
پھولوں کے درمیاں بیٹھ کر
ہزاروں خواب بنتی تھی
اور
خود ہی خود مسکراتی تھی
کہ
میرا ہمسفر ہمنوا
میری آنکھوں سے آنکھیں ملا کے
میرا ہر خواب چرالے
لیکن نہیں
میرے ساتھ الٹ ہوا
میرے سب خواب چکنا چور ہوئے
اور
میں جان گئی
میرے خواب
خواب نہیں مٹی کے گھر تھے
میرے خواب مٹی کے گھر تھے

از قلم: سائرہ راؤ

انتخاب: جیا چوہدری ملتان

الجھن

لب بیاباں بوسے بے جاں
کون سی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم
جسم کی بیکار گاہیں
جن کا ہیزم آپ بن جاتے ہیں
نیم شب اور شہر خواب آلودہ ہمسائے
کہ جیسے دزدِ شب گرداں کوئی
شام سے تھے حسرتوں کے بندۂ بے دام ہم
پی رہے تھے جام پر ہر جام ہم
یہ سمجھ کر جرعۂ پنہاں کوئی
شاید آخر ابتدائے راز کا ایما بنے
مطلب آساں حرف بے معنی
تبسم کے حسابی زاویے
متن کے سب حاشیے
جن سے عیشِ خام کے نقش ریا بنتے رہے
اور آخر بعد جسموں میں سر مو بھی نہ تھا
جب دلوں کے درمیاں حائل تھے سنگیں فاصلے
قرب چشم و گوش سے ہم کون سی الجھن کو سلجھاتے رہے
کون سی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم
شام کو جب
اپنی غم گاہوں سے دزدانہ نکل آتے ہیں ہم
زندگی کو تنگنائے تازہ تر کی جستجو
یا زوالِ عمر کا دیو سبک پا روبرو
یا انا کے دست و پا کو وسعتوں کی آرزو
کون سی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم

شاعر: ن م راشد

انتخاب: نجم انجم اعوان...... کراچی

غزل

تو اگر چاہے تو جگنو بھی قمر ہوجائے گا
شاخ تو ہے شاخ پتہ بھی شجر ہوجائے گا
پہلے وہ آئے گا بن کر راحت نظارگی
پھر وہ میری آنکھ پھر میری نظر ہوجائے گا
رہنما، نقش قدم، سنگ اشارہ، زاد راہ
ان وسیلوں، واسطوں سے کیا سفر ہوجائے گا
جس کی گہرائی میں جلوہ گر ہو تیری اک جھلک
وہ اندھیرا بالیقیں رشکِ سحر ہوجائے گا
غم تو غم ہے صرف اتنا ہے تسلی سے تری
کچھ گوارا کچھ حسیں، کچھ مختصر ہوجائے گا
منزلت میں کار فرما عنصر قسمت بھی ہے

کیا یقین ہر ایک پتھر سنگِ در ہوجائے گا
مصلحت کا راستہ ہوتا ہے انور کانچ کا
یا قدم ہوا اِدھر کو یا اُدھر ہوجائے گا
شاعر:انوار اللہ انور
انتخاب:دلکش مریم...... چنیوٹ

غزل

یہ واقعہ بھی عجب میری زندگی کا تھا
میں چاہتا تھا اسے اور وہ کسی کا تھا
کسی نے توڑ دیا میرے آشیانہ کو اب
مجھے بھی زعم بہت اپنی عاشقی کا تھا
تب اپنی وحشت جاں پر ہوا بہت افسوس
جو یہ سنا کہ اسے شوق دل لگی کا تھا
نہ میری ذات سے مطلب نہ میرے درد سے کام
وہ معترف تو فقط میری شاعری کا تھا
شاعر:اعتبار ساجد
انتخاب:پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

رستہ بھی کٹھن دھوپ میں شدت بھی بہت تھی
سائے سے مگر اس کو محبت بھی بہت تھی
خیمے نہ کوئی میرے مسافر کے جلائے
زخمی تھا بہت پاؤں مسافت بھی بہت تھی
سب دوست مرے منتظر پردہ شب تھے
دن میں تو سفر کرنے میں دقت بھی بہت تھی
بارش کی دعاؤں میں نمی آنکھ کی مل جائے
جذبے کی کبھی اتنی رفاقت بھی بہت تھی
کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی
پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن
کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی بہت تھی
وہ بھی سرِ مقتل ہے کہ سچ جس کا تھا شاید
اور واقف احوال عدالت بھی بہت تھی
اس ترک رفاقت پہ پریشاں تو ہوں لیکن
اب تک کے ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی
شاعرہ:پروین شاکر
انتخاب:جینا کومل مھنیب

غزل

خوب ہمارا ساتھ نبھایا بیچ بھنور میں چھوڑا ہاتھ
ہم کو ڈبو کر خود ساحل پر جا نکلے ہو اچھی بات
شام سے لے کر پو پھٹنے تک کتنی رتیں بدلتی ہیں
آس کی کلیاں یاس کی پت جھڑ صبح کے اشکوں کی برسات
اپنا کام تو سمجھانا ہے اے دل رشتے جوڑ کہ توڑ
ہجر کی راتیں لاکھوں کروڑوں، وصل کے لیے لمحے پانچ کہ سات
ہم سے ہمارا عشق نہ چھینو حسن کی ہم کو بھیک نہ دو
تم لوگوں کے دور ٹھکانے ہم لوگوں کی کیا اوقات
روگ تمہارا اور ہے انشاء بیدوں سے کیوں چہل کرو
درد کے سودے کرنے والے درد سے پا سکتے ہیں نجات؟
شاعر:ابن انشاء
انتخاب:مدیحہ نورین مہک...... گجرات

غزل

یہ رات آخری لوری سنانے والی ہے
میں تھک چکا ہوں مجھے نیند آنے والی ہے
ہنسی مذاق کی باتیں یہیں پہ ختم ہوئیں
اب اس کے بعد کہانی رلانے والی ہے
اکیلا میں ہی نہیں جا رہا ہوں بستی سے
یہ روشنی بھی مرے ساتھ جانے والی ہے
جو نقش ہم نے بنائے تھے صرف وہ ہی نہیں
ہوائے دشت ہمیں بھی مٹانے والی ہے
ابھی تو کوئی نام و نشان نہیں اس کا
ہمیں جو موج کنارے لگانے والی ہے
ہر ایک شخص کا یہ حال ہے کہ جیسے یہاں
زمین آخری چکر لگانے والی ہے
شاعر:اظہر عباس
ارم کمال...... فیصل آباد

غزل

ان کو بلائیں اور وہ نہ آئیں تو کیا کریں
بے کار جائیں اپنی دعائیں تو کیا کریں
اک زہرہ وش ہے آنکھ کے پردوں میں جلوہ گر
نظروں میں آسماں نہ سمائیں تو کیا کریں
مانا کہ سب کے سامنے ملنے سے ہے حجاب
لیکن وہ خواب میں بھی نہ آئیں تو کیا کریں

ہم لاکھ قسمیں کھائیں نہ ملنے کی سب غلط
وہ دور ہی سے دل کو لبھائیں تو کیا کریں
بد قسمتوں کا یاد نہ کرنے پہ ہے یہ حال
اللہ اگر وہ یاد ہی آئیں تو کیا کریں
مے خانہ دور، راستہ تاریک، ہم مریض
منہ پھیر دیں ادھر جو ہوائیں تو کیا کریں
راتوں کے دل میں یاد بسائیں کسی کی ہم
اختر حرم میں وہ نہ بلائیں تو کیا کریں

شاعر:اختر شیرانی

کوثر خالد...... جڑانوالہ

غزل

نہ گنواؤ اپنا سکون تم مری چاہ میں
میں غبار ہوں تو بکھیر دو مجھے راہ میں
اسی ایک شام خزاں کا حزن و ملال ہے
کوئی اور عکس نہیں ہے میری نگاہ میں
تجھے کھو کے تیری انا کا میں نے بھرم رکھا
کئی کلفتیں کئی مشکلیں تھیں نباہ میں
ترے آنسوؤں نے بدل دیے مرے راستے
کئی لوگ تھے میری راہ میں مری چاہ میں
بڑی بدمزہ سی گزر رہی ہے یہ زندگی
نہ ثواب میں وہ مزہ رہا نہ گناہ میں

شاعر:اعتبار ساجد

انتخاب:گل مینا خان...... مانسہرہ

غزل

بپھری لہریں رات اندھیری اور بلا کی آندھی ہے
گردابوں نے بھی گھیرا ہے ناؤ بھی ٹوٹی پھوٹی ہے
کس نے رکھ ڈالے انگارے دل سی شاخ کی آنکھوں پر
وہ کیوں بھولا یہ خوشیوں کے پھول کھلانے والی ہے
جس کو تیرا ساتھ ملا وہ خوش نہ رہے کیوں پھولوں سا
تیرا تو چھو لینا تک بھی ہجر کے روگ میں شافی ہے
حد میں ہو تو پیار ہے اچھا ورنہ یہ بھی زحمت ہے
جیسے اک چنگاری بھڑکے تو جنگل پر بھاری ہے

شاعر:ابرار حامد

انتخاب:نائلہ ذیشان بٹ.....خانیوال

غزل

گنگناتی اک ندی ہے پل سے محو گفتگو
جیسے ہو باد رواں سنبل سے محو گفتگو
دعویدار دوستی کیا تو نے دیکھا ہے کبھی
گوشۂ گلشن میں گل بلبل سے محو گفتگو
پھول جوڑے میں سجے ہیں اور بانہوں میں بھی پھول
گلبدن گلفام اپنے گل سے محو گفتگو
وہ ہے خالق دو جہاں کا تو فقط جزو حقیر
ہو کے سجدہ ریز ہو جا کل سے محو گفتگو
شہر میں شورش ہے اشرف شانتی سی دل میں ہے
اک عجب سی خامشی ہے غل سے محو گفتگو

شاعر:اشرف مغل

انتخاب:ماریہ نور...... کراچی

غزل

زمیں کہیں ہے مری اور آسمان کہیں
بھٹک رہا ہوں خلاؤں کے درمیان کہیں
مرا جنوں ہی مرا آخری تعارف ہے
میں چھوڑ آیا ہوں اپنا ہر ایک نشان کہیں
اسی لیے میں روایت سے منحرف نہ ہوا
کہ چھوڑ دے نہ مجھے میرا خاندان کہیں
لکھی گئی ہے مری فرد جرم اور جگہ
لیے گئے ہیں گواہان کے بیان کہیں
ہوائے تند سے لڑنا مری حیات ہے
ڈبو ہی دے نہ مجھے یہ مری اڑان کہیں
دل حزیں کا عجب حال ہے محبت میں
کوئی غضب ہی نہ ڈھا دے یہ ناتواں کہیں
میں داستان محبت اسے سنا آیا
کہیں کا ذکر تھا لیکن کیا بیاں کہیں
ہوائے شہر تجھے راس ہی نہیں آصف
مثال قیس تو صحرا میں خاک چھان کہیں

شاعر:آصف شفیع

فوزیہ سلطانہ......تونسہ شریف

alam@aanchal.com.pk

شوخیٔ تحریر

ہماذوالفقار

سورۃ الواقعہ کی منتخب آیات کی تشریح
جب تہہ وبالا کردینے والی قیامت برپا ہوگی تو ساری زمین زبردست جھٹکے سے لرز اٹھے گی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائیں گے اور آخرت کے منکر بدکردار لوگ خود دیکھ لیں گے کہ ساری نسل انسانی دوبارہ زندہ ہوکر اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کے حساب کے لیے پیش ہے اس وقت سب لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوں گے دائیں بازو والے بائیں بازو والے اور آگے والے۔

دائیں بازو والے اپنے ایمان اور نیک اعمال کی بدولت ہمیشہ کے لیے جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے بائیں بازو والے سرکش نافرمان ہمیشہ کے لیے جہنم کی لوکی لپیٹ میں کھولتے ہوئے پانی اور تلخ شجرزقوم پر قانع ہوں گے آگے والے ایمان اور نیکی میں سبقت کرنے کی وجہ سے جنت میں بلند درجات پر ہوں گے۔

نافرمانوں نے اللہ کی نشانیوں سے سبق نہیں لیا کہ کس طرح اللہ نے حقیر نقطے سے انسان کو پیدا کرکے پروان چڑھایا اسے ذہنی وجسمانی صلاحیتیں دیں اور لوگوں کی جو عمریں چاہیں مقرر کیں کس طرح بیج سے فصل کھڑی کی سمندر کے کھارے پانی سے قابل استعمال پانی جہاں چاہا برسایا انسان کو آگ کا استعمال بتایا لیکن یہ نعمتیں پاکر بھی انسان اللہ کا شکر گزار نہیں ہوا۔

جیسا مربوط اور منظم اجرام فلکی کا نظام ہے ویسا ہی مربوط ومنظم اللہ کا نازل کردہ قرآن ہے جس میں کسی تحریف کی کوئی گنجائش نہیں نادان لوگ قرآن جیسی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں اگر یہ لوگ کسی کے محکوم نہیں اور اپنے اس خیال میں سچے ہیں تو کیسے بے بسی سے کسی مرتے ہوئے انسان کو مرجانے دیتے ہیں۔

پس اے نبی اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔

غلام سرور......نارتھ ناظم آباد، کراچی

دو سجدے

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا نماز میں دو سجدے کیوں ہیں؟

تو بزرگ نے فرمایا نمازی جب سجدہ اول کے لیے خاک پہ پیشانی رکھتا ہے تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور جب سر کو سجدے سے اٹھاتا ہے تو اس بات کی طرف اشارہ ہے زمین سے آیا ہے دوسرا سجدہ اس بات کی علامت ہے کہ دوبارہ زمین میں جائے گا اور مٹی میں بدل جائے گا۔

جب دوبارہ سجدے سے سر اٹھاتا ہے تو اس بات کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ قیامت میں زندہ کیا جائے گا، سبحان اللہ۔

نجم انجم اعوان......کورنگی کراچی

خواہش

اے ناداں لڑکی تو کیوں کر خواہشوں کی تکمیل چاہتی ہے اگر تو کسی کی محبت بن کر زندہ رہنا چاہتی ہے تجھے کیا خبر زندگی کی چلتی سانسوں کی ڈور ایک دن اڑتے ہوئے مخالف سمت میں پتنگ کی ڈور کی مانند کٹ کر زمین پر آگرے گی۔

نادان لڑکی اگر تو پھول بننے کی خواہش کرے کہ میں پھول بن کر سارے جہاں کو مہکا دوں گی تو اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر اس دنیا میں کسی کو، کسی کا اچھا رہنا کہاں پسند ہے پھول بننے سے پہلے ہی کھردرے ہاتھ بے حس اپنائیت اور احساس سے عاری کلی کو مسل کر کہیں دور پھینک دیتے ہیں ناداں لڑکی ذرا عقل کر تیری ہر خواہش پوری ہونے سے پہلے دم توڑ دیتی ہے یہاں تیری خواہش کا پورا ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

نوشین مشتاق جوئیہ......لودھراں

آم

دو لڑکیاں درخت کے نیچے کھڑی ہوکر دیر سے باتیں کررہی تھیں اچانک درخت سے ایک آم ٹوٹ کر ان کے

قدموں میں آ گرا ایک لڑکی بولی، ارے یہ آم کیسے گرا؟ آم یہ سن کر بولا جب تم یہاں آئیں تھیں میں کچا تھا تم دونوں کی باتیں سن سن کر پک گیا ہوں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

اقتباس

اللہ ظالم کو ایک حد تک ڈھیل دیتا ہے اور ظالم سمجھتے ہیں دنیا کی بادشاہیت انہیں میسر آ گئی ہے ان پر کوئی گرفت کوئی پکڑ نہیں ہے اور بے شک اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے جب اس کی پکڑ آتی ہے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں کوئی راہ فرار باقی نہیں رہتی ہے چڑ پڑ چلنے والی زبان پتھر ہو جاتی ہے پھر صرف ضمیر بولتا ہے اور دل گواہی دیتا ہے۔

(اقرا صغیر احمد کے ناول ''سانسوں کی مالا'' سے اقتباس)

ایس این شہزادی...... کھرل

انشائیہ

ہائے میری جان تم نہیں جانتے کہ تم مجھے کتنا یاد آتے ہو آئی ریئلی مس یو جان پتا ہے نہ جب تم آتے ہو تو میں کتنا خوشی سے جھوم اٹھتی ہوں ہر رات تمہارے ساتھ میں جاگ کر گزارتی ہوں دن بھر بھوکا رہنا مجھے بالکل برا نہیں لگتا بلکہ سکون ملتا ہے تمہارے سنگ بھوکا رہنا تمہارے سنگ کھانا مگر تم صرف سال میں ایک بار آتے ہو وہ بھی صرف ایک مہینے کے لیے میں تم سے بہت، بہت پیار کرتی ہوں اب سے نہیں بلکہ جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے تم سے مجھے عشق ہے میری خواہش میرا جنون میری تمنا اور میری دل و جان سے اپنے رب الجلال سے دعا ہے کہ مجھے جب بھی موت آئے تمہارے سائے میں ہی آئے آمین ثم آمین ہائی لو یو ماہ رمضان المبارک۔

سونی علی...... ریشم گلی مورو

مشہور اقوال

❖ نفرت کو محبت سے کم کرو کیونکہ نفرت نفرت سے کم نہیں ہوتی۔ (گوتم بدھ)

❖ سچا دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آئے جب ساری دنیا آپ کا ساتھ چھوڑ چکی ہو۔ (بقراط)

❖ زندگی بذات خود جینے کے قابل نہیں اسے جینے کے قابل بنانا پڑتا ہے۔ (رچرڈ ایچ میک فیلی)

رابعہ وٹو...... ننکانہ صاحب

نظم

کبھی تو بھی تھا میری زندگی
تو بھی کبھی میرا پیار تھا
کبھی ہم نے تم کو بھی
چاہا تھا

تبھی کسی کو خبر نہ ہو

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

چھوٹی سی بات

گھر میں بیمار ماں کو کبھی نہ پوچھنے والا لڑکا فیس بک پر ہر لڑکی سے پوچھ رہا ہے۔

''کیسی ہیں آپ''

کچھ چیزیں، بہت دیر بھی پلیٹ کر واپس آجاتی ہیں خصوصاً کسی کا دیا ہوا دھوکا اور بولا ہوا جھوٹ۔

ماں، باپ کو بادشاہ اور ملکہ سمجھ کر خدمت کرو کیونکہ کبھی انہوں نے بھی آپ کو شہزادہ اور شہزادی سمجھ کر پالا ہے۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

آنسو

آنسو کا ہر قطرہ دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے لیکن کوئی اس کی قیمت اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک یہ آنسو اس کی اپنی آنکھ سے نہ نکلے۔

''محبت''

جو تمہیں خوشی کے موقع پر یاد آئے تو سمجھ لو کہ تم اس سے پیار کرتے ہو اور جو تمہیں غم کی شدت میں یاد آئے تو سمجھ لو کہ وہ تم سے پیار کرتا ہے۔

صبا زرگر، ذکا زرگر...... جوڑہ

قول

مرد کے آنسو دکھ کی کوکھ میں جنم لیتے ہیں اور اندر ہی اندر سرائیت کرتے جاتے ہیں جبکہ عورت کے آنسو خواہ جھوٹے ہی کیوں نہ ہو ہر طرف شور کرتے ہیں (بانو قدسیہ)

طیبہ خاور سلطان......عزیز چک، وزیر آباد

معلومات

☆بیالوجی اور اناٹومی کی جو تھوڑی بہت معلومات ہم بچپن میں رکھتے تھے وہ تمام تر محلے کے بزرگوں کی گالیوں سے کشید کی گئی تھیں۔ (مشتاق احمد یوسفی)

مدیحہ نورین مہک......گجرات

لا علاج

ایک عورت نے ایک دن اپنے شوہر کا موبائل چیک کیا لڑکیوں کے نام کچھ اس طرح سیو کیے ہوئے تھے۔
آنکھوں کا علاج، باتوں کا علاج، دل کا علاج، بیوی نے نہایت غصے میں اپنا نمبر ڈائل کیا تو اسکرین پر آیا۔
"لاعلاج"

ارم کمال......فیصل آباد

پانچ باتیں

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ باتوں کو دوسری پانچ باتوں سے پہلے غنیمت جانو۔

- ☐ جوانی کو بڑھاپے سے قبل۔
- ☐ تندرستی یا صحت کو بیماری سے قبل۔
- ☐ امیری کو غریبی سے قبل۔
- ☐ فراغت کو مصروفیت سے قبل۔
- ☐ زندگی کو موت سے قبل غنیمت جانو۔

ملالہ اسلم......حاصل پور

محبت

سنا ہے آج اس کی آنکھوں
میں آنسو آ گئے
وہ بچوں کو سکھا رہی تھی کہ
محبت ایسے لکھتے ہیں

تانیہ جہاں......ڈسکہ

چاند کی چاندنی

چاند محبوب ہو تو چاندنی اس کی یاد ہے محبوب پاس ہو تو یاد پاس نہیں ہوتی یاد پاس ہو تو محبت نہیں ہوتی ایک کا قرب دوسرے کے بعد ہے ایک سے وصال دوسرے سے فراق کا ذریعہ ہے محبوب سے وصال ہو تو یاد سے فراق ہو جانا۔ یاد سے وصال ہو تو محبوب سے فراق ہو جاتا ہے۔ اگر عشق کو تمنائے حبیب کا نام دیں تو اس میں فراق ہونا لازمی ہے تمنا کی ہستی مشاہدے تک ہے دیدار سے تمنا کا آغاز ہوتا ہے اور تمنا دیدار کی یاد میں پلتی ہے جو ایک بار دیکھا اسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو عشق ہے عشق ہمیشہ گزرے گا عشق ہجر کے آتش کدوں میں جوان رہتا ہے اور وصال کے برف خانوں میں منجمد ہو جاتا ہے۔
(حصار محبت از قلم ساریہ چوہدری)

ثناشا اسلم، ماریہ اسلم

میرے پیارے اللہ

تیری آزمائشوں سے ہوں بے خبر
یہ میری نظر کا قصور ہے
تیری راہ میں قدم قدم
کہیں عرش ہے کہیں طور ہے
یہ بجا ہے مالک دو جہاں
میری بندگی میں فتور ہے
یہ خطا ہے میری خطا مگر
تیرا نام بھی تو غفور ہے
یہ بتا میں تجھ سے ملوں کہاں
مجھے تجھ سے ملنا ضرور ہے
کہیں دل کی شرط نہ ڈالنا
ابھی دل گناہوں سے چور ہے
تو بخش دے میرے سب گناہ
تو رحیم ہے تو غفور ہے

عائشہ کشمالہ......رحیم یار خان

حقیقت

انسان پوری زندگی میں تین چیزوں کے لیے محنت کرتا

ہے۔
میرا نام اونچا ہو، میرا لباس اچھا ہو، میرا مکان سب سے خوب صورت ہو۔
لیکن مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اس کی تینوں چیزوں کو بدل دیتا ہے۔
نام: مرحوم
لباس: کفن
مکان: قبر
پھر اے لوگو! تم کس چیز پر غرور کرتے ہو۔
نورین انجم اعوان.....کورنگی، کراچی

اقوال سقراط

❁ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔
❁ وہ گھر جس میں کتابیں نہ ہوں اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔
❁ اچھی بات جو بھی کہے غور سے سنو کیونکہ غوطہ خور کے برا ہونے سے موتی کی قیمت کم نہیں ہوتی۔
❁ ہر ناکامی کے دامن میں کامیابی کے پھول ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم کانٹوں میں الجھ کر نہ رہ جائیں۔
❁ دنیا اس آگ کی مانند ہے جو کسی مجمع میں روشن کی گئی ہو جس نے راہ کی روشنی کے لیے آگ لی وہ محفوظ رہا، جس نے آگ کا ذخیرہ کیا اسے آگ نے جلا دیا۔
آمنہ رحمان مالی.....دیالی، مری

اسٹوڈنٹ غزل

لگتا نہیں ہے دل میرا اب کسی سوال میں
کسی کی بنی ہے اس ایگزامینیشن ہال میں
وقت دراز مانگ کے لائے تھے تین گھنٹے
ایک مختصر میں کٹ گیا دو لمبے سوال میں
کنٹرولر سے گلہ نہ ایگزامیز سے شکوہ
قسمت میں لکھی تھی سپلی بس اسی سال میں
ان فارمولوں سے کہہ دو کہیں دور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں دماغ ناآسودہ حال میں
کتنا بدنصیب ہے اسٹوڈنٹ کہ نقل کے لیے
دو کاغذ کے ٹکڑے نہ ملے پورے ہال میں
عائشہ رحمان ہنی.....دیالی، مری

اچھی باتیں

⌘ اگر دوست چاہیے ہو تو اللہ رب العزت کافی ہے۔
⌘ اگر ساتھیوں کی تمنا ہے تو منکر نکیر کافی ہے۔
⌘ اگر عبرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو دنیا کافی ہے۔
⌘ اگر ہمدرد چاہیے ہو تو قرآن پاک کافی ہے۔
⌘ اگر مشغلہ چاہتے ہو تو عبادت کافی ہے۔
⌘ اگر وعظ چاہتے ہو تو موت کافی ہے۔
⌘ اللہ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
شازیہ اختر شازی.....نور پور

سچائی

دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہو جاتی ہیں لیکن وہ انسان کے اندر اتر کر اس ایک گوشے کو ویران کر دیتی ہیں جو کسی ایک شخص کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔
انسان بھی پودوں کی طرح ہوتے ہیں وہ اپنی آب و ہوا اپنا آس پاس چھوڑ کر چاہے بہتر جگہ ہی کیوں نہ چلے جائیں وہ خوش نہیں رہتے اور اکثر مرجھا جاتے ہیں۔
کوئی زندگی ایسی نہیں جو اپنی آرزو اور اپنے حاصل میں مکمل ہو برابر ہو کبھی آرزو بڑھ جاتی ہے کبھی حاصل کم رہ جاتا ہے۔ صبر کا خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہ اسے ملا نہیں۔
عائشہ سلیم.....کراچی

shukhi@aanchal.com.pk

حسن خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتداء ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ سب سے پہلے حجاب کو کامیابی کے ساتھ دو سال مکمل کرنے پر مبارک باد ان دو سالوں میں آپ سب نے بہت ساتھ دیا۔ آپ قاری بہنوں کا شکریہ اکثر تاخیر سے موصول ہونے والی ڈاک شامل نہیں ہو پاتی جس پر آپ کو شکایت رہتی ہے اس لیے اپنی ڈاک ہر ماہ کی پندرہ سے بیس تاریخ تک ارسال کردیں تاکہ آپ کی شکایت دور ہوسکے۔ اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

نرمین سرھیو...... حیدر آباد۔ السلام علیکم! پچھلے ماہ غائب ہونے کے لیے معذرت۔ آدھا شمارہ پڑھ لیا تھا لیکن تبصرہ کر نہ پائی۔ ہاں کچھ پچھلے ماہ کی کہانیوں کا ذکر کروں گیں ضرور۔ سرورق اس بار کافی منفرد لگا۔ ایسا لگا کہانیوں میں جو چلبلی، شرارتی، ہر وقت اودھم مچائے رکھنے والی ہیروئنیں ہوتی ہے ناں وہ سرورق میں سے مسکرا کر پوچھ رہی ہے ”کیسی لگی میری آمد؟“ اور دل چاہا مسکرا کر کہوں مجھے تو بہت، بہت اچھی لگی۔ سرورق حقیقتاً دل کو بھایا۔ اب بڑھتے ہیں فہرست کی جانب تو عنوان دیکھ کر دلچسپی دوچند ہوئی۔ خاص کر جانی پہچانی ہستیوں کے نام جن میں صائمہ قریشی، بشریٰ تنویر، فہمیدہ غوری، صبا احمد خان اور نسرین اختر شامل ہیں۔ باقی نام بھی توجہ کا مرکز رہے۔ قسط وار کہانیاں میں پڑھتی تو نہیں ہوں لیکن ہر ماہ ان کا نام دیکھ کر اور کام دیکھ کر خوشی ضرور ہوتی ہے۔ اللہ مزید کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔ بات چیت میں قیصر آراء آپا کی تحریر دل کو لگی۔ اللہ روہنگیا مسلمانوں (کشمیری اور فلسطینی مسلمانوں سمیت) پر رحم کرے آمین۔ افسوس ہوتا ہے لیکن کوئی تدبیر سمجھ ہی نہیں آتی کہ کیا کیا جائے۔ الطاف حسین حالی کی یہ حمد میری پسندیدہ ہے۔ پڑھ کر دل میں سکون اتر آیا۔ کچھ اشعار دل کو بہت بھائے جو درج ذیل ہیں۔

ہم کو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ وسرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پر محیط ان کو
جو رنج ومصیبت میں کرتے ہیں گلہ تیرا

نعت صبیح الدین رحمانی کی بھی دل کو لگی۔ پہلی بار پڑھی اور دل میں جگہ بنا گئی۔ دو شعر بے حد پسند آئے۔

لب پر نعت پاک کا نغمہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبی ﷺ سے میرا رشتہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
جن کے فیض سے بنجر سینوں نے شادابی پائی ہے
موج میں وہ رحمت کا دریا کل بھی تھا اور آج بھی ہے

اب چلیں ”ذکر اس پری وش کا“ کی طرف۔ وعلیکم السلام زائرہ خوش رہیں۔ اگر رائیٹر بننا چاہتی ہیں تو کوشش کریں، پریکٹس کریں، ضرور بنے گیں۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ رائیٹر بنوں۔ خوش رہیں۔ سونیا وعلیکم اسلام خوش رہیں۔ اگر آپ کو پینٹ شرٹ پہننے والیوں سے نفرت ہے تو انہیں بھی ہمارے لباس سے نفرت ہوسکتی ہے ناں؟ یہ تو ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ جب انسان کو کسی بارے میں سمجھایا نہ جائے تو وہ کیسے اس چیز کو اپنائے گا؟ اس لیے نفرت نہ کریں دعا کریں (معذرت برا لگا ہو تو)۔ وعلیکم اسلام نادیہ خوش رہیں۔ گھر والے مجھے بھی یہی کہتے ہیں جو رسالے اور مووِیز چھوڑ دو تو ٹاپ کرو لیکن کیا کریں یار گزارا نہیں ان کے بغیر ہمارا۔ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ لکھتی ہیں۔ ناول نہیں تو افسانہ تو ضرور لکھیں۔ فائمہ سلیم وعلیکم

اسلام، خوش رہیں۔ آپ کی اور میری خوبیاں ملتی جلتی سی ہیں۔ سب سے اچھا تعارف فائزہ سلیم کا لگا اور اچھا اور منفرد نام مزائرہ کا لگا۔ انٹرویو میں حبّا کی آمد اور ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ''الفت دیوتا'' از تحسین انجم انصاری۔ کہانی اچھی رہی۔ مکالمے اور جذبات کی بھرپور عکاسی کرتی تحریر۔ سورج مکھی کو سورج کی محبت کے اثر سے نکالنے کے لیے عادل کی محنت اور توجہ۔ ساتھ میں کٹھن انتظار خوب لگا۔ ویسے محسوس ہوا کہ اگر عادل بعد میں سورج مکھی سے پیار کرتا بچپن سے نہیں اور سورج کا دوست ہوتا تو کہانی میں مزید وزن پیدا ہوتا۔ لیکن بہرحال کہانی اب بھی بھرپور رہی اور مختلف سبق بھی دیے۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ ''دل جلی'' از سلمیٰ غزل۔ لاریب کی سوچ ویسی ہی تھی جیسی عام مڈل کلاس لڑکی کی ہونی چاہیے تھی۔ احساسِ کمتری میں مبتلا۔ خاندان والوں کی باتوں نے کہانی میں مزید جان ڈال دی البتہ کالج کی لڑکیوں کے جملے فلمی لگے۔ اظفر کا لاریب کو معتبر کرنا اور دونوں ماں بیٹی کے لیے ایک سرپرائز۔ کہانی اچھی رہی۔ جملے اور بیانیہ بھی اچھا تھا۔ پلاٹ نے بہت اچھا تاثر دیا۔ اللہ مزید ترقی دے۔ آمین۔ ''شہ مات'' از نسرین اختر ضیاء عمدہ کہانی، پلاٹ بھرپور رہا۔ نا جانے کیوں اس کہانی میں مجھے اتنی کشش محسوس ہوئی۔ ایک حقیقی سبق کہانی میں موجود تھا جس نے گہرا تاثر دے کر دل جیت لیا۔ بیانیہ بھی اچھا تھا اور پلاٹ بھی۔ بلآخر اویس احمد کو پتا چل گیا کہ جس چیز سے بھاگو وہی بعض اوقات جان کو چمٹ جاتی ہے۔ اللہ قلم کی روانی قائم رکھے آمین۔ ''اک تیرا انتظار ہے'' از عروسہ عالم۔ کہانی شروع سے اختتام تک توجہ کا مرکز رہی۔ دلچسپ اور متجسس کرتی لیکن جن جذبات کے تحت عیشہ نے نکاح کیا ان کو اگر ابھارا جاتا مزید تفصیل سے بیان کیا جاتا تو کہانی میں کچھ کمی نہ لگتی۔ کہانی اچھی تھی۔ بیانیہ خاص کر بہت بہت اچھا تھا۔ تجسس اختتام تک برقرار رہا۔ پلاٹ بھی اچھا تھا۔ خاص کر شروع میں جذبات کا بیانیہ۔ بہت اچھا لگا جب سندس پوچھتی ہے لیکن عیشہ اپنی سوچوں میں گم گھبرائی سی رہتی ہے۔ اللہ قلم کی طاقت کو برقرار رکھے آمین۔ ''بھرم'' از اقراء اعجاز۔ کہانی خوب رہی۔ بیانیہ دلچسپ۔ ہو بہو وہی تصور ابھرا جو ایسے گھرانوں میں ہوتا ہے۔ ماں کا بھرم رکھنا۔ حیرت سے بیٹیوں کا تکنا۔ تحریر منظر کشی سے بھرپور تھی اور خوب تھی۔ ایک ہی تاثر تھا جو دکھایا گیا۔ کہانی بہت خوب رہی۔ اللہ تحریروں کی تاثیر قائم رکھے آمین۔ صائمہ آپی میں سلسلے وار نہیں پڑھتی۔ ختم ہوگا تو ان شاء اللہ پڑھوں گی۔ اللہ ہمت و طاقت دے آمین۔ ''فیس بک کی کہانی'' از صبا احمد۔ کہانی عمدہ رہی سبق بہت اچھا تھا۔ یہ تو آج کل ہو رہا ہے۔ لیکن بیانیہ چونکہ کمزور تھا تو اتنی ناراضگی وہ بھی اتنی لمبی، اس چیز نے تاثر کو کمزور کر دیا۔ مطلب اتنی لمبی ناراضگی کی وجہ سمجھ نہیں آئی کیونکہ اتنی بے توجہی نہیں دکھائی گئی تھی۔ لیکن پلاٹ اچھا تھا منفرد اور کہانی بھی منفرد تھی۔ مکالمے اچھے رہے۔ کہانی کا تاثر اچھا تھا۔ اللہ قلم کی تاثیر کو ابھارے آمین۔ مٹ گئے حروف غلط از سمیہ عثمان۔ ناجیہ کی فکر صالحہ کے لیے اچھی لگی۔ آج کل کہاں ایسا ہوتا ہے؟ اختتام میں حسن نے اسے بھی غفلت کا احساس دلایا۔ کہانی اچھی رہی اور پلاٹ بھی خوب تھا۔ بیانیہ بھی اچھا لگا۔ خاص کر حسن کی یہ بات کہ لڑکیوں کو بیاہنے کے لیے ان کی ماؤں کو بہت جتن کرنے پڑتے ہیں۔ واقعی حیرت ہوئی ناجیہ کی طرح ہی رضیہ بیگم پر کہ اتنا بدلاؤ؟ اللہ لکھنے میں آسانی دے آمین۔ ''تہی دامن'' از سحر علی۔ زوبیہ کا کردار معاشرے میں ہے لیکن اب کم ہی نظر آتا ہے۔ ایمن کا رویہ اور باتیں اسی کو آ لگیں آصف کی صورت میں۔ آصف نہیں جانتا تھا کہ اس کی بیوی بھی ویسی تھی جیسا وہ ہے۔ زوبیہ کا اقدام، اپنی تصویر نہ دینا اچھا لگا ورنہ کتنی ہی لڑکیاں اب حقیقتاً اصرار پر دے بھی دیتی ہیں تصاویر اپنی۔ کہانی کا پلاٹ، بیانیہ، مکالمے اور اثر سب اچھے رہے اور خوب رہے۔ اللہ قلم کی روانی برقرار رکھے آمین۔ ''بنا بٹنوں کے فون'' از بشریٰ تنویر۔ کہانی بس سبھی تھی۔ بیانیہ اچھا تھا لیکن پلاٹ استادم دار نہیں تھا۔ مزے کی بات یہ کہ آخر میں میں بھی سمجھی کہ انہی بزرگ سے شادی ہوئی ہے پھر جلدی سے پہلا صفحہ کھولا۔ شکر وہاں بیٹے کا نام تھا۔ بہت اچھی کاوش تھی بشریٰ۔ اللہ قلم کو روانی عطا کرے۔ آمین۔ ''بھرے ٹوٹکے'' از فہمیدہ غوری۔ مختصر تحریر اچھی رہی۔ اللہ آسانی دے آمین۔ ''ست رنگی'' از نور عین۔ کہانی عمدہ اعلیٰ اور سبق آموز تھی۔ بہت دلچسپ اور عمدہ سبق۔ مزہ آیا پڑھ کر کہانی۔ عطروبہ کی سوچ واقعی اچھی تھی تب ہی جذبات میں بھائی کی گفتگو کا منفی اثر نہ لیا۔ اللہ قلم کی روانی قائم رکھے آمین۔ ''چلو کچھ دیر'' از حنا اشرف۔ کہانی شروعات سے اچھی رہی۔ مزہ آیا۔ کئی بار مسکرائی بھی۔ چھیڑ خانیاں سب کچھ مزے کا تھا بس ایسا لگا اختتام جلدی میں ہو گیا ہے لیکن دلچسپ رہا۔ پچھلے ماہ کی باقی بھی کہانیاں تھیں جو اچھی لگ رہی تھیں لیکن پڑھ نہیں پائی۔ انشاء اللہ اگلی بار ان پر بھی کروں گی۔ اللہ قلم کو روانی عطا کرے آمین۔ جیسا میں نے دیکھا از رفاقت جاوید۔ پروین شاکر کے لفظوں میں جادو ہے تو رفاقت جاوید کے لفظوں میں سحر۔ دونوں کا امتزاج تحریر کو دلکش بنا دیتا ہے۔ میرا سب سے پسندیدہ سلسلہ ہے

یہ حجاب میں۔ پروین شاکر کی شاعری دل کو موہ لیتی ہے۔ سچ کہا رفاقت جاوید نے کہ شاعر کہے تو معصوم شاعرہ کہے تو بدنام۔ ناصرف شاعرہ بلکہ لکھاری بھی تو ماحول ہی کو پرکھ کر احساسات لکھتے ہیں۔ دونوں معصوم ہوتے ہیں لیکن بدنام ہوجاتے ہیں۔ اللہ لکھنے کا سلسلہ برقرار رکھے آمین۔ بزم سخن میں سب کے اشعار اچھے تھے خاص کر سمیرا چوہدری، زینب، عابدہ شاہ، ثمرین، فہمیدہ، عروج ناز، یاسمین، ہما، عمارہ، نازش اور شمائلہ کے دل کو بھائے۔ کچن کارنر میں سب کی تراکیب اچھی تھیں لیکن فوزیہ یاسمین کی رس ملائی کی ترکیب بہت اچھی لگی آرائش حسن میں بالوں کے متعلق دلچسپ معلومات اچھی لگیں۔ خاص کر دیہات میں پھول بنانے کی بات۔ عالم میں انتخاب میں سب کے انتخاب اچھے تھے خاص کر طلعت نظامی، رخسانہ اقبال، طیبہ ارشاد، جویریہ ضیاء، فریدہ اور نورفاطمہ کے انتخاب۔ شوخی تحریر بھی خوب رہی۔ حسن خیال میں تبصرے اچھے تھے۔ شوبز کی دنیا بھی خوب رہا۔ ٹوٹکے میں گردن توڑ بخار کے متعلق معلومات کافی متاثر کن تھیں اور مرض کی تشخیص کے بعد دوسروں کے لیے احتیاطی تدابیر بھی کافی معلوماتی تھیں۔ باقی رہی میری تحریر تو وہ آپ کی عدالت میں ہے۔ تنقید برائے اصلاح کی جائے گی تو میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔ مجموعی طور پر شمارہ اچھا رہا۔ اللہ مزید ترقی دے اور ادارے کے اسٹاف کو صحت وتندرستی۔ آمین

☆ ڈیئر زمن! آپ کا مفصل وجامع تبصرہ پسند آیا اور آپ کو پہلا انعام مبارک ہو۔

اقراء جٹ...... منچن آباد۔ ڈیئرسٹ کیوٹسٹ ریڈرز اینڈ رائٹرز سب کو میری طرف سے سلام۔ کیسے ہیں بھئی سب' آئی ہوپ کہ سب اپنی لائف میں بزی ہوں گے' خوش باش۔ چلیں جی ویل ڈن بہت اچھی بات ہے۔ ڈیئر حجاب ہم نے آپ کو اکتوبر کے تبصرے میں ہی ایڈوانس وش کردیا تھا مگر آپ کے اسٹاف نے تھام لیا اور ہمارا تبصرہ ردی کی ٹوکری کی نذر کردیا' بہت زیادہ دکھ ہوا اپنی مصروفیات میں اتنا قیمتی ٹائم نکال کر لکھتے ہیں اور پھر پوسٹ کرتے ہیں پھر بھی زیادتی ہوجاتی ہے ہمارے ساتھ (ہائے رے قسمت) مجھے تقریباً ہر دفعہ 7 کو حجاب مل جاتا ہے اور میں تبصرہ 9 کو پوسٹ کردیتی ہوں مگر پھر بھی آپ لوگ نہیں لگاتے۔ باقی ڈائجسٹ والے تو لیٹ ملنے پر بھی ہمارا تبصرہ شامل کردیتے ہیں مگر خیر جی کیا کرسکتے ہیں ہم۔ ڈیئر حجاب میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں نہیں لکھوں گی مگر (حجاب کی) سالگرہ تھی تو سوچا وش کرنا ضروری ہے۔ سوالوں کے جواب اور ایک پیاری سی نظم بھی اپنے حجاب کے لیے بھیج رہی ہوں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو حجاب اللہ پاک آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' ڈیئر حجاب آپ نے تو مجھے وش ہی نہیں کیا ناں؟ میری برتھ ڈے بھی اسی مہینہ میں ہے بھئی 24 نومبر کو۔ (ایڈوانس سالگرہ مبارک) اسی لیے یہ مہینہ میرا فیورٹ ہے' اکتوبر کے حجاب کا سرورق سرسوں سا کھلا کھلا بہت سپرہٹ لگا۔ لبوں پر مسکراہٹ' دوپٹہ سر پر باندھا ہوا کیا ہی اچھا (پنجابی اسٹائل) تھا۔ بات چیت واہ جی مدیرہ صاحبہ آپ کی باتیں جکڑ لیتی ہیں' ہمیں دل سے سب مسلمان بہنوں کے لیے دعائیں نکلیں۔ اپنی تحریر تو ہم آنچل تبصرہ کے ساتھ ہی بھیج چکے ہیں (اب دیکھتے ہیں جی کیا عمل ہوتا ہے) حمد ونعت نے قلب کو اسیر کردیا۔ "ذکر اس پری وش کا" میں بھی حجاب میں اپنا تعارف بھیج دوں (پر لگتا تو ہے نہیں اس لیے میں رہنے دیتی ہوں) چاروں پرنسز کے انٹرویوان کی طرح بیسٹ تھے۔ فائقہ سلیم آپ اتنی ٹھٹھرتی سردی میں پیدا ہوئی ہیں (مزہ آیا ہوگا' ہاہا)۔ جب میں پیدا ہوئی (24 نومبر کو) تب بھی بہت ٹھنڈ ہوا کرتی تھی (اسی لیے تو مجھے اب بھی منٹوں میں ٹھنڈ لگ جاتی ہے)۔ رخ سخن میں انٹرویو کس کا تھا (پتا نہیں چلا)۔ حنا یاسمین "الفت دیوتا" ونڈر فل تحسین انجم انصاری' بہت نائس تحریر تھی۔ بہت لونگ لونگ سی باتیں قلمبند کی ہوئی تھیں آئندہ بھی اسی طرح لکھتی رہیے گا۔ (میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کیا لڑکیاں بھی اپنی پہلی محبت اتنی جلدی بھول جاتی ہیں' جواب نہیں ملتا مجھے۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں' نور فاطمہ علینہ کی پھوپو لگی ناں' کیا سسپنس پھیلا دیا ہے (اگلی قسط کا بڑی بے صبری سے انتظار ہے)۔ "محبت میری آخری شرارت تھی" جاری ہے مگر جتنا پڑھا مزہ آیا جاندار اسٹوری۔ "میرے خواب زندہ ہیں" اُف یہ کیا فراز شاہ کیوں آگیا ماریہ کے گھر' شاید وہ ابرام کو ملنے کا بہانہ کرے گا اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔ حیسکا کتنی بری نکلی آستین کا سانپ' درست کہتے ہیں دوست ہی حسد کرتے ہیں اور یہ کیا سونیا تو بڑی عقل مند نکلی۔ کامیش کی شادی مہرو سے ہوگی جہاں تک میرا خیال ہے' زیادہ زیادہ لکھا کریں آپی جی۔ "دل کے دریچے" روشنی کے دل میں بدگمانیاں بڑھتی ہی جارہی ہیں' اب کیا ہوگا صدف آپی سفینہ کو بھی کھل کر خوشیاں دیکھنے دیں۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" وری گڈ نائلہ جی عرش کو جلدی سے ٹھیک کردیں بس۔ زنائشہ نے دراج کے ساتھ جاکر بہت اچھا کیا۔ درجا تو محبت کی دیوی سی بن گئی' رجاب اچھی لگی نئی سی۔ افسانے تمام ہی زبردست تھے۔ "دل

جلی"، سلمیٰ غزل ہر بار کی طرح اچھا لکھا۔ "شہ مات" نسرین جی ویل ڈن۔ "اک تیرا انتظار" عروسہ عالم اسٹوری بھی تھوڑی الگ سی تھی اچھی لگی۔ "بھرم" اقرا اعجاز ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی۔ "اُف یہ انداز ے ہمارے" زمین نعیم سرجیو بہت نائس لکھا' ہر کسی کا ایک انداز ہوتا ہے۔ "فیس بک کی کہانی" صبا احمد خان ونڈر فل' سوسائٹی میں عام سی بات کو آپ نے بہت اچھے لفظوں میں قلمبند کیا۔ "تہی دامن" سحر علی بہت سبق آموز تحریر تھی" "بنا بٹنوں کے فون' بشریٰ تنویر ہاہاہا' اچھی تحریر تھی۔ "مٹ گئے حروف غلط" سمیہ عثمان سپر ہٹ ایکسی لینس آرٹیکل فہمیدہ غوری بہت نایاب ٹوٹکے لگے' مستقل سلسلے تمام ہی اچھے ہیں۔ اپنا نام نہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے' ہر چیز پھیکی لگتی ہے' بزم سخن ایک سے بڑھ کر ایک شعر تھا۔ کچن کارنر صنم سجاد آلو کی چاٹ پکا کر رکھ لو ہم آ رہے ہیں بھئی کھانے' ہی ہی ہی (نیور مائنڈ) آرائش حسن زبردست۔ عالم میں انتخاب تمام کلام اچھے تھے۔ شوخی تحریر سب کی نمایاں باتیں اچھی لگیں۔ حسن خیال ہائے رلا دیا یار۔ گل مینا اینڈ حسینہ اور شیریں صاحبہ آپ کو میری طرف سے انعام پر مبارک باد۔ آپی پروین تھینک یو ہماری نگارشات پسند کرنے کے لیے (جگ جگ جیو ہمیشہ خوش رہیں) شوبز کی دنیا اور ٹوٹکے ایک ایک لفظ پڑھ ڈالا اور ہو گیا حجاب کا دی اینڈ۔ ایک دفعہ پھر میری طرف سے حجاب کو سالگرہ مبارک ہو اور حجاب اسٹاف کو بہت کم وقت نے حجاب نے اپنا نام اور مقام بنایا ہے اللہ کرے دن رات ترقی کے زینے یونہی عبور کرتا جائے ہمارا حجاب' اس کے ساتھ دیں اجازت' اللہ حافظ۔

☆ پیاری اقراء! آپ کا مکمل تبصرہ پسند آیا اور آپ کا تبصرہ انعام کا حق دار ٹھہرا اور آئندہ بھی شامل محفل رہیے گا۔ جہاں تک ڈاک کی بات ہے آپ کی ڈاک ہم تک نہیں پہنچتی جب ہی حجاب آپ کی نگارشات سے محروم رہتا ہے۔

جینا کوثل مہیب...... مسجد الفرید' مغل پورہ۔ آل حجاب ٹیم السلام علیکم! رائٹرز اینڈ ریڈرز' کیسے ہیں؟ امید ہے کہ خیریت سے ہی ہوں گے۔ ایک تو حجاب ملتا بہت لیٹ ہے کیا آپ لوگ حجاب ذرا جلدی ہم تک نہیں پہنچا سکتے؟ اللہ اللہ کر کے 15 کو حجاب ملا سب سے پہلے ایک نظر ٹائٹل پر ڈالی اُف حجاب کے ٹائٹل ذرا اچھے نہیں ہوتے ایک تو آدھی عمر کی لڑکیوں کے ٹائٹل دے دیتے ہیں کیا ماڈل کے سر میں درد تھا؟ جو دوپٹہ باندھا تھا؟ خیر تو...... اب ذرا ینگ لڑکیوں کے ٹائٹل دیا کریں' بالکل پسند نہیں آیا۔ اس کے بعد وہی کیا جو پچھلے نو ماہ سے کر رہی ہوں۔ حسن خیال پر گئے' ہونا کیا تھا وہی ہوا جو آپ پچھلے نو ماہ سے کر رہے ہیں پھر میرا لیٹر شائع نہیں کیا' کئی دفعہ تو دل کیا کہ خط لکھنا ہی چھوڑ دوں پھر سوچا کہ ہم پر بھی کبھی نظر کرم ہو ہی جائے گی۔

مسلسل غم اٹھانے سے بہتر ہے کہ زی
کناہ کرلیا جائے کنارہ کرنے والوں سے

نہ میرا تعارف شائع کرتے ہیں اور نہ کسی سلسلہ میں جگہ دیتے ہیں' لگتا ہے آپ صرف دیرینہ قارئین کو ہی جگہ دیتے ہیں؟ حسن خیال میں نے اکثر نوٹ کیا ہے کہ صرف چند ہی لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے۔ کیوں جو ہی باجی؟ کیا باقی لوگوں کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی ہیں؟ مجھے پتا ہے کہ میرا تبصرہ اس ماہ پھر نہیں شائع کریں گے لیکن حجاب کی سالگرہ ہے اس لیے سوچا کیوں نہ ایک بار پھر کوشش کروں' بات چیت پڑھ کر دل بہت برا ہوا آج کل کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا بلکہ کسی کو کوئی چھوٹی سی خوشی بھی مل جائے تو جیلس ہو جاتے ہیں اللہ ہی ہے جو بہتر کرے گا آمین۔ حمد و نعت سے ایمان تازہ کیا' اس کے بعد تعارف پڑھے اچھے لگے' ہمارا نمبر تو شاید کبھی نہ آئے؟ رخ سخن میں مہربانی کر کے راحت جبیں اور سندس جبیں کو لائیں پلیز سلسلہ وار مہربانی کر کے نادیہ فاطمہ آپی کا ناول ختم کریں میں کئی بار کہہ چکی ہوں۔ "دل کے دریچے" بس گزارے لائق ہے۔ "شب آرزو" خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ "الفت دیوتا" ذرا پسند آیا نہیں بالکل بورنگ۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ آپی یہ ناول مزہ نہیں دے رہا ہے اور صفحات بھی مختصر ہوتے ہیں؟ آخری شرارت یہ قسط کچھ خاص مزہ دے نہیں سکی خیر اگلی قسط دیکھتے ہیں کیا رنگ دکھاتی ہے؟ حجاب کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ افسانے مختصر ہوتے ہیں اور بہت سبق آموز ہوتے ہیں زیادہ طویل نہیں لیکن اس ماہ کچھ افسانے متاثر نہ کر سکے (افسوس) جو پسند نہیں آئے ذرا غور فرمالیں۔ "بھرم' مٹ گئے حرف غلط' شہ مات' انداز ے ہمارے' تہی دامن" مجھے بالکل متاثر نہ کر سکے برا لگا ہو تو سوری۔ آرٹیکل' ٹوٹکے اچھا لگا" جیسا میں نے دیکھا" یہ سلسلہ مجھے ذرا پسند نہیں آیا ہے' بزم سخن میں سب کا انتخاب خوب رہا۔ کچن کارنر میں براؤنیز اور کوفتے اور پلاؤ کی ترکیب دیں پلیز۔ آرائش حسن' عالم میں انتخاب سب پہلے والے لوگ تھے میری غزل شاید ردی کی ٹوکری کی زینت بن گئی۔ شوخی تحریر میں بھی میں نہ تھی خیر سب کا انتخاب خوب رہا۔ حسن خیال میں کاش میرا

بھی تبصرہ ہوتا' شوبز کی دنیا میرا فیورٹ سلسلہ ہے اسے ذرا بہتر کریں۔ ٹوٹکے میں برتنوں کے بارے میں بتادیں اب اس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ہر قاری بہت شوق سے خط لکھتا ہے اسے جواب ضرور دیا کرے اگر قاری ہی اپنی رائے نہ دے تو کیسے پتا چلے گا کہ پرچہ کامیاب ہے کہ نہیں۔ اگر کوئی بات بری لگی ہو تو سوسوری۔ پیپی برتھ ڈے حجاب' بہت ترقی کرو دوبارہ ضرور آؤں گی۔

☆ ڈیئر جینا! بالکل دوبارہ آنا اور کوشش کرنا مزاج بہار رہے

نور المثال شہزادی...... قصور۔

پستی سے بلندی کی طرف پرواز کرتی ہوں
بسم اللہ سے حسن خیال کا آغاز کرتی ہوں

سب سے پہلے حمد و نعت سے دل و دماغ کو معطر کیا پھر سیدھے پہنچے "الفت دیوتا" پر سورج مکھی نام اچھا لگا باقی محبت موضوع پرانا تھا کچھ خاص متاثر نہ کر سکی یہ تحریر فیس بک کی کہانی بہت اچھی تھی۔ نئے دور کی لڑکیاں سبق حاصل کریں ورنہ حقیقی معاشرے میں ہر مرد لیان جیسا نہیں ہوتا پہلی غلطی کو گناہ بنا دیتے ہیں اکثر مرد بنا بٹنوں کے فون' آہ ہم بھی اپنے بچپن میں چلے گئے فون کا تو کوئی قصہ یاد نہیں لیکن ٹی وی دیکھنا یاد ہے بار بار چھت پر چڑھا انٹینا صحیح کرنے کے لیے اذان کا احترام کرتے ہوئے ٹی وی بند کرنا اب تو آنکھیں ٹی وی پر ہوتی ہیں آواز کم کرنے کو ہم بہت احسان سمجھتے ہیں۔ "شہ مات" خدائی کام میں دخل اندازی کس کے ہاتھ میں ہے۔ "ہے مٹ گئے حروف غلط" بعض جگہوں پر بولنا پڑتا ہے ہر جگہ چپ کا سکہ نہیں چلتا' دل جلی میں کوئی پیغام نہیں تھا اف یہ اندازے ہمارے واقعی کسی کے بارے میں اندازہ نہیں لگانا چاہیے اس کے علاوہ رخ سخن میں جس ہستی کا سباس گل نے انٹرویو کیا تھا ان کا نام کبھی بھی نہیں تھا۔ (حنا یاسمین) شروع میں پڑھا' میں چونیاں کی رہائش پذیر ہوں' دل بلیوں اچھلنے لگا مگر چار چار لائٹ لے کر ڈھونڈنے پر بھی پہچانہ چلا وہ ہستی کون ہے عقل کے گھوڑے دوڑائے شاید سباس گل ہمارے شہر چونیاں کی رہائشی ہے بہت خوشی ہوئی مگر پھر سوچ سوچ کر ذہن میں آیا سباس گل تو رحیم یار خان کی ہے مگر یہ ہستی کون تھی آپی جواب ضرور دینا۔

☆ پیاری نور! رخ سخن میں حنا یاسمین کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ پیاری باجی جو ہی احمد صاحبہ السلام علیکم! اس بار اکتوبر کا حجاب شہزا خان کے جاذب نظر سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے' سرورق دیکھ کر یہ شعر ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

جگہ نہیں ہے میرے دل میں تل بھی دھرنے کی
ہیں اس قدر میری نظروں میں وہ سمائے ہوئے

آپ کو اور حجاب کو سجانے والوں کو اس میں لکھنے والوں کو اسے پڑھنے والوں کو اس کی دوسری کامیاب سالگرہ مبارک ہو اس کے لیے کہوں گی۔

وہی محسوس کرتے ہیں تپش درد محبت کی فراز
جو اپنے آپ سے بڑھ کر کسی سے پیار کرتے ہیں

روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ انسانیت سوز مظالم پر آپ کا اداریہ مسلم ممالک کے حکمرانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا میں تو حیران ہوں کہ ان مظالم کے خلاف سب سے پہلے آواز دو غیر مسلم ممالک چین اور روس نے اٹھائی تھی۔ حمد و نعت پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا۔ افسانوں میں "دل جلی' تہی دامن' بھرم' بنا بٹنوں کے فون' فیس بک" کی کہانی پسند آئے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ میری نند فریدہ جاوید فری کو مکمل صحت عطا فرمائے آمین۔ پلک جھپکنے میں دو سال گزر گئے حجاب دو سال کا ہوگیا' یہ دو سال بہت کامیابی کے ساتھ بیت گئے آگے چل کر بھی ان شاء اللہ حجاب آنچل کی طرح کامیابیوں کے جھنڈے گاڑھے گا ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر پروین! دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سجل انصاری...... سلانوالی۔ آنچل اور حجاب کی مدیرہ قیصر آراء اور باقی سب نگران اعلیٰ کو السلام علیکم اور آپ سب کو میری طرف سے ماہنامہ حجاب کے دو سال پورے ہونے پر دل کی گہرائیوں سے بہت بہت مبارک باد قبول ہو اور اللہ پاک

سے دعا ہے کہ ماہنامہ آنچل وحجاب ہمیشہ اسی طرح مزید کامیابیاں سمیٹیں اور اللہ آپ سب کو خوش حال اور صحت بھری زندگی عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ آپی تحسین انجم انصاری آپ کو "الف دیوتا" کہانی لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو آپ یہ کہانی میری زندگی پر لکھی ہے۔ "سورج مکھی" کی سوچ مجھ سے بہت ملتی ہے ایسا لگتا ہے جیسے وہ "وہ" نہیں میں ہوں مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کن الفاظ میں تعریف کروں ویری ویل ڈن آپی آپ نے تو میرا دل کھول کے رکھ دیا جو میں آج تک نہ کہہ سکی آپ نے لکھ دیا اور مجھے تحسین انجم انصاری کا کوئی رابطہ نمبر دے دیں ان سے پوچھ کر تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی کیوں کہ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے ان سے بات کرنے کا پلیز آپ میرا میسج ان کو دے دیں میں ان کے جواب کا بہت شدت سے انتظار کروں گی پلیز۔

☆ ڈیئر نجل! دیگر کہانیوں پر بھی تو تبصرہ کریں

ماورا طلحہ...... گجرات۔ السلام علیکم! امید کرتی ہوں حجاب سے وابستہ سب لوگ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ حجاب ہمیشہ کی طرح زبردست رہا۔ ایک بات جس کی وضاحت میں شروع میں کروں گی کہ اکثر لوگ کہتے ہیں حجاب میں بہت زیادہ افسانے ہوتے ہیں تو ان لوگوں کو میری رائے ہے کہ ہر شمارہ اٹھا کے دیکھ لیجیے تقریباً تین سے چار نام نئے لکھنے والوں کے ہوتے ہیں۔ اگر نئے لکھاریوں کو موقع مل رہا ہے تو برائے مہربانی ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائیں اگر حوصلہ افزائی نہیں کرسکتے تو تنقید کے نشتر بھی نہ چلائیں۔ مستقل سلسلے سارے ہی زبردست رہے۔ الطاف حسین حالی کی حمد شاید نائنتھ کلاس میں پڑھی تھی اور تب سے ہی پسندیدہ ہے۔ حجاب کی پریاں بھی چھائی رہیں اور سب کے بارے میں پڑھ کے اچھا لگا۔ سلسلے وار ناول لکھنے والوں کے لیے نیک تمنائیں۔ "الفت دیوتا" واہ کیا ناول تھا۔ آغاز سے انجام تک اپنے سحر میں لیے ہوئے تھا۔ "محبت میری آخری شرارت تھی" صائمہ آپی سب سے پہلے تو ڈھیروں مبارکباد۔ معذرت تبصرے کا کہہ کر بھی کر نہیں پائی۔ میری ازلی سستی اور کاہلی ہر کوشش کو ناکام کرتی رہی لیکن یہاں حساب پورا کردوں گی۔ ناولٹ کا نام تو کمال تھا ہی لیکن کہانی بھی زبردست تھی۔ ابھی تو آغاز ہے۔ بہت سی الجھنیں ہیں کہانی میں جو رفتہ رفتہ کھلیں گی۔ کرداروں کے نام بھی کمال چنے ہیں، سادہ اور منفرد۔ آپ کے لیے بہت سی نیک تمنائیں اور دعا کو اس ناول کے ساتھ آپ بھی صاحب کتاب بن جائیں۔ افسانوں میں بہت سی فیس بک فرینڈز کے نام نظر آ رہے تھے۔ سب سے پہلے میں بشریٰ تنویر کو مخاطب کروں گی۔ مجھ سے بار بار افسانے کا پوچھتی رہی اور جب وقت آیا تب غائب ہو گئی۔ بہت دل دکھا مگر دعا ہے اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔ ڈاکٹر بن کے آ ؤ گی تو زیادہ خوشی ہوگی۔ "دل جلی" اور "شہہ مات" افسانوں کی فہرست پر چھائے رہے۔ باقی سارے افسانے بھی اچھے تھے۔ نرمین نے بھی اچھی کوشش کی تھی۔ بہت سی نیک تمنائیں نرمین تمہارے لیے بھی۔ صبا احمد خان اب تو صاحب کتاب ہو چکی ہیں۔ صبا رزلٹ اور بک کی ڈبل مبارک ہو۔ افسانہ بھی اچھا لکھا۔ نومبر میں حجاب دو سال کا ہو رہا ہے تو حجاب اور ادارے کو بہت سی دعاؤں کے ساتھ مبارک باد۔ آپ سب کی محنت رنگ لارہی ہے کہ حجاب لوگوں کے دلوں میں جگہ بناتا جارہا ہے۔ ابھی تک کے لیے اتنا ہی پھر ملیں گے چلتے چلتے "او ہو میرا مطلب ہے حجاب پڑھتے پڑھتے۔ والسلام۔

☆ ڈیئر ماورا! تبصرہ صرف افسانوں تک ہی محدود ہے باقی تحریریں بھی توجہ طلب تھیں۔

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش۔ السلام علیکم! سب سے پہلے اپنی پیاری سی حجاب قارئین کو خلوص بھرا سلام اور حجاب کو سالگرہ بہت بہت مبارک دعا ہے کہ ہمارا ساتھ ہمیشہ یوں ہی قائم ودائم رہے آمین۔ اس شعر کے ساتھ حاضر ہوں کہ......

میری فطرت نہیں اپنا غم بیان کرنا
اگر تیرے دل کا حصہ ہوں تو محسوس کر تکلیف میری

جی قارئین سنائیں کیسی ہیں آپ سب لوگ۔ امید کرتی ہوں سب ہی ٹھیک ٹھاک اور زندگی کے لمحوں کو بھرپور طریقے سے انجوائے کررہی ہیں۔ پیارے قارئین زندگی کا سفر رواں دواں ہے کبھی رکتا نہیں لیکن انسان اس زندگی کے سفر سے تھک جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک اپنے جیسے عام انسانوں کے ساتھ امیدیں باندھ لیتا ہے اور تب ہی اسی انسان کا دھوکا پیار میں جدائی اچھائی کے بدلے برائی اسے مکمل طور پر تھکا دیتی ہے۔ اگر یہی انسان اپنے رب باری تعالیٰ کے ساتھ امیدیں باندھ کر سفر کو جاری کریں اور

یقین مانیں کہ وہ رب اپنے بندے کو ہر جگہ عزت مرتبہ عطا فرمائے گا اور بنا مانگے ہی اس کی ہر خواہش کو پورا کرے گا کیونکہ......

ایک چیز وہ ہے جو تم چاہتے ہو
ایک چیز ہے جو تمہارا رب چاہتا ہے
اگر تم وہ چیز چاہتے ہو جو تمہارا رب چاہتا ہے
تو یقیناً تمہارا رب تم کو وہی دے گا جو تم چاہتے ہو
ہمیں اپنے رب کی رضا میں راضی ہونا چاہیے یہی ہمارے حق میں بہتر ہے

جی قارئین آتے ہیں اب اپنے حجاب کی طرف۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی حجاب ٹیم کا بہت شکریہ میرے تبصرے کی وجہ سے مجھے حجاب گفٹ میں ملا۔ حجاب کا ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا زبردست ٹائٹل۔ سب سے پہلے حمد و نعت پڑھ کر بہت سکون ملا۔ قیصر آرا آپی کی باتیں پڑھ کر دل بہت اداس ہوا پتہ نہیں کب مسلمانوں کے حالات بہتر ہوں گے۔ سب دوستوں کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ انٹرویو میں حنا سے مل کر ان کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ ''الفت دیوتا'' ناولٹ اس بار کا بیسٹ ناول تھا حجاب میں۔ سورج کو مار کر کہانی اگر وہی اینڈ کر دی جاتی تو بہت اچھا تھا مگر پھر بھی بہت لاجواب اسٹوری تھی۔ سورج مکھی کی حالت دیکھ کر مجھ بہت رونا آیا مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنبھل گئی۔ اتنی اچھی تحریر لکھنے پر بہت بہت مبارک باد۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' کی اگلی قسط کا مجھے شدت سے انتظار رہے گا پلیز فراز کی شادی ماریہ سے مت کروانا اور لالارخ والے حصے کو بھی آگے لے کے چلیں ناں پلیز۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' اسٹوری بہت ہی اچھی ہے۔ ''محبت میری آخری شرارت'' تھی۔ بہت سپر اسٹوری بہت اچھا لکھا صائمہ آپ نے پہلی قسط اتنے مزے کی تھی امید ہے آگے بھی اچھی ہوگی۔ اگلی قسط کا انتظار ہے افسانہ تہی دامن'' سحر علی بہت اچھا لگا۔ ''شہہ مات'' نسرین اختر ضیاء نے بہت عمدہ لکھا وہ کیا ہے ناں کہ انسان جس چیز سے بھاگتا ہے وہی اس کی قسمت میں لازمی ہوتی ہے۔ ''اک تیرا انتظار'' عروسہ عالم نے بہت ہی زبردست اسٹوری لکھی۔ ہر چیز کو ایک خاص طریقے سے لے کر چلیں' تجسس بھری ایک خوب صورت اسٹوری لگی۔ ''بنا بٹنوں کے فون'' بشریٰ تنویر ایک مزاحیہ تحریر جس کو پڑھ کر مزہ آیا باقی سب افسانے بہت زبردست تھے۔ عالم میں انتخاب سب کے انتخاب پڑھے طلعت نظامی۔ اقرا نور فاطمہ فریدہ کے انتخاب بیسٹ تھے۔ شوخی تحریر میں بہت معلوماتی تحریریں تھیں مجھے بہت پسند آئیں۔ حسن خیال میں سب کے تبصرے پسند آئے اپنا تبصرہ دیکھا تو میرا نام آدھا لکھا ہوا (شیریں) مگر پھر سوچا کہ خیر کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ کچن کارنر میں سب ہی ترکیبیں اچھی تھیں۔ ہومیو کارنر ایک معلوماتی سلسلہ ہے ٹوٹکے بہت آزمودہ تھے' مجموعی طور پر سارا حجاب اچھا لگا۔ اب اجازت چاہوں گی اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا بہت سا خیال رکھیں' خدا حافظ۔

☆اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی پریشانی دور فرمائے اور وطن عزیز کو تاقیامت قائم رکھے آمین۔

قبل شاعت:۔
جیون اک خواب سفر میرا اور نغمہ ہے صدا حجاب نگری آدے کا آ دا میں حجاب ہوں۔

ناقبل اشاعت:۔
میں جینا چاہتی ہوں' موتی' سنگ ہجر۔

husan@aanchal.com.pk

طلعت نظامی

بھوک

بھوک کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ Appetite سے لیا گیا ہے جس سے مراد کسی چیز کی خواہش ہے بھوک ایک قدرتی خواہش ہے جو کہ ہر جاندار میں موجود ہوتی ہے اور یہی خواہش خوراک کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

بھوک کا تعلق خون میں موجود گلوکوز کی سطح سے ہوتا ہے عام طور پر گلوکوز کی سطح خون میں 80mg سے 120mg تک ہو خون میں شکر یعنی گلوکوز کی سطح جیسے ہی اپنی عام سطح سے نیچے گرتی ہے اس کی اطلاع دماغ کے ایک حصے Hypothalamud میں موجود مراکز تک جاتی ہے جو کہ احساس بھوک پیدا کرنے اور مفقود کرنے سے متعلق ہے۔ یہ مرکز بالترتیب Appetite centre اور Soctiety centre کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

جب خون میں گلوکوز کی سطح گر جاتی ہے تو اسی وقت Appetite سے Ampulses معدہ تک جاتے ہیں اور معدہ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے Hunger Pain شروع ہو جاتے ہیں اور ہمیں کھانے کی طلب یعنی بھوک پیدا ہو جاتی ہے جب خون میں گلوکوز کی سطح معمول کے مطابق ہو جاتی ہے تو یہ اطلاع Satiety centre تک جاتی ہے جو کہ معدہ امپلس تک جاتی ہے جس کی وجہ سے معدہ کی حرکت اختتام پزیر ہو جاتی ہے اور بھوک کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

انسانی جسم میں گلوکوز کا کردار:۔

غذا کی طلب انسان کے جسمانی اور نفسیاتی ضرورتوں کا لازمہ ہے مگر بعض اوقات بھوک اس قدر تیز اور بے قابو ہو جاتی ہے کہ دل کچھ بھی کھانے کو مچل جاتا ہے ایسی کیفیت کیوں طاری ہوتی ہے سائنس نے اس بارے میں تحقیق سے جو کچھ ثابت کیا ہے اس کے پیش نظر انسان کی تخلیق کے وقت ہی اس کے خمیر میں میٹھی چیزوں کی طلب و رغبت ڈال دی جاتی ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اسے شیریں اشیا دیگر خوردنی لوازم میں زیادہ مطلوب و مرغوب ہوتی ہیں سائنسی اصول کے مطابق ہی انسان جب بھوک کے ہاتھوں بے قرار ہوتا ہے تب بھی اس کے جسم میں مٹھاس کی مقدار کم ہونے کے باعث اس کی اشتہا یعنی بھوک عروج پہ ہوتی ہے جو اسے خوراک پر ٹوٹ پڑنے پر مجبور کرتی ہے سائنس نے اپنے دعویٰ کی دلیل کے لیے بتایا ہے کہ نومولود بچے کی زبان پر اگر چینی کا ایک دانہ رکھ دیا جائے تو وہ بلا تامل و تردد اسے چوسنے کی کوشش کرے گا قصہ درحقیقت یہ ہے انسان کے حواس خمسہ کے ایک جز و قوت ذائقہ کی طرف سے زبان پر رکھے چینی کے دانے کی خبر ایک مضبوط اعصابی تار کے ذریعے دماغ کی قوت محسوسہ کو ملتی ہے چنانچہ ذہین اور دماغ بچے کو دانہ چوسنے کی ہدایت کر دیتا ہے اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ مٹھاس اور شیریں اشیا اس کی جبلی خواہشوں میں شامل ہے انسانی خوراک کے بارے میں ماہرین نے جو رائے دی ہے اس کے پیش نظر بھی اس کی بے قابو اشتہا کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے میٹھی چیزوں کے علاوہ نمکین اور چکنائی والی اشیا بھی انسانی جسم کی ضرورت ہیں اگرچہ میٹھا اہمیت کے لحاظ سے ان میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ تینوں چیزیں انسانی بدن کے لیے ناگزیر ہیں ان سے فراہم ہونے والے حرارے اور کیلوریز پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس کی شکل میں انسان کو توانائی مہیا کرتے ہیں چنانچہ ماہرین کے مطابق چینی، نمک اور چکنائی میں سے کسی ایک کی بھی

کم مقدار غذا کی طلب اور اشتہا کو بڑھا رہی ہے یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ بچے اور بڑے یکساں طور پر چاکلیٹ اور چپس پسند کرتے ہیں دفاتر اور سفر میں بھوک کے فوری ازالے کے لیے بھی انہیں ہی استعمال کیا جاتا ہے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میٹھی اشیا کے علاوہ نمک اور چکنائی ملی چیزیں جسم کو فوری توانائی مہیا کر کے غذائی ضروریات پورا کرتی ہیں عام طور پر دیکھا گیا ہے ہائی بلڈ پریشر کی صورت میں چینی کا ایک چمچ انتشار خون کو متوازن کر دیتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق بھوک کے محرک دماغ میں موجود بعض کیمیکل بھی ہوتے ہیں، ان میں دو کیمیکلز بہت پر تاثیر اور اشتہا کو دو چند کرنے میں دور اثر ہیں دماغ کا ایک کیمیکل گالالین انسان کو بھوک کے معاملے میں بے حوصلہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی کارکردگی سے انسان کھانے میں لحہ بھر کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ ''نیوپیپٹائیڈ وائی'' بھی دماغ کا باسی کیمیکل ہے اس کی ذمہ داری تو جسم میں ''کاربوہائیڈریٹ'' کی شرح کو متوازن رکھتا ہے مگر بعض اوقات اس کے افعال کا مدوجزر بھی بھوک کو چمکانے میں معاون ثابت ہوتا ہے، بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ بھوک کی شدت اور کھانے کی طلب ان دونوں کیمیکلز کی مرہون منت ہوتی ہے دماغ میں گالالین کی مقدار کی نوعیت مختلف انسانوں میں مختلف ہوتی ہے چنانچہ جن لوگوں میں گالالین کی سطح بلند ہوتی ہے وہ بسیار خور ہی نہیں بھوک کے معاملے میں بڑے بے صبر بھی ہوتے ہیں اگر انسان کو ان کیمیکلز کے بارے میں علم ہو تو وہ بھوک کی شدت میں باؤلا ہونے کے بجائے کیمیکلز کے افعال پر غور کرے سائنس دان اور ماہرین غذا کا کہنا ہے کہ بھوک کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے چنانچہ جب اشتہا پر آئے گی تو انسان میٹھی چیزوں کی طلب زیادہ کرے گا ہر شخص کو اپنی جسمانی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے دن میں ایک ہزار حراروں کی ضرورت ہوتی ہے ان کی عدم فراہمی کی صورت میں وہ نحیف و نزار ہو جاتا ہے مگر جونہی اس کے مطلوبہ حرارے اسے مل جائیں وہ ایک دم فٹ ہو جاتا ہے اور حراروں کی تیزی سے قوت رسانی کا کام صرف میٹھی اشیاء ہی کرتی ہیں عورتوں کے ہارمونز میں ماہانہ ترمیم بھی خوراک کے اتار چڑھاؤ سے ہوتی ہے نسوانی ہامونز کا ایسٹروجن بڑھ جاتا ہے تو خواتین کے دماغ میں گالالین کے مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے نتیجتاً ان کی بھوک کی شدت بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات ڈائٹنگ کی شوقین لڑکیاں بھی خوراک پر ٹوٹ پڑتی ہیں عورتوں میں میٹھی چیزیں مردوں کی نسبت زیادہ پسند کی جاتی ہیں اس کی وجہ بھی ہارمونز کی ہی کارفرمائی ہے ایسی کیفیت عموماً نوعمر لڑکیوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ سن بلوغت کو پہنچتی ہیں حمل کے دوران بھی عورتوں میں ہارمونز کے اتار چڑھاؤں میں اضافے سے بھوک کی شدت اور اشتہا بڑھ جاتی ہے۔

بھوک کی شدت میں بے قرار ہو جانا اگرچہ اچھی صفت ہے تاہم اسے برا بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ایسا صرف انسان کے اندر وقوع پزیر تبدیلیوں کے باعث ہوتا ہے چنانچہ وہ جو کچھ کرتا ہے جسمانی غذائی ضروریات سے مجبور ہو کر کرتا ہے انسان کو اپنی جسمانی ضرورت کے مطابق مطلوبہ غذا ضرور ملنی چاہیے مردوں کی نسبت عورتیں بھوک کی شدت زیادہ ضبط کر لیتی ہیں انسان بھوک کے ہاتھوں بعض اوقات ایسے بے لگام ہو جاتے ہیں کہ ممنوعہ اور بد پرہیزی بھی کر لیتے ہیں ماہرین کے مطابق خوراک لیتے وقت اس کے جسم پر انداز ہونے والے فوائد اور نقصان پیش نظر رکھنا چاہیے ایسی غذا لینی چاہیے جو جسم کو مطلوبہ حرارے فراہم کر سکتے ہیں ان میں تین بار خوراک لینا صحت مند اور مفید علامت ہے چنانچہ اس کے بارے میں عالمگیر سائنسی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ میٹھا انسان کی جبلی ضرورت ہے اور یہ میٹھا ہی ہے جو انسان

کی بھوک کے مدوجزر کو جوار بھاٹے کی شکل دیتا ہے اور میٹھے کی مقدار جسم کو فراہم ہوتے ہی بھوک کی شدت رفو چکر ہوجاتی ہے میٹھا ہزار ہا جسمانی اعضا کے لیے لازمی سہی مگر اس کے استعمال میں اعتدال نہ برتنا ذیابیطس کا بھی محرک بن جاتا ہے چنانچہ میٹھا کھاتے وقت میٹھے کے خطرات کو بھی مدنظر رکھ لینا چاہیے یہ بات حقیقت کے عین قریب ہے کہ کسی بھی چیز کی زیادتی بہرحال نقصان دہ ہے حاصل مطالعہ یہ ہے کہ بھوک میں تیزی اور اشتہا اس وقت قابو سے باہر ہوتی ہے جب جسم میں گلوکوز کی مطلوبہ مقدار کم ہوجاتی ہے۔

بھوک کی کمی Anorexia

بھوک کا احساس ختم ہونا یا کم ہونا مندرجہ ذیل صورتوں کی بنا پر ہوتا ہے منہ یا حلق کی سوزش معدہ و آنت کا السر، معدہ کا سرطان، خون کی کمی، تپ دق، معدہ کی جھلی کی سوزش کوئی نفسیاتی الجھن بھی بھوک کم کرنے کا سبب بنتی ہے معدے کی رسولی بھی بھوک کی کمی کا سبب بنتی ہے اگر معدے میں السر یعنی زخم ہو تو بھی بھوک کم ہوجاتی ہے جب مریض میں جذباتی خرابی پائی جائے یا اس میں افسردگی کی حالت ہو تو بھی بھوک میں کمی ہوجاتی ہے۔

بعض مزمن امراض بھی بھوک کی کمی کا باعث بنتے ہیں، مثلاً شراب نوشی یا خون میں یوریا کا بڑھ جانا یا دل کی نالیوں میں خون جم جانا اس کی وجہ سے دل فیل ہو جائے یا پرانی سانس کی نالیوں کی سوزش یا کسی قسم کے بخار کے ساتھ بھوک میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

بھوک کا بڑھ جانا (Bulimia)

ذیابیطس، ذہنی خرابی اور بھوک کی زیادتی عام طور پر اعصابی بیماریوں کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً اس میں پیٹ بھرنے کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔

بھوک کے زیادہ ہونے کا ایک سبب ہسٹریا بھی ہوتا ہے۔

Thyroid glands کے فعل میں زیادتی یا سوجن بھی اس کا سبب ہیں اگر معدہ یا آنتوں میں کسی قسم کا ناسور یا Fistula ہو تو بھی بھوک زیادہ ہوجاتی ہے حاملہ عورتوں میں بھی بھوک کا بڑھنا پایا جاتا ہے اگر پیٹ میں کیڑے ہوں تو بھی بھوک زیادہ ہوجاتی ہے۔

غیر فطری خوراک کی خواہش:۔

یہ مرض ذہن اور جگر کے نظام کی خرابی واقع ہونے سے متاثرہ فرد کا رجحان ان غذاؤں کی طرف ہوجاتا ہے جو کہ چکنائی سے عاری ہوں اور ہضم نہ ہونے والی ہوں یہ عام طور پر حاملہ عورتوں اور بچوں میں یا پاگلوں میں پایا جاتا ہے مثلاً ملتانی مٹی، سیمنٹ یا کوئلہ اور ریت وغیرہ کا استعمال یا بعض کو کسی مخصوص خوراک سے نفرت ہوجائے۔

علاج: چائنا...... بھوک نہ ہونے کے باوجود بہت زیادہ کھانے۔

لائیکوپوڈیم...... بہت زیادہ بھوک مگر تھوڑی خوراک سے سیر ہوجائے۔

گریفائٹس...... مٹھائی کھانا پسند نہ کرے۔

آرجنیٹم میٹلیکم...... مٹھائی کی بہت زیادہ خواہش۔

اناکارڈیم...... ایسی اشیا جو ہضم نہ ہوسکے۔

کلکیریا کارب...... چاک یا مٹی کھانے کی خواہش۔

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

آنچل فرینڈز اینڈ اسپیشل سسٹر آمنہ اینڈ آئرہ کے نام

سب سے پہلے میری طرف سے سب لوگوں کو پیار بھرا سلام قبول ہو، اور حجاب کو سالگرہ بھی مبارک۔ ایس کو ہر طور جب سے آپ کے نام پیغام بھیجا تھا تب سے آپ ملی ہی نہیں ویری آر یو پلیز فرینڈ پرابلم کیا ہے کیوں غائب ہیں یا ہماری دوستی پسند نہیں پلیز کچھ تو بولیں میں انتظار کر رہی ہوں، او کے ناں، سسٹر آمنہ رحمان عانی...... یہ ڈائس میں جو کچھ بھی لکھنا چاہتی ہوں تم سمجھ جاؤ تو مان جاؤں گی آئرہ پری میری جان تم انگریزوں کی طرح ہنستی ہو تو مزہ آجاتا ہے ایسی ہی مسکراتی رہو ہمیشہ دیدی کی کشش خولہ تمہیں کیا کہوں بس اتنا کہتی ہوں وہی مولوی ٹائپ والا زعیمہ روشن آپ کی طرح میں نے بھی ہر دکاندار سے جاذبہ کے متعلق پوچھا مگر بے سود طاہرہ منو آپ نے دوستی کی آفر کی تو ناؤ وی آر فرینڈ او کے بکے والے اسما گل میری طرف سے دوستی پکی آگے آپ کی وفاداری دیکھی جائے گی سمیرا سواتی آپ نے مجھے اور آمنہ کو پریٹی گرل کہا سو ویری تھینکس ماہ رخ سیال شاید باقی گرلز اور مجھ میں فرق ہو؟ تمنا بلوچ اللہ آپ کو صبر دے، کوثر خالد آنٹی ایک نظر کرم ہم پہ بھی طیبہ خاور کیسا رہا تجربہ شادی کا یقین ملیے شاہ زندگی کے بارے میں پڑھ کر مجھے بھی سکتہ ہو گیا تھا بہت دکھ ہوا، کاجل شاہ آپ کا نام پیارا ہے اور پاکیزہ کا بھی اللہ پاک کامیاب کرے روشی وفا کیسی ہیں آپ؟ ذکا وصبا آپ کا انٹرویو اچھا تھا ارم کمال جی، ہم بھی ہیں یارا، مدیحہ نورین مہک آپ ہمیں جانتی ہی نہیں سیدہ لوبا سجاد خوش رہیں نگہت نواز اتنی اداس کیوں ہیں آپ سحرش، یاسمین کنول، جی کنول خان، آر یو او کے راشد بھائی آپ کیسے ہیں اللہ پاک آپ کو کامیاب کرے وقاص عمر آپ نے بیاض دل کے لیے ستمبر میں میرے شعر کا انتخاب کیا یقین کریں بہت اچھا لگا کیونکہ یہ شعر میری پہلی کاوش ہے اقصیٰ کشش کیسی ہیں آپ دوستی کریں گی خزینہ طاہر ہاؤ آر یو ماروی یاسمین آپ کو انشراح کی نانی زہر لگتی ہیں تو کھا کے مرجائیں ہاہاہاہاہا نیور مائنڈ جسٹ کڈنگ یارا انجم اعوان کیسی ہیں آپ اور نورین انجم (چڑیل) تم کیسی ہو حرا قریشی آپ کی ایج کیا ہے اینڈ دوستی کریں گی کیا؟ حمیرا قریشی آپ سنائیں وجیہہ خان بادل کدھر گم ہیں آپ صبا ایشل آپ کیسی ہیں شمع مسکان آپ کدھر ہیں کرن شہزادی مس یو، انیلا طالب نام زبردست ہے۔ انا احب اینڈ دعائے سحر آپ بھی مزے میں ہیں؟ اقراء جٹ سنائیں کچھ؟ پروین افضل شاہین آپ تو آنچل وحجاب کے لیے آکسیجن کی طرح ہیں ریکی، فائزہ بھٹی آپ بھی فٹ ہیں ناں دلکش مریم کیسے ہو تسی تمثال ہاشمی آپ کے نام کا مطلب کیا ہے اور نور الشال آپ کا نام بھی اچھا ہے۔ رب تعالیٰ سے دعائے عظیم ہے کہ وہ ہم سب ماؤں بہنوں کی عزت محفوظ رکھے اور ہمارے ملک کو امن کا گہوارہ بنادے اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا بول بالا کردے آمین۔

عائشہ رحمان منی...... دیالی، مری

اپنوں کے نام

السلام علیکم! دنیا بھر کی تمام اسلامی بہنوں کیا حال ہیں۔ بہت ہی پیاری لڑکی شاہ زندگی کا پڑھ کر یقین ہی نہیں آیا خدا اس کو جنت میں جگہ دے آمین اور فاخرہ آپی کی والدہ کا پڑھ کر بے تحاشہ دکھ ہوا آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور فاخرہ آپی کو خدا صبر عطا کرے آمین، پروین افضل شاہین اور ارم کمال آپی کو ڈھیر ساری مبارکباد۔ پاکیزہ علی آپ کا نام بہت نائس ہے اور آپ سے دوستی کی ریکوئسٹ ہے کریں دوستی تو اچھا لگے گا بھائی بشارت آپ کو نئی ورکشاپ کی بہت بہت مبارک ہو خدا آپ کو کامیاب کرے زندگی کے ہر میدان میں اللہ آپ کو صحت عطا کرے بھائی ماجد شادی مبارک ہو اللہ آپ کو اور بھابی کو سدا سلامت رکھے ساجد بھائی اور اسامہ پرنس اسلام آباد جا کے بہت بدل گئے ہو، اللہ آپ کو سدا خوش رکھے آمین۔

ماروی یاسمین...... 44ج

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم تمام پڑھنے والیوں کو میرا محبت بھرا سلام۔ ہر مہینہ لگاتار انٹری دینے کی کوشش کرتی ہوں کسی کو پیغام دے سکوں یا کسی دوست کے پیغام کا جواب دے سکوں مگر وہی کبھی دیر سے پہنچا اور کبھی ڈاک کا مسئلہ، خیر آگے بڑھتے ہیں حرا قریشی پروین آپی، دعا ہاشمی، ملالہ اسلم کو سلام کوثر خالد جی سب کو دعائیں دیتی ہیں جن کو چاہیے ان کو دیتی ہی نہیں پلیز میرے لیے دعا کیا کریں میں بہت بیمار رہتی ہوں مجھے ہیپاٹائٹس ہو گیا

تھا مگر ابھی بھی اثر ہے سو سب بہنیں میرے لیے دعا کیا کریں اللہ تعالیٰ مجھے ہمت دے آمنہ رحمان، مسکان یار تم کیسی ہو تم اور جاذبہ مری میں کس جگہ رہتے ہو میں دو مہینے سے مری میں ہوں ہر جگہ پوچھتی رہتی ہوں ریالی کی آمنہ کو جانتے ہو (ہاہاہاہا) جلدی سے بتا دو ورنہ میں نے اشتہار لگوا دینا ہے دونوں کا، لائبہ میر تھینک یو یار مجھے پسند کرنے کے لیے میں ہی آرزو ہوں، طیبہ خاور آئینہ میں مجھے یاد کرنے کا شکریہ، ارم کمال آنٹی یو آر سو نائس ویمن انیلا طالب، انا احب، ناز سلوش ذشے، فریدہ فری سب کو ڈھیر سارا سلام۔

زعیمہ روشن...... آزاد کشمیر، مظفر آباد

کلاس فیلوز اینڈ آنچل فیلوز کے نام

ہیلو ٹو آل آف یو کیسے ہو سبھی مائی ڈیئر کلاس فیلوز اینڈ آنچل فیلوز، ارم خان تھینک یو سو مچ سیکنڈ سمسٹر میں ہمارا ساتھ دینے کے لیے اب پنڈی جا کر بھول ہی نہ جانا، تھرڈ سمسٹر کے لیے موسٹ ویلکم (تمہاری شرارتیں نہیں بھولیں گی لڑکی) حنا تم بھی پنڈی تشریف لے جا رہی ہو ان کے پاس مبارکباد۔ سلمٰی ایگزامز میں بہت انجوائے کیا ہم نے اسپیشلی اس آنٹی کا کارنامہ (جو ہمارے برابر سیٹ پر تھیں ہاہاہاہا) ثمینہ خان سینٹر ہی کروالیا (اچھا نہیں کیا) بہر حال جلد سے جلد آؤ واپس لاہور سے۔ ربیعہ اینڈ جویریہ کیسا رہا پھر ہمارے ہاں کا وزٹ اور آپ دونوں کے پیپر کیسے ہوئے، اقصیٰ، خدیجہ، صائمہ چوہدری، کوثر، میمونہ آپی صدف آپ سب کو سلام صائمہ عمرہ کی مبارکباد، لوبہ والی فیلوز آپ کو بھی سلام۔ آنچل فیلوز میں صائمہ سکندر سومرو خوش رہو (دیکھو آپ کو نہیں بھولی) ریئم خان (اریبہ گڑیا) ہماری چھوٹی سی رائٹر ملتان کی گرمی انجوائے کرو تحریم اکرم چوہدری آپ بھی رابعہ عمران چوہدری کیسی ہو آپ کی تینوں ڈول کیسی ہیں پارلر کیسا چل رہا ہے؟ مدیحہ نورین مہک (زمانے میں اور بھی غم ہیں الف ب کے سوا) پوئٹری اچھی ہوتی ہے (مدیحہ بقلم خود) صدف آصف اسٹوریز تو سنجیدہ ہوتی ہیں مگر بائے نیچر تھوڑا فنی، ام ربیعہ (ثوبیہ فواد) کیسی ہو، مونا شاہ قریشی آپ نظر نہیں آتی ہو آج کل طیبہ نذیر شادی کی مبارکباد تمنا بلوچ کیا کر رہی ہو آج کل۔ اور سب کے لیے دعائیں۔

شز بلوچ...... جھنگ صدر

میری چھوٹی سی دنیا کے نام

امریکن سونڈی تم بہت ظالم ہو کیا بتاؤں یار جب سے پتا چلا ہے کہ رزلٹ کے بعد تم اسلام آباد چلی جاؤ گی میرا برا حال ہے (خوشی سے) میری مانو تم اس سال آرام کرلو اس سے اگلے سال مل کر لاہور چلیں گی لاہور ویسے بھی تمہیں بہت پسند ہے اور مجھے بھی ربیعہ اشتیاق عرف سونڈی سوچ لو پھر تم چلی گئی تو جی سی میں میرے پاس رہے گا کیا (مکھن) ویسے بھی تمہیں میرے جیسا "شریف انسان" کہیں نہیں ملے گا پھر مارتی رہنا ٹکریں قائد اعظم یونیورسٹی کی دیواروں کو (ہاہاہا) بیسٹ فرینڈ دعا ہے کہ اللہ تمہیں تھوڑا صحت مند کردے کیونکہ لوگ تمہیں اور مجھے دیکھ کر کہتے ہیں موٹو پتلو کی جوڑی۔ یقیناً آپ حیران ہیں کہ میں نے آپ کو ڈیول کی بجائے اینجل کیوں بولا ہے تو جناب آپ کے امی ابو بہت اچھے ہیں۔ ہاہاہا اینجل مجھے سچ میں افسوس ہے کہ آپ کا پیپر رہ گیا۔ اب آپ یا ربیعہ میں سے کوئی فیل ہو گیا تو سیاپا مجھے ہی پڑے گا ناں میری ٹینشن نہ لینا میں فیل ہوئی تو چپ چاپ خودکشی کرلوں گی (ہنس لو دشمنو) آصفہ نواز چیمہ سچ کہتی ہوں آپ سے زیادہ انسانیت میں نے آج تک کسی انسان میں نہیں دیکھی اب مجھے گوجرانوالہ بھی پیارا لگتا ہے میں ضرور آؤں گی بچی قوس قزح عظمت میری پیاری چڑیل کی کوئی دوست نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تم خالص ہو اور یہاں تم جیسا کوئی نہیں خیر ٹینشن نہ لو تم اور آصفہ میں ہوں ناں آپ لوگوں کا سر کھپانے کے لیے اینجل اور آصفہ آپ سب کی شکر گزار ہوں اب بڑے جھوٹ بول لیے، میں نے خیر اب اللہ کرے کہ ہمارا رزلٹ اچھا آجائے ورنہ مل کر با جماعت روئیں گے خدا حافظ۔

صدف مختار...... بوسال مصور

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

احسن خان

اب احسن خان بھی ماہرہ خان کی فیور میں بول پڑے

ان کا کہنے کہ ماہرہ خان کا حق ہے جسے نہ دفاع کی ضرورت ہے اور نہ ہی تشریح وتاویل کی۔ ماہرہ خان اور رنبیر کپور کی تصاویر پر کھڑے ہونے والے تنازعے نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ (کیونکہ رنبیر کی جگہ آپ ہیں تھے) مجھے ان لوگوں پر غصہ آرہا ہے جنھیں ان تصاویر پر غصہ آیا مجھے ان لوگوں پر بھی غصہ ہے جو سگریٹ نوشی، انڈین اداکار سے دوستی اور اپنی مرضی کا لباس پہننے جیسی چیزوں کا دفاع کر رہے ہیں کیوں کہ انھیں دفاع کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

بے وفا

پروڈیوسر اعجاز اسلم اور ڈائریکٹر سید علی رضا اسامہ کی ڈرامہ سیریل "بے وفا" کی ریکارڈنگ تیزی سے تکمیل کی جانب بڑھ رہی ہے۔ کاسٹ میں اداکارہ عالیہ علی، فیصل قریشی، سنیتا مارشل اور دیگر شامل ہیں۔ کہانی کے مطابق فیصل قریشی سنیتا مارشل کی محبت میں گرفتار ہیں لیکن سنیتا کی شادی ان کے سوتیلے بھائی کامران جیلانی سے ہو جاتی ہے۔ آصف رضا میر نے فیصل قریشی اور کامران جیلانی کے والد کا کردار کیا ہے۔ جن کے آفس میں کام کرنے والی ایک لڑکی عالیہ بھی ہے۔ جس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے لیکن بظاہر وہ بہت امیر لگتی ہے۔ جلد ہی فیصل قریشی اور عالیہ علی کے درمیان دوستی ہو جاتی ہے اور یوں کہانی آگے بڑھتی ہے۔

ارتھ

اداکار و ہدایتکار شان نے اپنی فلم "ارتھ" کی تشہیر شروع کر دی ہے۔ اس حوالے سے شان نے کہا ہے کہ یہ فلم انسانی منزل کے تعین بارے ہے۔ جس میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ ہمارے فیصلے ہماری قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر انسان کی ایک منزل ہوتی ہے۔ جس کے لئے وہ کوشاں رہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس فلم میں عمائمہ کے ساتھ ساتھ عظمیٰ حسن اور محب مرزا نے بھی بہت اچھا کام کیا ہے

جو شائقین کو ضرور پسند آئے گا۔ شان نے فلم کو دسمبر میں ریلیز کرنے کا اعلان کیا ہے۔

منجھی کتھے ڈاواں

پی ٹی وی لاہور سنٹر کے نامور پروڈیوسر الیاس چوہدری اپنی پنجابی سٹ کام "منجھی کتھے ڈاواں" کی کاسٹنگ شروع کر دی۔ اداکارہ رخسانہ ناز، عینی طاہرہ، واجد خان اور آغا ماجد کو کاسٹ کر لیا گیا ہے جبکہ دیگر فنکاروں کیلئے مختلف ناموں پر غور کیا جارہا ہے۔ سٹکام کی کاسٹ مکمل ہونے

کے ساتھ ہی ریکارڈنگ کا سلسلہ شروع کردیا جائے گا جس کے رائٹر توقیر بن اسلم ہیں۔

مرشد

گلوکار اسرار کی وڈیو "مرشد" نے دھوم مچادی، اس کی مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ اسرار کی یہ وڈیو کچھ عرصہ قبل ریلیز کی گئی جسے اب تک لاکھوں لوگ دیکھ چکے ہیں۔ اسرار نے وڈیو میں شجرکاری کی ترغیب دی ہے جو کسی بھی وڈیو کا پہلا اور منفرد آئیڈیا ہے جسے سوشل میڈیا اور عوامی سطح پر بہت پزیرائی ملی ہے۔ اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اسرار نے بتایا کہ وڈیو کا بنیادی مقصد ہی درختوں کی اہمیت بتا کر ایک پودا لگانا ہے (واہ باغبانی اور مالی) کیونکہ ہمارے ہاں اس اہم مسئلے کی طرف توجہ نہیں دی جارہی لیکن میں نے اپنی وڈیو میں اس چیز کی عکاسی کی ہے۔ میری لوگوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے گھر کے لان میں، اسکول کالج یا سڑک کنارے یعنی جہاں بھی انہیں جگہ ملے ایک پودا لگائیں۔

نیا کام

معروف پاکستانی ماڈل سلیم ساگر نے ہدایتکاری کے میدان میں قدم رکھ دیا (ارے...... بغیر سوچے سمجھے) وڈیو ڈائریکٹ کریں گے۔ انہوں نے بتایا کہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے ہدایتکاری کے میدان میں قدم رکھتے ہی 6 وڈیو سانگ مل گئے ہیں (گلوکاروں کے) جن کی ہدایتکاری کروں گا۔ ان 6 میں سے معروف گلوکار اے آر ساجد کے بھی 4 سانگ شامل ہیں۔

میگھا

فلم اسٹار میگھا نے کہا ہے کہ منافقت پسند نہیں ہوں ہمیشہ کسی خوف کے بغیر دل کی بات کردیتی ہوں، شوبز کو آج کسی سرمایہ سے زیادہ اتحاد کی ضرورت ہے (آپ تو خود کسی کو...... پسند نہیں کرتیں) اگر ہم سب متحد ہوجائے تو فلم انڈسٹری کی رونقیں بحال کی جاسکتی ہیں۔ ہر انسان کو صاف دل ہونا چاہیے اور کسی کیلئے نقصان کا سوچنے والے اصل میں خود نقصان کا شکار ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شوبز میں صرف وہی مقام حاصل کرتا ہے جو چور دروازے کے بجائے محنت اور خلوص کے ساتھ کام کررہے۔

کملی

پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ فوک گلوکار عارف لوہار کا نیا وڈیو گانا "کملی" ریلیز کردیا گیا۔ "میں کملی کملی میرا یار

دی کملا" کے بول سے شروع ہونے والے گانے کو ریمکس کیا گیا ہے اور یہ وڈیو عوامی حلقوں میں بھرپور مقبولیت حاصل کررہی ہے اور سوشل میڈیا پر بھی اس کو بے حد پسند کیا جارہا ہے۔

ورنہ

پاکستانی اداکارہ ماہرہ خان کی فلم ورنہ کے پہلے ٹیزر میں اداکارہ کے ایکشن سینز کو دیکھ کر مداح کافی متاثر ہوئے تھے جسے دیکھ کر ایسا بھی محسوس ہورہا تھا کہ فلم میں ماہرہ زیادہ ایکشن سے بھرے سینز میں نظر آئیں گی، تاہم اب اس فلم کا ایک رومانوی گانا ریلیز ہوگیا۔ اس نئے گانے سنبھل سنبھل کے میں ماہرہ خان موجود ہیں، جو فلم کے دوسرے مرکزی اداکار ہارون شاہد کو پسند کرتی نظر آئیں، ہارون فلم میں ماہرہ خان کے شوہر کا کردار ادا کررہے ہیں، جنہوں نے فلم میں ایک گانا بھی گایا ہے۔ اس گانے کی وڈیو میں ماہرہ خان اور ہارون شاہد ایک پکنک کو انجوائے کررہے

نامعلوم افراد ٹو پر پنجاب بھر میں پابندی لگادی گئی ہے۔ پنجاب حکومت کے نوٹی فکیشن کے مطابق فلم نامعلوم افراد ٹو کے خلاف مختلف اور مسلسل شکایات آرہی تھی جس کی وجہ سے پنجاب حکومت نے پورے صوبے کے سینما گھروں میں اس فلم کی نمائش کو بین کردیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فلم پینتیس دن پہلے بڑی عید پر یکم ستمبر کو ریلیز ہوئی تھی۔ فلم اب تک ملک بھر سے بیس کروڑ روپے سے زائد کا بزنس کرچکی ہے۔ فلم نامعلوم افراد ٹو کے ڈائریکٹر نبیل قریشی نے کہا ہے کہ پنجاب حکومت اپنا حکم واپس لے کیونکہ فلم نامعلوم افراد ٹو سینسر سمیت پورے مراحل سے گزر کر ریلیز ہوئی تھی اور اب ان کی اس فلم پر اس طرح اچانک پابندی لگانا سمجھ سے باہر ہے۔ فلم میں فہد مصطفیٰ، جاوید شیخ محسن عباس حیدر، ہانیہ عامر اور عروہ حسین نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

عاصم بخاری

سینئر اداکار عاصم بخاری نے بھی کراچی کیلئے اڑان بھر لی۔ تفصیلات کے مطابق ٹی وی اور فلم انڈسٹری کی لاہور سے کراچی منتقلی کے بعد گزشتہ چند برسوں میں لاہور کے تقریباً تمام فنکار کراچی منتقل ہوچکے ہیں۔ جن میں سے متعدد تو مستقل بنیادوں پر کراچی میں پڑاؤ ڈال چکے ہیں اور یہاں دن رات کام کرنے میں مصروف ہیں۔ فنکاروں کے لاہور سے کراچی آنے کی بنیادی وجہ لاہور میں پروڈکشن نہ ہونے کی وجہ سے کام کا نہ ملنا ہے جبکہ کراچی میں وہ بیک وقت کئی کئی پراجیکٹس میں مصروف ہیں اور لاکھوں روپے ماہانہ کمارہے ہیں۔

رنگریزا

نامور اداکارہ عروہ حسین نے کہا ہے کہ میری نئی فلم ''رنگریزا'' کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کرے گی۔ عروہ حسین نے کہا ہے کہ میری نئی فلم ''رنگریزا'' بھی ایک کامیاب فلم ثابت ہوگی۔ یہ ایک مکمل میوزیکل اور لو اسٹوری فلم ہے۔ اس فلم پر بہت زیادہ محنت کی گئی ہے۔ پوری ٹیم لگن اور محنت سے کام کیا ہے۔ فلم انڈسٹری کی

ہیں، جہاں ایک فوٹوگرافر اسے یادگار بنانے کیلئے تصاویر لے رہا ہے۔ یہ گانا ہارون شاہد کے ساتھ ساتھ زیب بنگش نے گایا ہے۔ شعیب منصور کی ہدایات میں بننے والی فلم ورنہ رواں ماہ 17 نومبر کو ریلیز ہوگی۔

شرمین عبید چنائے

آسکر ایوارڈ یافتہ پاکستانی فلم ساز شرمین عبید چنائے کی دستاویزی فلم آ گرل ان دی ریور نے بہترین دستاویزی فلم کا ایمی ایوارڈ اپنے نام کرلیا (یعنی پاکستان کی ان جگہوں کو فلم بند کیا جس پر غیر مسلم خوش ہوئے ہیں) ایمی ایوارڈ کی 83 ویں سالانہ تقریب امریکا کے شہر نیویارک میں منعقد کی گئی، جہاں شرمین عبید چنائے کی فلم آ گرل ان دی ریور کو بہترین دستاویزی فلم کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ فلم کی کہانی ایک ایسی لڑکی کے گرد گھومتی ہے جسے غیرت کے نام پر قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے تاہم وہ لڑکی قتل ہونے سے بچ جاتی ہے۔ شرمین عبید نے ایوارڈ جیتنے کی خبر ٹوئٹر پر دیتے ہوئے اپنی پوری ٹیم کو مبارکباد دی اور اپنی جیت کو پاکستان کے نام کیا۔ شرمین عبید چنائے اس سے قبل دستاویزی فلم چلڈرن آف طالبان اور سیونگ فیس کے لیے بھی ایمی ایوارڈ جیت چکی ہیں۔

نامعلوم افراد ٹو

بہتری کیلئے سب کو آگے آنا چاہیے۔ جب تک ہم ملکر اپنا اپنا کردار ادا نہیں کرینگے اس وقت تک انڈسٹری کے حالات بہتر نہیں ہو سکتے۔

جیا علی

اداکارہ جیا علی اور معمر رانا ایک بار پھر افواہوں کی زد میں ہیں۔ ذرائع کے مطابق دونوں میں بلا کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، انہیں کراچی میں متعدد بار اکٹھے شاپنگ کرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ معمر رانا، جیا علی کو گھر ڈراپ کرنے کی بھی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں (یعنی ڈرائیور جو ٹھہرے) جیا علی جب سے کراچی منتقل ہوئی ہیں تب سے معمر رانا کا ان کے گھر آنا جانا بھی کافی حد تک بڑھ گیا ہے۔

سجل علی

پاکستانی اداکارہ سجل علی نے اداکاری کے میدان میں کامیابی کے بعد موسیقی کی دنیا میں بھی قدم رکھ دیا ہے
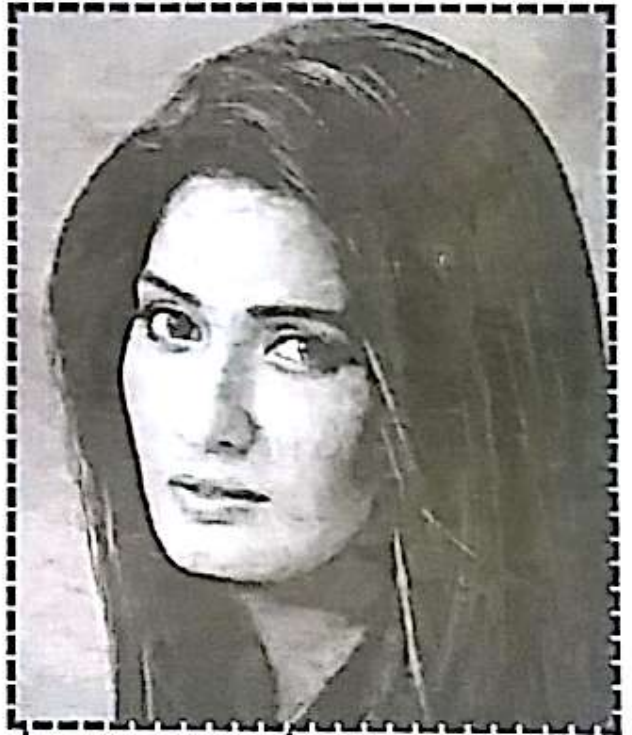
(ارے...... ارے یہ جھوٹ نہیں سچ ہے) پاکستانی ڈراموں سے اپنی پہچان اور بالی وڈ فلم "مام" سے سرحد کے اس پار بھی اپنی اداکاری کی دھاک بٹھانے والی اداکارہ سجل علی نے اب فن موسیقی میں بھی نام کمانے کی ٹھان لی ہے۔ اداکارہ سجل علی نے ڈرامہ "اورنگزیب" کیلئے اپنی آواز میں ٹائٹل ٹریک گایا ہے جسے بے حد پسند کیا گیا۔

کنزا ہاشمی

اداکارہ کنزا ہاشمی نے کہا ہے کہ میں گلوکارہ بننے کا سوچتی رہی مگر قسمت نے اداکارہ بنا دیا اور ابھی گلوکاری کا شوق میرے دل سے ختم نہیں ہو رہا ہے مگر آنے والے دنوں میں اس پر بھی مزید توجہ دوں گی (پہلے اداکاری پر دے لیں) اپنے ایک انٹرویو کے دوران کنزا ہاشمی نے کہا کہ مجھے بچپن سے ہی گلوکاری کا بہت شوق تھا میٹرک کرنے کے بعد مزید پڑھائی کر رہی تھی تو دل میں گلوکاری کو کیریئر بنانے کا شوق انگڑائیاں لینے لگا گلوکاری کرنے کے لئے تو کوئی آفر نہ آئی لیکن ماڈلنگ کی پیشکش ضرور آئی میں نے اس کو قبول تو کیا اور اس وقت سے اب تک صرف ماڈلنگ اور ٹی وی ڈراموں پر ہی توجہ دے رہی ہوں۔

زارا شیخ

اداکارہ زارا شیخ نے کہا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے پرستاروں کا بڑا حلقہ موجود ہے (کہاں...... ہمیں بھی دکھائیں) میں اپنے مزاج کے مطابق کام کرتی ہوں مجھے جب تک اسکرپٹ میں اپنا کردار جاندار نظر نہیں آتا اس وقت تک فلم میں اداکاری کی حامی نہیں بھرتی۔ میڈیا سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فلم میری پہچان ہے میں نے کبھی بھی فلموں سے علیحدگی کے بارے میں سوچا بھی نہیں (لیکن آپ کو تو فلموں سے ہی الگ کر دیا ہے) جتنا بھی کام کروں گی وہ معیاری ہوگا۔

زخموں کے نشانات

چوٹ لگنے جھلس جانے یا کسی جلدی بیماری کے خاتمے کے بعد ان کے نشانات جسم کے متاثرہ حصوں پر بہت بدنما لگتے ہیں۔ تاہم پنسلوانیا یونیورسٹی کے ڈاکٹروں نے انکشاف کیا ہے کہ اب زخموں کے نشانات جسم پر نظر نہیں آئیں گے اور ایک مخصوص طریقے پر عمل کرنے سے یہ ایسے غائب ہوں گے گویا کبھی تھے ہی نہیں اس عمل سے سیزیرین آپریشن کرنے والی خواتین کے ساتھ ساتھ پلاسٹک سرجری کروانے والی خواتین کو بھی فائدہ ہوگا۔ اس طریقے کے تحت زخموں میں پائے جانے والے خلیات کو فیٹ سیلز میں تبدیل کردیا جائے گا۔ یہ عمل اس سے قبل انسانوں میں ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ یہ فیٹ سیلز یا خلیات جلد میں پائے جاتے ہیں تاہم یہ اس وقت غائب ہوجاتے ہیں جب زخم نشانات کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ مندمل ہوتے زخموں میں Myofibroblasts نامی خلیات موجود ہوتے ہیں جو زخموں کو نشانات میں تبدیل کرتے ہیں۔ فیٹ سیلز کے مقابلے میں ان مندمل کرنے والے خلیات میں بالوں کے فوسلز موجود نہیں ہوتے یوں یہ عام جلد کے مقابلے میں نسبتاً مختلف ہوتے ہیں ماہرین کی برسوں کی محنت اس نکتے کے گرد گھوم رہی تھی کہ کس طرح Myofibroblasts کو فیٹ سیلز میں تبدل کیا جائے تاکہ زخموں کے نشانات جسم پر باقی نہیں رہیں اور اسے کچھ عرصے قبل سائنسدان اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے جس کے مطابق اب زخموں کے مندمل ہونے کے بعد زخموں کے نشانات جسم پر باقی نہیں رہیں گے اس مقصد کے لئے سائنسدانوں نے اندمال یعنی زخم ٹھیک ہونے کے قدرتی طریقے کو اس طرح تبدیل کیا ہے کہ اب جلد کے نشانات نہیں ہوں گے اور جلد دوبارہ اپنی پرانی حالت پر واپس آجائے گی۔ پہلے بالوں کے فوسلز کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا پھر ان فوسلز سے ملنے والے سگنلز کے بعد فیٹ پیدا ہوکر جلد کو دوبارہ پہلے والی حالت میں لائے گا۔ اس اسٹڈی میں فیٹ اور بالوں کو الگ نشوونما پاتے دکھایا گیا ہے تاہم یہ اصل میں الگ الگ نہیں تھے بلکہ پہلے بالوں کے فوسلز ظاہر ہوئے لیب میں پتا لگایا گیا کہ Myofibroblasts کے مقام کو تبدیل کردیں۔ فیٹ نئے بالوں کے ساتھ پیدا نہیں رہا تھا اور ایک بار جب یہ تجربہ کامیاب ہوگیا تو نئے خلیات موجودہ خلیات سے علیحدہ نظر نہیں آئے یوں زخموں کے نشانات کے بجائے جلد پرانے انداز میں واپس آگئی۔

لینس کی حفاظت

آج کل کے زمانے میں مرد اور عورت دونوں کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ تب جاکر زندگی کی گاڑی چلتی ہے لیکن گھر کو چلانے کے سلسلے میں آج کی عورت کی ذمہ داریاں دگنی ہوگئی ہیں۔ اسے ایک طرف تو اپنے گھر کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ دفتری امور بھی نبھاتی رہتی ہیں۔

ایک گھریلو خاتون سے لیکر ایک کیریر وومن تک ایک ماں ایک بیوی اور ایک گھریلو عورت اور ان سب کو نبھانے کے چکر میں وہ یقینی طور پر تھک جاتی ہے۔

ایسی مصروفیات کے عالم میں اسے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ وہ اپنے لینز کی طرف دھیان دے۔

آج کل کونٹیکٹ لینز کا رواج بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا نہ دکھائی دینے والا علاج ہے۔ جو کام کرنے والی خواتین کی مدد کرتا ہے۔ یہ ان کی شخصیت کو بہتر بناکر ان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ یہ آپ کی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کا کام آسان ہوجاتا ہے۔

آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ لینز جہاں ایک طرف آپ کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں وہاں دوسری طرف یہ آپ پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کرتے ہیں۔

اور ان میں سب سے بڑی ذمہ داری ان کی دیکھ بھال اور صفائی ہے۔

آپ ایک خود اعتماد اور بہادر خاتون ہیں۔ آپ بیک وقت ماں بھی ہیں اور ایک بیوی بھی۔ اس کے علاوہ آپ پر دفتری ذمہ داریاں بھی ہیں۔

چلیے ہم آپ کو کونٹیکٹ لینز کے حوالے سے کچھ مفید

مشورے دیتے ہیں۔یہ مشورے نہ صرف آپ کے لینز کے لیے ہیں۔ بلکہ آپ کی آنکھوں کے لیے بھی ہیں۔نہاتے وقت پانی میں لیمن اور پیپر منٹ کے کچھ قطرے شامل کرلیں۔اس طرح آپ تازہ دم ہوجائیں گیں۔
دن میں ایک دفعہ اپنی تھکن اتارنے کے لیے آرام سے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائیں اور گہری لمبی سانسیں لیں۔آپ تھکان محسوس کریں تو یہ ورزش دن میں کئی بار کرسکتی ہیں۔
گندی ہوا سے نجات کے لیے ائیر فریشنر کا استعمال بہت ضروری ہے۔ چاہے وہ گھر ہوں یہ دفتر۔اس طرح آپ کو ہمہ وقت تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا رہے گا۔
گندم تازہ سبزیاں اور پھل وغیرہ کے استعمال سے آپ خودکو صحت مند رکھ سکتی ہیں؟ ایام کے دنوں میں آپ کے خون کی کافی مقدار ضائع ہوجاتی ہیں۔آپ اس کمی کو تازہ پھلوں کے ذریعے پورا کرسکتی ہیں۔جیسے خوبانی کیلئے انڈے اور دودھ دہی وغیرہ۔ چکنائی پیدا کرنے والی چیزوں کا استعمال بالکل ترک کردیں۔میٹھی چیزوں سے پرہیز کریں اور دن بھر میں خوب پانی پیا کریں۔تاکہ آپ کے جسم سے گندہ مواد خارج ہوسکے۔
رات کو گہری نیند بہت ضروری ہے۔
اگر آپ کو دوسرے دن بہت سے کام کرنے ہیں تو اس رات خوب سوئیں۔اگر الکحل کے عادی ہیں تو نہ لیں۔یا ایسی کوئی بھی چیز جو نقصان کا سبب بن سکتی ہیں۔اور گرم ہربل چائے پینے کی کوشش کریں۔
ایام کی بے قاعدگی کو کم کرنے کے لیے وٹامن بی کا میلپکس کا استعمال ضروری ہے۔
اب جب کہ اپنے ان شرائط کی پابندی کرلی ہے۔
اور باقاعدگی سے ان پر عمل کررہی ہیں۔
تو پھر آپ کی راہ میں کونٹیکٹ لینز کی طرف سے دھیان دینے میں کیا قباحت ہے۔
زیادہ تر خواتین سوفٹ لینز کا استعمال کیا کرتی ہیں۔
ان لینز کی طرف دھیان دینے کے آسان طریقے کچھ یوں ہیں۔
جب بھی اپنے لینز کو کیس سے باہر نکالیں۔تو ہر بار سولوشن بھی تبدیل کردیا کریں۔
جب بھی آپ لینز استعمال کریں تو اس بات کی یقین دہانی کرلیں۔کہ آپ کے ہاتھ چہرہ آنکھیں سب اچھی طرح صاف ہوں۔
جب آپ نے لینز لگا رکھا ہو اس وقت آپ فیشل کاسمٹیک کا آئی لائینر وغیرہ کا استعمال نہ کریں۔کیونکہ یہ آپ کے لینز کے ساتھ مل کر پرابلم پیدا کرسکتے ہیں۔آپ کسی ایک کمپنی کی معیاری پروڈکٹ کو ہی استعمال میں رکھیں۔اس کی بجائے کہ آپ روزانہ پروڈکٹ بدلتی رہیں۔
ماہرین چشم اس بات پر بہت زوردیا کرتے ہیں۔ایسا سولوشن منتخب کریں جو آپ کے لینز کو سوفٹ کرے۔
آپ آئی ڈراپس اس وقت استعمال کریں جب آپ کا ڈاکٹر آپ کو اجازت دے۔
اگر آپ کو لینز لگانے کے بعد ذرا سی الجھن اور بے چینی ہورہی ہو تو لینز نکال کر دوبارہ صاف کرلیں اور اسے پھر لگالیں۔اگر اس کے بعد بھی وہ کیفیت برقرار رہے تو لینز نکال لیں اور فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کریں۔
کانٹیکٹ لینز زیادہ دنوں تک نہیں چلتے۔ان کی گارنٹی صرف ایک سال کی ہوتی ہیں۔
اگر مدت پوری ہونے کے بعد بھی یہ آپ کو تکلیف نہیں دے رہے ہیں تو زیادہ کنجوسی نہ دکھائیں اور دوسرے لینز خرید لیں۔اگر آپ نے نئے لینسز میں پیسے خرچ کردیئے تو پھر کئی مہینوں تک سکون میں رہیں گی۔
ان احتیاطی تدابیر کے باوجود اگر آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہورہی ہے تو اپنی آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس ضرور جائیں۔تاکہ وہ آپ کی آنکھوں اور لینسز کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد آپ کی آنکھوں کے حوالے سے مفید مشورے دے سکے۔
آپ اپنے ڈاکٹر سے Lenses Disposable کے بارے میں دریافت کریں اور کاسمیٹک کلر لینس کے سلسلے میں بھی مشورہ لیں۔ جو آپ کی آنکھوں کی قدرتی رنگت کو بحال کرسکتا ہے۔
اگر آپ نے ہمارے بتائے ہوئے مشوروں پر عمل کیا تو آپ لینسز کے استعمال میں یقیناً خوشی اور آرام محسوس کریں گی۔